جلد سوم

ہادیِ عالم ﷺ کی سیرت سے ماخوذ، عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ دروس وعبر اور فوائد وثمرات

سیرت النبی ﷺ

دکتور علی محمد صلابی

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت رحم کرنے والا خوب مہربان ہے۔

مدحت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ
اور آپ کی ذاتِ اَقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اَقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

ہادی عالم ﷺ کی سیرت سے ماخوذ، عصرِ حاضر
کے تقاضوں سے ہم آہنگ دروس وعبر اور فوائد وثمرات
سیرت النبی ﷺ
3

© مكتبة دار السلام، ١٤٣٣ هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

الصلابي، علي محمد

سيرة النبوي صلى الله عليه وسلم / علي محمد الصلابي - الرياض، ١٤٣٣ هـ

ص: ٦٧٠ مقاس: ٢١×١٤ سم

ردمك: ٨-٠٩١-٠٠٠-٥٠٣-٦٠٣-٩٧٨ (مجموعة)

٩-٠٩٤-٠٠٠-٥٠٣-٦٠٣-٩٧٨ (ج ٣) (النص باللغة الاردية)

١. السيرة النبوية أ. العنوان

ديوي ٢٣٩ ١٤٣٣/٢٧٦٣

رقم الإيداع: ١٤٣٣/٢٧٦٣

ردمك: ٨-٠٩١-٠٠٠-٥٠٣-٦٠٣-٩٧٨ (مجموعة)

٩-٠٩٤-٠٠٠-٥٠٣-٦٠٣-٩٧٨ (ج ٣)

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

شاہ عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 4286641 1 00966 • [illegible] فون/فیکس: 2860422 1 00966

جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04

الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہیوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • [illegible] فون: 4186619 416 001

لندن • [illegible] فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • [illegible]: 7739309 0121 0044

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033

انڈیا • [illegible] فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • [illegible] فون: 4180 2373 22 0091

• [illegible] فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • [illegible] فون: 42157847 44 0091

سری لنکا • [illegible] فون: 358712 115 0094 • [illegible] فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36-لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 00 4 32 372 24,400 372 34,240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈاکس مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 13 815 22 51 0092

ہادیِ عالم ﷺ کی سیرت سے ماخوذ، عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ دروس و عبر اور فوائد و ثمرات

سیرت النبی ﷺ

تالیف:

دکتور علی محمد صلابی

مترجمین:

مولانا محمد یونس بٹ

مولانا محمد ادریس سلفی — مولانا محمد ندیم شہباز

اللهم صل على
محمد
وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم
وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد

فہرست (جلد سوم)

حصہ 13: غزوۂ اُحزاب 5ھ

حصہ 15: صلح حدیبیہ

حصہ 16: صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان کے اہم واقعات

حصہ: 17 | غزوۂ فتح مکہ 8ھ

حصہ: 19 | غزوۂ تبوک 9ھ

حصہ :20 حجۃ الوداع سے قبل تا وفاتِ نبوی

اجمالی فہرست ونقشہ جات

غزوهٔ احزاب 5 ھ

باب : 1 غزوے کی تاریخ اور اسباب و واقعات

باب : 2 مسلمانوں کی کڑی آزمائش

باب : 3 نصرت الٰہی کی آمد اور غزوہ احزاب کی قرآنی عکاسی

باب : 4 فوائد، اسباق اور حکمتیں

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝

"اور مومنوں نے جب لشکر دیکھے تو کہا:
یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا
اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس (چیز) نے
ان کے ایمان اور فرماں برداری کو اور زیادہ کر دیا۔"

(الاحزاب 33:22)

غزوے کی تاریخ اور اسباب و واقعات

غزوۂ احزاب کی تاریخ

جمہور مورخین اور سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ غزوۂ احزاب شوال 5 ھ میں پیش آیا۔[1] واقدی کے بقول یہ غزوہ بروز منگل 8 ذوالقعدہ 5 ہجری کو پیش آیا۔[2] ابن سعد کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور بروز بدھ ذوالقعدہ 5 ہجری میں احزاب کو شکست دے دی۔''[3] جبکہ امام زہری، مالک بن انس اور موسیٰ بن عقبہ سے منقول ہے کہ غزوۂ احزاب 4 ھ میں واقع ہوا تھا۔[4]

علماء کا خیال ہے کہ غزوۂ احزاب 4 ھ میں ہونے کے قائل حضرات ہجرت کے بعد والے محرم سے تاریخ کا تعین کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے ربیع الاول تک آنے والے مہینوں کو شمار نہیں کرتے۔[5]

ابن حزم نے زور دے کر کہا ہے کہ یہ غزوہ 4 ھ ہی میں پیش آیا تھا۔[6] کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں احد کے دن جنگ سے واپس کر دیا تھا اور (اگلے سال خندق کے موقع پر شرکت کی اجازت دی) اور یاد رہے! جنگ احد بالاتفاق 3 ھ میں

1 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 443. 2 المغازي للواقدي: 440/2، بلا سند ہے۔ 3 الطبقات لابن سعد: 65/2 و73، متصل سند سے ذکر کیا ہے۔ 4 البداية والنهاية: 105/4. 5 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 443. 6 سبل الهدىٰ والرشاد للصالحي: 106/9، وجوامع السير لابن حزم، ص: 185.

ہوئی تھی۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت 14 برس کے تھے۔ [1]

لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ [2] اور ابن حجر رحمہ اللہ [3] نے اس کے بارے میں یوں وضاحت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اُحد کے دن اپنی عمر کے چودھویں سال کی ابتدا اور خندق کے دن پندرھویں سال کے آخر میں تھے اور یہی بات جمہور کی رائے کے موافق ہے۔ [4]

میرے نزدیک بھی جمہور کی رائے راجح ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ بھی اس کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''دونوں اقوال میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ غزوۂ خندق شوال 5 ہجری میں پیش آیا۔ جنگ احد بلا اختلاف شوال 3 ہجری میں واقع ہوئی تھی۔ اس موقع پر مشرکین نے آئندہ سال جنگ کی دھمکی دی تھی، تاہم انھوں نے خشک سالی کی بنا پر وعدے کی خلاف ورزی کی اور واپس چلے گئے۔ 5 ہجری میں پھر مسلمانوں سے جنگ کرنے آ گئے۔'' [5]

غزوۂ احزاب کے اسباب

بنونضیر مدینہ منورہ سے جلا وطن ہو کر خیبر چلے گئے۔ مسلمانوں کے خلاف کینہ وبغض ان کے دلوں میں باقی رہا۔ خیبر میں پاؤں جماتے ہی مسلمانوں سے انتقام کی تدبیریں سوچنے لگے۔ بالآخر ان کا اس پر اتفاق ہوا کہ مختلف عربی قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا جائے۔ شیطانی چال کو عملی شکل دینے کے لیے سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، ہوذہ بن قیس اور ابو عمار کا ایک گروہ تشکیل دیا گیا۔ [6]

یہ وفد سفارت کاری میں بہت حد تک کامیاب ہوا۔ قریش جنھیں مسلمانوں کی طرف سے اقتصادی گھیراؤ کا خدشہ تھا، ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ مدینہ کے غلے پر

---

1 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص:444. 2 دلائل النبوة للبيهقي:296/2. 3 فتح الباري لابن حجر:396/3. 4 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص:444. 5 زاد المعاد: 288/2. 6 السيرة النبوية لابن هشام:237/3.

قابض ہونے اور لوٹ مار کے لالچ میں غطفان نے بھی ہاں میں ہاں ملالی اور دیگر قبائل بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔

یہودی وفد نے مشرکین مکہ سے کہا: ''تمھارا دین محمد کے دین سے بہتر ہے اور تم ان کی بہ نسبت حق کے زیادہ قریب ہو۔''[1] اس کے متعلق قرآن پاک کا کہنا ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ○﴾

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا، (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت والے ہیں؟ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے تو اس کے لیے آپ قطعاً کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔''[2]

پروفیسر ولفنسون اسی گفتگو کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے یہود کی اس فاش غلطی کا تذکرہ کرتا ہے۔ اس نے لکھا: ''یہود نے بت پرست قریشی مذہب کو اس اسلام سے افضل سمجھا جو ایک معبود کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔'' اس نے مزید لکھا: ''ایک خدا پر ایمان لانے والے یہود اور مومنین کو اس بات کا زیادہ دکھ ہے کہ یہودِ خیبر نے اسلامی شریعت کے حامل دین پر قریش کے مذہب کو ترجیح دی تھی۔''[3]

قریش نے اپنے مذہب کی تعریف پر خوشی کا اظہار کیا۔ وہ یہود کی طرف داری اور حمایت میں ایک قدم اور آگے بڑھ گئے۔ ان کا مسلمانوں سے جنگ کا ارادہ مزید پختہ

[1] التاريخ السياسي والعسكري للدكتور علي معطي، ص: 310. [2] النسآء 4:51,52. [3] تاريخ اليهود في بلاد العرب لولفنسون، ص: 142.

ہوا۔ انھوں نے یہود کی حمایت اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے پیش بندی کے طور پر ان سے شراکت کا برسرعام اعلان کر دیا اور وعدہ بھی دے دیا۔[1]

یہودی وفد نے غطفان کے سرکردہ لوگوں سے مسلمانوں کے خلاف یہودی عربی معاہدے کی توثیق کر دی۔ معاہدے کی اہم شقیں حسب ذیل ہیں:

(ا) متحدہ لشکر میں غطفان کے چھ ہزار جنگجو شامل ہوں گے۔

(ب) یہود تعاون کے صلے میں خیبر کی ایک سال کی کھجوریں غطفانی قبائل کو دیں گے۔[2]

یہودی وفد دس ہزار جنگجو اپنے ساتھ مدینہ لانے میں کامیاب ہو گئے۔ چار ہزار قریشی اور ان کے حلیف، چھ ہزار غطفانی اور ان کے حلیف۔ لوگوں کے اس ہولناک ہجوم نے مدینہ منورہ کے قریب آ ڈیرہ لگایا۔

مسلمانوں کی ان لشکروں کے متعلق باخبری

حکومت اسلامیہ کا نظام امن و امان دشمن کی حرکات و سکنات سے مکمل طور پر باخبر تھا۔ وہ احزاب کی خبروں اور آنے جانے والے راستوں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ یہودی وفد کے خیبر سے مکہ جانے پر بھی ان کی نظر تھی۔ انھیں یہود و قریش اور پھر یہود و غطفان میں طے پانے والے معاہدے کا بخوبی علم تھا۔ دشمن کے متعلق ان معلومات کی فراہمی پر ہی رسول اللہ ﷺ نے جنگی دفاع کے لوازم مہیا کیے اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے جنگی قائدین کا ہنگامی اجلاس طلب کیا۔ اجلاس میں یہود کی چال کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال پر بحث ہوئی۔[3]

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے احزاب کو روکنے کے لیے خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ آپ ﷺ نے اسے بہت سراہا۔

---

1 تاریخ الیھود فی بلاد العرب لولفنسون، ص: 310. 2 غزوۃ الأحزاب لمحمد أحمد باشمیل، ص: 141. 3 غزوۃ الأحزاب لمحمد أحمد باشمیل، ص: 145،144.

واقدی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! فارس میں جب ہمیں دشمن کے حملے کا خطرہ ہوتا تو ہم علاقے کے اردگرد خندق کھود لیتے تھے۔'' مسلمانوں کو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے بڑی پسند آئی۔[1]

جب مشورے کے بعد یہ طے پا گیا کہ خندق کھودی جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ہمراہ جگہ کی نشاندہی کے لیے تشریف لے گئے۔

واقدی کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے۔ چند مہاجرین وانصار آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ کو یہ بات بڑی پسند آئی کہ سلع پہاڑ کو اپنے پیچھے رکھیں اور مذاد سے ذباب اور وہاں سے راتج تک خندق کھودیں۔ سلع کو بطور دفاع اور تحفظ اختیار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کی پشت بالکل محفوظ کر لی۔[2]

خندق کے لیے اس جگہ کا انتخاب بڑا اچھا ثابت ہوا۔ کیونکہ مدینہ منورہ کا شمال دشمن کے لیے کھلا رستہ تھا جس سے وہ بآسانی مدینہ منورہ میں داخل ہوسکتا تھا۔ دیگر اطراف محفوظ اور ناقابل دخول تھیں۔ ان اطراف سے دشمن کے درآنے میں خاصی رکاوٹیں موجود تھیں۔ جنوب کی جانب ملے ہوئے مسلسل گھروں کا سلسلہ محفوظ دیوار کی شکل اختیار کیے ہوئے تھا، جبکہ مشرقی جانب حرۂ واقم اور حرۂ وبرہ قدرتی قلعہ کی صورت اختیار کیے ہوئے تھے۔ جنوب مشرق میں بنوقریظہ کے ٹیلے مسلمانوں کی پشت محفوظ رکھنے کے لیے کافی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنوقریظہ کے درمیان معاہدہ تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمن کا ساتھ نہیں دیں گے۔ اور نہ انھیں مدد فراہم کریں گے۔[3]

1 المغازي للواقدي:444/2، والطبقات الكبرى لابن سعد:6/2. 2 ذباب: مدینہ کی ایک چھوٹی گھاٹی کا نام ہے۔ اس کے اور سلع پہاڑ کے درمیان ثنیۃ الوداع واقع ہے۔ راتج: مدینہ منورہ میں یہود کا ایک قلعہ تھا۔ سلع: مدینہ کے مشہور پہاڑ کا نام ہے۔ معجم البلدان:236/3. 3 العبقرية العسكرية في غزوات الرسول ﷺ لمحمد فرج، ص:442.

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لشکر کے قیام کے لیے مناسب مقام کے انتخاب سے لشکر کے لیے قیام گاہ کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔ اور یہ بھی کہ اس کے لیے بنیادی شرط یعنی لشکر کی مکمل حفاظت کا پایا جانا نہایت ضروری ہے۔ یہ امر جنگ اور اس کے نتائج پر واضح طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔[1]

خندق کی منصوبہ بندی نیا اقدام تھا۔ خندق کی کھدائی ایسی جنگی چال تھی جو عرب کے ہاں غیر معروف تھی۔ گویا عرب اور اسلام کی تاریخ میں رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار خندق کا (ہتھیار) استعمال کیا۔ خندق کا معاملہ دشمنانِ اسلام کے لیے بڑا پریشان کن معاملہ تھا۔ اس نے ان کے طے شدہ پروگرام کو خاک میں ملا دیا۔ اس انوکھی تدبیر کی کامیابی میں مسلمانوں کی غیر معمولی چستی اور راز داری نے بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔ احزاب کو نفسیاتی طور پر ناکارہ کرنے اور ان کی قوت منتشر کرنے میں اس نئی پیش بندی اور جدید اسلوب جنگ کا بڑا ہاتھ تھا۔

نبی اکرم ﷺ کی طرف سے اندرونی محاذ جنگ کا اہتمام

① رسول اللہ ﷺ کو جب لشکروں کی آمد کا علم ہوا اور آپ ﷺ نے خندق کی طرف پیش قدمی کا ارادہ فرمایا تو مسلمانوں کے بچوں اور عورتوں کو بنو حارثہ کے قلعے میں محفوظ کیا تاکہ وہ دشمن کے حملے سے محفوظ رہیں۔ ایسا اس لیے کیا گیا تھا کہ بچوں اور عورتوں کا محفوظ ہونا جنگجوؤں پر مثبت نفسیاتی اثر ڈالتا ہے۔ فوجی بیوی بچوں کے متعلق مطمئن ہو تو اس کے اعصاب پرسکون رہتے ہیں۔ تب معمولات زندگی کا کوئی بھی معاملہ اس کی سوچ کو منتشر نہیں کرسکتا۔ وہ جنگ میں نئی سے نئی تدابیر اختیار کرنے کے سلسلے میں تمام ذہنی توانائیاں صرف کر دے گا لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو فوجی کا ذہن منتشر ہوگا اور اس پر

1 القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ، ص: 426.

خندق کی وسعت
لمبائی: 5544 میٹر
اوسط چوڑائی: 4،62 میٹر
اوسط گہرائی: 3،234 میٹر
ملاحظہ کیجیے خندق کی مٹی نے مدینہ کی جانب ایک بلند دیوار سی بنادی تھی
کفار کے احزاب (گروہوں) کا حملہ
مجمع الاسیال
(برساتی نالوں کا سنگم)
اُحد پہاڑ
فزارہ
سُلیم
کنانہ
اَشجع
غطفان
قریش
بنواسد
بنومُرّہ
خندق
حرۂ وبرہ
(مغربی سنگلاخ زمین)
آتشی چٹانیں
حرۂ واقم
(مشرقی سنگلاخ زمین)
آتشی چٹانیں
بنوحارثہ
مزاد
بنوعبدالاشہل
اورزعوراء
عبیت
بنوظفر
مدینہ
ثنیۃ الوداع
جبل سلع
مسلمانوں کا پڑاؤ
مسجد نبوی
بنوحارث بن خزرج
السُّنح
مسجد الفتح
بنونجار
البقیع
غزوۂ خندق
(غزوۂ احزاب)(شوال 5ھ)
﴿وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ﴾
"اور جب پھر گئی تھیں آنکھیں اور پہنچ گئے تھے دل گلوں تک۔"
(الأحزاب 10:33)

پریشانی سوار رہے گی۔ نتیجے کے طور پر جنگ سے روگرداں ہوگا اور اس کی وجہ سے تمام لوگوں کو مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔[1]

② اندرونی محاذ جنگ کی قوت اور مضبوطی کا سبب یہ بھی بنا کہ رسول اللہ ﷺ مشقت برداشت کرنے میں لشکر کے ساتھ بنفس نفیس شریک رہے۔ خندق کی کھدائی کے تھکا دینے والے کام میں آپ ﷺ بھی صحابہ کے دوش بدوش موجود تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے خندق کی کھدائی کا کام کیا۔

ابو اسحاق کا بیان ہے کہ میں نے براء سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی کے دوران میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ خندق کی مٹی خود منتقل فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کے جسم اطہر پر بہت بال تھے، بطن مبارک کی جلد مٹی (لگنے) کی وجہ سے نظر نہیں آرہی تھی۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے بڑی بلند حوصلگی سے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر کام کیا۔ اکتاہٹ اور تھکاوٹ نام کی بھی نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کے لیے ایسا نمونہ پیش کیا کہ انھوں نے خندق کی کھدائی میں کامیابی کے لیے حتی المقدور طاقت صرف کردی۔

③ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک تھے بلکہ بڑے بڑے مصائب کو آگے بڑھ کر خود گلے لگاتے تھے۔ جنگ احزاب ہی میں ہم آپ ﷺ کو دوسروں کی طرح بلکہ دوسروں سے بڑھ کر بھوک کی تکلیف اٹھاتے دیکھتے ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بھوک کی شدت سے آپ ﷺ نے پیٹ پر پتھر باندھ لیا تھا۔[3]

اسی طرح آپ ﷺ ان کے سکھ میں بھی برابر کے شریک رہے۔ تین دن کی مسلسل

---

[1] غزوة الأحزاب لأبي فارس، ص: 98. [2] صحيح البخاري، حديث: 4106، وصحيح مسلم، حديث: 1803. [3] صحيح البخاري، حديث: 4101، وغزوة الأحزاب لأبي فارس، ص: 117,116.

بھوک کے بعد ''قوت لایموت'' میسر آئی تو خود کو ساتھیوں پر ترجیح نہ دی۔ اس واقعے کا بیان آگے فوائد میں آئے گا۔

لشکر کے حوصلے بلند رکھنا اور انھیں خوشی کا موقع فراہم کرنا

خندق کی کھدائی کے دوران بڑی بڑی مشکلات سامنے آئیں، مثلاً: موسم انتہائی سرد تھا۔ بہت تیز ہوا چلتی تھی۔ تنگ دستی کے ساتھ ساتھ متوقع دشمن کی آمد کا ہر لحظہ خوف اور کھدائی کا تکلیف دہ مرحلہ جس میں صحابہ ہاتھوں سے مٹی کھودتے اور پشت پر ڈھوتے تھے۔ حالات و واقعات بلاشبہ انتہائی محتاط، سنجیدگی اور محنت کے متقاضی تھے۔ ایسے حالات میں رسول اللہ ﷺ یہ بات ہرگز نہ بھول پائے کہ یہ لوگ بھی آخر دوسرے لوگوں کی طرح انسان ہی ہیں۔ انھیں بھی کام کی مشقت کے بعد سکون کی ضرورت ہے۔ انھیں انتہائی کوفت کے حالات میں ایسی خوش کن باتوں کی ضرورت ہے جو ان کے دکھ درد کو کچھ وقت کے لیے بھلوا دیں، چنانچہ ہم رسول اللہ ﷺ کو مٹی اٹھاتے وقت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ان رجزیہ اشعار کو دہراتے ہوئے دیکھتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَّاقَيْنَا
إِنَّ الْأُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا
وَإِنْ أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

''تو ہدایت گر نہ کرتا تو کہاں ملتی نجات

کیسے پڑھتے ہم نمازیں کیسے دیتے ہم زکاۃ
اب اتار ہم پہ تسلی اے شہ عالی صفات!
پاؤں جما دے ہمارے لڑائی میں دے ثبات
بے سبب ہم پر یہ دشمن ظلم سے چڑھ آئے ہیں
جب وہ بہکائیں ہمیں سنتے نہیں ہم ان کی بات

اور آخری شعر پکار کر ذرا لمبا کر کے پڑھتے''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی خندق کے دن یوں کہتے:

نَحْنُ الَّذِینَ بَایَعُوا مُحَمَّدًا
عَلَی الْإِسْلَامِ مَا بَقِینَا أَبَدًا

''ہم تو پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر چکے کہ جب تک جان میں جان ہے اسلام پر ثابت قدم رہیں گے۔''

یا ''اسلام'' کی جگہ ''جہاد'' کہتے۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے:

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ إِلَّا عَیْشُ الْآخِرَہ
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَہ

''اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، بخش دے انصار اور مہاجرین کو۔''[2]

صحابہ کرام جن مشکل حالات سے گزر رہے تھے ایسا انبساط اور اچھا سلوک ان کے لیے بڑی حد تک غم غلط کرنے کا باعث بن رہا تھا۔ ہمت افزائی کے سلسلے میں بھی یہ طرزِ عمل بڑا معاون ثابت ہو رہا تھا۔[3]

[1] صحیح البخاري، حدیث: 4106. [2] صحیح البخاري، حدیث: 2834، وصحیح مسلم، حدیث: 1805. [3] القیادة العسکریة في عهد الرسول ﷺ للدکتور محمد الرشید، ص:482.

لشکر کی ضروریات کا خیال رکھنا اور بوقت ضرورت اجازت دینا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ادب کرتے تھے، چنانچہ جب کوئی ضرورت پیش آتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرتے اور ضرورت پوری ہونے پر کام میں مصروف ہو جاتے۔ یہ کام وہ اللہ کی خاطر کر رہے تھے اور اس میں ان کی نیک نیتی، خوش خصالی اور نیکی کی رغبت کارفرما تھی۔ انھی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

”بس مومن تو صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام پر ہوتے ہیں تو آپ سے اجازت لیے بغیر (وہاں سے) چلے نہیں جاتے، (اے نبی!) بلاشبہ جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، چنانچہ جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“[1]

آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اے نبی! جب آپ سے وہ لوگ اجازت طلب کریں جو پیش آمدہ ضروریات کے سلسلے میں آپ سے اجازت لیے بغیر نہیں جاتے تو ان میں سے جسے چاہیں اجازت دے دیں تاکہ وہ اپنی ضرورت پوری کر لے۔ اس کے ساتھ ان کے لیے دعائے مغفرت بھی کریں۔[2]

1 النور62:24. 2 صفوۃ التفاسیر للصابوني:351/2.

یوں رسول اللہ ﷺ کو یہ اختیار تھا کہ اجازت طلب کرنے والے کو واقعی ضرورت ہو تو اجازت دے دیں، جبکہ اجازت دینے کی وجہ سے جماعت کو نقصان کا اندیشہ نہ ہو، چنانچہ آپ حالات اور مصلحت کے تقاضے سے اجازت دیتے اور کبھی اجازت نہ دیتے۔[1]

پہرے کے لیے باری مقرر کرنا

نبی مکرم ﷺ نے حفاظت کے پیش نظر اور خندق کو پار کرنے کا ارادہ رکھنے والوں کا مقابلہ کرنے کے لیے صحابہ کرام کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ مسلمان خندق کی نگرانی کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب پیغمبر کی حفاظت کی ذمہ داری بھی نبھا رہے تھے۔ انھوں نے مشرکین کے حملے کو روکے رکھا۔ وہ پوری تیاری سے ڈٹے ہوئے تھے۔ ایک روز طلوع فجر سے آدھی رات تک پوری طرح چوکس رہے۔ اسی دوران میں ان کی چار نمازیں قضا ہو جاتی ہیں۔ جنگ کے دوران میں لمحہ بھر کی فرصت نہ ہونے کی صورت میں ان نمازوں کی قضا ادا کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ عکرمہ بن ابی جہل کی خندق پار کرنے کی کوشش ناکام بنائی اور قریش کے پہلوان کے سامنے آکر اسے قتل کر دیا۔[2]

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں انصار کی ایک جماعت ہر رات رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور تھی۔ آپ ﷺ بذاتِ خود قائد اعلیٰ اور میدان جنگ کے بلاواسطہ نگران تھے۔ خود ہی لائحہ عمل بناتے اور اسے بروئے کار لانے کی نگرانی بھی فرماتے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

- مشورہ طے پانے کے بعد آپ ﷺ نے خود خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اس کے لیے مناسب جگہ کا انتخاب کیا۔ یہ مدینہ منورہ کے شمال کا میدانی علاقہ تھا۔ مدینہ میں داخلے کا صرف یہ کھلا راستہ تھا۔

[1] أحكام القرآن لابن العربي: 3/1410. [2] فقه السيرة للدكتور الغضبان، ص: 504.

* صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خندق کی کھدائی کا کام تقسیم فرمایا۔ دس دس افراد کو چالیس چالیس ہاتھ جگہ کھودنے کے لیے دی۔
* کام کی نگرانی کی۔ کوئی آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر وہاں سے نہیں جاسکتا تھا۔
* خندق کے پاس رہنے کی ذمہ داریاں بھی خود لگائیں۔ اس کا ایسا بندوبست فرمایا کہ خندق کی بالشت بھر جگہ بھی رات دن نگرانی میں تھی۔
* تمام معاملات کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں رکھنے پر آپ پوری طرح قادر رہے۔ جب مدینہ منورہ کے اردگرد خطرے کی گھنٹیاں بج اٹھیں اور احزاب کی یلغار ہوئی تو اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو انتہائی کٹھن حالات سے بڑے احسن انداز سے نکال لیا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں تمام مسلمان یکجا ہو چکے تھے۔ انھی اسباب کی بنا پر جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور انھیں زبردست کامیابی ملی۔

1 القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص: 11.

باب 2

مسلمانوں کی کڑی آزمائش

مسلمانوں نے داخلی محاذ جنگ پر امن و امان برقرار رکھنے کے لیے حتی الامکان احتیاط برتی تھی۔ انھوں نے اسلام اور مدینہ کے دفاع کی بھرپور کوشش کی تھی مگر یہ اللہ تعالیٰ کا ازلی قانون ہے کہ فتح ہمیشہ امتحان اور آزمائش کے بعد ہی ملتی ہے۔ فتح جس قدر قریب ہو آزمائش میں اسی قدر شدت آجاتی ہے۔ جنگ خندق کے موقع پر مسلمانوں کو کڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔

بنو قریظہ کی بد عہدی

مسلمانوں کو مدینہ منورہ کے جنوب میں آباد یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی بد عہدی کا خدشہ تھا۔ بنو قریظہ کی طرف سے بد عہدی کی صورت میں مسلمانوں کو دوہری آگ میں جلنا پڑتا۔ پچھلی جانب سے یہود اور احزاب (عربی قبائل کی خوفناک تعداد) کا خطرہ تھا۔ آگے کی طرف بنو قریظہ تھے۔ آخر کار بنو نضیر کے سرغنہ نے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو مسلمانوں کے خلاف احزاب کا ساتھ دینے پر آمادہ کر لیا۔

مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی یہی خدشہ تھا کہ یہود بنو قریظہ معاہدہ توڑ دیں گے۔ یہودیوں کے ہاں ایفائے عہد کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو جو کٹھن مہمات سر کرنے کے عادی اور بہادر آدمی تھے، ان کے متعلق معلومات لانے کو بھیجا۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ گئے،

حالات کا جائزہ لیا اور واپس آ گئے۔ عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! وہ قلعوں اور راستوں کی مرمت کر رہے ہیں۔ انھوں نے مویشی بھی ایک جگہ جمع کر لیے ہیں۔[1]

بنو قریظہ کی عہد شکنی کے شواہد ملنے پر رسول اللہ ﷺ نے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن رواحہ اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور فرمایا:

«اِنْطَلِقُوا حَتّٰی تَنْظُرُوا أَحَقٌّ مَّا بَلَغَنَا عَنْ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ أَمْ لَا؟ فَإِنْ كَانَ حَقًّا فَالْحِنُوا لِي لَحْنًا أَعْرِفُهُ وَلَا تَفُتُّوا فِي أَعْضَادِ النَّاسِ وَإِنْ كَانُوا عَلَى الْوَفَاءِ فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَاجْهَرُوا بِهِ لِلنَّاسِ»

''جا کر دیکھو کہ ان لوگوں کے متعلق ہمیں جو خبر ملی ہے، صحیح ہے کہ نہیں۔ اگر صحیح ہے تو صرف اشارے سے بتانا جسے میں ہی سمجھوں۔ سب کے سامنے بتا کر لوگوں کے حوصلے پست نہ کرنا۔ ہاں اگر وہ عہد کی پاسداری کرتے ہیں تو اسے برملا بیان کر دینا۔''[2]

چاروں حضرات بنو قریظہ کی طرف گئے اور دیکھا کہ وہ واقعی وعدہ توڑ چکے ہیں۔ یہ لوگ واپس آئے اور سلام عرض کرنے کے بعد اشارتاً کہا: «عَضَلٌ وَّالْقَارَةُ» یعنی جس طرح قبیلہ عضل اور قارہ نے عہد شکنی کی تھی اس طرح یہ بھی غداری پر اتر آئے ہیں۔ آپ ﷺ ان کا مطلب سمجھ گئے۔[3]

نبی مکرم ﷺ نے بنو قریظہ کی بدعہدی پر بڑی ثابت قدمی اور احتیاط سے کام لیا۔ آپ ﷺ نے ہر وہ ذریعہ اپنایا جو مسلمانوں کے حوصلوں کو بلند اور سرکشوں کے محاذ کو کمزور کر سکے۔ آپ ﷺ نے اسی وقت حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کو دو سو اور حضرت زید بن

---

1 المغازي للواقدي: 457/2، اس حدیث کا ابتدائی حصہ صحیح بخاری: 4113، میں بھی ہے۔ 2 السيرة النبوية لابن هشام: 232/3، ودلائل النبوة للبيهقي: 429/3، والسيرة النبوية لابن كثير: 199/3.
3 البداية والنهاية: 95/4.

حارثہ رضی اللہ عنہما کو تین سو مجاہدین کے ہمراہ مدینہ کے پہرے پر مامور کیا اور انھیں بآواز بلند تکبیر کے نعرے لگانے کا حکم دیا تاکہ بنوقریظہ مرعوب ہوں۔ بنوقریظہ دشمن کا ساتھ دینے کو تیار ہو گئے اور اسے بیس اونٹ، کھجور، جو اور انجیر بطور امداد روانہ کیے۔ یہ اونٹ مع سازوسامان مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے جو انھیں ہانک کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ [1]

سخت محاصرہ

احزاب کو بنوقریظہ کا ساتھ ملا تو ان کا محاصرہ اور سخت ہو گیا۔ مسلمانوں کی مشکلات میں اضافہ ہوا اور حالات نے گھمبیر صورت اختیار کر لی۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو پہنچنے والی تنگی اور دل گرفتگی کا تذکرہ کیا ہے۔ مسلمان جس گھبراہٹ اور بے چینی کا شکار تھے قرآن مجید نے اس کی بڑی سچی تصویر کشی کی ہے۔ فرمایا:

﴿ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ○ ﴾

”جب دشمن تم پر تمھارے اوپر (کی طرف) سے اور تمھارے نیچے (کی طرف) سے چڑھ آئے اور جب آنکھیں (خوف و ہراس کی وجہ سے اصل جگہ سے) ہٹ گئیں اور کلیجے حلقوں کو پہنچ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ وہاں مومن آزمائے گئے اور شدت سے ہلا مارے گئے۔“ [2]

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسا تھا جسے قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ○ ﴾

”اور مومنوں نے جب لشکر دیکھے تو کہا: یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول

[1] السيرة الحلبية:2/323. [2] الأحزاب 33:10,11.

نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس (چیز) نے ان کے ایمان اور فرماں برداری کو اور زیادہ کر دیا۔''[1]

رہے منافق تو وہ اسلامی لشکر سے کھسک گئے اور مزید خوف میں مبتلا ہو گئے۔ معتب بن قشیر جس کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا، اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ محمد (ﷺ) تو ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے پائیں گے مگر ہماری حالت تو یہ ہے کہ کوئی شخص اطمینان سے قضائے حاجت کے لیے بھی نہیں جا سکتا۔ کئی افراد نے واپس گھروں کو جانے کی اجازت چاہی کہ ان کے گھر محفوظ نہیں ہیں۔ ان کا یہ کردار سراسر بزدلی پر مبنی تھا جو اندرونی اضطراب اور مسلمانوں کو دشمن کے حوالے کرنے کی غمازی کرتا تھا۔ چند ضعیف روایات میں ان کے مذاق کرنے، اندر سے خوف میں مبتلا ہونے اور مسلمانوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دینے کا ذکر بھی ہے۔[2]

قرآن کریم نے ان حالات کی بے مثال عکاسی کی ہے۔[3] ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يَٰٓأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَٱرْجِعُوا۟ ۚ وَيَسْتَـْٔذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ ٱلنَّبِىَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِىَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ○ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا۟ ٱلْفِتْنَةَ لَءَاتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا۟ بِهَآ إِلَّا يَسِيرًا ○ وَلَقَدْ كَانُوا۟ عَٰهَدُوا۟ ٱللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ ٱلْأَدْبَٰرَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ ٱللَّهِ مَسْـُٔولًا ○ قُل لَّن يَنفَعَكُمُ ٱلْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ ٱلْمَوْتِ أَوِ ٱلْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○ قُلْ مَن ذَا ٱلَّذِى يَعْصِمُكُم مِّنَ ٱللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوٓءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ○ قَدْ يَعْلَمُ ٱللَّهُ ٱلْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ وَٱلْقَآئِلِينَ لِإِخْوَٰنِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ ٱلْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ○ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَآءَ ٱلْخَوْفُ

[1] الأحزاب 33:22. [2] المعجم الكبير للطبراني: 376/11، ومجمع الزوائد: 131/6. [3] السيرة النبوية الصحيحة: 424/2.

رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰٓىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَاۗىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ○﴾

''اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے اہل یثرب! (آج) تمھارے لیے (لشکر کے ساتھ) کوئی قیام گاہ نہیں، لہٰذا تم لوٹ چلو اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگ رہا تھا، وہ کہتے تھے: بے شک ہمارے گھر کھلے پڑے (غیر محفوظ) ہیں، حالانکہ وہ کھلے (غیر محفوظ) نہیں تھے، وہ تو صرف (جنگ سے) فرار چاہتے تھے۔ اور اگر اس (مدینہ) کے اطراف سے ان پر (کفار کے) لشکر داخل کیے جاتے، پھر اِن سے فتنہ وفساد (خانہ جنگی یا شرک) کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ (فوراً) اس میں کود پڑتے اور اس (شرکتِ فتنہ) میں بس تھوڑا ہی توقف کرتے۔ اور بلاشبہ اس سے پہلے انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے عہد کی پوچھ گچھ تو ہونی ہے۔ آپ کہہ دیجیے: اگر تم موت سے یا قتل ہونے سے بھاگو تو تمھارا بھاگنا تمھیں ہرگز نفع نہیں دے گا اور تب تم بہت کم فائدہ اٹھاؤ گے۔ کہہ دیجیے: کون ہے جو تمھیں اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمھارے ساتھ کسی سختی کا ارادہ کرے یا وہ تم پر رحمت کا ارادہ کرے؟ اور وہ اللہ کے سوا اپنے لیے نہ کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ بے شک اللہ انھیں جانتا ہے جو تم میں سے (جہاد میں) رکاوٹیں ڈالنے والے ہیں اور انھیں بھی جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں: ہمارے پاس آجاؤ اور وہ جنگ میں کم ہی آتے ہیں۔ اس حال میں کہ وہ تمھارا ساتھ دینے میں سخت بخیل ہیں، چنانچہ جب خوف (کا وقت) آئے تو آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں، ان کی

آنکھیں (اس طرح) گھومتی ہیں جیسے وہ شخص جس پر موت کی غشی طاری ہو، پھر جب خطرہ دور ہوجائے تو مال (غنیمت) کے انتہائی حریص بن کر تیز زبانوں کے ساتھ تمھارے بارے میں زبان درازی کرنے لگتے ہیں، یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں، لہٰذا اللہ نے ان کے اعمال ضائع کردیے اور یہ اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ (ابھی تک) لشکر گئے نہیں اور اگر یہ لشکر چڑھ آئیں تو وہ تمنا کرتے ہیں کاش! وہ صحرانشین دیہاتیوں میں جا بسے ہوتے اور (وہاں) تمھاری خبریں دریافت کیا کرتے اور اگر وہ تم میں موجود ہوتے تو وہ (دشمن سے) لڑائی میں کم ہی حصہ لیتے۔''[1]

ان آیات نے نفاق اور اس کے اثر سے دلوں میں پیدا ہونے والے ہیجان وقلق، بزدلی اور مشکلات کی گرانی کے وقت اللہ تعالیٰ پر عدم اعتماد کا تذکرہ کیا ہے۔ آزمائش کے وقت اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے کے بجائے بدزبانی کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرنے لگتے ہیں کہ میدان عمل سے واپسی کی رخصت دی جائے۔ بودے دلائل کے سہارے جنگ سے فرار چاہتے ہیں۔ کہتے کہ ان کے گھر دشمن سے محفوظ نہیں جبکہ بات صرف اتنی ہے کہ خوف و ہراس اور کمزور ایمان کی وجہ سے راہ فرار چاہتے ہیں۔ دیگر افراد کو بھی یہی موقف اختیار کرنے اور گھروں کو واپس چلے جانے پر آمادہ کرتے ہیں۔ وہ ایسا کرتے ہوئے ایمان و اسلام کے عہد کا بھی پاس نہیں کرتے۔[2]

ادھر خندق عبور کرنے کے لیے مشرکین کی کوششیں بڑھ گئیں، ان کے گھڑ سوار دستے بھاری نفری کے ساتھ رات بھر خندق کے آس پاس پھرنے لگے۔ خالد بن ولید نے چند شاہسواروں کے ساتھ خندق کی تنگ جگہ سے مسلمانوں پر اچانک حملے کا ارادہ کیا مگر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ دو سو صحابہ کے ہمراہ ان کی حرکتوں پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ دشمن

[1] الأحزاب 33:13-20. [2] السيرة النبوية الصحيحة للعمري: 2/425.

کے ساتھ نوک جھونک ہوئی اور اس دوران وحشی (قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ) کی برچھی سے حضرت طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔[1]

مشرکین کی جانب سے حبان بن عرقہ نے موقع پا کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے تیر مارا جو ان کے بازو پر لگا اور ان کی رگِ اکحل کٹ گئی۔ اس نے تیر برساتے ہوئے کہا: ''اسے ابن عرقہ کی طرف سے وصول کر۔'' تیر لگنے پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے دعا کی:

''اے اللہ! اگر قریش سے مزید جنگ ہے تو تو مجھے زندہ رکھ کیونکہ مجھے یہی پسند ہے کہ میں ان سے جہاد کروں جنھوں نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی، جھٹلایا اور گھر سے نکالا۔ اے اللہ! اگر ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ختم ہو چکی ہے تو تو مجھے شہادت عطا کر اور اس وقت تک موت نہ دے جب تک میں بنوقریظہ کے انتقام سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کرلوں۔''[2]

مرد صالح سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہوگئی۔ بنوقریظہ کے متعلق فیصلہ بھی عنقریب انھی کو سنانا تھا۔ بعدازاں مشرکین نے سورماؤں کا ایک دستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ کی طرف بھیجا۔ مسلمان ان سے دن بھر نبرد آزما رہے۔ نماز عصر کے وقت یہ گروہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریب پہنچ گیا، جس کی وجہ سے آپ اور آپ کے ہمراہ صحابہ نمازِ عصر نہ پڑھ سکے۔ رات گئے یہ گروہ واپس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَلَأَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ»

''اللہ تعالیٰ ان سمیت ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے انھوں نے ہمیں (صلاۃ وسطیٰ) نماز عصر پڑھنے سے روک دیا حتی کہ سورج غروب ہوگیا۔''[3]

---

[1] حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ للدكتور محمد بكر آل عابد: 424/2. [2] مسند أحمد: 142,141/6، وصحيح ابن حبان، رقم: 7028. [3] صحيح البخاري، حديث: 2931، وصحيح مسلم، حديث: 627.

غطفان سے بات چیت کی کوشش اور سرداران مدینہ کا موقف

رسول اللہ ﷺ کی حسن سیاست، دانش مندی اور تجربہ کاری کا مظاہرہ اس وقت بھی ہوا جب آپ ﷺ نے قبیلہ غطفان سے صلح کا ارادہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ بخوبی جانتے تھے کہ اس جنگ میں قبیلۂ غطفان کی شرکت نہ سیاسی مقصد کے لیے تھی نہ مذہبی تعصب کی بنا پر۔ ان کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اس بہت بڑی جنگ میں شریک ہو کر مال و متاع ہاتھ آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے متحدہ دشمن میں سے نہ تو حیی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع سے مصالحت کی کوشش کی اور نہ قریش کے قائد ابوسفیان بن حرب سے صلح کی بات کی۔ ان دونوں گروہوں کا مقصد مال و متاع کا حصول نہیں تھا۔ ان کا مقصد سیاسی اور دینی تھا۔ وہ مدینہ منورہ کی اسلامی حکومت کو گرانا چاہتے تھے۔ یوں رسول اللہ ﷺ نے صرف غطفان کی قیادت سے رابطہ کیا۔[1]

دونوں غطفانی سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف نے بغیر کسی پس و پیش کے رسول اللہ ﷺ کی پیش کش قبول کر لی۔ ان کے ساتھ ان کے بعض دیگر طرفدار بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ خندق سے پرے فریقین کے درمیان بات چیت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے غلے کے عوض مصالحت کی۔ معاہدۂ صلح کی اہم شقیں حسب ذیل تھیں:

(ا) یہ معاہدہ مسلمانوں اور غطفان کے درمیان طے پایا جو اس وقت فریق مخالف کے ساتھ ہیں۔

(ب) قبیلۂ غطفان مسلمانوں سے صلح کرے گا اور کسی جنگ میں ان کے خلاف نہیں لڑے گا۔ بالخصوص موجودہ صورت حال میں دشمن کا ساتھ نہیں دے گا۔

(ج) غطفانی مدینہ سے محاصرہ اٹھا کر فی الفور واپس چلے جائیں گے۔

1 غزوة الأحزاب لمحمد أحمد باشميل، ص:201.

(۵) اس کے بدلے میں مسلمان مدینہ منورہ کے پھل کا تیسرا حصہ انھیں دیں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ ایک سال کے لیے طے پایا تھا۔[1]

واقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غطفانی قیادت سے کہا تھا کہ دیکھو اگر میں مدینہ کے پھل کا ایک تہائی تمھارے حوالے کر دوں تو کیا تم دونوں اپنی فوج واپس لے جاؤ گے اور ان اوباشوں سے کنارہ کش ہو جاؤ گے؟

دونوں سردار کہنے لگے کہ آپ ہمیں مدینہ منورہ کی آمدن کا نصف دیں۔ رسول اللہ ﷺ ایک تہائی سے زیادہ کے لیے رضا مند نہ ہوئے تو وہ دونوں اس پر راضی ہو گئے۔ جب معاملہ طے پانے لگا تو وہ دونوں قوم کے دس سرکردہ افراد کی معیت میں حاضر خدمت ہوئے۔[2]

غطفانی قیادت نے صلح کی پیش کش مان لی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ غطفانی جنگ کے لیے کیوں آئے تھے۔ وہ حصولِ مال و متاع کے لیے آمادۂ قتال ہوئے تھے۔ فریق مخالف کے دل میں ایسے خیالات کا پایا جانا اس کی ایک تہائی جنگی قوت ختم ہونے کے مترادف ہے۔ یوں مدمقابل کو ختم کرنے کا جذبہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ مسلمانوں نے ان کی اسی کمزوری کا فائدہ اٹھایا اور معاہدہ صلح کر کے انھیں غیر جانبدار بنا دیا۔[3]

رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مشکلات یکبارگی ٹوٹ پڑیں تو ان سے نمٹنے کے لیے حوصلے اور تحمل سے کام لینا چاہیے۔ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ مشکلات کے حل کے سلسلے میں آسان ترین راہ اختیار کرنی چاہیے اور دشمن کی طرف وقتی طور پر دوستی کا ہاتھ بھی بڑھانا پڑے تو دریغ نہیں کرنا چاہیے۔[4]

صلح نامے پر دستخط کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔

---

1 غزوة الأحزاب لمحمد أحمد باشميل، ص:202,201. 2 المغازي للواقدي: 477/2.
3 القيادة العسكرية في عهد الرسول للدكتور محمد الرشيد، ص: 413. 4 محمد رسول الله ﷺ لصادق عرجون: 146/4.

صحابۂ کرام کی رائے تھی کہ غطفان کو مدینہ منورہ کا غلہ ہرگز نہ دیا جائے۔ سردارانِ انصار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا یہ آپ کی ذاتی رائے ہے یا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بَلْ شَيْءٌ أَصْنَعُهُ لَكُمْ، وَاللّٰهِ مَا أَصْنَعُ ذٰلِكَ إِلَّا لِأَنِّي رَأَيْتُ الْعَرَبَ رَمَتْكُمْ عَنْ قَوْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّكَالَبُوكُمْ۔ أَيْ: اِشْتَدُّوا عَلَيْكُمْ۔ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَكْسِرَ عَنْكُمْ مِّنْ شَوْكَتِهِمْ إِلٰى أَمْرٍ مَّا»

''نہیں! یہ میری ذاتی رائے ہے۔ میں ایسا صرف اس لیے کرنا چاہتا ہوں کہ تمام عرب تم پر ایک ہی کمان سے تیروں کی بارش کر رہے ہیں۔ وہ ہر سمت سے تم پر چڑھ آئے ہیں۔ یوں میں نے ارادہ کیا کہ جہاں تک ہو سکے ان کی قوت توڑ دوں اور تمھیں اس کے نقصانات سے بچالوں۔''

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ہم سب بت پرستی پر قائم تھے۔ اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے، نہ اسے پہچانتے تھے۔ ضیافت اور خریداری کی تو بات اور ہے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ مدینہ کی کسی کھجور پر للچائی ہوئی نظر نہیں ڈال سکتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس کے ذریعے سے ہمیں سیدھے رستے پر چلایا ہے۔ آپ کی اور اسلام کی برکت سے ہمیں یہ اعزاز حاصل ہوا ہے۔ اب کیا ہم انھیں اپنا مال دے دیں؟ اللہ کی قسم! ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہماری طرف سے انھیں تلوار کے سوا کوئی عطیہ نہ ملے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنْتَ وَ ذَاكَ» ''اچھا پھر تم جانو اور تمھارا کام۔''

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے وہ پرچہ لیا اور اس میں جو تحریر تھی اسے مٹا ڈالا اور کہا کہ اب وہ چاہیں تو ہم پر طبع آزمائی کر لیں۔[1]

سردارانِ انصار سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کا جواب اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری پر مبنی تھا۔ اس ضمن میں انھوں نے آدابِ نبوت کو پوری طرح ملحوظ خاطر رکھا۔ انھوں نے غطفان کے ساتھ معاہدۂ صلح کو تین حصوں میں تقسیم کیا:

① اگر یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو انھیں رائے دہی کا کوئی اختیار نہیں۔ امرِ الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم ہے۔

② یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بحیثیت رسول رائے ہے تو بھی آپ کی رائے سب سے مقدم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل بھی کی جائے گی۔

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے یہ رائے اپنائی تھی۔ اور یہ آپ کی اپنی ذاتی رائے تھی۔ یوں صحابۂ کرام کے لیے بھی رائے دہی کی گنجائش نکلتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما پر یہ انکشاف ہوا کہ آپ محض تیسری بات کے لیے معاہدۂ صلح کرنا چاہتے ہیں تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جچی تلی رائے پیش خدمت کی۔ غطفان کی قیادت روسیاہ ہوگئی۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے واضح کیا کہ انصار تو ان ظالموں کے آگے جاہلیت میں بھی نہیں جھکے تھے۔ اب جبکہ اسلام نے انھیں عزت بخشی ہے تو وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ سعد رضی اللہ عنہ کی رائے چونکہ صائب تھی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی رائے پسند آئی اور آپ نے اظہار مسرت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کی بلند حوصلگی کا اندازہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غطفان سے معاہدہ صلح کا ارادہ ملتوی کر دیا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ تمام عرب تم پر ایک کمان سے تیر برسا رہے ہیں۔ اس

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 234/3، والبداية والنهاية: 106/4، والمعجم الكبير للطبراني، رقم: 5409، ومجمع الزوائد للهيثمي: 131/6. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 125/6.

سے پتا چلتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ تمام عرب مسلمانوں کے خلاف متحد نہ رہیں۔ اس سے مسلمانوں کو یہ رہنمائی ملتی ہے:

❁ مسلمانوں کو چاہیے کہ دشمن کی کمزوری کا پتا چلانے کی کوشش کریں۔

❁ دوران جنگ مسلم قیادت کا تزویراتی ہدف یہ ہونا چاہیے کہ وہ مخالف فریقوں میں سے جس کسی کو غیر جانبدار کر سکے تو ضرور کرے۔ نیز مسلم قیادت کو مشاورت سے کام لینا چاہیے۔ پیش آمدہ مسائل کے سلسلے میں علمائے دین سے رجوع کرنا اور اسلام کے وقتی اور دائمی مفادات کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو مشاورت کی، اس سے آپ ﷺ کے طرز قیادت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ آپ ﷺ حربی و غیر حربی معاملات میں ہمیشہ مشاورت فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تمام معاملات میں مشاورت کا حکم دیا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات کو بھی مشاورت سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ معاملہ مختلف آراء کی روشنی میں طے پاتا اگر اس کے متعلق اللہ کی طرف سے وحی نہ آئی ہوتی۔[2]

ترک صلح کے سلسلے میں صحابۂ کرام کی رائے قبول کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ کامیاب قائد کا ماتحتوں سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ماتحت، قائد کے مقام و مرتبے کے معترف ہوتے ہیں اور قائد ماتحتوں کا قدر دان ہوتا ہے۔ قائد ان کی آراء کا احترام کرتا ہے اور وہ اس کی رائے کو معتبر جانتے ہیں۔ قائدینِ غطفان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی مصالحت شرعی سیاست کا حصہ ہے جس میں قومی مفادات کا پورا پورا خیال رکھا گیا تھا۔[3]

اس معاہدۂ صلح کے سلسلے میں صحابۂ کرام کا موقف تین مفاہیم کا حامل ہے:

(ا) یہ موقف اظہارِ رائے میں مسلمانوں کی ادیبانہ شجاعت کو واضح کرتا ہے اور یہ کہ حسب

[1] الأساس في السنة لسعيد حوّى: 287/2. [2] العبقرية العسكرية في غزوات الرسول ﷺ لمحمد فرج، ص: 414. [3] القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص: 414.

ضرورت جماعت کے جملہ امور میں مشورے کا امکان موجود ہوتا ہے۔

(ب) یہ موقف مسلمانوں کی نفسیات سے پردہ اٹھاتا اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اسلام سے ان کے گہرے تعلق کو واضح کرتا ہے۔

(ج) یہ موقف واضح کرتا ہے کہ مسلمان نفسیاتی طور پر کتنے مضبوط تھے۔ اور یہ کہ وہ صبر آزما حالات کا مقابلہ کتنے حوصلے سے کرتے تھے۔ دشمن کیسی ہی تیاری کے ساتھ اور کیسا ہی لاؤلشکر لے کر آیا ہو، وہ اس سے قطعی مرعوب نہیں ہوتے تھے۔[1]

دشمن کی صفوں میں افواہیں پھیلانا

رسول اللہ ﷺ نے دشمن کے اتحادو اتفاق کو توڑنے اور باہمی اعتماد کو ختم کرنے کے لیے ان کے خلاف پروپیگنڈے کا ہتھیار استعمال کیا۔ آپ کو لشکروں کے ذہنی خلفشار کا بخوبی علم تھا۔ آپ نے ان کے باہمی اختلافات کو نمایاں کرنے اور ان کے درمیان پڑی دراڑوں کو مزید بڑھانے کی کوشش کی۔ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غلے کا لالچ دے کر غطفان کو ان کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نعیم بن مسعود غطفانی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لے آئے۔ ایمان لانے کے بعد عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! میری قوم کو میرے اسلام لانے کی خبر نہیں۔ آپ مجھے کوئی خدمت سونپ دیں!“ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا أَنْتَ فِينَا رَجُلٌ وَّاحِدٌ، فَخَذِّلْ عَنَّا إِنِ اسْتَطَعْتَ فَإِنَّ الْحَرْبَ خُدْعَةٌ»

”تم ہمارے درمیان اکیلے آدمی ہو۔ اگر کر سکو تو ہماری طرف سے مشرکین میں تفرقہ ڈال دو کیونکہ جنگ چالبازی کا نام ہے۔“[2]

[1] القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص: 416,415. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 240/3، ودلائل النبوة للبيهقي: 446,445/3، والبداية والنهاية: 113/4.

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق یہود اور مشرکین میں شک کا بیج بونے لگے۔ انھوں نے یہود بنوقریظہ کو ابھارا کہ قریش سے (چند سرداروں) کے گروی رکھنے کا تقاضا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ محاصرہ اٹھا کر تمھیں اکیلا چھوڑ جائیں۔ اور ادھر قریش سے کہا: ''یہود تمھارے کچھ سردار اس لیے بطور گروی طلب کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح میں وہی گروی رکھے ہوئے سردار عوضانے کے طور پر دیں۔'' نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ شرعی سیاست کے اصولوں کے خلاف نہیں تھا کیونکہ ''جنگ دھوکا دہی اور چالبازی کا نام ہے۔''[1]

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ منصوبہ بہت کامیاب رہا۔ قائدین احزاب کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے شکوک وشبہات پیدا ہو گئے۔ نتیجہ ان کی قوت کے ٹوٹنے اور عزم کے متزلزل ہونے کی صورت میں نکلا۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ کی کوشش یوں کامیاب ہوئی:

(ا) انھوں نے ہر پہلو سے اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔ یوں انھوں نے جس گروہ کو بھی بظاہر خیرخواہانہ مشورہ پیش کیا، اس نے قبول کر لیا۔

(ب) انھوں نے بنوقریظہ کو بنوقینقاع اور بنونضیر (یہودی قبائل) کا انجام یاد دلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ جاری رکھنے کی صورت میں مستقبل کے بھیانک انجام سے ڈرایا۔ ان کی کوشش نظریات وافکار بدلنے اور ان کی تدبیریں الٹنے کا سبب بنی۔

(ج) وہ یوں بھی کامیاب رہے کہ ہر گروہ نے ان کے مشورے کو دوسرے سے مخفی رکھا کیونکہ اس کے پوشیدہ رکھنے ہی میں ان کی بقا تھی۔ فریقین میں سے کسی بھی گروہ پر ان کا معاملہ کھل جاتا تو ساری کوشش رائیگاں جاتی۔ یوں نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنگ احزاب کی کامیابی میں نمایاں کردار ادا کیا۔[2]

[1] السيرة النبوية الصحيحة للعمري: 430/2. [2] القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص: 477.

باب 3

نصرتِ الٰہی کی آمد اور غزوۂ احزاب کی قرآنی عکاسی

رسول اللہ ﷺ کی گریہ وزاری اور نصرت الٰہی کی آمد

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے۔ بالخصوص حالتِ جنگ میں بہت دعا کیا کرتے۔ غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کو سخت مصیبت نے آلیا اور کلیجا منہ کو آنے لگا تو مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کوئی دعا بتایئے۔ کلیجا منہ کو آنے لگا ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہاں یہ دعا مانگو: «اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا» ''اے اللہ! ہماری کمزوریاں چھپا لے اور ہمیں خوف و ہراس سے محفوظ رکھ۔''[1]

صحیحین میں عبداللہ بن ابی اوفی کے واسطے سے احزاب کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا مروی ہے:

«اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيعَ الْحِسَابِ، هَازِمَ الْأَحْزَابِ، اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ»

''اے اللہ! اے کتاب اتارنے والے، جلد حساب لینے والے، فوجوں کو شکست دینے والے، اے اللہ! ان کو شکست دے، ان کے قدم اکھاڑ دے۔''[2]

[1] مسند أحمد: 3/3، ومجمع الزوائد: 10/136، ومسند البزار، رقم: 3119. [2] صحيح البخاري، حديث: 2933، وصحيح مسلم، حديث: (22,21)-1742.

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کی دعا قبول فرمائی۔ مصائب کے بادل چھٹ جانے کی خوشخبریاں آگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و طاقت سے انھیں واپس پلٹا دیا۔ ان کی جماعتیں تتر بتر کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے سخت ٹھنڈی ہوا ان پر مسلط کر دی، ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور اپنے ہاں سے خاص لشکر نازل فرمائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾

''اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب تمھیں (کفار کے) لشکروں نے آلیا تھا، پھر ہم نے ان پر آندھی اور (فرشتوں کے) ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے دیکھا نہیں اور تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔''[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تند و تیز ہوا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان اس ہوا کے قریب تھے۔ ہوا اور مسلمانوں کے درمیان صرف خندق تھی۔ اس کے باوجود مسلمان ہوا کی زد میں نہیں آئے اور انھیں اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کے خلاف فرشتے نازل فرمائے جنھوں نے خیموں کے کھونٹے اکھاڑ دیے اور رسیاں توڑ دیں۔ آگ بجھا دی، ہانڈیاں الٹ دیں، گھوڑے باہم گتھم گتھا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رعب ڈال دیا۔ لشکر کے اردگرد فرشتوں نے بکثرت تکبیر کے نعرے بلند کیے۔ ہر خیمے کا سردار اپنے افراد کو پکارتا: ''اے بنو فلاں! ادھر آؤ۔'' وہ سب اکٹھے ہو جاتے تو کہتا: ''اپنے بچاؤ کا سامان کرو۔'' دراصل اللہ تعالیٰ نے ان پر رعب طاری کر دیا تھا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو یہ باور کرا دیا تھا کہ دس ہزار (10,000) سے زائد کے لشکر نے مسلمانوں کی سپاہیانہ مساعی سے شکست نہیں کھائی بلکہ دشمنانِ اسلام کو صرف اللہ تعالیٰ نے شکست دی ہے۔

---

[1] الأحزاب 33:9. [2] تفسير القرطبي: 14/144.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَعَزَّ جُنْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَغَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ»

''اکیلے اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ اس نے اپنی فوج کو عزت دی، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور احزاب پر وہ اکیلا غالب آیا۔ اس جیسی ہستی کسی کی نہیں۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب تعالیٰ سے دعا کرنا اس کی ذاتِ اقدس پر اعتماد اور مدد و نصرت کے انسانی ذرائع اختیار کرنے کے منافی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ میں اسباب اختیار کرنے کا طریقہ اپنایا۔ لشکروں کو جدا جدا کرنے اور محاصرہ توڑنے کے لیے پوری کوششیں صرف کیں۔ اس کے علاوہ دیگر ذرائع بھی اختیار کیے جو پہلے بیان ہوئے ہیں۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ہمیں اسباب اختیار کرنے کا طریقہ اپنانے، اللہ تعالیٰ کے سامنے التجا کرنے اور صرف اسی کی بندگی کرنے کا سبق دے رہے ہیں۔ کیونکہ اسباب کسی کام کے نہیں جب تک ان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا اور طلب نصرت کا وسیلہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری اور دائمی دعا، ایسے کام ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر عمل پیرا رہے۔[3]

احزاب کی واپسی کا مشورہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے گروہوں پر مسلسل نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ اور تازہ بہ تازہ صورت حال سے باخبر رہنا پسند کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ، جَعَلَهُ اللّٰهُ مَعِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟»

1 صحيح البخاري، حديث: 4114، وصحيح مسلم، حديث: 2724. 2 فقه السيرة للدكتور الغضبان، ص: 503. 3 فقه السيرة للبوطي، ص: 222.

''کوئی ہے جو احزاب کی خبر لائے، اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز میرا ساتھ نصیب کرے گا۔''[1]

آپ ﷺ نے اس طرح ترغیب کا انداز اختیار فرمایا اور تین بار یہی بات دہرائی مگر جب یہ اسلوب کارگر نہ ہوا تو بذات خود آدمی کا تعین کیا اور پختہ لہجے میں حکم دیا:

«قُمْ يَا حُذَيْفَةُ! فَأْتِنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ وَلَا تَذْعَرْهُمْ عَلَيَّ»

''حذیفہ! اٹھو۔ ان لوگوں کی خبر لاؤ لیکن کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ وہ میرے خلاف بھڑک اٹھیں۔''[2]

اس میں ایک تربیتی پہلو ہے کہ کامیاب قیادت وہی ہے جو ماتحتوں سے مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے ترغیب کا طریقہ اپناتی ہے اور حکم کا انداز صرف مجبوراً اختیار کرتی ہے۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں ان کی طرف روانہ ہوا مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا میں گرم حمام میں چل رہا ہوں (ذرا سردی نہیں لگی)۔ میں نے دیکھا کہ ابوسفیان کمر کو آگ سے سینک رہا ہے۔ میں نے تیر کمان پر چڑھایا اور برسانے کا ارادہ کیا۔ یکا یک مجھے رسول اللہ ﷺ کا فرمان یاد آیا کہ ''انھیں میرے خلاف نہ بھڑکانا۔'' اگر میں ابوسفیان پر تیر برساتا تو یقیناً اسے مار ہی ڈالتا۔ میں فوراً واپس ہوا اور واپسی پر بھی یہی محسوس کیا کہ گویا میں گرم حمام میں چل رہا ہوں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تب سردی کا احساس ہوا۔ میں نے آ کر رسول اللہ ﷺ کو ساری بات بتائی۔ آپ ﷺ جس چادر کو اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے اس کا کچھ حصہ مجھ پر ڈال دیا۔ اس کو اوڑھ کر میں ایسا سویا کہ صبح ہو گئی۔ صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «قُمْ يَا نَوْمَانُ» ''اٹھ اے بہت سونے والے!''[3]

---

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1788. [2] صحیح مسلم، حدیث: 1788. [3] صحیح مسلم، حدیث: 1788.

حذیفہ رضی اللہ عنہ کے واقعے سے ماخوذ اسباق: ① رجال کار کی صلاحیتوں سے پوری واقفیت ہونا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو احزاب کی جاسوسی کا فریضہ سونپا کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ غیر معمولی طور پر بہادر انسان تھے اور ایسے کام بہادری میں ممتاز شخص ہی انجام دے سکتا ہے۔ وہ چھریرے بدن کے ذہین وفطین آدمی تھے۔ پیچیدہ صورت حال پر بہت جلد قابو پالیا کرتے تھے۔

② حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اصول حرب سے بخوبی واقف تھے۔ انھیں سپہ سالارِ قریش کو قتل کرنے کا پورا پورا موقع ملا بلکہ انھوں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ بھی کر لیا لیکن فوراً ذہن میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''انھیں بھڑکانا مت'' تمھارا کام صرف ان کی خبر لانا ہے، چنانچہ انھوں نے تیر کمان سے علیحدہ کر لیا۔[1]

③ کرامات اولیاء: حذیفہ رضی اللہ عنہ جب دشمن کی خبر لانے گئے تو بہت سردی تھی، شدید بارش اور سردی کے باوجود انھیں سردی کا احساس تک نہ ہوا اور وہ اپنے آپ کو گویا گرم حمام میں چلتا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ وہ جب تک وہاں رہے، انھیں سردی نہیں لگی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اپنے مومن بندوں پر خاص فضل وکرم ہی کا مظہر ہے۔[2]

④ واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے لطافت آمیز رویہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ دوستانہ تعلق رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس چادر میں نماز ادا کر رہے تھے وہی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اوڑھا دی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر اوڑھے محو خواب رہے۔ فرض نماز کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بڑے پیار سے بیدار کیا اور فرمایا: ''اٹھ اے بہت سونے والے!'' یہ بڑا محبت بھرا انداز ہے۔ اس

[1] فقه السيرة للدكتور الغضبان، ص: 505، والسيرة النبوية لأبي فارس، ص: 367. [2] السيرة النبوية لأبي فارس، ص: 367.

سے مٹھاس اور لطافت ٹپک رہی ہے۔ یہ نرمی وشفقت کا بے مثال نمونہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے پیش کیا۔[1] اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○﴾

''(لوگو!) یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آگیا ہے، اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں (گزرتا) ہے، وہ تمھارے لیے (بھلائی کا) حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفیق، بہت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

⑤ جلیل القدر صحابی کا نہایت تیزی اور ہوشمندی سے پیچیدہ صورت حال پر قابو پانا تعجب میں ڈالتا ہے۔ زرقانی کی روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ دشمنوں میں بیٹھے تھے کہ ابوسفیان نے کہا: ''ہر شخص پاس بیٹھے ساتھی کا ہاتھ تھام لے اور اسے پہچانے۔'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنا ہاتھ دائیں بیٹھے شخص کے ہاتھ پر مارا اور پوچھا: ''تم کون ہو؟'' اس نے کہا: ''معاویہ بن ابوسفیان۔'' پھر میں نے بایاں ہاتھ اپنے بائیں طرف بیٹھے شخص کے ہاتھ پر مارا اور پوچھا تم کون ہو؟'' اس نے کہا: ''عمرو بن عاص۔''[3]

یوں انھوں نے خود پوچھ کر ساتھ والوں کو دریافت کرنے کا موقع ہی نہ دیا کہ وہ ان سے پوچھ سکیں اور وہ اس خطرناک صورت حال سے صاف بچ نکلے جو بصورت دیگر ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوسکتی تھی۔[4]

غزوۂ احزاب پر قرآنی تبصرہ اور اس کے نتائج کا محاکمہ

قرآن کریم نے غزوۂ احزاب کے متعلق گفتگو کی ہے۔ قرآن کا عام اسلوب یہ ہے کہ اس کا تبصرہ زمان ومکان کی وسعتوں کو شامل ہوتا ہے۔ مسلمان بعد کے ادوار میں بھی

---

1 صور و عبر من الجهاد النبوي للدكتور فوزي فيض الله، ص:246. 2 التوبة 9:128. 3 شرح الزرقاني: 2/120. 4 من معين السيرة لصالح الشامي، ص:293.

مبتلائے جنگ ہو سکتے تھے۔ ان کے علاقوں پر چڑھائی ممکن تھی۔ یہ احتمال بھی باقی تھا کہ دشمن مل کر ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ قرآن پاک نے اسی تناظر میں احزاب اور قریظہ دونوں غزوات کا تذکرہ کیا ہے۔[1]

مسلمان خاص طور پر ان حادثات و واقعات سے سبق حاصل کریں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ جنگ احزاب کے متعلق قرآن کریم کی آیات پر غور و فکر کرنے والا ان میں درج ذیل امور پائے گا:

① اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر اپنے انعامات کا تذکرہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝﴾

''اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب تمھیں (کفار کے) لشکروں نے آلیا تھا، پھر ہم نے ان پر آندھی اور (فرشتوں کے) ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے دیکھا نہیں اور تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔''[2]

② احزاب کی طرف سے مدینہ منورہ کے محاصرے پر مسلمانوں کو لاحق اندیشوں کی عمدہ اور انوکھی تصویر کشی:

﴿إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝﴾

''جب دشمن تم پر تمھارے اوپر (کی طرف) سے اور تمھارے نیچے (کی طرف) سے چڑھ آئے اور جب آنکھیں (خوف و ہراس کی وجہ سے اصل جگہ سے) ہٹ گئیں اور کلیجے حلقوں کو پہنچ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔''[3]

[1] الأساس في السنة لسعيد حوّى:2/662. [2] الأحزاب 33:9. [3] الأحزاب 33:10.

③ منافقین کی بری نیت، گھٹیا اخلاق، بزدلانہ رویے، جھوٹے عذر بہانے اور عہد شکنی کی پردہ کشائی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۝﴾

''اور جب منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا، کہہ رہے تھے: اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے نہیں وعدہ کیا مگر دھوکے فریب کا۔''[1]

④ ہر زمان و مکان کے اہل ایمان کو تمام مسائل کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے رہنمائی لینے کی ترغیب دلانا، فرمان الٰہی ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝﴾

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔''[2]

⑤ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے اچھے کردار کی تعریف کی ہے جس میں وہ سچے ایمان کے ساتھ لشکروں کا سامنا کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد پر بھی ان کی تعریف کی ہے۔ فرمایا:

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝﴾

''مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچ کر دکھایا، چنانچہ ان میں سے بعض نے اپنا عہد پورا کیا (شہادت پا گئے) اور ان میں

1 الأحزاب 12:33. 2 الأحزاب 21:33.

سے بعض منتظر ہیں اور انھوں نے (عہد میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔'' [1]

⑥ اللہ تعالیٰ کی ابدی و ازلی سنت کا ذکر ہوا ہے اور یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اچھا انجام مومنوں کا اور شکست ان کے دشمنوں کا نصیب ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝﴾

''اور (غزوۂ احزاب میں) اللہ نے کافروں کو ان کے (ناکامی کے) غصے میں لوٹا دیا، وہ کوئی خیر و بھلائی نہ پاسکے اور (اس) لڑائی میں اللہ مومنوں کے لیے کافی ہو گیا اور اللہ بڑی قوت والا، نہایت غالب ہے۔'' [2]

⑦ اللہ تعالیٰ نے مومن بندوں پر اپنے احسان کا تذکرہ فرمایا کہ اس نے بنوقریظہ کے خلاف مومنوں کی مدد کی اور بغیر لڑائی ان پر غلبہ دے دیا، حالانکہ بنوقریظہ اپنے محفوظ قلعوں میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم پر خود ہی قلعوں سے اتر آئے۔ [3]

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝﴾

''اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کافروں کی مدد کی تھی انھیں اللہ نے ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، تم ان (بنوقریظہ) کے ایک گروہ کو قتل کر رہے تھے اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے تھے۔ اور اللہ نے تمھیں ان کی زمینوں، ان کے گھروں، ان کے مالوں اور اس زمین کا وارث بنا دیا

1 الأحزاب 23:33. 2 الأحزاب 25:33. 3 حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ للدكتور محمد بكر آل عابد: 491,490/2.

جسے تم نے پامال نہیں کیا تھا اور اللہ ہر شے پر خوب قادر ہے۔" [1]

غزوۂ احزاب اہم ترین جنگ تھی۔ اس سے مسلمانوں نے کئی اچھے نتائج حاصل کیے۔ چند ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- مسلمانوں کی فتح اور دشمنان اسلام کی شکست فاش اور پسپائی۔ ان کی واپسی ایسی حالت میں ہوئی کہ نامراد اور غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ ان کی امیدیں خاک میں مل چکی تھیں۔

- حالات مسلمانوں کے حق میں خوشگوار ہو گئے۔ اب وہ دفاع کے بجائے جارحیت کی پوزیشن میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

«اَلْآنَ نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمْ»

"اب ہم ان سے قتال کریں گے وہ ہم سے نہیں کریں گے۔ ہم ان کی طرف پیش قدمی کریں گے۔" [2]

- غزوۂ خندق میں یہود بنو قریظہ کا معاملہ بھی کھل گیا۔ جو کینہ وہ دلوں میں چھپائے بیٹھے تھے اور مسلمانوں پر جس طرح آفات کے ٹوٹ پڑنے کے خواہش مند تھے، سب واضح ہو گیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان کو بڑے خطرناک حالات میں توڑا۔

- غزوۂ خندق نے مسلمانوں کے ایمان کی صداقت بھی نمایاں کر دی۔ منافقین اور یہود کی حقیقت بھی سامنے آ گئی، گویا جنگ احزاب کی آزمائشی گھڑی مسلمانوں کے امتحان اور خلوص، جبکہ منافقین و یہود کی بھیانک حقیقت و اصلیت کے اظہار کی گھڑی تھی۔

- غزوۂ بنو قریظہ جنگ احزاب کا نتیجہ تھا۔ اس میں بنو قریظہ کا محاسبہ ہو گیا جنھوں نے شدید ترین حالات میں رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان کو توڑا تھا۔ [3]

1 الأحزاب33:26,27. 2 صحيح البخاري، حديث: 4110. 3 حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ للدكتور محمد بكر آل عابد:2/442.

بنوقریظہ سے چھٹکارا

خندق سے واپسی اور اسلحہ رکھ دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بنوقریظہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی جانب پیش قدمی کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے انھیں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو یہود کی طرف بھیج دیا ہے تاکہ ان کے قلعوں کو متزلزل کریں، ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو وصیت فرمائی:

«لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ»

''تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنوقریظہ میں پڑھے۔''[1]

مسلمانوں نے پچیس روز تک بنوقریظہ کا محاصرہ کیے رکھا۔[2]

محاصرہ ان پر گراں ہوا اور سخت مشکل ہوگئی تو یہود اس شرط پر قلعے سے باہر آئے اور اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کیا کہ آپ ﷺ ان کا فیصلہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں گے۔ یوں وہ لوگ قلعے سے اتر آئے۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت سعد کے قبیلے سے ان کا بھائی چارہ ہے، اس لیے وہ ان سے نرمی برتیں گے۔ حضرت سعد کے بازو میں غزوۂ خندق کے روز تیر آلگا تھا، اس لیے انھیں اٹھا کر لایا گیا۔ انھوں نے فیصلہ دیا کہ بنوقریظہ کے جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا جائے اور اموال تقسیم کر دیے جائیں۔ آپ ﷺ نے ان کے فیصلے کو پسند کرتے ہوئے فرمایا:

«قَضَيْتَ بِحُكْمِ اللّٰهِ»

''تم نے حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔''[3]

---

1 صحيح البخاري، حديث: 4119، وصحيح مسلم، حديث: 1770. 2 صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 373. 3 صحيح البخاري، حديث: 3043و4122، وصحيح مسلم، حديث: 1768.

مدینہ منورہ کے بازار میں گڑھا کھودا گیا اور چار سو (400) افراد قتل کر کے اس گڑھے میں پھینک دیے گئے۔

چند لوگ عہد کی وفاداری اور اسلام میں داخل ہونے کے سبب بچ گئے۔ ان کے اموال اور اولادیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ دھوکا کرنے والوں اور مسلمانوں کے عہد کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے یہ بدلہ عادلانہ تھا۔ یہ سزا ان کے کردار کے عین مطابق تھی۔[1]

بنو قریظہ کی صرف ایک عورت کو قتل کیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت کے متعلق بیان کیا کہ وہ عورت میرے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی اور کھلے دل سے ہنس رہی تھی۔ ادھر رسول اللہ ﷺ بنو قریظہ کے آدمیوں کو بازار مدینہ میں قتل کرا رہے تھے، اتنے میں کسی پکارنے والے نے اس کا نام پکارا: ''اے فلانی؟'' اس نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! میں موجود ہوں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں نے اس سے کہا: ''تیرا برا ہو، تجھے کیا ہوگیا۔'' اس نے کہا: ''میں قتل کی جاؤں گی۔'' میں نے پوچھا: ''کیوں؟'' بولی: ''ایک معاملے کی بنا پر جو میں نے کیا تھا (اس عورت نے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چکی پھینک کر انھیں قتل کر دیا تھا)'' پس اسے لے جایا گیا اور اس کی گردن تلوار سے اڑا دی گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: ''اللہ کی قسم! تعجب انگیز بات یہ تھی جسے میں کبھی نہیں بھولوں گی۔ اسے معلوم تھا کہ قتل کی جاؤں گی، اس کے باوجود وہ ہشاش بشاش تھی اور کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔''[2]

بنو قریظہ کا فیصلہ ہو جانے پر مدینہ منورہ یہود کے ناپاک وجود سے بالکل پاک ہوگیا۔ اب مدینہ میں صرف مسلمان مقیم تھے۔ داخلی محاذ کا خطرہ ٹل گیا۔ یوں گویا قریش کے خواب

[1] السيرة النبوية الصحيحة: 1/315-317. [2] مسند أحمد: 6/277، وسنن أبي داود، حديث: 2671.

بھی چکنا چور ہو گئے کیونکہ انھیں مسلمانوں کے خلاف یہود مدینہ سے امید لگی رہتی تھی۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو گویا یہ پیغام دیا کہ اسلامی ممالک کو داخلی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے ہر ممکن طریقہ استعمال کرنا چاہیے۔

[1] سیرة الرسول ﷺ للأستاذ محمد عزت دروزة: 76/2 نقلًا عن دراسات في عهد النبوة للدکتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 153.

باب 4

فوائد، اسباق اور حکمتیں

نبوی معجزات

خندق کی کھدائی کے دوران رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں چند معجزات کا ظہور ہوا جن میں سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے تیار کردہ کھانے میں اضافہ ہونا بھی شامل ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت چٹان سامنے آگئی۔ لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ایک سخت چٹان آڑے آگئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنَا نَازِلٌ» ''میں خود اترتا ہوں۔'' پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے۔ بھوک کی وجہ سے آپ کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ ہم لوگوں نے بھی تین دن سے کوئی کھانے کی چیز نہ چکھی تھی۔ آپ ﷺ نے کدال ہاتھ میں لی اور اس چٹان پر ماری تو وہ بھربھری ریت کا ٹیلا سا بن گئی۔

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے ذرا گھر جانے کی اجازت دیجیے۔'' گھر جا کر میں نے اپنی بیوی سے کہا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کی وہ حالت دیکھی ہے جس پر صبر نہیں ہوسکتا۔ تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں تھوڑے جَو ہیں اور ایک بکری کا بچہ ہے۔'' میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور میری بیوی نے جَو پیسے۔ جب ہم گوشت ہانڈی میں ڈال چکے اور آٹا خمیر ہوگیا، ہانڈی چولہے پر تھی اور گوشت پک جانے کے قریب تھا تو اس وقت میں آیا اور چپکے سے عرض کیا: ''اے

اللہ کے رسول! میرے ہاں تھوڑا سا کھانا تیار ہے۔ آپ تشریف لے چلیں اور ایک یا دو آدمی ساتھ لے لیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «كَمْ هُوَ؟» ''کھانا کتنا ہے؟'' میں نے بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «كَثِيرٌ طَيِّبٌ» ''بہت ہے اور عمدہ ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُلْ لَّهَا: لَا تَنْزِعِ الْبُرْمَةَ وَلَا الْخُبْزَ مِنَ التَّنُّورِ حَتّٰى آتِيَ»

''اپنی بیوی سے کہو، جب تک میں نہ آؤں ہانڈی چولہے سے نہ اتارے اور روٹی تنور میں سے نہ نکالے۔'' پھر آپ ﷺ نے (صحابۂ کرام سے) فرمایا: «قُومُوا» ''کھڑے ہو جاؤ۔'' یہ سن کر مہاجرین و انصار اٹھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بیوی سے کہا: ''تیرے لیے خرابی ہو! نبی مکرم ﷺ سب لوگوں کو لے کر تشریف لے آئے ہیں۔'' بیوی نے پوچھا: ''رسول اللہ ﷺ نے آپ سے کچھ پوچھا تھا؟'' میں نے کہا: ''ہاں، پوچھا تھا۔''

اسی اثنا میں آپ ﷺ صحابہ سے فرمانے لگے: «اُدْخُلُوا وَلَا تَضَاغَطُوا» ''لوگو! اندر آجاؤ اور دھکم پیل نہ کرنا۔'' آپ ﷺ روٹیاں اتار اتار کر ان پر گوشت رکھ رکھ کر لوگوں کو دینے لگے۔ جب ہانڈی اور تنور میں سے کچھ لے لیتے تو ان کو ڈھانپ دیتے۔ آپ ﷺ برابر روٹیاں اتار اتار کر دیتے رہے اور ہانڈی میں سے گوشت لیتے رہے یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے اور تھوڑا کھانا بچ رہا۔ آپ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی سے فرمایا:

«كُلِي هٰذَا وَأَهْدِي، فَإِنَّ النَّاسَ أَصَابَتْهُمْ مَّجَاعَةٌ»

''تم خود بھی کھاؤ اور لوگوں کو ہدیہ بھی دو کیونکہ لوگوں کو فاقہ ہے۔''[1]

حضرت بشیر بن سعد کی بیٹی بیان کرتی ہیں کہ میری ماں عمرہ بنت رواحہ نے مجھے بلایا، دونوں ہاتھوں سے کھجوریں بھر کر میرے دامن میں ڈالیں اور کہا: ''بیٹی! یہ ناشتہ اپنے والد اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کو پہنچا دے۔'' میں نے وہ کھجوریں لیں اور چل پڑی۔ وہاں اپنے والد اور ماموں کو تلاش کرتے ہوئے میرا گزر رسول اللہ ﷺ کے پاس سے

[1] صحيح البخاري، حديث:4101، ودلائل النبوة للبيهقي:3/423.

ہوا۔ مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: «تَعَالَيْ يَا بُنَيَّةُ مَا هٰذَا مَعَكِ؟» ''میری بیٹی! ادھر آؤ، یہ تمھارے پاس کیا ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ کھجوریں ہیں۔ میری ماں نے مجھے یہ دے کر میرے والد بشیر بن سعد اور ماموں عبداللہ بن رواحہ کے پاس بھیجا ہے کہ وہ ناشتہ کر لیں۔'' فرمایا: «هَاتِيهِ!» ''یہاں لاؤ۔'' میں نے آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں میں کھجوریں انڈیل دیں جس سے آپ ﷺ کے دونوں ہاتھ بھی نہ بھرے، پھر آپ ﷺ نے ایک کپڑا طلب فرمایا اور اسے بچھا دیا گیا، آپ ﷺ نے کھجوریں اس کپڑے پر ڈال دیں۔ کھجوریں سارے کپڑے پر بکھر گئیں، پھر قریب بیٹھے شخص سے کہا: «اُصْرُخْ فِي أَهْلِ الْخَنْدَقِ أَنْ هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ» ''خندق کھودنے والوں کو آواز دو کہ وہ آکر ناشتہ کر لیں۔'' تمام لوگ آگئے اور کھجوریں کھانے لگے۔ کھجوریں برابر بڑھتی جاتی تھیں حتی کہ تمام لوگ سیر ہو کر چلے گئے۔ بعد میں کھجوریں کپڑے کے اطراف سے گرتی رہیں۔[1]

ان دونوں واقعات میں رسول اللہ ﷺ کے حسی معجزات کا ذکر ہے۔ ان واقعات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلمان عورت دیگر مسلمانوں کے ہمراہ جہاد میں حصہ لے سکتی ہے۔ مسلمان خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ روٹی کمانے کی فرصت نہیں تھی۔ لوگوں کو بھوک کا سامنا تھا۔ شدت بھوک سے رسول اللہ ﷺ اور اکثر مسلمان پیٹوں پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ ایک عورت اٹھ کر اپنی طاقت وحیثیت کے مطابق ان کے کھانے میں ہاتھ بٹاتی ہے۔[2]

خندق کھودتے وقت صداقتِ نبوت کا اظہار یوں بھی ہوا کہ آپ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو خندق کھودتے ہوئے مطلع کیا کہ تجھے حق سے متجاوز گروہ قتل کرے گا۔[3]

---

1 السيرة النبوية لابن هشام: 229,228/3، ودلائل النبوة للبيهقي: 427/3. 2 المرأة في العهد النبوي للدكتورة عصمة الدين، ص: 175. 3 صحيح البخاري، حديث: 447، وصحيح مسلم، حديث: 2915.

حضرت عمار رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں لڑتے ہوئے شہید کر دیے گئے۔ [1]

جب خندق کھودتے وقت صحابہ کے سامنے ایک سخت چٹان آگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تین کاری ضربیں لگائیں، وہ چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی ضرب لگائی تو فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الشَّامِ، وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأُبْصِرُ قُصُورَهَا الْحُمْرَ مِنْ مَّكَانِي هٰذَا»

''اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں (فتوحات) دی گئیں، اللہ کی قسم! میں یہیں سے اس کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری چوٹ لگائی اور فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ فَارِسَ، وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ الْمَدَائِنَ وَأُبْصِرُ قَصْرَهَا الْأَبْيَضَ مِنْ مَّكَانِي هٰذَا» ''اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دے دی گئیں۔ اللہ کی قسم! میں یہیں سے مدائن کے سفید محلات دیکھ رہا ہوں۔''

تیسری بار ضرب لگانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ! أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْيَمَنِ، وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ أَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَّكَانِي هٰذَا » ''اللہ اکبر! یمن کی کنجیاں مجھے تھما دی گئیں۔ اللہ کی قسم! میں یہاں کھڑا صنعاء (شہر) کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔'' [2]

مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو گھیراؤ، سخت مشقت، خوف، بھوک اور جان لیوا ٹھنڈک کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اسلامی فتوحات کی بشارت دی تھی، وہ بالکل پوری ہوئی۔ [3]

[1] أسد الغابة: 344/1، وتاریخ الإسلام للذهبي: 579/3. [2] مسند أحمد: 303/4، ودلائل النبوة للبيهقي: 421/3، ومجمع الزوائد للهيثمي: 130/6. [3] نضرة النعيم: 325/1.

حقیقت اور خیال کا فرق

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کو اہل کوفہ کے ایک شخص نے کہا: ''اے ابوعبداللہ: آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار اور رفاقت کی سعادت حاصل رہی۔'' فرمایا: ''بھتیجے بالکل ایسا ہوا۔'' اس نے دریافت کیا: ''آپ لوگ کیا کرتے تھے؟'' فرمایا: ''اللہ کی قسم! ہم پوری کوشش، محنت اور لگن سے کام کرتے تھے۔''

اس نے کہا: ''اللہ کی قسم! اگر ہم رسول اللہ کو پاتے تو کندھوں پر بٹھائے پھرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر قدم نہ رکھنے دیتے۔'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابۂ کرام کو جنگ خندق کے وقت دیکھا تھا۔'' پھر آپ نے غزوۂ خندق کا پورا قصہ بیان کیا۔[1]

یہ تابعی صحابیٔ رسول سے مل کر اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ پاتے تو وہ ایسا کارنامہ انجام دیتے جو صحابہ نہ دے سکے، جبکہ حقیقت اور خیال میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم انسان ہیں، ان کی بھی انسانوں جیسی طاقت و قدرت ہے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مال و دولت قربان کیا، محنت و کوشش کی حتی کہ جان بھی بطور نذرانہ پیش کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے کردار کو اس کا جائز مقام عطا کرتے ہوئے فرمایا: «خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي» ''بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔''[2] گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرما دی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام کو کوئی نہیں پا سکتا۔[3]

سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے

خندق کے دن مہاجرین کہنے لگے: ''سلمان ہمارے ہیں۔'' اور انصار نے کہا: ''نہیں

1 السيرة النبوية لابن هشام: 255/3. 2 صحيح البخاري، حديث: 6429، وصحيح مسلم، حديث: 2533. 3 من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 291.

وہ ہمارے ہیں۔" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ»

"سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے۔"[1]

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے لیے آپ ﷺ کی طرف سے جاری کردہ یہ دائمی تمغہ ونشان واضح کرتا ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے ہیں کیونکہ اہل بیت کا تعلق بھی مہاجرین سے ہے۔[2]

بہترین نماز

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَلَأَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا، كَمَا شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ»

"اللہ تعالیٰ ان مشرکوں سمیت ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے انھوں نے ہمیں (صلاۃ الوسطیٰ) نمازِ عصر پڑھنے سے روک رکھا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔"[3]

علماء کے ایک گروہ نے اس حدیث سے دلیل لی ہے کہ "صلاۃ وسطیٰ" سے مراد نمازِ عصر ہے جیسا کہ یہاں نصاً واضح ہوگیا ہے۔ اس بارے میں واضح اور صحیح حدیث کی بنا پر قاضی ماوردی نے اسے شافعی مذہب پر نقد قرار دیا ہے۔ (کیونکہ ان کے نزدیک صلاۃ وسطیٰ نمازِ عصر نہیں ہے) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، سورۂ بقرہ، آیت: 238)

1 المستدرك للحاكم: 598/3، ومجمع الزوائد للهيثمي: 130/6، والسيرة النبوية لابن هشام: 235/3. 2 التاريخ الإسلامي للحميدي: 108/6. 3 صحيح البخاري، حديث: 2931، وصحيح مسلم، حديث: 627.

علماء کی ایک جماعت نے اس واقعے سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر قتال جیسا عذر مانع ہوتو نماز کا موخر کرنا جائز ہے۔ امام مکحول اور اوزاعی کا بھی یہی نظریہ ہے۔[1]

ڈاکٹر بوطی کہتے ہیں: انتہائی مصروفیت کی بنا پر نمازِ عصر رہ گئی جسے آپ ﷺ نے سورج غروب ہونے کے بعد ادا کیا۔ بخاری ومسلم کے علاوہ دیگر روایات میں ایک سے زیادہ نمازیں رہ جانے کا ذکر ہے جنھیں آپ ﷺ نے وقت نکل جانے کے بعد موقع ملنے پر ترتیب سے ادا کیا۔ اس سے فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کی دلیل ملتی ہے۔ اور جو بعض علماء نے کہا ہے کہ نماز کو مصروفیت کی بنا پر موخر کرنا اس وقت درست تھا جب ابھی ''صلاۃ الخوف'' مشروع نہ ہوئی تھی، علماء کا یہ نظریہ فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کے خلاف نہیں۔ کیونکہ بفرضِ محال اگر مان بھی لیا جائے کہ نسخ کا ثبوت ملتا ہے تو نسخ فوت شدہ نماز کی قضائی پر واقع نہ ہوگا بلکہ صرف مصروفیت کی بنا پر نماز موخر نہ کرنے کا نسخ ہوگا۔ اور تاخیر کا نسخ فوت شدہ نمازوں کی قضائی کا نسخ ہرگز نہیں۔ فوت شدہ نمازوں کی قضائی کا مسئلہ اپنی جگہ بحال ہے۔[2]

حلال وحرام

قریش نے (اپنے مقتول) عمرو بن عبدِ وُد کی لاش کا فدیہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «اِدْفَعُوا إِلَيْهِمْ جِيفَتَهُ فَإِنَّهُ خَبِيثُ الْجِيفَةِ، خَبِيثُ الدِّيَةِ» ''ان کو اس کی لاش دے دو کیونکہ یہ گندی لاش ہے، اس کی دیت خبیث ہے۔''[3] چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے عوض کچھ بھی لینا قبول نہ فرمایا۔

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب مسلمان انتہائی تنگ دست تھے لیکن حلال ہر صورت حلال اور حرام، حرام ہی ہے۔ حلال وحرام کے متعلق اسلام کا یہی قانون ہے۔ کہاں یہ اور

1 الأساس في السنة لسعيد حوّى:2/682. 2 فقه السيرة للبوطي، ص:223. 3 مسند أحمد: 1/248، والسيرة النبوية لابن هشام:3/265.

کہاں ان لوگوں کی حالت جو ہر وقت مسلمانوں کی تاک میں رہتے ہیں اور نت نئی سکیموں سے ان کا اصل مقصد سود اور دیگر ذرائع سے منافع کمانا ہوتا ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی بہادری

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو حفاظتی نقطۂ نظر سے ایک خالی مضبوط قلعے میں رکھا کیونکہ مسلمان لشکروں کا سامنا کرنے کی بنا پر ان کا دھیان نہیں کر سکتے تھے۔ جب یہود بنو قریظہ نے عہد شکنی کی تو انھوں نے عورتوں اور بچوں کے قلعے کا جائزہ لینے کے لیے ایک یہودی بھیجا جسے آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے دیکھ لیا۔ انھوں نے خیمہ کی چوب پکڑی اور قلعے سے نیچے اتر کر اسے اس طرح مارا کہ وہ مر گیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا یہ کردار ان یہود کے لیے پیغام اجل ثابت ہوا جو عورتوں اور بچوں کے قلعے پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ بنو قریظہ سمجھ گئے کہ یہ قلعہ اسلامی لشکر کی حفاظت میں ہے یا کم از کم اس میں اتنے آدمی موجود ہیں جو اس کی حفاظت کر سکیں۔[2]

اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ عورت اگر دفاع کرنے والا کوئی شخص نہ پائے تو اسے اپنے دفاع کا پورا پورا حق ہے۔[3]

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی بزدلی کے متعلق منقول قصہ باطل ہے

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے یہودی کو قتل کرنے کے سلسلے میں مروی ایک روایت ضعیف سند سے یوں بھی ہے: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہا: ''دیکھو! یہ یہودی قلعے کے گرد چکر لگا رہا ہے، مجھے ڈر ہے کہ یہ ہماری کمزوری کے متعلق رپورٹ لے جا کر دیگر یہود کو بتا دے گا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی ہمارے بجائے دیگر امور

---

[1] من معين السيرة لصالح الشامي، ص:294. [2] الرحيق المختوم، ص:284,283. [3] المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان :246/2.

میں مشغول ہیں، لہٰذا نیچے اترو اور اس کا کام تمام کر دو۔'' انھوں نے جواب دیا: ''عبدالمطلب کی بیٹی، اللہ تجھے معاف فرمائے، اللہ کی قسم! تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اس کام کا آدمی نہیں ہوں۔'' صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''حسان نے جب مجھ سے یہ کہا (اور میں نے دیکھا کہ ان کے پاس کچھ نہیں) تو میں نے کمر کس کر لکڑی اٹھائی اور قلعے سے نیچے اتر گئی، پھر آگے بڑھ کر یہودی کو قتل کر دیا اور قلعے میں واپس آگئی، پھر حسان سے کہا: ''اے حسان! نیچے جا کر اس کا سامان تو نکال لاؤ۔ میں خود یہ سامان لے آتی مگر اس کا مرد ہونا مانع ہوا۔'' حسان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عبدالمطلب کی بیٹی! مجھے اس کے سامان کی ضرورت نہیں۔''[1]

مذکورہ روایت کے ضعف کے حسب ذیل اسباب ہیں:

① یہ روایت سند کے اعتبار سے غیر متصل، ناقابل اعتبار اور غیر صحیح ہے۔ اسے بیان کرنا بھی درست نہیں۔ اسی طرح اس صحابی رسول کی عیب جوئی ہو رہی ہے جو عمر بھر اسلام کی مدافعت کرتا رہا۔

② اگر حسان رضی اللہ عنہ بزدل ہوتے جیسا کہ یہاں بتایا گیا ہے تو ان کے دشمن اس مذموم خصلت کی بنا پر ان کی مذمت ضرور کرتے۔ خاص طور پر وہ شعراء جن کی وہ ہجو کرتے تھے۔ جاہلیت کے سرداروں میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی آپ نے مذمت نہ کی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے اور انھیں مدد فراہم کرتے تھے۔ اور مشرک قیادت کی مذمت پر ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔[2]

پہلا اسلامی جنگی ہسپتال

غزوۂ احزاب میں مسلمانوں نے پہلا جنگی ہسپتال قائم کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے دوران مسجد نبوی میں زخمیوں کے لیے خیمہ نصب کرایا اور حضرت رُفیدہ اسلمیہ

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 239/3، ودلائل النبوة للبيهقي: 443,442/3، وصحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 365. [2] غزوة الأحزاب لأبي فارس.

انصاریہ رضی اللہ عنہا کو اس جنگی ہسپتال کا نگران مقرر فرمایا۔ یوں خواتین اسلام میں رفیدہ رضی اللہ عنہا نے پہلی نرس ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔[1]

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں اسلم قبیلے کی ایک عورت کے خیمے میں ٹھہرایا جسے رفیدہ کہا جاتا تھا۔ یہ عورت زخمیوں اور بے گھر بیماروں کا علاج اللہ کی رضا کے لیے کرتی تھی۔ غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو تیر لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم سے کہا: «اِجْعَلُوهُ فِي خَيْمَةِ رُفَيْدَةَ حَتّٰى أَعُودَهُ فِي قَرِيبٍ......» ''انھیں ''رفیدہ'' کے خیمے میں رکھو تا کہ میں قریب سے ان کی عیادت کرسکوں ......۔''[2]

سابقہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایسے مسلمان کو زخم پہنچتا جس کا گھر بار ہے تو اس کا خیال گھر والے کرتے۔ اگر کسی کا گھر بار نہ ہوتا تو اسے مسجد میں لا کر خیمے میں رکھا جاتا۔ یہاں بے گھر مسلمانوں کے لیے خیمہ نصب تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ گھر بار والے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ ان کی خبر گیری کرتے رہیں۔ یوں انھیں مسجد میں بے آسرا اور بے گھر افراد کے خیمے میں لایا گیا۔ یہ لوگ (مسجد میں خیمہ والے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت میں تھے، اس لیے خیمہ مسجد میں لگایا گیا ورنہ اسے کسی اور جگہ نصب کیا جاسکتا تھا۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنی شرافت، بزرگی اور راہ الٰہی میں سخاوت کی بنا پر قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ انھیں بے آسرا لوگوں والے خیمے میں رکھنا بھی اس عزت افزائی ہی کا حصہ تھا۔ اہل سیادت اور قوم کے شرفاء جب (قوم و ذات سے) برتر ہو جاتے ہیں تو انھیں ان غیر معروف افراد کی صف میں رکھا جاتا ہے جنھوں نے اپنے اعمال کو صرف اللہ تعالیٰ

---

1 المستشفيات الإسلامية للدكتور عبدالله العيد، ص: 43. 2 السيرة النبوية لابن هشام: 250/3، وتفسير الطبري:152/21.

کی رضا کے لیے خالص کر لیا ہے۔ اس کے سبب وہ نبی ﷺ کی نگہداشت و سرپرستی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔[1]

یہی رسالت مآب کا بہترین منہج ہے جو ماضی میں عرصہ دراز تک مسلمانوں کا منشور رہا۔

گناہ ہو جانے پر توبہ کی طرف جلدی کرنا

بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اپنے حلیف ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو قلعہ چھوڑنے کے متعلق مشورے کے لیے بلایا۔ انھوں نے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ تمھارے بارے میں قتل کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ لیکن انھیں فوراً ندامت ہوئی اور انھوں نے توبہ قبول ہونے تک اپنے آپ کو مسجد نبوی میں باندھ لیا۔ آپ چھ راتیں مسجد میں کھجور کے تنے سے بندھے رہے۔ نماز کے وقت آپ کی بیوی آتی اور نماز کے لیے کھول دیتی۔ اس کے بعد آپ پھر اسی تنے سے بندھ جاتے۔[2]

ابولبابہ نے کہا تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے اس فعل کی توبہ قبول نہیں فرماتے میں یہیں بندھا رہوں گا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے فجر سے قبل رسول اللہ ﷺ کو ہنستے دیکھا تو عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو ہنستا ہی رکھے، آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟'' نبی ﷺ نے فرمایا: «تِيبَ عَلٰى أَبِي لُبَابَةَ» ''ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا اسے خوشخبری دے دوں۔'' فرمایا: «بَلٰى! إِنْ شِئْتِ» ''کیوں نہیں! اگر چاہو تو۔'' چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑی ہوئیں (یہ واقعہ پردے کا حکم آنے سے پہلے کا ہے) اور کہا: ''اے ابولبابہ! تمھارے لیے خوشخبری ہے، اللہ تعالیٰ نے تمھاری توبہ قبول فرما لی ہے۔'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سنتے ہی لوگ دیوانہ وار ابولبابہ کی طرف دوڑ پڑے کہ انھیں رہا

1 من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 294. 2 المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان: 2/286.

کر دیں۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”نہیں نہیں! میں اس وقت تک رہا نہیں ہوں گا جب تک رسول اللہ ﷺ خود آ کر اپنے دستِ مبارک سے مجھے رہا نہ فرمائیں۔“ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے لیے ان کے پاس سے گزرے تو انھیں کھول کر رہا کر دیا۔[1]

اس واقعے میں نصیحت کا اصل مقام یہ ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے جب خطرناک جنگی راز فاش کرنے کی غلطی ہوئی تو انھوں نے جلد بازی میں ہونے والی اس کوتاہی کو چھپایا نہیں۔ کسی مسلمان کو اس بات کا علم نہیں تھا اور وہ اسے خود بھی پوشیدہ رکھ سکتے تھے اور یہود کو بھی معاملہ مخفی رکھنے کے لیے کہہ سکتے تھے لیکن انھیں اللہ تعالیٰ کی نگہبانی کا احساس تھا، پھر انھیں رسول اللہ ﷺ کا اپنے اوپر عظیم حق بھی یاد آ گیا جنھوں نے اس راز کو مخفی رکھنے کا حکم دیا تھا لیکن انھیں امین جانتے ہوئے مطلع کیا تھا، لہٰذا وہ اس کوتاہی پر بہت گھبرا گئے۔[2]

اپنے گناہ کا اقرار و اعتراف کیا۔ فوراً خود کو سزا دی بغیر اس کے کہ معاملے کی تحقیق ہو اور انھیں قرار واقعی سزا دی جائے۔ یہی ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عملی صورت جس میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوٓءَ بِجَهَٰلَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰٓئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝﴾

”اللہ تو صرف ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانی سے برا کام کرتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، چنانچہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اللہ بہت جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔“[3]

اپنی سزا خود تجویز کر کے اسے نافذ کرنے کی یہ نادر مثال ہے۔ یہ اعزاز بھی اہل ایمان ہی کو حاصل ہوا۔ یہ پختہ ایمان کی علامت ہے۔ ایسا ایمان جو مومن سے گناہ اور غلطی کے

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 248,247/3، ودلائل النبوة للبيهقي: 17,16/4. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 165/6. [3] النسآء 17:4.

سرزد ہونے پر راضی نہیں۔

خود نبی مکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی ابولبابہ کی توبہ پر خوش تھے۔ صحابہ انھیں بڑھ چڑھ کر مبارکباد دے رہے تھے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبیٔ کریم ﷺ کی اجازت سے آگے بڑھ کر توبہ قبول ہونے کی خوشخبری دی۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ تم آپس کی امانتوں میں خیانت کرو جبکہ تم جانتے ہو۔'' [2]

ان کی توبہ کے متعلق یہ فرمان الٰہی بھی نازل ہوا:

﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، انھوں نے ملا جلا عمل کیا، ایک اچھا اور دوسرا برا، امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' [3]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فضائل

غزوۂ خندق میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے کئی فضائل سامنے آئے جو ان کے اللہ تعالیٰ کے ہاں صاحب مرتبہ ہونے کی علامت ہیں، چند ایک فضائل درج ذیل ہیں:

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے درج ذیل دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شرفِ قبولیت سے نوازا:

1 صور و عبر من الجهاد النبوي في المدينة للدكتور فوزي فيض الله، ص:261. 2 الأنفال 27:8. 3 التوبة 102:9. السيرة النبوية لابن هشام:262/3.

«اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أُجَاهِدَهُمْ فِيكَ مِنْ قَوْمٍ كَذَّبُوا رَسُولَكَ وَأَخْرَجُوهُ، اَللّٰهُمَّ! فَإِنْ بَقِيَ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَيْءٌ فَأَبْقِنِي لَهُ حَتّٰى أُجَاهِدَهُمْ فِيكَ»

''اے اللہ! اگر قریش سے مزید جنگ ہونے والی ہے تو مجھے اس کے لیے زندہ رکھ کیونکہ تو یہ جانتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ یہ پسند ہے کہ ان لوگوں سے جہاد کروں جنھوں نے تیرے رسول ﷺ کو جھٹلایا اور اسے اپنے وطن سے نکالا۔''[1]

ان کی یہ دعا قبول ہوئی، زخم خشک ہو گیا اور وہ روبصحت رہے۔

غزوۂ بنوقریظہ تک زخم صحیح رہا، رسول اللہ ﷺ نے انھیں بنوقریظہ کے معاملے میں ''فیصل'' تسلیم کیا۔ انھوں نے صحیح صحیح فیصلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت ان کے قریب نہ پھٹکی۔ یہ ان کے خلوص کی دلیل ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی اس طرح فرمائی کہ جب وہ بنوقریظہ کے متعلق فیصلہ سنانے کے لیے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے انصار سے کہا:

«قُومُوا إِلٰى سَيِّدِكُمْ»

''کھڑے ہو کر اپنے سردار کی طرف بڑھو۔''[3]

یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تکریم کے لیے تھا۔ اس میں ان کی شجاعت کا اعتراف بھی ہے۔ آپ ﷺ نے انھیں ''سید'' کے لقب سے نوازا اور ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہونے کا حکم دیا۔[4]

---

1 فقه السيرة للبوطي، ص: 228. 2 التاريخ الإسلامي للحميدي: 170/6. 3 صحيح البخاري، حديث: 3043 و 4121، 4122، و صحيح مسلم، حديث: 1768، والسيرة النبوية لابن هشام: 263/3، والتاريخ الإسلامي للحميدي: 170/2، وفقه السيرة للبوطي، ص: 228. 4 صور و عبر من الجهاد النبوي للدكتور فوزي فيض الله، ص: 265.

بنوقریظہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا نفاذ ہو چکا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دوبارہ دعا کے لیے ہاتھ بلند کر دیے۔ وہ عرض کر رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ فَإِنِّي أَظُنُّ أَنَّكَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ۔ قُرَيْشًا وَّالْمُشْرِكِينَ۔ فَإِنْ كُنْتَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَافْجُرْ جُرْحِي وَاجْعَلْ مَوْتَتِي فِيهَا»

''اے میرے اللہ! میرا خیال ہے کہ تو نے ہمارے اور قریش کے درمیان جنگ ختم کر دی ہے۔ اگر واقعی تو نے جنگ ختم کرنے کا ارادہ فرما لیا ہے تو میرا زخم جاری کر دے اور اسی کے باعث مجھے موت آجائے۔''[1]

ہم پہلی اور دوسری دعا میں سے ان کی یہ عجیب دعا دیکھ رہے ہیں۔ یہ ان ہستیوں کی دعا ہے جو جانتے ہیں کہ ان کی زندگی کا مقصد صرف شہادت نہیں بلکہ زندگی کے آخری لمحے تک جہاد جاری رکھنا ہے۔ وہ اسلام کی تائید و نصرت کا اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتے ہیں۔[2]

ہم سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی سیرت میں دیکھتے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم بھی ڈال دیں تو اللہ تعالیٰ اسے سچا کر دکھائے۔ وہ آسمانوں اور زمینوں میں قابل احترام ہیں، اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ بنوقریظہ کا تمام معاملہ ان کے ہاتھ میں آئے اور وہ خود ان کو فیصل بنانے کا تقاضا کریں۔

اختتامِ جہاد اور اپنی قوم کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے بعد انھیں زندگی کی چاہت نہ رہی۔ جنگ ختم ہو گئی، معاملہ ٹھنڈا ہو گیا اور بنوقریظہ کے متعلق فیصلے سے دل کو سکون ملا، اسلام کے لیے اچھے نتائج سامنے آنے لگے تو ان کے ہاں ''شہادت'' سے بڑا پھل کوئی نہ تھا، لہٰذا دعا فرمائی: ''میرا زخم جاری فرما دے اور اس کے سبب مجھے موت عطا کر۔''[3]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 4122. [2] التربية القيادية للدكتور الغضبان: 70/3. [3] التربية القيادية للدكتور الغضبان: 71/4.

واقعی ان کی امیدیں برآئیں، بنو قریظہ جو کل کے دوست اور آج کے دشمن تھے، ان کا انجام دیکھ لیا، ان کے متعلق فیصلہ سنایا۔ ادھر زخم پھوٹ پڑا۔ جب زخم پھوٹ پڑا تو ان کی قوم نے انھیں ان کے گھر منتقل کر دیا۔ آپ ﷺ صحابہ کے ہمراہ ان کے گھر گئے۔ آپ ﷺ اتنی تیزی سے چلے کہ اوپر والی چادریں گرا چاہتی تھیں اور جوتوں کے تسمے ٹوٹ گئے۔ صحابہ نے (تیز رفتاری کی) شکایت کی تو فرمایا: «إِنِّي أَخَافُ أَنْ تَسْبِقَنَا الْمَلَائِكَةُ فَتَغْسِلَهُ كَمَا غَسَلَتْ حَنْظَلَةَ» ''ڈر ہے کہ حنظلہ کی طرح اسے ہم سے پہلے فرشتے آکر غسل دے دیں گے۔ (اور ہم سعد رضی اللہ عنہ کو غسل دینے کے اعزاز سے محروم ہو جائیں گے۔) آپ ﷺ جب گھر پہنچے تو انھیں غسل دیا جا رہا تھا اور ان کی والدہ رو رہی تھیں اور کہتی جا رہی تھیں ؎

وَيْلُ أُمِّ سَعْدٍ سَعْدًا
حَزَامَةً وَّ جَدًّا

''سعد کی ماں کو سعد کی ہلاکت کا افسوس ہے۔
وہ دور اندیشی، مستقل مزاجی اور سنجیدگی کا مجسمہ تھا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ نَائِحَةٍ تَكْذِبُ إِلَّا أُمَّ سَعْدٍ»

''ام سعد کے علاوہ ہر رونے والی جھوٹ کہتی ہے۔''

میت کو باہر لے جایا گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ان سے زیادہ ہلکا پھلکا جنازہ ہم نے کبھی نہیں اٹھایا۔'' آپ نے فرمایا:

«وَمَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَّخِفَّ، وَقَدْ هَبَطَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ كَذَا وَكَذَا لَمْ يَهْبِطُوا قَطُّ قَبْلَ يَوْمِهِمْ، قَدْ حَمَلُوهُ مَعَكُمْ»

”جنازہ کیوں نہ ہلکا ہو، آسمان سے آج اتنی زیادہ تعداد میں فرشتے اترے ہیں کہ آج سے پہلے نہیں اترے تھے، انھوں نے بھی میت کو تمھارے ساتھ اٹھایا ہوا ہے۔“[1]

سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ان فرشتوں کی تعداد بتائی گئی ہے جو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں شریک ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«هٰذَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ الَّذِي تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَهِدَهُ سَبْعُونَ أَلْفاً مِّنَ الْمَلَائِكَةِ لَمْ يَنْزِلُوا إِلَى الْأَرْضِ قَبْلَ ذٰلِكَ، لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثُمَّ أُفْرِجَ عَنْهُ»

”یہ نیک بندہ ہے جس کے لیے عرش خوشی سے جھوم اٹھا، آسمان کے دروازے کھول دیے گئے اور اس کے جنازے میں ستر ہزار (70,000) فرشتے شریک ہوئے۔ وہ فرشتے اس سے قبل کبھی زمین پر نہ اترے تھے۔ (اس کے باوجود) اس پر قبر ایک مرتبہ تنگ ہوئی، پھر کشادہ کر دی گئی۔“[2]

آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو الوداع کیسے کہا۔ عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت نزع میں ان کے پاس گئے اور فرمایا:

«جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْراً مِّنْ سَيِّدِ قَوْمٍ، فَقَدْ أَنْجَزْتَ مَا وَعَدْتَّهُ وَلَيُنْجِزُكَ اللّٰهُ مَا وَعَدَكَ»

”اے سردارِ قوم! اللہ تعالیٰ تجھے بہترین جزا دے۔ تو نے اپنا وعدہ نبھایا اور یقیناً اللہ تعالیٰ بھی اپنا وعدہ نبھائے گا۔“[3]

1 السيرة النبوية لابن هشام: 264/3، والسلسلة الصحيحة، رقم: 1158، وسير أعلام النبلاء: 287/1. 2 السنن الكبرىٰ للنسائي: 101/4، وسير أعلام النبلاء: 295/1. 3 المصنف لابن أبي شيبة: 322/5 و145/5، وسير أعلام النبلاء: 288/1.

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کے سامنے اس نیک صالح انسان کی وفات کے بعد اکثر تعریف ہی کی ہے تاکہ لوگ ان جیسے اعمال صالحہ کو اپنائیں اور اس کو اپنے لیے نمونہ سمجھیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے انھیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا:

«اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ»

''سعد بن معاذ کی موت پر رحمٰن کا عرش جھوم اٹھا۔''[2]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ریشم کا ایک جوڑا ہدیہ ملا، صحابۂ کرام اسے چھوتے اور اس کی ملائمت پر تعجب کر رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَتَعْجَبُونَ مِنْ لِّينِ هٰذِهِ؟ لَمَنَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنْهَا وَأَلْيَنُ»

''تم اس کی ملائمت پر تعجب کرتے ہو؟ جنت میں سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کے رومال اس سے کہیں بہتر اور زیادہ ملائم ہیں۔''[3]

ان تمام خوبیوں، نیکیوں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں گراں قدر خدمات پیش کرنے کے باوجود انھیں قبر کے دباؤ سے واسطہ پڑا۔ چار آدمی انھیں قبر میں اتارنے کے لیے ان کی قبر میں اترے: حارث بن اوس، اسید بن حضیر، ابو نائلہ سلکان اور سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہم، جبکہ رسول اللہ ﷺ (وہیں) کھڑے تھے۔ جب انھیں قبر میں دفنا دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور متغیر ہوا، آپ ﷺ نے تین بار سبحان اللہ کہا۔ تمام مسلمانوں نے بھی سبحان اللہ کہا حتی کہ (قبرستان) بقیع گونج اٹھا، پھر آپ ﷺ نے تین بار اللہ اکبر

1 التاريخ الإسلامي للحميدي: 171/6. 2 صحيح البخاري، حديث: 3803، وصحيح مسلم، حديث: (124)-2466. 3 صحيح البخاري، حديث: 3802، وصحيح مسلم، حديث: 2468.

کہا، صحابہ کرام نے بھی اللہ اکبر کہا۔ آپ ﷺ سے (اس اچانک تسبیح و تکبیر کے متعلق) دریافت کیا گیا تو فرمایا:

«تَضَايَقَ عَلٰى صَاحِبِكُمُ الْقَبْرُ وَ ضَمَّ ضَمَّةً لَّوْ نَجَا مِنْهَا أَحَدٌ لَّنَجَا هُوَ ثُمَّ فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ»

''قبر تمھارے ساتھی پر تنگ ہوئی اور انھیں دبایا۔ اگر کوئی شخص قبر کے اس دبانے سے بچ پاتا تو یہ ضرور بچ نکلتے، البتہ پھر اللہ تعالیٰ نے قبر کو کشادہ فرما دیا ہے۔''[1]

یہ جلیل القدر صحابی عین جوانی میں شہید ہو گئے، موت کے وقت عمر صرف سینتیس (37) سال تھی۔ یوں انھوں نے اپنی قوم کی قیادت صرف تیس (30) برس کی عمر میں کی، تیس برس سے بھی پہلے ان کی قائدانہ صلاحیتیں قابلِ دید تھیں، حالانکہ عموماً انسان کی خوابیدہ طاقتیں اور صلاحیتیں چالیس برس کے بعد بیدار ہوتی ہیں جو جوانی اور توانائی کی آخری عمر ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسٰنَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اس کی ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور تکلیف سے جنا اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ (کی مدت) ہے، حتی کہ جب وہ اپنی قوت و طاقت (کمال

[1] السنن الكبرىٰ للنسائي: 101/4، ومسند أحمد: 377/3، والتربية القيادية للدكتور الغضبان: 77/4.

جوانی) کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوگیا تو اس نے دعا کی: اے میرے رب! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جو تو پسند کرے اور تو میرے لیے میری اولاد میں اصلاح کر، بلاشبہ میں نے تیری طرف توبہ کی اور بلاشبہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔''[1]

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا رنگ سفید تھا۔ دراز قد، حسین و جمیل اور خوب رو تھے، آنکھیں بڑی بڑی اور داڑھی بھی خوبصورت تھی۔[2]

حیی بن اخطب کا قتل

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت سعید بن مسیّب کے واسطے سے با سند بیان کیا ہے۔ سعید بن مسیّب احزاب اور قریظہ کے کچھ واقعات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ رب العزت نے لشکروں کو دور کر دیا تو حیی بن اخطب بھی چلا گیا۔ لیکن جب روحاء پہنچا تو اسے بنوقریظہ کا عہد یاد آیا۔ وہیں سے واپس ہوا اور بنوقریظہ کے ساتھ قلعہ بند ہوگیا۔ جب بنوقریظہ کو حاضر کیا گیا تو اسے بھی اس حالت میں لایا گیا کہ اس کے ہاتھ کندھوں سے بندھے ہوئے تھے۔ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''بخدا! میں نے اپنے نفس کو تمھاری عداوت پر کبھی ملامت نہیں کی لیکن بات یہ ہے کہ جو اللہ کی نصرت چھوڑ دے اللہ تعالیٰ بھی اسے بے یارومددگار چھوڑ دیتا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی گئی۔[3]

قتل ہونے سے پہلے حیی بن اخطب لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: ''لوگو! اللہ کے حکم پر کوئی دکھ نہیں، یہ تو وہ قتل و غارت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر لکھ رکھی ہے۔''

[1] الأحقاف 15:46. [2] سير أعلام النبلاء: 290/1. [3] المصنف لعبدالرزاق، رقم: 9737، والسيرة النبوية لابن هشام: 252/3، ودلائل النبوة للبيهقي: 23/4.

بعدازاں وہ بیٹھ گیا اور اس کی گردن اڑا دی گئی۔[1]

حیی بن اخطب کے قتل میں کئی اسباق اور عبرتیں ہیں، چند ایک یہ ہیں:

بری تدبیر خود تدبیر کرنے والے کو گھیر لیتی ہے: تمام عربی اور یہودی قبائل اسلام اور پیغمبر اسلام سے جنگ کے لیے اکٹھے ہو گئے اور بنو قریظہ کو عہد شکنی اور پشت سے حملہ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر الٹی کر دی اور رسوا کر دیا اور بالآخر حیی بن اخطب کی کوششیں اسے اپنے انجام تک لے آئیں۔

اللہ تعالیٰ ظالموں کو نہیں چھوڑتا وہ انھیں مہلت دیتا ہے اور بتدریج انجام کے قریب کرتا ہے اور آخر میں جب پکڑتا ہے تو غالب، قدرت رکھنے والے کی سی گرفت فرماتا ہے، لہٰذا اس کا مواخذہ انتہائی سخت ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ»

''اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے لیکن جب اسے پکڑنے پر آتا ہے تو بچ کر نکلنے نہیں دیتا۔''[2]

پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تلاوت فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظٰلِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ○﴾

''اور (اے نبی!) آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بے شک اس کی پکڑ نہایت درد ناک (اور) شدید ہے۔''[3]

حیی بن اخطب کی طرف سے جھوٹی دلیری کا اظہار: حیی بن اخطب نے دلیری کا اظہار کرنے کی کوشش کی اور خود آگے بڑھا کہ گردن ماردی جائے تاکہ اس پر کوئی خوش ہونے

1 السيرة النبوية لابن هشام:265/3. 2 صحيح البخاري، حديث:4686. 3 هود 102:11.

والا خوش نہ ہو۔ حالانکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ باطل پر ہے، اپنی جان پر اسی نے ظلم کیا ہے، اسے اس نے ہلاکت کے گڑھے میں اتارا ہے، اس کے باوجود وہ باطل پر مر رہا تھا۔ گناہ کا غرور اسے جہنم اور برے انجام تک لے جا رہا تھا کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے بجائے خواہش کی عبادت کر رہا تھا، ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ ﴾

''کیا پھر آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اسے گمراہ کر دیا، جبکہ اسے (حق کا) علم تھا اور اس کے کانوں اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، پھر کون ہے جو اللہ کے بعد اسے ہدایت دے؟ کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟''[1]

اللہ جس کی مدد نہ کرے وہ بے یارومددگار ہو جاتا ہے: جب اللہ تعالیٰ کسی کو بے آسرا کر دے تو اس کی حفاظت و مدافعت کرنے والا کوئی نہیں رہتا۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ ﴾

''اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمھیں بے یارومددگار چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمھاری مدد کر سکے؟ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''[2]

چونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حیی بن اخطب کی عداوت کا سبب صرف حسد اور کینہ تھا، اس لیے اس نے علانیہ اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی موقع پر میرے ساتھ نہ تھا۔ حیی

[1] الجاثیۃ 23:45. [2] آل عمرٰن 160:3.

رحمٰن کے دوستوں سے دشمنی کر کے شیطان کے گروہ میں شامل تھا۔ اور اللہ تعالیٰ سے ضد کر کے دشمنی مول لے رہا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی اسے بے یارو مددگار چھوڑنے والا اور تکلیف میں ڈالنے والے کے سپرد کرنے والا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت بالآخر نافذ ہو کر رہتی ہے۔ اس کے فیصلے کو کوئی ٹالنے والا نہیں، آسمان و زمین میں اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔ [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

''اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ آپ کو کوئی بھلائی پہنچائے، تو وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔'' [2]

کعب بن اسد قرظی کا قتل

بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو لایا گیا۔ قتل سے پہلے اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان حسب ذیل باتیں ہوئیں:

آپ ﷺ نے فرمایا: «كَعْبُ بْنُ أَسَدٍ؟» ''تم کعب بن اسد ہو؟''

کعب بن اسد: ''ہاں، اے ابو القاسم!''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَا انْتَفَعْتُمْ بِنُصْحِ ابْنِ خَرَاشٍ لَكُمْ وَكَانَ مُصَدِّقًا بِي، أَمَا أَمَرَكُمْ بِاتِّبَاعِي، وَإِنْ رَأَيْتُمُونِي تُقْرِؤُنِي مِنْهُ السَّلَامَ؟»

''کیا تمھیں ابن خراش کی نصیحت نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، وہ میری تصدیق کرتا تھا۔ کیا اس نے تمھیں میری پیروی کے لیے نہیں کہا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ جب تم مجھے ملو تو اس کی طرف سے مجھے سلام کہنا؟''

[1] الصراع مع اليهود لأبي فارس: 2/113,114۔ [2] الأنعام 6:17۔

کعب: ''تورات کی قسم! اے ابوالقاسم ایسا ہی ہے۔ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ یہود مجھے تلوار کے ڈر کی عار دلاتے رہیں گے تو میں ضرور آپ کی اتباع کر لیتا لیکن (اب تو) میں یہودیت ہی پر ہوں۔''

آپ ﷺ کے حکم پر اس کی گردن ماردی گئی۔[1]

سیرت نبوی پر لکھی گئی کتب یہود بنوقریظہ کے متعلق بیان کرتی ہیں کہ جب وہ ایک گروہ کو دوسرے کے بعد قتل کے لیے بھیج رہے تھے تو وہ اپنے سردار کعب بن اسد سے پوچھتے تھے۔[2]

کعب بن اسد کے قصۂ قتل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ یہودیت کے باطل ہونے کے باوجود انتہائی متعصب تھا۔ اسے ہمارے رسول ﷺ کی رسالت کے سچا ہونے کا علم تھا۔ لیکن اس لیے ایمان نہ لایا اور اسلام قبول نہ کیا کہ یہود اس کے ایمان کو تلوار کے خوف سے اسلام قبول کرنا سمجھیں گے۔ ایمان قبول نہ کرنا اور کفر پر جمے رہنا اس کی ریاکاری، تعریف وثنا کی محبت اور مذمت و عار کے ڈر کا نتیجہ تھا۔ یہی دلیل ہے اس کی بیوقوفی، حماقت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دھوکے باز یہودی کو بے یارومددگار چھوڑنے کی۔[3]

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی زبیر بن باطا کے لیے سفارش

ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: ''مجھے زبیر یہودی عطا کر دیجیے کہ میں اسے ''بعاث'' کے دن کے احسان کا بدلہ دے سکوں۔''

آپ ﷺ نے درخواست قبول فرمائی، چنانچہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ زبیر بن باطا کے پاس آئے اور کہا: ''ابوعبدالرحمٰن! مجھے پہچانتے ہو؟'' اس نے کہا: ''ہاں، کیا کوئی اپنے بھائی کو

---

1 المغازي للواقدي: 516/2، واليهود في السنة المطهرة للدكتور عبدالله الشقاري: 368/1.

2 اليهود في السنة المطهرة للدكتور عبدالله الشقاري: 368/1. 3 الصراع مع اليهود لأبي فارس: 115/2.

بھی بھول سکتا ہے؟!" ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں بعاث کے دن کے تیرے احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا: "یہ تو ٹھیک ہے، ایک اچھا انسان احسان کا بدلہ دیا ہی کرتا ہے۔" ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں نے ایسا کرلیا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرے متعلق اجازت لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری درخواست قبول کرلی ہے۔" یہ کہتے ہوئے ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کی رسیاں کھول دیں۔

زبیر نے کہا: "تم لوگوں نے میری بیوی اور بیٹے کو قابو کرلیا ہے اور کوئی ساتھ لے جانے والا میرے پاس نہیں۔" حضرت ثابت رضی اللہ عنہ دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ زبیر کی بیوی اور بیٹے کو بھی رہا کر دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست قبول فرمائی۔ انھوں نے واپس آکر زبیر سے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھاری بیوی اور بیٹے کو رہا کردیا ہے۔" زبیر نے کہا: "میرے باغ میں کئی کھجوریں ہیں۔ ان کے علاوہ میرا اور اہل خانہ کا کوئی ذریعہ معاش بھی نہیں؟" حضرت ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال بھی واپس کر دیا۔ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ نے زبیر سے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارا مال و متاع واپس کردیا ہے، اب اسلام قبول کرلو اور محفوظ ہوجاؤ۔"

زبیر نے اپنے دونوں ہم نشینوں کعب بن اسد اور حیی بن اخطب کے متعلق پوچھا کہ ان کا کیا بنا؟ اور اپنی قوم کے دیگر لوگوں کے متعلق بھی دریافت کیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: "انھیں قتل کیا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شاید تمھیں نیکی کے لیے زندہ رکھا ہے۔"

زبیر نے کہا: "ثابت! اللہ کے نام پر تجھ سے سوال کرتا ہوں اور بعاث کے دن کے احسان کا بھی واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے بھی مقتولین کے ساتھ ملا دو، ان کے بعد میرے لیے زندگی میں کوئی بھلائی نہیں۔" ثابت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری بات عرض کر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر کے بھی قتل کا حکم دے دیا۔ یوں اسے بھی قتل کر دیا گیا۔[1]

1 السيرة النبوية لابن هشام: 3/254,253، ودلائل النبوة للبيهقي: 4/24,23.

رفاعہ بن سموئل کے لیے سلمیٰ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی سفارش

ام المنذر سلمیٰ بنت قیس رضی اللہ عنہا سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ بھی تھیں، قبلتین کی طرف نماز بھی پڑھ چکی تھیں اور دیگر خواتین کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت بھی کر چکی تھیں۔ سلمیٰ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے یہودی رفاعہ بن سموئل قرظی کی سفارش کی۔ رفاعہ بالغ آدمی تھا جس نے ان سے پناہ طلب کی تھی۔ وہ پہلے سے ان کے خاندان سے متعارف تھا۔ حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان! رفاعہ کو رہا کر دیجیے۔ اس کا خیال ہے کہ وہ نماز بھی پڑھے گا اور اونٹ کا گوشت بھی کھائے گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست قبول فرمائی۔ یوں سلمیٰ رضی اللہ عنہا نے رفاعہ کو بچا لیا۔[1]

اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام عورت کی عزت کرتا اور اس کی سفارش کو معتبر جانتا ہے۔[2]

اختلاف رائے کے آداب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو سمجھنے میں بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہو جاتا تھا۔ اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَلَا لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ»
''سنو! ہر شخص عصر کی نماز بنی قریظہ ہی میں پڑھے۔''

بعض صحابہ نے سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد صرف جلدی جانا ہے، لہٰذا انھوں نے نمازِ عصر وقت پر ادا کر لی۔ بعض نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ظاہر پر محمول کیا اور نماز بنو قریظہ میں پہنچ کر ادا کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فریقین میں سے کسی سے تعرض نہیں کیا۔ یوں

1 السيرة النبوية لابن هشام: 255/3. 2 الصراع مع اليهود لأبي فارس: 116/2.

شریعت کا ایک اہم اصول سامنے آیا کہ فروعی مسائل میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ یوں فروعی مسائل کے اختلاف کو گویا برقرار رکھا گیا۔ فریقین کو درست اور معذور قرار دیا گیا۔

اس سے یہ دلیل بھی ملتی ہے کہ ایسے فروعی مسائل جن کی بنیاد لوگوں کے اختلاف رائے پر ہوتی ہے انھیں بالکل ختم کر دینا ممکن نہیں اور نہ ہی ایسی کوئی کوشش کامیاب ہوسکتی ہے۔[1]

فروعی مسائل کے اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش، شریعت مقرر کرنے کے سلسلے میں حکمت ربانی اور تدبیر الٰہی کے آگے ڈھٹائی اور ضد بازی کی ایک صورت ہے۔ ایسے مسائل میں اختلاف نہ ہونے کی ضمانت کیسے دی جاسکتی ہے جن کی بنیاد احتمال پر ہو۔ ہمارے زمانے میں اگر اختلاف ختم ہونے کا احتمال ہے تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تو یہ احتمال بالاولیٰ تھا۔ فروعی اختلاف میں نہ پڑنے کے سب سے زیادہ حق دار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ فروعی مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوسکتا ہے تو ہمارا کیوں نہیں ہوسکتا؟[2]

اس حدیث سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جس شخص نے قرآن پاک کی آیت یا حدیث کے ظاہری معنی لیے اسے معیوب نہیں سمجھنا چاہیے۔ اور اسے بھی معیوب نہیں سمجھنا چاہیے جو نص سے ایسا مسئلہ اخذ کرتا ہے جو نص کو خاص کر دے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فروعی اختلاف رکھنے والے مجتہدین میں سے جو غلطی پر ہے وہ بھی گناہ گار نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ»

”جب حاکم سوچ سمجھ کر فیصلہ دے اور اس کا فیصلہ درست ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جو سوچ سمجھ کر فیصلہ دے مگر فیصلہ غلط صادر ہو جائے تو اس کے لیے

1 فقه السيرة للبوطي، ص:226. 2 فقه السيرة للبوطي، ص:226.

ایک اجر ہے۔"[1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بعض صحابہ نے آپ ﷺ کی طرف سے صادر ہونے والی نہی کو ظاہر پر محمول کیا اور وقت نماز کے نکلنے کی پروا نہ کی۔ وقت سے نماز موخر کرنے کی ممانعت کے عام حکم کو وقت پر نہ پڑھنے کے اس خاص حکم کے پیش نظر انھوں نے یہی سمجھا کہ بنوقریظہ پہنچ کر نماز پڑھنے کا خاص حکم ہے اور نماز وقت پر پڑھنا عام ہے۔ (اور انھوں نے خاص حکم پر عمل کیا۔)[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس واقعے سے یہ استدلال کرنا درست نہیں کہ ہر مجتہد مطلق طور پر درست ہی ہوتا ہے۔ اس میں تو صرف یہ بیان ہوا ہے کہ جو کوئی اجتہاد کرے اسے ملامت نہ کی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اسے گناہ گار نہیں کہا جائے گا۔ واقعے کا ماحصل یہ ہے کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو ظاہری معنی پر محمول کیا اور دوسری نہی کی بنا پر پہلی نہی (تاخیر نماز کی نہی) کی پروا نہ کی۔ انھوں نے جنگی معاملات میں مصروفیت کی بنا پر نماز موخر کرنے کو جائز سمجھا۔ اس کو دیکھتے ہوئے کہ غزوۂ خندق کے ایام میں نماز موخر ہو جایا کرتی تھی۔ دیگر صحابۂ کرام نے آپ کی ممانعت کو ظاہری معنی پر محمول نہ کیا۔ وہ یہ سمجھے کہ آپ کے حکم سے مراد صرف جلدی کرنا اور بنوقریظہ تک نہایت تیزی سے پہنچنا ہے۔ جمہور نے اجتہاد کرنے والے کو درست کہا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فریقین میں سے کسی سے بھی تعرض نہیں کیا۔ کسی بھی فریق سے گناہ کا ارتکاب ہوتا تو آپ ﷺ ضرور تعرض کرتے۔[3]

بنوقریظہ کی غنیمتوں کی تقسیم

صحابہ نے بنوقریظہ کے چلے جانے کے بعد جو غنیمتیں اکٹھی کیں ان کی تفصیل کچھ یوں

---

[1] صحیح البخاري، حدیث: 7352، وصحیح مسلم، حدیث: 1716. [2] المستفاد من قصص القرآن لعبدالکریم زیدان: 286/2. [3] خلاصہ از فتح الباری: 473/7، شرح الحدیث: 4119.

ہے۔ پندرہ سو تلواریں، دو ہزار نیزے۔ تین سو درعیں، چھوٹی بڑی پندرہ سو ڈھالیں، اس کے علاوہ بڑی تعداد میں بکریاں، اونٹ، گھریلو سازوسامان اور بہت سے برتن۔ مسلمانوں نے کئی مٹکے شراب بھی پائی۔ منقولہ غنیمت، (مثلاً: اسلحہ، گھریلو سامان وغیرہ) مجاہدین اور انصار و مہاجرین میں تقسیم کر دی گئی، غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار حصے تقسیم ہو گئے۔ گھڑسواروں کو دو حصے، ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ خود اس کا، جبکہ پیادہ کو ایک حصہ ملا۔[1]

جو شراب ہاتھ لگی اسے بہا دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سوید بن خلاد رضی اللہ عنہ کا حصہ مقرر فرمایا جنھیں ایک یہودی عورت نے چکی گرا کر شہید کر دیا تھا۔ یہ حصہ ان کے وارثوں کو دیا گیا۔[2] اس صحابی کا حصہ بھی مقرر کیا گیا جو بنو قریظہ کے محاصرے کے دوران فوت ہو گیا تھا۔[3]

اسی جنگ میں شریک صحابیات صفیہ بنت عبدالمطلب، ام عمارہ، ام سلیط، ام العلاء، سمیرا بنت قیس اور حضرت سعد بن معاذ کی والدہ ام سعد رضی اللہ عنہن کے لیے آپ ﷺ نے حصہ تو مقرر نہ فرمایا مگر انھیں بھی مالِ غنیمت سے نوازا۔[4]

غیر منقولہ اموال، مثلاً: اراضی، گھر، یہ رسول اللہ ﷺ نے صرف مہاجرین کو دیے اور انصار کو ان میں سے کچھ نہ دیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مہاجرین وہ زمین اور کھجور کے درخت انصار کو واپس کر دیں جنھیں وہ ان سے ادھار لے کر اپنے استعمال میں لا رہے تھے۔[5]

اراضی اور گھروں کے متعلق فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ ﴾

[1] الصراع مع اليهود لأبي فارس:2/97,96. [2] الصراع مع اليهود لأبي فارس: 2/97. [3] اليهود في السنة المطهرة للدكتور عبدالله الشقاري:1/375. [4] اليهود في السنة المطهرة للدكتور عبدالله الشقاري:1/375. [5] الصراع مع اليهود لأبي فارس:2/98.

’’اور اللہ نے تمھیں ان کی زمینوں، ان کے گھروں، ان کے مالوں اور اس زمین کا وارث بنا دیا جسے تم نے پامال نہیں کیا تھا اور اللہ ہر شے پر خوب قادر ہے۔‘‘[1]

پروفیسر محمد عزت دروزہ لکھتے ہیں: ﴿وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا﴾ کے متعلق مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد خیبر کی زمین ہے۔ یہ فتح خیبر کی پیشگی خوشخبری ہے۔مگر آیت کے سیاق و سباق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس سے مراد بنوقریظہ کی وہ اراضی ہے جو ان کے گھروں سے دور تھی۔ جو بلا جنگ اور بلا محاصرہ اس کے مالکوں کے انجام کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے (تقسیم کے ساتھ ساتھ) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بنوقریظہ کی قیدی عورتیں اور بچے دے کر شام بھیجا۔ انھوں نے قیدیوں کو وہاں فروخت کر کے اسلحہ اور گھوڑے خریدے۔ اس طرح آپ ﷺ نے کچھ قیدی دے کر حضرت سعد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کو نجد بھیجا۔ انھوں نے بھی قیدی بیچ کر اسلحہ خریدا۔[3]

ریحانہ بنت عمرو رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

بنوقریظہ کے خاندان بنوعمرو کی ایک قیدی عورت ریحانہ بنت عمرو بن خنافہ بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ وہ اسلام قبول کر لیں تو میں ان سے عقد کر لوں مگر وہ متردد رہیں اور کچھ عرصہ اپنے دین پر ہی قائم رہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ کھول دیا تو وہ مسلمان ہو گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک ماہ کے لیے ام منذر بنت قیس رضی اللہ عنہا کے گھر بھیج دیا۔ جب وہ پاک ہو گئیں تو آپ ﷺ خود وہاں تشریف لے گئے اور اسے اختیار دیا کہ آزادی کے بعد عقد کر لے یا صرف ملکیت میں رہنا پسند کرے۔ اس نے صرف ملکیت میں رہنا پسند کیا۔[4]

---

[1] الأحزاب 27:33. [2] سيرة الرسول ﷺ للأستاذ محمد عزة دروزة: 202/2. [3] الصراع مع اليهود لأبي فارس: 98/2. [4] الصراع مع اليهود لأبي فارس: 99/2.

غزوۂ احزاب میں اسلام کا پرچار

شعراءِ صحابۂ کرام اپنے بھرپور جہادی کردار کو قصائد کے رنگ میں رنگنے لگے اور انھوں نے غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کے دلیرانہ اقدام کا بھرپور اظہار کیا۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے یوں کہا:

''بہت سی پوچھنے والیاں ہم سے پوچھتی ہیں کہ ہم کس چیز سے دوچار ہوئے۔ اگر وہ دیکھ لیتیں تو ہمیں اس موقع پر (مقابلے میں) صابر پاتیں۔

ہم نے پورے صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ ہم اپنا ثانی نہیں پاتے جو اللہ تعالیٰ پر ایسا صبر و توکل کر دکھاتا جو ہم نے سختیوں کے وقت کر دکھایا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق و صداقت میں ہمارے مددگار تھے، ان کے ساتھ ہم ساری مخلوق پر برتری حاصل کر لیں گے۔

ہم ان لوگوں سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے جو ظالم ہیں اور جنھوں نے صرف عداوت کی بنا پر ہمارے خلاف جنگ کی۔

جب وہ ہماری طرف آئیں گے تو ہم ان کا ایسی تلواروں کے ذریعے بندوبست کریں گے جو جلد بازوں پر نہایت تیزی سے چلیں گی۔

تم ہمیں میدان کے تالابوں جیسی کھلی اور کشادہ زرہوں میں ملبوس دیکھ رہے تھے۔''

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے مزید اشعار کا ترجمہ:

''ہم جنگ اس لیے کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت کریں۔ اس کے نتیجے میں ہم اللہ کے سچے اور مخلص بندے بن سکیں گے۔

اور اس لیے بھی کہ اہل مکہ اور وہ گروہ جو اکٹھے ہو کر آئے تھے، پلٹتے وقت جان لیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور اللہ تعالیٰ بلاشبہ مومنوں کا دوست ہے۔

اگرچہ تم نے اپنی حماقت سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے تو کیا ہوا، اللہ تعالیٰ تو سب پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ بہت جلد سعد رضی اللہ عنہ کو پاکیزہ باغات میں جگہ دے گا۔ وہ جگہ اللہ کے نیک بندوں کی اقامت گاہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمھیں شکست دے کر واپس بھگا دیا۔ تم غصے سے ہونٹ چباتے ذلیل وخوار اور نامراد ہو کے لوٹے۔

تمھارے لیے یہی رسوائی بہت ہے کہ تمھیں یہاں سے کچھ حاصل نہیں ہوا بلکہ قریب تھا کہ تم نیست و نابود ہو جاتے۔

طوفانی ہوا نے تمھیں اوندھے منہ پچھاڑ دیا تھا۔''

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبعری کے جواب میں طویل قصیدہ کہا۔ ایک جگہ وہ کہتے ہیں:

''اور ہمیں اپنے رب کی جانب سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں) پاکیزہ زبان عطا ہوئی جو بڑے ثواب کا وعدہ دیتی ہے۔

احزاب کو بھی یہ نصیحتیں کی گئی تھیں لیکن انھوں نے عمل نہ کیا۔ ہمیں نصیحت کی گئی تو ہم نے اسے بڑے شوق سے یاد رکھا۔

ایسے احکام ملے جنھیں کم عقل لوگ مشکل اور ناقابل عمل سمجھتے تھے لیکن اہل دانش انھیں صحیح اور قابل عمل سمجھ رہے تھے۔

قریش کی غصے میں بھری جماعت اس نیت سے آئی تھی کہ اپنے ہی رب پر غالب آئے گی۔ لیکن انھیں شاید اندازہ نہیں کہ سب پر غالب آنے والے سے جو بھی مقابلہ کرتا ہے وہ خود مغلوب ہو جاتا ہے۔''

ابن ہشام کہتے ہیں: ''ایک قابل اعتماد شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ عبدالملک بن یحییٰ

بن عباد بن عبداللہ نے کہا: جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے یہ آخری شعر کہا:

جَاءَتْ سَخِينَةُ كَيْ تُغَالِبَ رَبَّهَا
فَلَيُغْلَبَنَّ مُغَالِبُ الْغَلَّابِ

''قریش کی غصے میں بھری جماعت اس ارادے سے آئی تھی کہ اپنے ہی رب پر غالب آئے گی لیکن انھیں شاید اندازہ نہیں کہ سب پر غالب آنے والے سے جو بھی مقابلہ کرتا ہے وہ خود مغلوب ہو جاتا ہے۔''

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَقَدْ شَكَرَكَ اللّٰهُ يَا كَعْبُ! عَلٰى قَوْلِكَ هٰذَا» ''اے کعب! اللہ تعالیٰ نے تمھارے اس شعر کی بڑی قدر فرمائی ہے۔''[1]

[1] السيرة النبوية لابن هشام:3/273.

حصہ 14

غزوۂ احزاب اور غزوۂ حدیبیہ کے درمیانی عرصے کے اہم واقعات

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

”پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی
تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا، تاکہ مومنوں کے لیے
اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی حرج نہ رہے،
جب وہ ان سے (اپنی) حاجت پوری کر لیں اور اللہ کا حکم تو (پورا)
ہو کر ہی رہتا ہے۔“

(الأحزاب 33:37)

باب 1

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح اور متبنٰی کا قاعدہ

جنگی گروہوں کے آنے جانے، حکومت کی تشکیل اور جزیرہ نمائے عرب میں اس کا رعب و دبدبہ قائم ہونے کے پہلو بہ پہلو، امت کا تشریعی ڈھانچہ تکمیل کے مراحل طے کر رہا تھا، مثلاً: منہ بولا بیٹا قرار دینے کا طریقہ ختم کیا جا رہا تھا۔ پردہ لازم ہو رہا تھا۔ خوشی منانے کا طریقہ مقرر ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ضرورت و اہمیت واضح کی جا رہی تھی۔ رسوم و رواج سے نپٹا جا رہا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے عقد فرمانا بھی اسی سلسلے کی کڑی تھا۔

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نام ونسب

زینب بنت جحش بن رئاب بن یعمر اسدی۔ یہ عبداللہ بن جحش اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔[1]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی کنیت، ام الحکم اور نام برہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر زینب رکھ دیا۔[2]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا پہلے پہل ہجرت کرنے والوں میں شامل تھیں، بڑی پرہیز گار

1 الاستیعاب لابن عبدالبر:372/1. 2 الاستیعاب لابن عبدالبر:97/2.

خاتون تھیں۔ ہمیشہ روزہ رکھتیں۔ قیام اللیل کرتیں۔ بکثرت صدقہ کرتیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَسْرَعُكُنَّ لِحَاقًا بِي أَطْوَلُكُنَّ يَدًا»

''تم میں سے سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی جس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں۔''

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں تاکہ معلوم ہو کس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ہم میں سے زینب کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے تھے، وہ اپنے ہاتھ سے محنت کرتی اور صدقہ دیتی تھیں۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

''میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو ان سے زیادہ دین دار، اللہ سے ڈرنے والی، سچی بات کہنے والی، صلہ رحمی کرنے والی اور صدقہ و خیرات کرنے والی ہو اور نہ ان سے بڑھ کر کوئی عورت اپنے آپ کو دین کے کاموں میں مصروف رکھتی تھی۔ تاہم ان کی طبیعت میں تھوڑی تیزی تھی لیکن اس پر بھی وہ جلد قابو پا لیتی تھیں۔'' [2]

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے نکاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تھا کہ وہ طبقاتی فرق جو جاہلیت کا حصہ ہے اسے ختم کر دیا جائے، تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہو جائیں۔ تقویٰ کے سوا کوئی اور وجہ فضیلت نہ ہو۔ عرب معاشرے میں آزاد کردہ غلاموں کو کمتر سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو آزاد کر کے منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ قبیلہ اسد سے تعلق رکھنے والی اپنی پھوپھی زاد زینب سے ابتدا کر کے طبقاتی اونچ نیچ کو ختم کر دیا جائے۔ طبقاتی اونچ نیچ کی جڑیں اتنی گہری تھیں کہ اسے

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 1420، وصحيح مسلم، حديث: 2452 واللفظ له. [2] صحيح مسلم، حديث: 2442، والسنن الكبرىٰ للنسائي: 7/64-66.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ختم کر سکتے تھے تاکہ امت مسلمہ اسے نمونہ بنا لے اور انسانیت ہدایت کی اس راہ پر چل پڑے۔

اس شادی کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ متبنیٰ بنانے یا نہ بنانے کے بارے میں تشریعی حکم کا مقدمہ بن سکے۔ یہ حکمت بھی معاشرے اور خاندانی فلاح و بہبود کے لیے پہلی حکمت سے کسی طرح کم نہیں، تاہم یہ حکمت ابتدا میں سامنے نہیں آئی۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی منگنی کرنے بذات خود تشریف لے گئے۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو ان سے نکاح کے لیے کہا تو زینب رضی اللہ عنہا نے جواباً کہا: ''میں اس سے نکاح نہیں کروں گی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے کر فرمایا: «بَلٰی ، فَانْكِحِيهِ» ''کیوں نہیں! اس سے نکاح کرو۔'' زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں ذرا سوچ بچار کرلوں؟'' یہ گفتگو جاری تھی کہ قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ○ ﴾

''اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اپنے معاملے میں ان کا کوئی اختیار (باقی) رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہ ہو گیا۔''[2]

ان آیات کے نزول کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ان سے میری شادی پر آپ راضی ہیں؟'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ!» ''ہاں۔'' اس پر زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کروں گی۔ میں زید سے

---

1 قضايا نساء النبي ﷺ والمؤمنات لحفصة بنت عثمان الخليفي، ص: 205. 2 الأحزاب: 36:33.

شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔"[1]

حضرت زید رضی اللہ عنہ ان دنوں ابھی زید بن محمد کے نام سے پکارے جا رہے تھے۔ زید رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا اور 10 دینار، 60 درہم، اوڑھنی، چادر، زرہ، 60 مد اناج اور 10 مد کھجور بطور حق مہر دی۔[2]

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا

حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا میں نباہ نہ ہو سکا۔ ازدواجی زندگی بس سے باہر ہو گئی۔ حضرت زید نے حضرت زینب سے جدائی کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اس سے پہلے بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بندھن کے قائم نہ رکھ سکنے کی شکایت کرتے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ہمیشہ بیوی کے متعلق اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور طلاق نہ دینے کا مشورہ دیتے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کی اجازت دے دی اور زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی۔ یہ شادی تقریباً ایک سال قائم رہی۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ایک سال تک یا ایک سال سے چند روز اوپر زید رضی اللہ عنہ کے پاس رہیں، پھر ان میں اختلاف ہو گیا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ آپ زید کو ہمیشہ تاکید کرتے: ﴿ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ ﴾ "اللہ سے ڈر اور اپنی بیوی اپنے پاس رکھ۔"[3]

اب تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی کوئی چاہت ہی نہ رہی تھی۔ وہ بڑے شریف النفس انسان تھے۔ انھیں پسند نہیں تھا کہ اپنی خوشی کے لیے کسی کو تنگی میں ڈالیں۔ یوں انھوں نے علیحدگی کا پختہ ارادہ کر لیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نہایت مضطرب تھیں۔ خارجی سبب یا فرد کی مداخلت کے بغیر ہی دونوں کے درمیان علیحدگی ہو گئی۔ طلاق میں صرف اور

[1] تفسیر الطبري: 11/22، والدر المنثور: 609/5. [2] تفسیر ابن کثیر: 489/3. [3] تفسیر ابن کثیر: 491/3.

صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ارادے کا دخل تھا۔ رسول اللہ ﷺ انھیں اللہ تعالیٰ کا خوف دلاتے اور بیوی نہ چھوڑنے کو کہتے رہے۔[1]

ابن کثیر یہ سبب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اسلاف سے کئی روایات نقل کی ہیں مگر ان کے غیر صحیح ہونے کی بنا پر ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔[2]

رسول اللہ ﷺ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح میں پوشیدہ حکمت

منہ بولا بیٹا بنانے کی عادت لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکی تھی اور رسم و رواج کا حصہ بن چکی تھی۔ اس رسم کو اور اس کے نتائج کو ختم کرنا آسان نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ رسم ختم کرنی چاہی اور آیات نازل فرمائیں کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا۔ یہ تو صرف زبان کا کہنا ہے جو حقیقت کو نہیں بدل سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝﴾

''اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔ اور تم اپنی جن بیویوں کو ماں کہہ بیٹھتے ہو، انھیں اس (اللہ) نے تمھاری مائیں نہیں بنایا اور نہ اس نے تمھارے لے پالکوں (منہ بولے بیٹوں) کو تمھارے (حقیقی) بیٹے بنایا ہے، یہ تو تمھارے اپنے مونہوں کی باتیں ہیں اور اللہ حق (بات) کہتا ہے اور وہی (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے۔''[3]

[1] قضايا نساء النبي ﷺ والمؤمنات لحفصة بنت عثمان الخليفي، ص: 209. [2] تفسير ابن كثير: 491/3. [3] الأحزاب 4:33.

اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ منہ بولے بیٹوں کو ان کے اصلی والدین کے نام سے پکارا کرو، عدل وانصاف کا یہی تقاضا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

''ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے، پھر اگر تمھیں ان کے باپوں کا علم نہ ہوتو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے دوست ہیں اور اس معاملے میں تم بھول چوک جاؤ تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور لیکن تمھارے دل جس بات کا عزم کرلیں (تو وہ گناہ ہے) اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزادکردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد کہتے تھے حتی کہ یہ فرمان الٰہی نازل ہوا۔[2]

منہ بولے بیٹے کے اصلی والد کا علم نہ ہوتو بھی انھیں وقتی طور پر اس رسم کے مطابق بلانے کی اجازت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ رسم اس وقت ختم کر دی اور فرمایا کہ بصورت دیگر وہ ان کے بھائی اور دوست ہیں۔

یعنی اگر تمھیں ان کے والد کا علم نہیں تو تمھارے اور ان کے درمیان صرف دینی بھائی چارے اور دوستی (موالاۃ) کا رشتہ ہے۔ اور دینی بھائی چارہ اس لیے ہے کہ ان کا نسب نامعلوم ہے، لہٰذا اس طرح کہہ دیا جائے کہ فلاں مولیٰ فلاں، یا مولیٰ بنی فلاں۔[3]

دین میں بھائی چارے اور رشتہ موالات کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ لوگ جن کے والد کا علم ہے ان کے لیے بھی یہ بھائی چارہ قائم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن

1 الأحزاب 33:5. 2 صحيح البخاري، حديث: 4782. 3 تفسير السعدي: 4/136.

حارثہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

«أَنْتَ أَخُونَا وَ مَوْلَانَا»

''تم ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہو۔''[1]

یعنی ہمارے اسلامی بھائی اور دوست ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾

''مومن تو (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں۔''[2]

متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) کی ممانعت میں دیگر نصوص بھی وارد ہوئی ہیں۔ اور یہ صورت بیٹے کے خود کو کسی کی طرف منسوب کرنے کے حوالے سے ہے۔ شریعت میں اس بات کی سختی سے حرمت موجود ہے کہ کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے نسب کو اپنے حقیقی والد کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوِ انْتَمٰى إِلٰى غَيْرِ مَوَالِيهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْهُ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا» ''جس شخص نے اپنے آپ کو اپنے والد کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا یا جس غلام نے اپنے آپ کو غیر موالی کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی نفلی یا فرض عبادت قبول نہیں کریں گے۔''[3]

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اثبات نسب کے لیے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ اس کی یہ صورت ہے کہ عورت سے عقد ہوا ہو یا وہ آدمی کی ملکیت ہو اور آدمی نے اس سے ازدواجی تعلق قائم کیا ہو۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت والا یہ طریقہ بھی ختم کر دیا جس میں تھا کہ بدکاری کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد اس زانی کی طرف منسوب ہوتی

---

1 صحيح البخاري، حديث: 2699، ومسند أحمد: 98/1 و155. 2 الحجرات 10:49.
3 صحيح البخاري، حديث: 1870، وصحيح مسلم، حديث: 1370 واللفظ له.

تھی ارشاد نبوی ہے:

«اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»

”بچہ اس کا ہے جس کے ہاں پیدا ہوا اور بدکار کے لیے پتھر ہیں۔“[1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اولاد صحیح عقد زواج یا لونڈی سے ملاپ کے بعد پیدا ہو اس کا نسب باپ کے ساتھ ملایا جائے گا، جبکہ بدکاری اور زنا نسب کا ذریعہ بننے کے لائق نہیں بلکہ یہ ایک اور معاملے کا سبب بنے گا اور وہ ہے رجم اور پتھر۔[2]

اللہ تعالیٰ نے متبنیٰ کے اپنے غیر حقیقی باپ کی طرف نسبت کرنے سے منع اور حقیقی والد کی طرف نسبت کرنے کا حکم یا اسلامی اخوت اور ولاء کے حکم کی وضاحت کرنے کے بعد جان بوجھ کر ایسی غلطی کرنے اور جاہلیت والا طریقہ اپنانے والے کے بارے میں وضاحت فرما دی اور اسی طرح بھول چوک کرنے والے کے بارے میں بھی شریعت کا حکم واضح کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

”ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے، پھر اگر تمھیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے دوست ہیں اور اس معاملے میں تم بھول چوک جاؤ تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور لیکن تمھارے دل جس بات کا عزم کر لیں (تو وہ گناہ ہے) اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔“[3]

[1] صحيح البخاري، حديث: 6818، وصحيح مسلم، حديث: 1458. [2] علاقة الآباء بالأبناء في الشريعة الإسلامية للدكتور سعاد الصانع، ص: 53,52. [3] الأحزاب 5:33.

اس آیت میں بھول چوک کرنے والے، تلاش بسیار کے بعد غلطی کرنے والے، یا سبقت لسانی سے ایسے الفاظ ادا کر گزرنے والے کو رعایت دی گئی ہے۔ لیکن جان بوجھ کر اپنے باپ کو تبدیل کرنے یا نسب کو غلط منسوب کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے گناہگار اور معیوب قرار دیا ہے۔[1]

منہ بولا بیٹا بنانے کا رواج لوگوں میں پختہ ہو چکا تھا۔ عرب معاشرے میں اس کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح اس رسم کا عملی خاتمہ تھا۔[2]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی حکمت اظہر من الشّمس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یوں واضح فرمایا:

﴿لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا﴾

”تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی حرج نہ رہے، جب وہ ان سے (اپنی) حاجت پوری کرلیں۔“[3]

باطل نظریات کے حامل اور ان کے خوشہ چینوں نے غیر ثابت شدہ روایات کا سہارا لے کر اس سلسلے میں کئی کہانیاں گھڑی ہیں، جنھیں وہ دہراتے رہتے ہیں۔ وہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یوں جھوٹ باندھتے ہیں کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی تو آپ کو زینب رضی اللہ عنہا سے محبت ہو گئی۔ زید کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔[4]

1 قضايا نساء النبي والمؤمنات لحفصة بنت عثمان الخليفي، ص: 192,191. 2 من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 311. 3 الأحزاب 33:37. 4 المفصل في أحكام المرأة لعبدالكريم زيدان: 11/475,474.

یہ بات بالکل غلط ہے، امام ابن العربی نے اس کی تردید میں لکھا ہے: ''یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زینب کو دیکھا تو وہ آپ ﷺ کے دل میں گھر کر گئی۔ زینب کو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پہلے بھی دیکھا تھا۔ اس وقت تو پردہ بھی مانع نہیں تھا۔ بعد میں یہ تعلق کیسے پیدا ہو گیا۔ پہلے تو ایسی کوئی بات نہیں تھی لیکن جونہی زینب کا نکاح ہوا ایک دم سے یہ معاملہ کیونکر ہو گیا؟ رسول اللہ ﷺ کا دل ایسی باتوں سے پاک تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ○﴾

''اور اپنی نگاہیں ہرگز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آرائش دنیا (کی خاطر) دے رکھی ہیں تاکہ انھیں اس میں آزمالیں تیرے رب کا دیا ہوا اس سے بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔''[1]

عورتیں سامان دنیا کی رونق ہیں مگر مطلقہ عورتوں میں وہ صورت کہاں اور پھر شادی شدہ عورتوں میں کیسے؟

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا ٱللَّهُ مُبْدِيهِ﴾

''اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔''[2]

یعنی آپ ﷺ اس سے نکاح کا معاملہ دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں تھی جو بعد میں سامنے آتی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے دل میں زینب رضی اللہ عنہا کی محبت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور ظاہر کر دیتا۔ یوں ہمیں یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بات دل میں چھپا رکھی تھی وہ ارادۂ نکاح ہی تھا۔ گمراہ لوگ جو کچھ

[1] طٰہٰ 131:20. [2] الأحزاب 37:33.

تصور کیے بیٹھے ہیں ویسا ہرگز نہیں تھا۔"[1]

شرع کا ارادہ تھا کہ منہ بولا بیٹا بنانے کے نظام اور اس کے نتائج کو بالکل باطل قرار دیا جائے اور اس رسم کے بطلان کی وضاحت عملی طور ہی پر ممکن تھی۔ یہ کام صرف یوں ممکن تھا کہ وہ شخصیت جو لوگوں کے لیے نمونہ ہے اس نئے حکم الٰہی کو عملی صورت میں پیش کرے۔ یوں زینب رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح رب حکیم کے حکم سے ہوا۔[2]

واقعۂ نکاح

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «اِذْهَبْ فَاذْكُرْهَا عَلَيَّ» "جاؤ اور اس کے پاس (نکاح کے لیے) میرا تذکرہ کرو۔" حضرت زید رضی اللہ عنہ چل پڑے۔ جب ان کے ہاں پہنچے تو وہ آٹا گوندھ رہی تھیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب میں نے زینب کو دیکھا تو میرے دل میں اس کی عظمت پیدا ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیغام نکاح دیا ہے۔ یہ خیال آیا تو میں اسے نظر اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکا۔ میں نے پیٹھ پھیر لی اور کہا: "زینب تمھیں مبارک ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمھاری طرف بھیجا ہے وہ تمھیں پیغام نکاح دیتے ہیں۔" وہ کہنے لگیں: "میں اپنے رب سے مشورہ کیے بغیر کچھ نہیں کہوں گی۔" وہ فوراً جائے نماز کی طرف گئیں، ادھر قرآن نازل ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت لیے بغیر اس کے پاس چلے گئے۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سو درہم حق مہر دیا۔ اور مشہور روایت کے مطابق یہ نکاح 5ھ میں ہوا۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بنو قریظہ کے بعد زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔[4]

---

1 أحكام القرآن لابن العربي: 1532,1531/3. 2 المفصل في أحكام المرأة لعبدالكريم زيدان: 476/11. 3 صحيح مسلم، حديث: 1428، ومسند أحمد: 195/3. 4 البداية والنهاية: 147/4.

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد اہتمام سے ولیمہ کیا۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے ایک بکری ذبح کی اور ہر اس شخص کو دعوت دی گئی جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ملا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی بیوی کے لیے ایسا ولیمہ کرتے نہیں دیکھا جیسا ولیمہ آپ ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا کے لیے کیا۔ آپ ﷺ نے ان کے ولیمے پر ایک بکری ذبح کی۔[1]

سبق آموز باتیں

① نبی اکرم ﷺ کی جانب سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی طرف نکاح کا پیغام لے جانے والے ان کے پہلے خاوند حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما تھے۔ عین ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے قصداً منتخب کیا ہو تاکہ ان بدطینت لوگوں کی زبان بند کر سکیں اور ان کے اس خیال کی تردید بھی ہو سکے کہ حضرت زید نے زینب کو اپنی مرضی سے طلاق نہیں دی تھی یا ان کے دل میں اس نکاح کو باقی رکھنے کی آرزو تھی۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''نکاح کا پیغام پہلا خاوند لا رہا ہے۔ یہ بات بڑی اہم ہے تاکہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اس کی مرضی کے بغیر زبردستی طلاق ہوئی تھی۔ یہ اس امر کا امتحان بھی تھا کہ آیا زید کو سابقہ بیوی سے کچھ لگاؤ باقی ہے کہ نہیں۔''[2]

اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ زوجین کی باہمی نفرت، اختلاف اور بالآخر طلاق کو ایک دوسرے کی خیر خواہی میں مانع نہیں ہونا چاہیے اخوت ایمانی کا لحاظ پھر بھی ہونا چاہیے۔

② اس سے متعلق نازل کردہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر عتاب فرمایا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شکایت کرتے اور انھیں طلاق دینے کی خواہش ظاہر کرتے تو آپ ﷺ کہتے: ''اللہ تعالیٰ سے ڈر اور طلاق دینے کا خیال چھوڑ دے۔''[3]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 5168، وصحيح مسلم، حديث: (90)- 1428. [2] فتح الباري: 524/8. [3] الأحزاب 37:33.

جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے پیغام کو چھپا رہے تھے کہ زید اسے طلاق دے دے گا اور وہ عنقریب آپ ﷺ کے نکاح میں ہوگی۔ آپ ﷺ اس بات سے ڈر رہے تھے کہ جب ایسا ہوگا تو لوگ کہیں گے: ''آپ نے اپنے متبنیٰ زید بن حارثہ کی بیوی سے شادی کر لی!''

حضرت انس بن مالک ﷛ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید ﷛ شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ ان سے فرمانے لگے: ''اللہ سے ڈر اور اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ۔'' حضرت انس ﷛ کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے وحی میں سے کچھ چھپایا ہوتا تو یہ آیت ضرور چھپا لیتے۔[1] اسی طرح حضرت عائشہ ﷞ سے بھی مروی ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے پر نازل کردہ (وحی) میں سے کچھ چھپایا ہوتا تو یہ آیت ضرور چھپا لیتے۔[2]

الشیخ عبدالرحمٰن سعدی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت سے نوازا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے آزاد کیا اور خود اس کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس مشورہ لینے آیا کہ بیوی کو چھوڑ دوں تو آپ ﷺ نے اسے یوں نصیحت فرمائی کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو، اسے طلاق مت دو، تکلیف پر صبر کرو، عام معاملات میں بھی اور بالخصوص بیوی کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ اللہ کا ڈر صبر کی تلقین کرتا ہے، جبکہ آپ ﷺ اپنے دل میں کچھ چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر فرما دینے والا تھا۔ آپ نے اپنے دل میں یہ بات چھپا رکھی تھی کہ اگر زید نے اسے طلاق دے دی تو آپ خود اس سے نکاح کر لیں گے۔''[3]

سید قطب ؒ لکھتے ہیں کہ وہ چیز جسے نبی مکرم ﷺ نے اپنے دل میں چھپا رکھا تھا

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 7420. [2] صحيح مسلم، حديث: (288)-177، وجامع الترمذي، حديث: 3208، ومسند أحمد: 241/6. [3] تفسير السعدي: 154/3.

اور معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والے ہیں وہ یہ تھا جو آپ ﷺ مستقبل میں کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جبکہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی جانب سے صریح حکم نہ ملا تھا وگرنہ آپ ﷺ نہ تو اس معاملے میں تردد کرتے، نہ اسے موخر کرتے اور نہ اسے موخر کرنے کا ارادہ کرتے بلکہ آپ ﷺ متوقع انجام اور لوگوں کا سامنا کرنے سے بے خوف ہوکر اس کا اس وقت اظہار فرما دیتے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس کا اذن دیا اور بالآخر زید رضی اللہ عنہ نے زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی، نہ تو اسے کچھ علم تھا اور نہ زینب رضی اللہ عنہا کو کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ عرف عام میں زینب رضی اللہ عنہا زید بن محمد کی مطلقہ تھیں، جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے لیے حلال نہیں تھیں۔[1]

③ حضرت زید کے لیے یہ بڑے شرف کی بات ہے جو صرف انھی کو حاصل ہوئی کہ قرآن مجید میں ان کے علاوہ کسی صحابی کا نام نہیں آیا۔ سہیلی کہتے ہیں: ''زید بن حارثہ کو زید بن محمد ہی کہا جاتا تھا، پھر ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ﴾ ''لے پالکوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ۔''[2] کا حکم نازل ہوا تو انھوں نے کہا: ''میں زید بن حارثہ ہوں۔'' لہٰذا جب ان سے یہ شرف لے لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی پریشانی کا علم تھا۔ یوں انھیں خاص طور پر وہ شرف عطا کیا گیا جو اصحاب نبی میں سے کسی کو حاصل نہ تھا، یعنی قرآن پاک میں ان کا نام آیا۔ اب تو ان کا نام محرابوں میں تلاوت ہونے لگا۔ انھیں بڑی عظمت مل گئی۔ یہ سب محمد ﷺ کا بیٹا کہلانے کے اعزاز کا بدل اور دل جوئی کے طور پر تھا۔ دیکھیے ایک مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

«إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ سُورَةَ كَذَا»

''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں فلاں سورت پڑھ کے سناؤں۔''

[1] تفسیر في ظلال القرآن لسید قطب: 2869/5. [2] الأحزاب 33:37.

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مارے خوشی کے رو پڑے اور عرض کیا: ''کیا وہاں میرا تذکرہ ہوا ہے؟''[1] وہ شخص جس کا نام ہمیشہ کے لیے قرآن کا حصہ بن جائے۔ اہل دنیا جب بھی قرآن مجید پڑھیں تو اس کے نام کی بھی تلاوت کریں، اس طرح اس کا نام ہمیشہ مومنوں کی زبان پر رہے، خاص طور پر رب العالمین کے ہاں ذکر ہوتا رہے کیونکہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا قدیم اور ازلی کلام ہے۔ ہمیشہ رہے گا۔ اس کو زوال نہیں۔ ایسا شرف تو انبیاء کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں تھا جو زید رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا۔[2]

④ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی رب تعالیٰ کے حکم سے تھی۔ خود اللہ تعالیٰ نے یہ شادی کرائی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا﴾

''اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ اس شخص (زید بن حارثہ) سے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا تھا، کہہ رہے تھے کہ تو اپنی بیوی (زینب) کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ بات (لے پالک کی مطلقہ سے نکاح) چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں، پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا، تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی حرج نہ رہے، جب وہ ان سے (اپنی) حاجت پوری کر لیں اور اللہ کا حکم تو (پورا) ہو کر

1 صحيح البخاري، حديث:3809، وصحيح مسلم، حديث:799. 2 تفسير القرطبي:14/194.

ہی رہتا ہے۔''[1]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے لیے یہ بڑے شرف کی بات تھی۔ اسے وہ ہمیشہ بڑے فخر سے بیان کرتی تھیں۔ یہ فخر ان کے لائق بھی تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت زینب ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں فخر کیا کرتی اور کہتی تھیں: ''تمھارے نکاح تمھارے گھر والوں نے کیے جبکہ میری شادی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کی۔''[2]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے مقابلے میں فخر کرتی اور کہتی تھیں: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح آسمان میں کیا تھا۔''[3]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ عظیم رتبہ شاید اس لیے ملا تھا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ زید بن حارثہ سے نکاح کیا تھا۔ حالانکہ زینب رضی اللہ عنہا، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو پسند نہیں کرتی تھیں، تاہم جب انھیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے رہے ہیں تو انھوں نے رشتہ قبول کر لیا۔[4]

⑤ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔ اس موقع پر دعوت کے کھانے میں اضافے کا معجزہ ظاہر ہوا تھا۔ اس ولیمے کے موقع پر امہات المومنین کے لیے حجاب کا حکم آیا اور مہمان نوازی کے آداب مقرر ہوئے۔[5]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور اپنی اہلیہ کے پاس گئے تو میری والدہ نے حیس (کھجور، گھی اور ستو سے تیار کردہ ڈش) بنا کر ایک برتن میں ڈالا اور کہنے لگیں: ''انس! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ اور عرض کرنا، یہ میری امی نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ وہ آپ کو سلام کہتی ہیں اور یہ بھی کہتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول! ہماری جانب سے یہ ہدیہ قبول کیجیے۔''

---

1 الأحزاب33:37. 2 صحیح البخاري، حدیث: 7420. 3 صحیح البخاري، حدیث: 7421. 4 قضایا نساء النبي والمؤمنات لحفصة بنت عثمان الخلیفي، ص: 218. 5 قضایا نساء النبي والمؤمنات لحفصة بنت عثمان الخلیفي، ص: 218.

آپ ﷺ نے فرمایا: «ضَعْهُ» ''اسے رکھ دو۔'' پھر گویا ہوئے: «اِذْهَبْ، فَادْعُ لِي فُلَانًا وَّ فُلَانًا وَّمَنْ لَّقِيتَ» ''جاؤ، فلاں اور فلاں کو اور جو بھی تمھیں ملتا ہے، اسے بلا لاؤ۔'' آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کے نام بھی لیے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ میں نے انھیں بلایا جن کا آپ ﷺ نے نام لیا تھا اور جو بھی مجھے ملا میں نے اسے بھی بلایا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''وہ افراد تقریباً کتنے تھے؟'' کہا: ''تقریباً تین سو۔'' رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''انس برتن لے آؤ۔'' اتنے میں اصحاب کرام رضی اللہ عنہم آ گئے اور صفہ (چبوترہ) اور حجرہ دونوں بھر گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لِيَتَحَلَّقْ عَشَرَةٌ عَشَرَةٌ وَّلْيَأْكُلْ كُلُّ إِنْسَانٍ مِّمَّا يَلِيهِ»

''دس دس کی ٹولیاں بنالو اور ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سب لوگ کھا کر سیر ہو گئے۔ ایک جماعت کھا کر چلی جاتی اور دوسری آ جاتی، یہاں تک کہ سب نے کھا لیا، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: «يَا أَنَسُ! ارْفَعْ» ''انس، برتن اٹھالو۔'' میں نے اٹھایا معلوم نہیں جب میں نے رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا جب اٹھایا، اس وقت زیادہ تھا۔ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ آپ ﷺ تشریف فرما تھے۔ زوجہ محترمہ دیوار کی طرف منہ کیے بیٹھی تھیں۔ ان لوگوں کا دیر تلک بیٹھنا آپ ﷺ پر گراں گزرا۔ مروت بہت تھی۔ زبان سے کچھ نہیں کہا۔ گھر سے نکلے۔ کسی اور گھر چلے گئے۔ واپس آئے تو بیٹھے ہوئے لوگوں نے جب دیکھا کہ آپ ﷺ واپس آ گئے ہیں اور سوچا کہ وہ آپ پر بوجھ بنے ہیں۔ تو سب دروازے کی طرف لپکے اور نکل گئے۔ آپ ﷺ تشریف لائے۔ پردہ لٹکا دیا اور اندر چلے گئے۔ میں اس وقت حجرے میں بیٹھا تھا۔ آپ ﷺ تھوڑی دیر بعد (پردے سے) میری جانب نکل آئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو یہ آیت پڑھ کے سنائی:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾

''اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو الا یہ کہ تمھیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے، نہ یہ کہ (وہاں جاکر) کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہو اور لیکن جب تمھیں دعوت دی جائے تب تم داخل ہو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور (وہیں) باتوں میں نہ لگے رہو، بلاشبہ تمھاری یہ روش نبی (ﷺ) کو تکلیف دیتی ہے، چنانچہ وہ تم سے شرماتے ہیں اور اللہ حق بات سے نہیں شرماتا اور جب تم ان (ازواج نبی) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ بات تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم ان (کی وفات) کے بعد کبھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک تمھارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے۔''[1]

جناب جعد (ابو عثمان جعد بن دینار یشکری، بصری حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں) کہتے ہیں: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ''یہ آیات سب سے پہلے مجھے معلوم ہوئیں۔''[2] اور آیت اترتے ہی رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کو

[1] الأحزاب 33:53,54. صحيح البخاري، حديث: 5163، وصحيح مسلم، حديث: (94,95)، 1428، والسنن الكبرىٰ للنسائي: 136/6. [2] صحيح مسلم، حديث: (94)-1428، وجامع الترمذي، حديث: 3218.

پردہ کرادیا۔

آیات حجاب کا نزول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقات میں سے تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت درج کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! برے بھلے سب لوگ آپ کی خدمت میں آتے ہیں، کاش! آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم دیں۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے پردے کا حکم اتار دیا۔ [1]

مطلب یہ تھا کہ ازواج مطہرات اور غیر محرموں کے درمیان پردہ حائل ہونا چاہیے، جب یہ آیت اتری تو امہات المومنین کے باپ، بیٹوں اور رشتہ داروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم بھی امہات المومنین سے پردے کی اوٹ سے بات چیت کریں؟ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾

''عورتوں پر اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنی عورتوں اور جن کے مالک ہوئے ہیں ان کے دائیں ہاتھ (ان کے سامنے آنے میں) کوئی گناہ نہیں اور (اے عورتو!) تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔'' [2]

ازواج مطہرات کے لیے بات چیت اور گھروں میں رہنے کے آداب کے متعلق ارشاد ہوا:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝﴾

1 صحيح البخاري، حديث:4790. 2 الأحزاب55:33.

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم متقی و پرہیزگار ہو تو (کسی بھی غیر محرم سے) آہستگی و نرمی سے بات نہ کیا کرو کہ پھر وہ شخص، جس کے دل میں روگ ہو طمع و لالچ کرنے لگے اور تم سیدھی صاف اچھی بات (سختی سے) کہا کرو۔ اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور گزشتہ دورِ جاہلیت کی زیب و زینت کی نمائش کے مانند (اپنی) زیب و زینت کی نمائش نہ کرتی پھرو اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اے اہل بیت! بس اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمھیں بالکل پاک صاف کر دے۔''[1]

جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ اگرچہ یہ آیات ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہیں مگر ان کا حکم امت کی تمام عورتوں کے لیے ہے، البتہ ازواج رسول ﷺ (امہات المومنین) کو ان کے بلند مقام و مرتبے کی وجہ سے خصوصی حکم دیا گیا تھا۔[2]

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں عام طور پر گھروں میں رہیں۔ اگرچہ یہ خطاب نبی مکرم ﷺ کی ازواج کو ہے لیکن اس حکم میں دیگر خواتین بھی شامل ہیں۔ یہ ہم اس وقت بھی کہتے جب دیگر خواتین کو اس حکم کے مخاطبوں میں شامل کرنے کی کوئی خاص دلیل نہ ہوتی لیکن شریعت نے تو جابجا تمام عورتوں کو گھروں میں رہنے کا پابند کیا ہے، انھیں صرف اشد ضرورت کے پیش نظر ہی گھر سے نکلنا چاہیے۔''[3]

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی موقر کتاب میں مسلمان خواتین کو حکم دیا ہے کہ بدن کے محاسن مثلاً سینہ، پیٹ، گردن، پنڈلی، بازو اور بال وغیرہ ڈھانپ کر رکھیں۔[4]

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے 20 ھ میں وفات پائی۔ ان کی عمر 53 برس تھی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی وفات

1 الأحزاب 33:32،33. 2 السيرة النبوية لأبي شهبة: 312/2. 3 تفسير القرطبي: 179/14.
4 السيرة النبوية لأبي شهبة: 312/2.

کے بعد امہات المومنین میں سے سب سے پہلے وفات پائی۔[1]

بقی بن مخلد کے مطابق ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد گیارہ ہے۔[2] کتب ستہ میں ان کے واسطے سے پانچ روایات درج ہیں۔[3] دو متفق علیہ ہیں۔[4] اس ضمن میں بھی انھوں نے امت مسلمہ کے لیے بہت اچھی یادیں چھوڑیں۔[5]

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 115/8. [2] تلقیح الفھوم لابن الجوزي، ص: 370. [3] تحفة الأشراف للمزّي: 1/321-323. [4] سیر أعلام النبلاء: 121/2. [5] دورالمرأة في خدمة الحدیث لآمال قرداش، ص: 85.

باب 2

غزوۂ احزاب کے بعد مسلمانوں کی جنگی پالیسی

رسول اللہ ﷺ پڑوس کی تمام طاقتوں پر نظر رکھے ہوئے اور دشمن کی حرکات و سکنات سے مکمل باخبر تھے۔ آپ ﷺ نے غزوۂ خندق کے بعد واضح کر دیا کہ اب مسلمانوں میں پیش قدمی کی طاقت پہلے سے بڑھ چکی ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ کے ارد گرد موجود باقی ماندہ طاقتوں کو زیر کرنے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ مستقبل میں قریش سے جنگ کرنے کے لیے ایسا اقدام لازمی اور سابقہ جنگ کا نتیجہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی برس میں دو بڑی جنگیں لڑیں اور چار چھوٹے لشکر روانہ کیے۔ یہ سب ان کارروائیوں کے علاوہ ہے جو آپ نے پانچ ہجری کے اختتام پر کیں۔ آپ کا ارادہ تھا کہ قریش کا محاصرہ مزید سخت کر کے ان کی طاقت توڑ دی جائے اور یہ بھی مقصود تھا کہ قریش کے ان حلیفوں کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں جو قریش کو مدد دے رہے تھے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے احزاب کا راستہ روکا اور ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ یہود بنو قریظہ کی تدابیر کو ناکام بنایا۔ یوں آپ ﷺ نے جو کامیابی حاصل کی اس کے اچھے نتائج سامنے آنے لگے۔ اب آپ نے اپنے مخالفین کے خلاف بھرپور محاذ کھول دیا۔ آپ نے قریش کی اقتصادی شہ رگ پر ہاتھ ڈالا، یعنی احزاب کی معاونت کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے چند فوجی مہمات روانہ کیں، ان قبائل سے بدلہ لینے کے لیے بھی لشکر روانہ کیا

[1] دراسات في عهد النبوة للدكتور عبدالرحمن الشجاع، ص: 139.

جنھوں نے مبلغین کو دھوکا دیا تھا یا جو اسلام کے خلاف علم عداوت بلند کیے ہوئے تھے۔ اس دوران اسلامی جنگی تحریک درج ذیل صورت میں سامنے آئی۔

بنوقرطاء کی طرف محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی مہم

بت پرست بدوی گروہوں میں سے نجدی قبائل مسلمانوں کے خلاف سب سے زیادہ جرأت دکھاتے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ بڑے جنگجو، طاقت ور اور خاصی تعداد میں تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ نجدی قبائل احزاب میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔ احزاب کی اصل قوت یہی شر پسند قبائل تھے۔ احزاب میں چھ ہزار جنگجو غطفان، اشجع، اسلم، بنوفزارہ اور بنو اسد کے نجدی قبائل ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جنگ احزاب کے بعد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو سبق سکھانے کے لیے جو پہلی مہم ارسال کی وہ انھی نجدی قبائل پر حملہ آور ہوئی تھی۔ بنوقرطاء ضریہ [1] کی جانب مدینہ سے سات راتوں کی مسافت پر قرطاء میں مقیم تھے۔ یہود بنوقریظہ سے فارغ ہونے کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس افراد پر مشتمل ایک جماعت کو بنوقرطاء پر شب خون مارنے بھیجا گیا۔ بنوقرطاء بنوبکر بن کلاب سے تعلق رکھتے تھے۔ [2]

یہ واقعہ دس محرم چھ ہجری کو پیش آیا۔ [3] محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اچانک حملہ کیا اور ان کے دس آدمی قتل کر دیے جبکہ باقی بھاگ گئے۔ ان کے بہت سے اونٹ اور دیگر جانور غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

ثمامہ بن اُثال کی قید اور قبول اسلام: بنوقرطاء سے واپسی پر مسلمانوں نے بنوحنیفہ کے سردار ثمامہ بن اُثال حنفی کو قید کر لیا۔ صحابۂ کرام اسے جانتے نہیں تھے۔ وہ اسے پکڑ کر مدینہ منورہ لے آئے اور مسجد کے ستون سے باندھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور

---

1 ضریہ: بصرہ سے نجد جاتے ہوئے مکہ کے راستے میں واقع ایک آباد بستی کا نام ہے۔ 2 صلح الحديبية لمحمد أحمد باشميل، ص:241. 3 تاريخ الإسلام (المغازي) للذهبي، ص:351.

پوچھا: «مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟» ''ثمامہ کیا کہتے ہو؟''

اس نے کہا: ''اچھی ہی بات کہتا ہوں۔ اگر آپ مجھے مار ڈالیں گے تو میرے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔ اور اگر آپ احسان کریں گے تو شکر گزار پر احسان کریں گے۔ اگر آپ مال چاہتے ہیں تو مانگیں، دیا جائے گا۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے ثمامہ کو وہیں رہنے دیا۔ پھر دوسرے دن تشریف لائے اور پوچھا: «مَاذَا عِنْدَكَ يَاثُمَامَةُ؟» ''کیا کہتے ہو؟'' اس نے کہا: ''میں عرض کر چکا ہوں اگر آپ احسان کریں گے احسان کا بدلہ چکانے والے پر احسان کریں گے۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اسے ویسے ہی چھوڑ دیا۔ پھر تیسرے دن آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: «مَاذَا عِنْدَكَ يَاثُمَامَةُ؟» ''ثمامہ! کیا کہتے ہو؟'' اس نے کہا: ''میں عرض کر چکا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ» ''ثمامہ کو چھوڑ دو۔'' وہ مسجد کے قریب ایک چشمے پر گیا غسل کیا، مسجد میں آیا اور کہنے لگا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

اس کے بعد ثمامہ کہنے لگے: ''اے محمد! ساری زمین پر آپ کے چہرے سے بڑھ کر میرے لیے قابل نفرت کوئی چہرہ نہ تھا مگر آج آپ کا چہرہ مجھے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم! آپ کے دین سے زیادہ مجھ کو کسی دین سے نفرت نہ تھی، اب آپ کا دین مجھے سب دینوں سے زیادہ پسند ہے۔ اللہ کی قسم! آپ کے شہر سے زیادہ مجھے کسی شہر سے نفرت نہ تھی، اب آپ کا شہر مجھے سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ آپ کے سواروں نے مجھے اس حال میں پکڑا تھا کہ میں عمرہ کی نیت سے جا رہا تھا، اب آپ کیا فرماتے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے ثمامہ رضی اللہ عنہ کو خوش خبری دی اور اور عمرہ ادا کرنے کی اجازت دی۔ جب ثمامہ رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے مکہ پہنچے تو کوئی کہنے لگا: ''ثمامہ بے دین ہو گیا۔''

ثمامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”نہیں، میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوں۔ یہ جان لو کہ یمامہ سے تمھیں گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں گے۔“[1]

ثمامہ رضی اللہ عنہ نے اپنی قسم پوری کر دکھائی اور انھوں نے اہل مکہ کے سرداروں کو مجبور کر دیا کہ وہ رشتہ داری کا واسطہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثمامہ کو لکھیں کہ وہ ہمیں غلہ اٹھانے کی اجازت دے دے۔[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنی کے باوجود اپنی قوم کی یہ خواہش پوری کر دی اور بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ میری قوم اور ان کے غلے کے درمیان رکاوٹ نہ بنو، لہٰذا حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے پیغمبر کی بات تسلیم کی اور بنو حنیفہ کو غلہ جات مکہ ارسال کرنے کی اجازت دے دی۔[3]

ثمامہ رضی اللہ عنہ کی قید سے ماخوذ سبق آموز باتیں: ❁ کافر کو مسجد میں قید کرنے کا جواز۔

❁ کافر قیدی پر احسان کرنا بھی درست ہے۔ خطا کار سے درگزر کرنے کی بڑی اہمیت ہے۔

❁ اسلام قبول کرتے وقت غسل کرنا جیسا کہ ثمامہ رضی اللہ عنہ نے اسلام لاتے وقت کیا۔

❁ احسان بغض و کینہ ختم کرتا اور محبت پیدا کرتا ہے۔

❁ کافر کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ جب وہ بھلائی کے کام کا ارادہ کرے، پھر اسلام قبول کر لے تو اسے نیکی کا کام کرنا چاہیے۔

❁ مصلحت کے پیش نظر قیدی سے اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ بالخصوص جب قیدی کے مسلمان ہو جانے کی بھی امید ہو، خصوصاً جب اس کے مسلمان ہونے پر دوسرے بہت سے لوگ بھی مسلمان ہو جائیں۔

---

1 صحيح البخاري، حديث:4372، وصحيح مسلم، حديث:1764. 2 نضرة النعيم:330/1.
3 السيرة الحلبية:298/2.

* اسلام، مسلمان کے کردار کو یکسر تبدیل کر دیتا ہے حتیٰ کہ مسلمان اپنی تمام صلاحیتیں اسلام کے تابع کر لیتا ہے جیسا کہ ثمامہ رضی اللہ عنہ نے کیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر اہل مکہ کو گندم بھیجنا بند کر دیا۔
* مومن کو چاہیے کہ ایمان لاتے وقت سابقہ تمام معاملات ختم کر دے، کفر چھوڑتے وقت اس کے تمام تر متعلقات ترک کر دے اور ایمان لانے کے بعد رب العالمین کے جملہ احکام کا التزام کرے۔[1]

سیف البحر کی طرف ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا سریّہ

سمندر کنارے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا سریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جنگی حکمت عملی کا حصہ تھا جس کے تحت آپ دور دراز تک قریش کی اقتصادی ناکہ بندی کرنا اور اسے کمزور کر دینا چاہتے تھے، چنانچہ آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو تین سو سواروں کے ساتھ ساحل کی طرف روانہ کیا تاکہ قریش کے ایک قافلے کا پتا چلائیں اور گھات لگائیں۔ دستہ رستے ہی میں تھا کہ زاد راہ ختم ہو گیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے لشکر کے پاس موجود تمام زاد راہ اکٹھا کرنے کا حکم دیا۔ یہ کھجوریں تھیں۔ وہ روزانہ تھوڑا تھوڑا زادراہ دیتے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر ایک کو ایک ایک کھجور ملنے گی۔ لشکر کو انتہائی سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے خندہ پیشانی اور کھلے دل سے حالات کا مقابلہ کیا۔ بلکہ انھوں نے انتہائی بدحالی میں اپنے قائد کا منصوبہ پورا کرنے میں مکمل تعاون کیا۔ تمام لوگ ایک ایک کھجور پر گزارا کر رہے تھے۔[2]

لشکر کے ایک سپاہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کھجور کو بچوں کی طرح چوستے اور پانی پی لیتے تو وہ ہمیں ایک دن رات تک کے لیے کافی ہو جاتی۔[3]

---

1 صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص 387,380. 2 السرايا والبعوث النبوية للدكتور بريك بن محمد بريك، ص: 118. 3 شرح النووي: 84/13.

وہب بن کیسان نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ایک کھجور سے کیسے گزارا چلتا ہوگا۔ انھوں نے کہا: ''جب وہ بھی نہ رہی تو ہم کو اس کی قدر معلوم ہوئی۔''[1]

سپاہیوں کو درختوں کے پتے کھانے پڑے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ہم اپنی لاٹھی پتوں پر مارتے اور انھیں پانی میں تر کر کے کھا لیتے۔[2]

اسی لیے اس لشکر کا نام ''جیش الخبط'' (جھاڑے ہوئے پتے کھانے والا عسکری لشکر) پڑ گیا۔

اس صورت حال نے اس لشکر کے ایک فرد قیس بن سعد رضی اللہ عنہما پر گہرا اثر ڈالا جو دریا دل گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے لشکر کے لیے تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کیے۔ اس کے بعد ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسے منع کر دیا۔[3]

بھوک اور تنگی کی اسی حالت میں مبتلا تھے کہ سمندر نے بڑے زور کی لہر اچھالی جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی مچھلی نکال پھینکی۔ اس عجیب و غریب مچھلی کی ضخامت کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سمندر کے کنارے سفر جاری رکھے ہوئے تھے کہ ہمارے سامنے بہت بڑے ٹیلے کی طرح کوئی چیز نمودار ہوئی۔ ہم اس کے پاس آئے تو دیکھا وہ عنبر نامی مچھلی تھی۔ پہلے تو حضرت ابوعبیدہ نے کہا: مردار ہے، پھر کہنے لگے کہ نہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ اور اللہ کے راستے میں ہیں اور اس وقت مجبور و مضطر بھی ہیں، لہٰذا کھاؤ۔ ہم ایک ماہ وہاں رہے، ہم تین سو آدمی تھے اور اسے کھا کھا کر موٹے ہو گئے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہم اس کی آنکھ کے گڑھے سے مٹکے بھر بھر کے چربی نکالتے۔ بیل کی جسامت جتنے گوشت کے ٹکڑے کاٹتے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہم میں سے تیرہ آدمی اس کی آنکھوں کے گڑھے میں بٹھائے۔ انھوں نے اس کی ایک پسلی لی اسے کھڑا کیا تو ہمارے اونٹوں میں سے سب سے اونچا اونٹ (سوار سمیت) اس کے نیچے سے گزر گیا۔

---

1 صحيح البخاري، حديث: 4360، وصحيح مسلم، حديث: 1935. 2 شرح النووي: 84/13. 3 صحيح البخاري، حديث:4361، وصحيح مسلم، حديث: (19)-1935.

ہم نے اس کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے زادراہ کے طور پر ساتھ لے لیے۔ مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «مَاحَبَسَكُمْ؟» ''تمھیں کس نے روک لیا تھا؟'' عرض کیا: ''ہم قریشی قافلوں کا پیچھا کر رہے تھے۔''

اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کو اس (سمندری) جانور کے متعلق بھی بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «هُوَ رِزْقٌ أَخْرَجَهُ اللّٰهُ لَكُمْ، فَهَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَّحْمِهِ شَيْءٌ فَتُطْعِمُونَا» ''وہ تو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے رزق نکالا تھا۔ تمھارے پاس اس میں سے کچھ ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔'' چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کی طرف وہ گوشت بھیجا تو آپ ﷺ نے بھی اسے تناول فرمایا۔ [1]

راجح یہی ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ سے پہلے کا ہے۔ ابن سعد کے مطابق یہ واقعہ 8ھ رجب میں پیش آیا۔ [2] ابن سعد کا بیان درست نہیں ہے۔

اس کے دو اسباب ہیں:

- رسول اللہ ﷺ نے حرمت والے مہینے میں کبھی جنگ نہ کی اور نہ لشکر روانہ کیا۔
- رجب 8ھ صلح حدیبیہ طے پا جانے کے بعد کا وقت ہے۔ (اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عہد شکنی ممکن نہیں۔) [3]

ابن سعد اور واقدی نے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے اس لشکر کو جہینہ کے ایک قبیلے کی طرف بھیجا تھا۔ [4] ابن حجر کہتے ہیں: ''یہ بات صحیح بخاری میں آنے والے واقعے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ دونوں باتیں ممکن ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں قریش کے قافلے پر نظر رکھنے اور جہینہ قبیلے کی طرف (بیک وقت) بھیجا ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان کا

[1] صحيح البخاري، حديث: 4362، وصحيح مسلم، حديث: 1935، وصحيح سنن النسائي للألباني: 910/3، وشرح النووي: 87/13. [2] الطبقات لا بن سعد: 132/2، والمغازي للذهبي، ص: 519. [3] المجتمع المدني للدكتور العمري، ص: 125. [4] المغازي للواقدي: 774/2، والسيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 480.

قافلے سے تعرض اس سے جنگ کے لیے نہیں بلکہ جہینہ سے بچانے کے لیے ہو۔ صحیح مسلم میں مذکورہ واقعے کے ضمن میں یہ الفاظ: ''رسول اللہ ﷺ نے ارضِ جہینہ کی طرف لشکر بھیجا......'' اس تطبیق و جمع کی تائید کرتے ہیں۔''[1]

اس قصے میں کئی ایک اسباق و حکمتیں ہیں:

① حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی حکمت کہ انھوں نے تمام زاد راہ اکٹھا کر لیا اور اسے مجاہدین میں برابر تقسیم کیا تا کہ وہ یہ مشکل گھڑی گزار سکیں۔ یہ وہ کام تھا جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عملی طور پر سیکھا تھا۔

② مشکل وقت میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کی سخاوت، حالانکہ ان دنوں ان کے پاس لوگوں کی مشکل حل کرنے کو کچھ نہ تھا۔ واقدی کی روایت ہے کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے یہ اونٹ جہینہ کے ایک شخص سے ادھار لیے تھے۔ انھیں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہتے ہوئے روک دیا تھا: ''تیرے پاس (اس وقت) مال تو نہیں کیا تو اس طرح عہد شکنی کرنا چاہتا ہے۔''[2]

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ ان کے ساتھ نرمی کا تھا۔[3]

حضرت قیس رضی اللہ عنہ تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے منع کرنے تک برابر ذبح کیے جا رہے تھے۔ جب انھیں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے روکا تو کہنے لگے: ''اے ابو عبیدہ! کیا آپ کا خیال ہے کہ جو ابوثابت لوگوں کے قرض اتارتا ہے، ان کے بوجھ (اپنے اوپر) لاد لیتا ہے، بھوک میں کھانا کھلاتا ہے وہ اللہ کے رستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے کھجوروں کی ادائیگی ہی نہ کرے گا۔''

---

[1] صحيح مسلم، حديث: 1935، وفتح الباري لابن حجر: 78/8، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''یہ لشکر ارض جہینہ کی طرف بھیجا'' اس کا مطلب یہ نہیں کہ مقصود ارض جہینہ پر حملہ تھا بلکہ اصل مطلوب قریش کا تجارتی قافلہ ہی تھا۔ (منة المنعم: 308/3) [2] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 323، والسرايا والبعوث النبوية للدكتور بريك بن محمد بريك، ص: 119. [3] السرايا والبعوث النبوية للدكتور بريك بن محمد بريك، ص: 119.

قیس رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات اس لیے کہی تھی کہ قیس نے جہینہ کے ایک شخص سے سودا کرلیا تھا کہ اس سے لشکر کے لیے کچھ اونٹنیاں خریدیں گے جن کے بدلے میں اسے کھجوریں دیں گے۔ جہینہ کے شخص نے یہ بیع قبول کرلی تھی۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بیٹے قیس کو اس لیے منع کر دیا ہے کہ اس کے پاس مال نہیں بلکہ مال تو اس کے باپ کا ہے تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت اپنے بیٹے کو چار باغ دے دیے جن میں سب سے کمتر باغ سے ساٹھ وسق کھجوریں حاصل کی جاتی تھیں۔[1]

③ اس سریّے میں مسلمانوں کو شدید بھوک لگی۔ سفر اور مشقت کے باوجود دن بھر میں ایک آدمی کو ایک کھجور میسر تھی۔ بعد میں انھیں وہ کھجور بھی میسر نہ رہی اور نوبت پتے کھانے تک پہنچ گئی۔ اس کے باوجود جہینہ قبیلے کا وہ شخص جس سے قیس رضی اللہ عنہ نے اونٹ خریدے تھے، یا اس کی قوم کے پاس سے مسلمانوں کا گزر ہوتا ہے مگر ان کے دل میں یہ خیال بھی پیدا نہیں ہوتا کہ ان پر حملہ کر کے ان سے کھانے کی اشیاء چھین لیں جیسا کہ جاہلیت میں ہوتا تھا۔ کیونکہ آج وہ اللہ تعالیٰ کے اس دین کے ہمراہ چل رہے تھے جو لوگوں کے جان و مال محفوظ کرنے آیا تھا۔ آج وہ حلال و حرام میں تمیز کر رہے تھے جسے انھوں نے رب العالمین کے منہج و طریق سے سیکھا تھا۔[2]

④ یہ قصہ آبی مردار کے کھانے کے جواز اور اس چیز پر بھی دلالت کرتا ہے کہ آبی مردار اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ذکر کردہ مردار جانور میں شامل نہیں:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ

[1] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 323، وشرح الزرقاني: 282/2. [2] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 324.

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''تمھارے لیے حرام کیے گئے ہیں مردہ جانور، خون، سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹنے سے مرجانے والا، چوٹ لگ کر مرنے والا، اوپر سے گر کر مرجانے والا، کسی کا سینگ لگ کر مرنے والا اور وہ جانور بھی جسے درندے کھا جائیں، سوائے اس کے جسے تم ذبح کرلو اور وہ جانور جو آستانوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تم فال کے تیروں سے قسمت معلوم کرو، یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔ آج وہ لوگ ناامید ہوگئے جنھوں نے تمھارے دین کا انکار کیا، لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو اور مجھی سے ڈرو، آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کرلیا، پس جو شخص بھوک سے بے بس ہوجائے جبکہ وہ گناہ پر مائل ہونے والا نہ ہو تو یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

نیز ارشاد فرمایا:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝﴾

''تمھارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے، یہ تمھارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے ہے۔ اور جب تک تم احرام کی حالت میں ہو، تمھارے لیے خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے۔ اور تم اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔''[2]

1 المآئدۃ 3:5. 2 المآئدۃ 96:5.

حضرت ابوبکر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور صحابہ کی ایک جماعت سے صحیح سند سے مروی ہے کہ ﴿صَيْدُ الْبَحْرِ﴾ سے مراد وہ آبی جانور ہے جو دریا سے یا سمندر وغیرہ سے شکار کیا گیا ہو اور ﴿وَطَعَامُهُ﴾ سے مراد وہ بحری جانور ہے جو پانی ہی میں مرگیا ہو۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنن میں مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہے:

«أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ، فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ: فَالسَّمَكُ وَالْجَرَادُ، وَأَمَّا الدَّمَانِ: فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ»

''ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال ہیں۔ دو مردار تو مچھلی اور ٹڈی [1] ہیں اور دو خون جگر اور تلی ہیں۔'' [2]

یہ موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ صحابہ کا یوں کہنا: ''ہمارے لیے حلال کیا گیا یا ہم پر حرام کیا گیا۔'' اس کا مطلب یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال یا حرام کیا ہے۔ [3]

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مچھلی کا گوشت کھانا جس کو مسلمان کئی دن تک کھاتے رہے، آبی مردار کے حلال ہونے کی دلیل بھی ہے۔ [4]

اسی طرح مفتی کے لیے مستحب ہے کہ جن بعض مباح اشیاء میں فتویٰ طلب کرنے والے کو شک گزر رہا ہو تو مفتی خود انھیں اپنائے بشرطیکہ اس میں مفتی کے لیے کوئی مشقت نہ ہو، خصوصاً جبکہ اس میں فتویٰ طلب کرنے والے کے لیے اطمینان کا پہلو بھی ہو۔ یہ امام نووی کا قول ہے۔ [5]

چند احکام جنھیں امام نووی نے بیان کیا ہے درج ذیل ہیں:

---

[1] ایک پردار کیڑا جو زراعت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ گزشتہ زمانے میں عام تھا۔ اسے مچھلی کی طرح بغیر ذبح کیے کھایا جاتا ہے۔ [2] مسند أحمد: 97/2، وسنن ابن ماجه، حديث: 3218، وسنن الدارقطني: 272,271/4. [3] السرايا والبعوث النبوية للدكتور بريك بن محمد بريك، ص: 123. [4] السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 480. [5] شرح النووي: 86/13.

امام نووی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جن سے جنگ ہو ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنا، ان پر اچانک حملہ کرنا، ان کے اموال قبضے میں کرنا اور بطور غنیمت حاصل کرنا درست ہے۔

لشکر کا امیر ایسا ہو جو انھیں منظّم کر سکے۔ اور تمام لشکر والے اس کے احکامات تسلیم کرتے ہوں۔ یہ بھی چاہیے کہ ان کا امیر ان سے افضل ہو۔

علماء کا یہ بھی خیال ہے کہ جماعت خواہ تھوڑی ہی ہو انھیں اپنے اوپر ایک امیر مقرر کر لینا چاہیے اور اس کی اطاعت بھی کرنی چاہیے۔

ہمارے اصحاب (شوافع) اور دیگر علماء کا بھی خیال ہے کہ مسافروں کی جماعت کو چاہیے اپنے زادِ راہ ملا لیا کریں تاکہ کھانا ان کے لیے زیادہ برکت کا باعث ہو۔

بعض افراد کو دوسروں سے الگ ہو کر نہیں کھانا چاہیے۔ واللہ أعلم.[1]

دومۃ الجندل کی جانب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا سریہ

جزیرۃ العرب میں نبوی لشکر جن دور دراز مقامات تک پہنچے یہ ان میں سب سے دور جانے والا لشکر تھا۔ دومۃ الجندل اس وقت کے شام کی سرحد کے قریب ہے اور دمشق سے اس کی جتنی مسافت ہے اس سے تین گنا مدینہ سے ہے۔ یہ مقام عرب کے صحرائے نفود کے عین درمیان روم اور جزیرہ نمائے عرب کے درمیان تعلق کا ذریعہ تھا۔ اس کے باسی کلب قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ عیسائی روم کے پڑوس اور ان سے متاثر ہونے کی وجہ سے یہاں کے تمام باشندے عیسائیت میں داخل ہو گئے تھے۔ یہ لشکر گویا رومی سلطنت کے ساتھ ٹکراؤ کے نبوی منصوبے کا ایک حصہ تھا۔

اس لشکر کے امیر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور آغاز ہی سے دعوتِ اسلامیہ کے اہم ستونوں میں

[1] شرح النووي: 13/86.

سے ایک ستون رہے۔ اس لشکر کشی کے دو نمایاں پہلو تھے:

① دعوتی نقطۂ نظر ② جنگی نقطۂ نظر

اس لیے آپ ﷺ نے اس کے لیے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا جو ابتدائے اسلام ہی سے خالصتاً اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق تربیت یافتہ تھے۔[1]

اس جنگ کے متعلق عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور فرمایا: «تَجَهَّزْ فَإِنِّي بَاعِثُكَ فِي سَرِيَّةٍ فِي يَوْمِكَ هٰذَا أَوْ مِنْ غَدٍ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ» ''تیاری کرلو میں تمھیں آج یا کل جنگ پر روانہ کرنے والا ہوں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یہ گفتگو میں نے بھی سن لی۔ میں نے دل میں کہا: ''میں یہاں ہی رہوں گا اور صبح نماز آپ ﷺ کے ساتھ ادا کروں گا اور عبدالرحمٰن بن عوف کے لیے آپ ﷺ کی وصیت لازمی طور پر سنوں گا۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''صبح ہوئی، میں نے نماز پڑھی اور دیکھا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور کئی مہاجرین بھی وہاں موجود تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دے رکھا تھا کہ راتوں رات دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہو جاؤ اور انھیں اسلام کی طرف دعوت دو۔ آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا: «مَا خَلَّفَكَ عَنْ أَصْحَابِهِ؟» ''تمھیں تمھارے ساتھیوں سے کس چیز نے پیچھے کر دیا؟''

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان کے ساتھی فجر سے پہلے ہی جا چکے تھے اور جرف مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ وہ سات سو آدمی تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں چاہتا تھا کہ لباسِ سفر پہن کر سب سے آخر میں آپ سے ملوں۔''

ابن عوف رضی اللہ عنہ نے سر پر پگڑی لپیٹ رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے انھیں پاس بلایا۔ اپنے

[1] التربية القيادية للدكتور الغضبان:4/ 168,167.

سامنے بٹھایا اور اپنے ہاتھ سے پگڑی کھول دی، پھر انھیں اپنی سیاہ پگڑی پہنائی اور پگڑی کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان لٹکاتے ہوئے فرمایا: «هٰكَذَا فَاعْتَمَّ يَا ابْنَ عَوْفٍ» ''ابن عوف! اس طرح پگڑی پہنا کرو۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ابن عوف رضی اللہ عنہ گردن میں تلوار لٹکائے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وصیت کرتے ہوئے) فرمایا:

«اُغْزُ بِاسْمِ اللّٰهِ، وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَقَاتِلْ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، لَا تَغُلَّ وَلَا تَغْدُرْ، وَلَا تَقْتُلْ وَلِيدًا»

''اللہ تعالیٰ کے نام سے جنگ کرو اور اس کی راہ میں، پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کا انکار کرے اس سے لڑو، (دیکھو) نہ خیانت کرنا، نہ بدعہدی کرنا اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک پھیلایا اور ارشاد فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اِتَّقُو خَمْسًا قَبْلَ أَنْ يَّحِلَّ بِكُمْ: مَا نَقَصَ مِكْيَالُ قَوْمٍ إِلَّا أَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ، وَمَانَكَثَ قَوْمٌ عَهْدَهُمْ إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ عَدُوَّهُمْ وَمَامَنَعَ قَوْمٌ الزَّكَاةَ إِلَّا أَمْسَكَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَطْرَالسَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا، وَمَا ظَهَرَتِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الطَّاعُونَ، وَمَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ آيِ الْقُرْآنِ إِلَّا أَلْبَسَهُمُ اللّٰهُ شِيَعًا وَّأَذَاقَ بَعْضَهُمْ بَأْسَ بَعْضٍ»

''اے لوگو! پانچ باتوں سے بچو اس سے پہلے کہ وہ تمھیں آلیں: ''جس قوم نے ناپ تول میں کمی کی اللہ نے اسے قحط سالی اور پیداوار کی کمی کا شکار کر دیا تاکہ وہ اس عمل سے پلٹ جائیں۔ جس قوم نے اپنا عہد توڑا اللہ نے اس پر ان کا دشمن

مسلط کر دیا۔ جس قوم نے زکاۃ روک لی اللہ نے ان پر بارش روک دی۔ اگر جانور نہ ہوں تو انھیں بارش کا ایک قطرہ بھی نہ ملے۔ جس قوم میں بے حیائی (بدکاری) عام ہو جائے ان پر اللہ تعالیٰ طاعون مسلط کر دیتا ہے۔ اور جو لوگ قرآن حکیم کی آیات کے بغیر فیصلے کرنے لگتے ہیں انھیں اللہ تعالیٰ گروہوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور خانہ جنگی سے دوچار کر دیتا ہے۔''[1]

اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ چل پڑے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ دومۃ الجندل پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر وہاں کے باسیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ تین دن دعوت دیتے رہے۔ تیسرا دن تھا کہ ایک عیسائی سردار اصبغ بن عمرو کلبی مسلمان ہو گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچائی اور جہینہ کا ایک آدمی رافع بن مکیث بھی ساتھ بھیجا اور یہ بھی لکھا کہ میں ان میں شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً لکھا کہ تماضر بنت اصبغ سے شادی کرنا۔ ابن عوف نے وہیں تماضر سے شادی کی۔ واپس آئے تو وہ ام ابی سلمہ کے نام سے پکاری گئیں۔ واقدی نے بیان کیا ہے کہ یہ غزوہ شعبان 6 ھ میں واقع ہوا۔[2]

سبق آموز باتیں

① نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے ساتھیوں کے ساتھ شفقت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک عمامہ ابن عوف رضی اللہ عنہ کو پہنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ خاطر مدارات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوصلے بڑھاتی اور انھیں دین کی مزید خدمت پر آمادہ کرتی تھی۔ قائد اور اس کے ماتحتوں میں اخوت کامیابی کی ضمانت ہے۔

② عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا یہ لشکر عقیدے کی اصلاح اور اسلام کی بنیادی تعلیمات

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 85/4، اس روایت کا آخری حصہ سنن ابن ماجہ میں بھی حسن سند سے مروی ہے۔(سنن ابن ماجه، حديث:4019) [2] المغازي للواقدي:561,560/2.

سکھانے نکلا اور لق و دق صحرا کی وسعتوں میں اللہ کا پیغام پہنچانے گیا تھا۔ یہ لشکر مقاصدِ جہاد کی تکمیل کا ذریعہ بنا تھا۔

مسلمانوں کی جنگ اللہ تعالیٰ کے منکروں سے ہے چاہے وہ کوئی بھی ہوں۔ یہ جنگ جاہلیت کے طرز اور اصولوں پر نہیں ہوتی جیسا کہ اس شعر میں جاہلیت کی جنگوں کا ذکر ہوا ہے:

وَأَحْيَانًا عَلٰى بَكْرٍ أَخِينَا
إِذَا مَا لَمْ نَجِدْ إِلَّا أَخَانَا

"جب ہم اس اپنے بھائی کے علاوہ کسی اور کو نہ پائیں تو کبھی کبھی ہم اپنے بھائی بکر ہی پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔"

تاہم اسلام کا مضبوط لشکر زمین پر صرف اس لیے پیش قدمی کرتا ہے کہ اللہ کے منکروں سے نبرد آزما ہو۔[1]

③ رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو خیانت، یعنی قبل از تقسیم مال غنیمت میں سے کچھ لینے سے منع فرمایا۔ بچوں کو قتل کرنے سے منع کیا۔ یہ جہاد میں اسلامی آداب کا ایک نمونہ ہے۔ جنگ میں عموماً ظلم و ستم ڈھایا جاتا ہے۔ لیکن ان مسلمانوں کے نزدیک جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے خیانت اور حسد سے پاک رکھا ہے۔ یہی جنگ حق کو غالب کرنے اور باطل کو دبانے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ وہ صرف حق کو غالب کرتے، اہل حق کی مدد کرتے اور ظالم کو ظلم سے روکتے ہیں۔ جہاد اسلامی اخلاقِ عالیہ کا حامل ہے۔ یہ اخلاق انسان کو قوت دیتے اور اس میں نرمی اور رحم دلی کے اوصاف پیدا کرتے ہیں۔[2]

④ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ امت کے مایہ ناز افراد میں سے ایک اور اسلام کے سرگرم مبلغ تھے۔ آپ نہایت رحم دل، دانا، تعلیم یافتہ، تجربہ کار اور عظیم انسان تھے۔ سابقین اولین میں

1 التربية القيادية للدكتور الغضبان: 172/4. 2 التاريخ الإسلامي للحميدي: 184/6.

شامل تھے۔ اسلام کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ بڑے نرم خو، پرسکون اور لوگوں کی دلی کیفیات کا اندازہ لگانے والے تھے۔ اسلام کی خاطر انھوں نے بڑی محنت کی اور ان کی محنت رنگ لائی۔

⑤ دومۃ الجندل میں ابن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بنوکلب کے سردار اصبغ بن عمرو کا قبول اسلام ہمیں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی یاد دلاتا ہے۔ ان کے ہاتھ پر شاہِ حبشہ نجاشی اسلام لایا تھا۔ مدینہ میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر سردارانِ اوس و خزرج نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ تینوں جلیل القدر اصحاب اسلام کے اولین حدی خواں تھے۔ آپ مکہ مکرمہ کی پہلی اسلامی دانش گاہ کے بانیوں میں شمار ہوتے تھے۔

غزوۂ احد میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اکیس زخم آئے۔ بعض زخم اتنے کاری تھے کہ ان کے اثر سے چال میں لنگڑا پن آ گیا تھا۔ اب جزیرۃ العرب کے شمال میں اپنے لشکر کے ہمراہ اسلام کا نیا مرکز قائم کر رہے تھے۔ لشکر میں بڑی تعداد میں لوگ اسلام قبول کر کے شامل ہو رہے تھے تاکہ بالآخر دومۃ الجندل اسلام کا ایک نیا مرکز بن جائے۔ کیونکہ مسلمانوں کے پاس مستقبل قریب میں اسلام کے دشمن عرب اور روم سے دور دراز جنگ کرنے کے لیے اس سے بہتر قلعہ اور کوئی نہیں تھا۔[1]

یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام اپنی حدود سے باہر عیسائی حدود میں اپنے احکام کا نفاذ کر رہا تھا اور دومۃ الجندل میں مسلمان اور عیسائی ایک ہی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے لگے تھے۔

مسلمانوں پر اسلامی احکام نافذ ہوتے اور عیسائیوں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا، یہ مستقبل میں نئے معاشرے کے قیام کے لیے صحابۂ کرام کی مشق تھی۔ عراق و شام اور فارس و روم میں انھیں ایسے معاشرے سے واسطہ پڑنے والا تھا جسے انھوں نے یہ باور کرانا

[1] التربیة القیادیة للدکتور الغضبان: 4/174.

تھا کہ عقیدہ باہمی گفت وشنید سے قرار پکڑتا ہے نہ کہ طاقت وتلوار سے۔ اسلامی اصولوں میں ذاتی طور پر اتنی قوت ہے کہ وہ تاریکی میں ڈوبے ہوئے معاشروں کو روشنی سے ہمکنار کر سکیں۔ [1]

⑥ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا دومۃ الجندل کے رئیس اور بنوکلب کے سردار کی بیٹی سے نکاح دومۃ الجندل میں نئے مسلمان لیڈر اور مدینہ منورہ کی اسلامی حکومت کے روابط کو مزید مستحکم کر رہا تھا۔ یہ نیا رابطہ دومۃ الجندل کے ایک اسلامی ریاست میں بدل جانے کا اور ان کے لیڈر کے اسلام کی چھاؤں میں آنے کا پیش خیمہ تھا کیونکہ اس کے دل کا ٹکڑا مملکت اسلامیہ کے دارالحکومت مدینہ منورہ میں تھا۔ [2]

خود رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی قیادت قبائل کے رؤسا سے رشتہ داری قائم کرنے کے خواہاں رہتے تھے کیونکہ یہ امر اسلامی دعوت کے لیے بڑا مفید اور سودمند تھا۔ سسرالی رشتہ قرب، اسبابِ عداوت کو جڑ سے اکھیڑنے اور بالآخر اسلام میں داخلے کا سبب بنتا ہے۔ [3]

غزوۂ بنولحیان

غزوۂ خندق کے بعد مسلمان دفاعی پوزیشن سے پیش قدمی کی پوزیشن میں آ چکے تھے۔ اب وہ اقدام کرنے پر قادر تھے اور پورے عرب میں قیادت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ بنولحیان کو سبق سکھانے کا وقت آ گیا تھا۔ جنھوں نے رجیع کے دن حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے دھوکا کیا تھا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول یا جمادی الاولی چھ ہجری میں دو سو صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ [4]

دشمن کو رسوا کرنا: بنولحیان مدینہ منورہ سے دو سو میل سے زیادہ دوری پر تھے۔ راہ کٹھن تھی۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان گھٹیا قبائل سے جن کے ہاں ایفائے عہد کی کوئی قدر و قیمت نہیں

1 التربية القيادية للدكتور الغضبان: 174/4. 2 التربية القيادية للدكتور الغضبان: 174/4.
3 التاريخ الإسلامي للحميدي: 186/6. 4 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص:468.

تھی، ان صحابہ کا ہر صورت بدلہ لینا چاہتے تھے جنھیں انھوں نے دھوکا دہی سے شہید کر دیا تھا۔ نبی مکرم ﷺ نے اس حملے کو خفیہ رکھنے کے لیے پہلے شمال کی طرف پیش قدمی فرمائی اور شام پر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ بنولحیان جنوب میں رہائش پذیر تھے۔ صحابہ کرام کو بھی جنوب کی طرف گھومنے سے پہلے علم نہ تھا کہ آپ ﷺ بنولحیان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ انھیں لے کر دشمن پر بڑی عمدگی سے کاری ضرب لگانے کے لیے عین شمال میں بیس میل تک گھستے گئے۔

''بتراء'' نامی جگہ سے آپ ﷺ شمال سے جنوب کی جانب مڑے۔ وہاں سے مغرب کو ہوتے ہوئے لشکر کو سیدھا جنوب کی سمت ڈال دیا۔[1]

نبی مکرم ﷺ کے پہنچنے سے پہلے بنولحیان کا فرار: بنولحیان انتہائی چوکس تھے۔ انھوں نے جاسوس راہوں میں پھیلا رکھے تھے۔ آپ ﷺ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی یہ لوگ بھاگ گئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ جب لشکر سمیت وہاں پہنچ گئے تو ان کے گھروں میں پڑاؤ ڈالا اور صحابہ کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں ان دھوکے بازوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیں تاکہ جو مل سکے اسے پکڑ لائیں۔ دو دن تک آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے گروہ انھیں تلاش کرتے اور بھگاتے رہے۔ مگر ان بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں میں پناہ گزینوں کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ آپ ﷺ ان کی سرزمین پر ان کے گھروں میں انھیں مرعوب کرنے اور چیلنج کرنے کے لیے دو دن رہے تاکہ دشمن کو مسلمانوں کی قوت اور خوداعتمادی کا اندازہ ہو اور یہ بھی کہ مسلمان جب چاہیں دشمن تک پہنچنے کی قوت رکھتے ہیں۔[2]

مکہ مکرمہ میں دشمن کو مرعوب کرنا: رسول اللہ ﷺ لشکر سمیت مکہ کے قریب تھے۔ آپ ﷺ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا، چنانچہ طے پایا کہ مکہ میں مشرکین کو بھی

[1] صلح الحديبية لمحمد أحمد باشميل، ص: 35,34. [2] صلح الحديبية لمحمد أحمد باشميل، ص: 35,34.

دھمکی سے مرعوب کیا جائے۔ آپ ﷺ نے لشکر کے ساتھ وادی عسفان میں پڑاؤ ڈال دیا۔ (مکہ، مدینہ کے راستے میں مکہ سے تقریباً دو دن کی مسافت پر ایک بستی ہے) وہاں آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر دس شہسوار صحابہ دیے اور کہا کہ انھیں لے کر مکہ کی طرف بڑھو تا کہ اہل مکہ کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا ہو، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ انھیں لے کر ''کراع الغمیم'' (مکہ سے 64 کلومیٹر کے فاصلے پر اور عسفان سے 8 میل کے فاصلے پر) پہنچ گئے۔ قریش نے ان کی آمد کے متعلق سنا تو خیال کیا کہ آپ ﷺ ان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ انھیں انتہائی خوف، ڈر اور گھبراہٹ لاحق ہوئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو ذمہ داری رسول اللہ ﷺ نے سونپی تھی اس کا مقصود بھی یہی تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ دس ساتھیوں کے ہمراہ جب ''کراع الغمیم'' پہنچ گئے اور انھیں محسوس ہوا کہ اہل مکہ کو خوف و ہراس میں ڈال دیا ہے تو وہ صحیح سلامت واپس پلٹ آئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ لشکر سمیت واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔[1]

شہداء کے لیے دعا و رحم کا اظہار: رسول اللہ ﷺ جب وادی ''غُرَان'' (''سایہ'' اور مکہ کے درمیان وادی ہے) پہنچے جس جگہ ہذیل کے دھوکا بازوں کے ہاتھوں صحابہ شہید ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے ان شہداء کے لیے دعا کی۔[2]

غابہ کی جنگ اور ملحق کارروائیاں

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بنولحیان سے واپسی کے بعد چند ہی راتیں گزاری تھیں کہ عیینہ بن حصن فزاری نے غطفان کے چالیس شہسواروں کے ساتھ ''غابہ''[3] نامی جگہ میں رسول اللہ ﷺ کی (دودھیل) اونٹنیوں پر چھاپہ مارا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ''ذر'' کو قتل کر دیا اور اس کی بیوی لیلیٰ کو قیدی بنا لیا اور 20 اونٹ ہانک کر لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب عیینہ کی کارروائی کا علم ہوا تو آپ ﷺ پانچ سو سواروں کے ساتھ اس کے تعاقب

1 صلح الحديبية لمحمد أحمد باشميل، ص: 37. 2 صلح الحديبية لمحمد أحمد باشميل، ص: 38. 3 غابہ: شام کی جانب مدینہ کے قریب ایک جگہ جو مسلمانوں کی چراگاہ کے طور پر مشہور تھی۔

میں روانہ ہوئے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کے تین سو افراد کے ہمراہ مدینہ کی حفاظت پر مامور کیا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قرد[2] کے پاس دشمن کو جا لیا۔ بعض افراد کو قتل کیا اور اونٹ چھڑا لیے۔

جب تک نبوی لشکر نہیں پہنچ پایا، سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بڑی بہادری دکھائی۔ یہ بھی غابہ کے علاقے میں چرواہوں کے ساتھ ہی تھے۔ انھوں نے اکیلے ہی سب چھاپہ ماروں کو مصروف کر رکھا تھا۔ وہ دشمن پر تیر پھینک رہے تھے۔ بڑے ماہر تیر انداز تھے، شہسواروں کی آمد سے پہلے ہی کئی اونٹ چھڑا چکے تھے۔[3]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے جنھیں مشرکین نے چھاپے کے دوران شہید کر دیا تھا ان کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عضباء اونٹنی پر سوار دشمن سے اونٹ کے کئی بچے واپس لیے صحیح سلامت مدینہ منورہ پہنچ گئی۔ اس نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے نجات دے دی تو وہ اس اونٹنی کو ذبح کر دے گی جس پر سوار تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی نذر کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر مسکرا دیے اور فرمایا: «بِئْسَمَا جَزَيْتِهَا» ''تو نے بہت برا بدلہ دیا اس کو۔'' یعنی اس نے تجھے اپنے اوپر سوار کیا اور دشمن سے خلاصی دلوائی۔ اب اس کا بدلہ ذبح کرنا ٹھہرا؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا نَذَرَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيمَا لَا تَمْلِكِينَ» ''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر نہیں اور نہ اس میں نذر ہے جس کی تو مالک نہیں۔''[4]

غزوۂ خیبر سے قبل یہ سب سے بڑا تادیبی غزوہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں نجد کے بدوؤں کے خلاف لڑا گیا۔ یہ غزوہ غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنوقریظہ کے بعد پیش

---

1 عيون الأثر لابن سيد الناس: 73,72/2. 2 (ذی قرد۔غطفان کے پاس مدینہ سے ایک برد (12 میل) دور ایک چشمہ ہے۔) 3 صلح الحديبية لمحمد أحمد باشميل، ص: 43. 4 مسند أحمد: 430/4، وصحيح مسلم، حديث: 1641، وسنن أبي داود، حديث: 3316.

آیا تھا۔[1]

غزوۂ ذی قرد کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کو سبق سکھانے کے لیے پے در پے کئی لشکر تیار کیے۔ جن میں کچھ کامیاب رہے جبکہ کچھ اپنے مقاصد نہ پا سکے۔ ان میں سے سب سے مشہور عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کا سریہ ہے جو سریۂ غمر[2] کے نام سے مشہور ہے۔ اس فوجی دستے کو آپ ﷺ نے بنو اسد کی جانب ربیع الاول 6 ہجری میں روانہ فرمایا۔ یہ لشکر غمر نامی جگہ پہنچا۔ دیکھا کہ تمام لوگ اِدھر اُدھر بکھر کر قریب ترین پہاڑوں میں منتشر ہو چکے ہیں، چنانچہ حضرت عکاشہ اور ان کے ساتھیوں نے ان کے جانوروں پر چھاپہ مارا اور بطور غنیمت دو سو اونٹ لے کر مدینہ واپس آ گئے۔[3]

ان عسکری مہمات میں سے ایک اور مشہور سریہ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ذوالقصہ کی جانب گیا تاکہ بنو ثعلبہ اور عوال کو ڈرایا دھمکایا جائے اور انھیں مدینہ منورہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارنے سے روکا جائے۔ لہٰذا ربیع الاول 6 ھ میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ دس ساتھیوں سمیت راتوں رات دشمن تک جا پہنچے۔ دشمن نے بھانپ لیا۔ ان کی تعداد ایک سو تھی۔ رات کے وقت تھوڑی دیر تو ایک دوسرے کو تیر مارتے رہے، پھر بدویوں نے مجاہدین پر نیزوں سے حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہو گئے۔ زخم اتنے کاری تھے کہ وہ واپس نہیں آ سکتے تھے۔ ادھر سے اچانک کسی مسلمان کا گزر ہوا۔ وہ انھیں اٹھا کر مدینہ منورہ لے آیا۔[4]

اس واقعے کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو چالیس آدمی دے کر ان کی طرف روانہ کیا مگر انھوں نے وہاں کسی کو نہ پایا، چند جانور ملے جنھیں

---

1 صلح الحديبية لمحمد أحمد باشميل، ص:45. 2 غمر: فید مکہ مکرمہ کے راستے پر ایک قلعہ ہے وہاں سے دو رات کی مسافت پر بنو اسد کے چشمے کا نام غمر ہے۔ 3 تاريخ الطبري:640/2. 4 التاريخ السياسي والعسكري للدكتور علي معطي، ص:328.

وہ ہانک کر مدینہ لے آئے۔[1]

اسی سال جمادی الاولی میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا دوسرا سریہ ایک سو ستر مجاہدین کی معیت میں قریش کے شام سے واپس آنے والے قافلے کو روکنے کے لیے ''عیص''[2] گیا۔ انھوں نے وہ قافلہ پا لیا۔ اس کا سارا مال قبضے میں کیا اور بعض افراد کو قید کر لیا جن میں حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاوند ابو العاص بن ربیع، ان کی والدہ اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ کی بہن ہالہ بنت خویلد اور مغیرہ بن معاویہ بن ابو العاص بھی شامل تھے۔

شعبان 6 ہجری میں ایک سریہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنو سعد بن بکر کی طرف بھیجا گیا جو خیبر کے یہود کی امداد کرنا چاہتے تھے۔ یہ لشکر 100 افراد پر مشتمل تھا۔ انھوں نے ان پر چھاپہ مارا اور کچھ جانور بطور غنیمت لے کر مدینہ پلٹ آئے۔[3]

یہ سریہ ہر اس آدمی کو سبق سکھانے کے لیے تھا جس کا نفس یہود کی متوقع خباثت پر امداد فراہم کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ اس طرح انھیں اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ مدینہ منورہ اپنے اردگرد سے باخبر ہے اور آس پاس کی تمام حرکات و سکنات پر اس کی نظر ہے۔[4]

ریاست مدینہ منورہ کی نظر دشمن کے متعلق خاص طور پر انتہائی چوکس تھی۔ ایک پر امن اور محفوظ جنگی منصوبہ ایسا ہی ہوتا ہے۔[5]

سرایا اور لشکروں کی نقل و حرکت سے دشمنوں سے متعلق معلومات رکھنے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف ذرائع سے معلومات آتی تھیں، مثلاً: اطلاعات فراہم کرنے والے سرایا، خفیہ طور پر مسلمان ہونے والے، مسلمانوں کے لیے نرم گوشہ رکھنے والے، مجاہدین، بھانپ لینے والی نگاہ اور درپردہ حقائق سے واقفیت کا ملکہ۔

---

[1] المغازي للواقدي: 551/1. [2] عیص اور مدینہ منورہ کے درمیان چار راتوں کی مسافت ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ، لمحمد رضا، ص: 246,245. [3] التاريخ السياسي والعسكري للدكتور علي معطي، ص: 330. [4] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 325. [5] التاريخ الإسلامي للحميدي: 189/6.

الغرض رسول اللہ ﷺ کو داخلی سازش، خارجی دباؤ اور دھمکی سے کبھی مرعوب نہ کیا جا سکا۔[1]

عرنیین کی جانب حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کا سریہ

شوال 6 ہجری میں عکل اور عرینہ قبیلے کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کا دعویٰ کیا۔ انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ہم دودھیل جانوروں والے تھے۔ زراعت پیشہ نہ تھے۔'' انھیں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ آپ ﷺ نے چند اونٹ اور ایک چرواہا ان کے ساتھ روانہ کر کے حکم دیا کہ تم ان کو جنگل میں لے جاؤ، ان کا دودھ اور پیشاب استعمال کرو۔ وہ جب حرہ کی طرف گئے تو انھوں نے چرواہے کو مار ڈالا اور اونٹ بھگا لے گئے۔

یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے انھیں پکڑنے کے لیے دستہ روانہ کیا۔

انھیں پکڑ لیا گیا تو آپ ﷺ کے حکم پر ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور انھیں حرہ میں پھینک دیا گیا حتی کہ وہ مر گئے۔ حدیث کے راوی قتادہ کہتے ہیں کہ ہمیں پھر یہ خبر پہنچی کہ نبی اکرم ﷺ اس کے بعد صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے۔[2]

ابو قلابہ اپنی روایت میں کہتے ہیں کہ عکل اور عرینہ والوں نے چوری کی، قتل کیا، ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی مول لی تھی۔[3]

جمہور علماء کی رائے کے مطابق مذکورہ آیت انھی عرینہ والوں کے متعلق اتری:

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ

---

1 الأساس في السنة لسعيد حوّى: 712/2. 2 صحيح البخاري، حديث: 4192، والسيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 478. 3 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 478.

عَظِيمٌ ﴾

''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں۔ یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے، یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے۔''[1]

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس آیت کے نزول کے مزید اسباب بھی ہیں۔[2]

بہر صورت عام طور پر الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خاص اسباب کا۔ لہٰذا یہ حکم آج بھی باقی ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے کہ اسلام میں دنگا فساد کرنے والے کا آج بھی یہی حکم ہے، خواہ اصلاً آیت کفار کے متعلق اتری تھی یا مسلمانوں کے متعلق۔ اور یہ آیت بخاری کی روایت کے مطابق مشرکین کے متعلق اتری تھی۔[3] یہی اس بات کی دلیل ہے کہ الفاظ کا اعتبار عموم کا ہوتا ہے نہ کہ اسباب کے ساتھ خاص ہونے کا۔

رہی یہ بات کہ مثلہ تو ممنوع ہے، پھر نبی اکرم ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلائیاں کیوں پھیریں؟ نبی اکرم ﷺ نے یہ عمل مثلہ کے طور پر نہیں بلکہ قصاص کی صورت میں بدلے کے طور پر اختیار کیا تھا کیونکہ انھوں نے نبی ﷺ کے چرواہوں سے یہی سلوک کیا تھا۔[4]

عرنیین کا یہ واقعہ فساد کے متعلق حکم کے عملی نفاذ کا ذریعہ ثابت ہوا۔ اس کے متعلق واضح آیات نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فساد کرنے والوں کی سزا کے صرف چار طریقے مقرر

---

1 المآئدة 5: 33. سبل الهدى والرشاد للصالحي: 6/181-190. 2 تفسير الطبري: 10/242-244. 3 علاج القرآن الكريم للجريمة للدكتور عبدالله الشنقيطي، ص:297,298.

4 صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرنیین کی آنکھوں میں اس لیے سلائیاں پھروائی تھیں کہ انھوں نے بھی چرواہوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری تھیں، دیکھیے: (صحیح مسلم، حدیث: (14)-1671

کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان چار طریقوں کی تاکید کے لیے لفظ ﴿اِنَّمَا﴾ بیان فرمایا۔ یہ لفظ عربی زبان میں کسی بات کا خاص دائرہ مقرر کرنے کے لیے آتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو بات ﴿اِنَّمَا﴾ کے ذریعے سے کہی گئی وہ حکم کے خاص دائرے میں مقید ہو گئی۔ دائرے کے باہر اس کی کوئی عملداری نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے کرتوت بیان کیے تاکہ کوئی عقل مند آدمی ان کے ارتکاب سے بچتے ہوئے ان سے نفرت کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۚ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، ان کی سزا تو صرف یہ ہے کہ انھیں قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ دنیا میں ان کے لیے ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ، توبہ کر لیں، پس تم جان لو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔“[1]

انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کی، اہل زمین کو خوف میں مبتلا کیا اور زمین میں فساد کے مرتکب ہوئے اور صرف فساد اور سرکشی کرتے ہوئے بلاوجہ ان کی مملوکہ اشیاء کو لوٹا، ان سے زبردستی چھینا اور قتل و غارت کی، لہٰذا اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کی ان پر اور اپنی دیگر مخلوق پر رحمت کا تقاضا تھا کہ ان کے متعلق اس نے ان چار امور میں

1 المآئدة 5:33، 34.

سے ایک فیصلہ دیا:

① قتل

② سولی

③ مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹنا۔

④ انھیں عام لوگوں سے الگ کر کے جلا وطن کر دینا۔

تاکہ ایسا قبیح فعل ان سے بار بار سرزد نہ ہو۔ اور دوسروں سے بھی ایسے قبیح جرم کا ارتکاب نہ ہونے پائے۔ اور اگر توبہ کرنا چاہیں اور رشد و ہدایت کی طرف لوٹنا چاہیں تو گناہوں کی وجہ سے وہ جس سزا کے مستحق تھے انھیں اس سے بری قرار دیا جائے۔

مسلمانوں کو اذیت دینے کی وجہ سے دنیا کی زندگی میں ان کے لیے ذلت و رسوائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اس ذلت و رسوائی کے تاحیات رہنے کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے فساد برپا کرنے کا جرم کیا ہے۔ اور ان کے ساتھ یہی ذلت روز قیامت تک رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

بعدازاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جو توبہ تائب ہو جائیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑا موثر، حکیمانہ انداز اختیار فرمایا جو انھیں ایسے قبیح عمل سے توبہ کی طرف لے آئے۔ یعنی جب وہ پکڑے جانے سے پہلے توبہ کر لیں اور واپس آ جائیں تو ان کے لیے معافی ہے۔ کیونکہ ان کی توبہ کی دلیل ان کی صداقت اور سچائی ہے کیونکہ وہ قابو ہونے سے پہلے واپس آ گئے ہیں۔

قرآن پاک جرائم کی روک تھام میں ایسا ہی عمدہ انداز اختیار کرتا ہے۔ یہ علاج، ذوقِ سلیم کے مطابق ہوتا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے دونوں آیات کو اپنے وصف ''غفور و رحیم'' پر ختم کیا کہ وہ توبہ کرنے والے اور صلح جو کے لیے غفور و رحیم ہے۔ اس کی وسیع رحمت سے کوئی نا امید نہیں ہوتا اور نہ کوئی بندے اور اس کے رب کی رحمت و مغفرت کے درمیان

حائل ہوسکتا ہے، خواہ اس کا گناہ کتنا ہی بڑا، اس کی کوتاہی کتنی ہی زیادہ ہو بشرطیکہ اس نے شرک نہ کیا ہو۔ قصہ مختصر قرآنی آیات نے اسلامی معاشرے میں دنگا فساد کا ایسا علاج کیا ہے کہ اس سے بہتر علاج کی گنجائش نہیں۔ یہ ان نکات سے واضح ہو رہا ہے:

① فسادی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے نبرد آزما کہنا۔

② فساد فی الارض پر بلاتفریق بہت بڑی سزا کا اعلان۔

③ اگر فسادی توبہ نہ کرے تو دنیا و آخرت میں اس کا مقام نیچا رہے۔

④ ایسے سنگین جرم کے لیے بھی درِ توبہ کھلا رکھا گیا ہے، تا کہ واپسی کے راستے کی بندش اس کو اپنے جرم میں جاری رہنے اور اس پر مزید آگے بڑھنے پر آمادہ نہ کرے۔[1]

1 علاج القرآن الكريم للجريمة للدكتور عبدالله الشنقيطي، ص: 313-315.

باب 3

سازشی عناصر کا صفایا

سریہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ

بنونضیر سے تعلق رکھنے والا ایک یہودی ابو رافع سلام بن ابی الحقیق لوگوں کو اسلامی حکومت کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ اس نے غطفان اور ان کے اردگرد مشرک قبائل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے پر بہت بڑی رقم کا اعلان کیا تھا۔ اس کا یہ سازشی کردار زبان زد عام تھا۔ احزاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکٹھا کرنے والا بھی یہی شخص تھا۔ اسے لگام ڈالنا ضروری ہو گیا تھا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رافع یہودی کی جانب انصار کے کچھ لوگ بھیجے جن کا امیر عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ ابو رافع اپنے قلعے میں رہتا تھا۔ جب مسلمان قلعے کے پاس پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ لوگ اپنے اپنے جانور واپس لے جا چکے تھے، عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''تم یہیں ٹھہرو۔ میں جا کر دربان کے ساتھ کوئی حیلہ کرتا ہوں، شاید اس طرح قلعے میں داخل ہو سکوں۔ یہ آ کر دروازے کے قریب سر کو کپڑے سے ڈھانپ کر ایسے بیٹھ گئے گویا قضائے حاجت کر رہے ہیں۔ تمام لوگ اندر داخل ہو چکے تھے۔ دربان نے اونچی آواز میں پکارا: ''ارے اللہ کے بندے! اندر آنا چاہتا ہے تو داخل ہو۔ میں دروازہ بند کرنا چاہتا ہوں۔'' عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی داخل

[1] قراءة سياسية للسيرة النبوية للدكتور قلعجي، ص:212.

ہو کر چھپ گیا۔ جب تمام لوگ داخل ہو گئے تو دربان نے دروازہ بند کر دیا اور چابیاں کھونٹی پر لٹکا دیں۔

ابن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اٹھ کر چابیاں لیں اور دروازہ کھول دیا۔[1]

جب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی قلعے میں گھس گئے تو ابو رافع کے قتل کا مناسب موقع دیکھنے لگے۔

بخاری کی روایت کے مطابق عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے ابو رافع کے کچھ ساتھیوں کو اس کے ساتھ باتیں کرتا پایا، وہ اوپر اپنے بالا خانے میں تھا۔ ابن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں وہاں چھپ گیا۔ جب سب داستاں گو چل دیے تو میں اس کی جانب چڑھا۔ میں جس دروازے میں داخل ہوتا اسے اندر سے بند کر لیتا تاکہ کوئی بھی ابو رافع کا کام تمام کرنے میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ وہاں پہنچا تو ابو رافع کو اندھیری کوٹھڑی میں بال بچوں سمیت پایا۔ لیکن معلوم نہ تھا وہ کس جگہ ہے۔ میں نے آواز دی: ''ابو رافع!'' اس نے کہا: ''کون ہے؟'' میں آواز کی طرف لپکا اور تلوار کی ایک ضرب لگائی۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اس وار سے کچھ کام نہ بنا۔

ابو رافع چلایا۔ میں کوٹھڑی سے باہر آ گیا، تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر کوٹھڑی میں گیا اور کہا: ''ابو رافع! یہ آواز کیسی تھی؟''

اس نے کہا: ''تیری ماں کے لیے ہلاکت ہو! ابھی ابھی کسی نے مجھ پر تلوار کا وار کیا۔'' یہ سنتے ہی میں نے اس پر ایک اور ضرب لگائی۔ اگرچہ اب اس کو کاری زخم لگا مگر وہ مرا نہیں۔ آخر میں نے تلوار اس کے پیٹ پر رکھ کر دبا دی وہ اس کی پیٹھ تک پہنچ گئی۔ جب مجھے یقین ہوا کہ اب میں نے اسے مار ڈالا ہے، تب میں لوٹا۔

ایک ایک کر کے دروازہ کھولتا گیا حتی کہ آخری سیڑھی تک پہنچ گیا۔ چاندنی رات تھی۔

[1] السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص:465.

میں نے پاؤں رکھا اور سمجھا کہ زمین آ گئی ہے۔ میں گر پڑا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے پگڑی سے باندھ لیا، پھر جا کر دروازے پر بیٹھ گیا اور (دل میں) کہا: ”میں یہاں سے اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک مجھ کو ابو رافع کی موت کا یقین نہ ہو جائے۔“ جب مرغ نے بانگ دی اس وقت موت کی خبر دینے والا قلعے کی دیوار پر کھڑا ہوا اور پکارنے لگا: ”اہل حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کی خبر دیتا ہوں۔“ یہ سنتے ہی میں اپنے ساتھیوں کی طرف گیا اور ان سے کہا: ”جلدی بھاگو، اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو قتل کر دیا ہے۔“ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور تمام قصہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أُبْسُطْ رِجْلَكَ» ”اپنی ٹانگ پھیلاؤ۔“ میں نے ٹانگ پھیلائی تو آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیرا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے ٹانگ کو کبھی کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ [1]

بخاری ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آواز دی: ”ابو رافع!“ اس نے کہا: ”کون ہے؟“ میں آواز کی طرف بڑھا اور تلوار کی ضرب لگائی۔ ابو رافع نے چیخ ماری۔ مگر اس ضرب سے کچھ کام نہ بنا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں دوبارہ ابورافع کے پاس اس طرح گیا جیسے اس کی مدد کو آیا ہوں اور آواز بدل کر پوچھا: ”ابو رافع کیا ہوا؟“ اس نے کہا: ”تیری ماں مرے، ابھی ابھی کوئی میرے پاس گھس آیا اور مجھ پر تلوار کا وار کیا۔“ میں آگے بڑھا اور پھر ایک ضرب لگائی، پھر بھی کوئی کام نہ بنا۔ اس نے چیخ ماری جس سے اس کے گھر والے بھی جاگ اٹھے، پھر میں تیسری بار گیا اور آواز بدل کر پوچھا جیسے کوئی مدد کو آتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ چت لیٹا ہوا تھا۔ میں نے تلوار اس کے پیٹ پر رکھی، پھر اپنے سارے بدن کا بوجھ اس پر ڈال دیا حتی کہ ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز سنی۔ [2]

سیرت کی کتابوں میں یہ بھی منقول ہے کہ جب ابو رافع کو تلوار کا وار لگا تو اس کی بیوی

1 صحيح البخاري، حديث:4039. 2 صحيح البخاري، حديث:4040.

بھی چیخی۔ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اسے بھی قتل کرنا چاہا مگر رک گیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کیا تھا۔ [1]

ابن عتیک رضی اللہ عنہ یہودیوں کی زبان بول لیتے تھے وہی زبان انھوں نے وہاں بولی تھی۔

سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کے تمام ساتھی ابو رافع کو قتل کرنے میں شریک ہوئے۔ شرکاء میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ اس کا وار فیصلہ کن تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «عَجِّلُوا بِأَسْيَافِكُمْ» ''جلدی جلدی اپنی تلواریں لے آؤ۔'' وہ اپنی تلواریں لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا اور فرمایا: «هٰذَا قَتَلَهُ» ''اس نے اسے مارا ہے۔'' اور وہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی تلوار تھی۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی تلوار پر (ابورافع کے کھائے ہوئے) کھانے کے کچھ اثرات بھی تھے۔ [2]

عام قاری بخاری اور دیگر روایات میں تناقض محسوس کرتا ہے جن میں مذکور ہے کہ کاری وار عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا تھا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ تناقض نہیں کیونکہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اپنی خبر خود بتاتے ہیں اور انھیں ظن غالب یہی تھا کہ وہی قاتل ہیں۔ اسی طرح انھوں نے ابورافع کو ٹھکانے لگانے میں اپنا کردار واضح کیا ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی اور اس میں شریک نہ تھا۔ اور نہ انھوں نے اسے قتل کرنے میں دوسروں کی شراکت کا انکار کیا۔ یہ روایات اس طرح ایک دوسری روایت کی شرح و تکمیل کرتی ہیں۔ روایات کو دیکھیں تو ہر کوئی اس کا دعویدار ہے کہ اسی کا وار فیصلہ کن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلواروں کو دیکھا اور فیصلہ دیا کہ فیصلہ کن وار عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا تھا کیونکہ اس پر کھانے کے نشانات واضح تھے، یعنی یہی تلوار تھی جو ابورافع کے پیٹ میں گھسی، اس کی انتڑیوں کو پھاڑا، اندر کی ہر چیز کٹ پھٹ گئی اور تلوار اس کے پیٹ میں موجود غذا سے لت پت ہوئی۔ [3]

---

1 شرح المواهب للزرقاني: 168/2. 2 الطبقات الكبرىٰ: 92,91/2، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 221/3، والمصنف لعبدالرزاق: 5/407-410، والسيرة النبوية لابن هشام: 3/286-288.

3 الصراع مع اليهود لأبي فارس: 189/1.

سیرت کی کتابوں کے مطابق اس سریے میں یہ افراد شامل تھے۔ عبداللہ بن عتیک، مسعود بن سنان، عبداللہ بن انیس، ابوقتادہ حارث بن ربعی اور خزاعی بن اسود رضی اللہ عنہم۔ [1]

سریہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کے اسباق و فوائد: ① اس سریے کے تمام افراد خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ اوس کی طرح ہم بھی کوئی کارنامہ انجام دیں۔ قبیلہ اوس والوں نے کعب بن اشرف کو ٹھکانے لگایا تھا۔ یہ دونوں قبیلے اچھائیوں میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں دو مقابل گھوڑوں کی طرح تھے۔ یہ دنیاوی زندگی کے مال اور عہدوں میں باہم بازی لے جانے کا مقابلہ نہ تھا بلکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ امور میں باہمی مقابلہ تھا جس کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی سعادت تھی۔ [2]

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو بندوبست فرمایا اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ انصار کے یہ دونوں قبائل اوس اور خزرج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دو بڑے اونٹوں کی طرح، آپ کی خدمت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگ گئے تھے۔ اوس کوئی بھی خدمت انجام دیتے تو خزرج کہتے: ''اللہ کی قسم! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی خدمت میں یہ فضیلت ہم سے زیادہ حاصل نہیں کر سکتے۔'' وہ اُن جیسا فعل و عمل کرنے سے ہرگز نہ رکتے۔ اور جب خزرج اس طرح کی خدمت انجام دیتے تو اوس بھی اسی قسم کے جذبات کا اظہار کرتے۔ [3]

② **دشمن کی زبان سیکھنے کا فائدہ:** اس فن کی بدولت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ ابورافع کے قلعے میں گئے اور اس کی بیوی سے بات کی۔ اسی فن کی بدولت وہ اس گھر میں اطمینان سے داخل ہو سکے کیونکہ اس وقت انھوں نے ان سے یہود کی زبان ہی میں گفتگو اور مکالمہ کیا تھا۔

---

1 صلح الحديبية لمحمد أحمد باشميل، ص: 91. 2 التاريخ الإسلامي للحميدي: 177/6.
3 السيرة النبوية لابن هشام: 286/3.

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مسلم اور خاص طور پر دشمن کی زبان سیکھنی چاہیے۔ خصوصاً ان جنگجوؤں کے لیے تو یہ بہت ضروری ہے جو دشمن کی خبریں اکٹھی کرتے اور معلوماتی مہمات سر کرتے ہیں، پھر قیادت ان خبروں کی روشنی میں منصوبہ بندی کرتی ہے۔[1]

③ ابن عتیک رضی اللہ عنہ کے منصوبے کی کامیابی کے اسباب و ذرائع میں ان کا اکیلا جانا بھی شامل ہے۔ انھوں نے طے کیا کہ قلعے کی جانب اکیلے جائیں اور اس میں داخل ہونے کی کوشش کریں، پھر دیگر افراد کے داخلے کا طریقہ ڈھونڈیں۔ ان کی عام فطری چال ڈھال نے کسی بھی محافظ کی توجہ ادھر مبذول نہ ہونے دی۔ اسی وجہ سے انھوں نے چوکیدار کو بھی چکما دے دیا اور اسے یہ باور کرایا کہ وہ قضائے حاجت کر رہے ہیں۔ اس بات نے چوکیدار کو اس کی طرف دیکھنے، اس کے چہرے پر غور کرنے اور جانچنے سے روکے رکھا، پھر قلعے کے اندر داخل ہو کر ان کا چوکیدار پر کڑی نگاہ رکھنا اور ایسی جگہ چھپ جانا جہاں محافظ کو تو محسوس نہ ہو لیکن محافظ پر نگاہ رکھی جا سکے حتی کہ وہ ایک خاص جگہ پر چابی رکھ کر چلا جائے تاکہ وہاں سے چابی لے کر جب چاہیں جیسے چاہیں استعمال کریں۔[2]

④ اپنے دوستوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و کرم نوازی: یہ عظیم صحابی ٹانگ پر چوٹ آنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے چلتے اور اپنی توانائیاں صرف کرتے رہے گویا اس کو کسی مرض کی شکایت ہی نہیں مگر جب اس کی ذمہ داری ختم ہو گئی اور مزید کوشش کرنے کی ضرورت نہ رہی تو تکلیف شروع ہو گئی اور ساتھی اسے اٹھا کر لے آئے۔ اس نے اپنا قصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أُبْسُطْ رِجْلَكَ» ''اپنی ٹانگ پھیلاؤ۔'' وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا دستِ مبارک پھیرا تو وہ ایسے ہو گئی گویا کبھی تکلیف تھی ہی نہیں۔[3]

---

1 الصراع مع اليهود لأبي فارس: 191/1. 2 الصراع مع اليهود لأبي فارس: 192/1-193.
3 صحيح البخاري، حديث: 4039.

⑤ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس قصے سے فوائد و نتائج کا استخراج کرتے ہوئے کہتے ہیں:

❁ اس حدیث سے ایسے کافر پر اچانک حملہ کرنا درست ہوتا ہے جسے دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہو اور وہ پھر بھی کفر پر اصرار کیے بیٹھا ہو۔

❁ اسی طرح ایسے شخص کو قتل کرنا درست ہے جو رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہاتھ، مال یا زبان سے تعاون کر رہا ہو۔

❁ اہل حرب کی جاسوسی اور ان کے غفلت کے اوقات ڈھونڈنا درست ہے۔

❁ مشرکین سے جنگ میں سختی برتنی چاہیے۔

❁ مصلحت کا تقاضا ہو تو بات کو مبہم رکھنا درست ہے۔

❁ تھوڑی تعداد کے مسلمان زیادہ تعداد کے مشرکین سے پنجہ آزمائی کر سکتے ہیں۔

❁ دلیل اور علامت کی بنا پر فیصلہ کر لینا بھی درست ہے جیسا کہ ابن عتیک رضی اللہ عنہ نے ابورافع کی آواز ہی سے اس جگہ کا اندازہ لگایا تھا جہاں وہ موجود تھا۔ اسی طرح انھوں نے موت کی خبر دینے والے کی آواز پر بھی اعتبار کیا تھا۔ واللہ اعلم۔[1]

⑥ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا عام سپاہی کے طور پر سریہ میں شامل ہونا، تربیتی و تعلیمی لحاظ سے بڑی رہنمائی دیتا ہے۔ یہ بدری صحابی اور بیعت عقبہ میں شریک ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں قبلوں کی طرف نماز ادا کرنے والے، انصار کے السابقون الاولون میں سے تھے۔ بایں ہمہ یہ جہاد اور بہادری کے میدان میں کوئی غیر معروف شخصیت نہیں تھے۔ یہ اکیلے ہی مکہ کے پاس سفیان بن خالد ہذلی کو ٹھکانے لگانے والے ہیں جو مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اپنی مہم جوئی میں بہت کامیاب رہے تھے۔ انھوں نے ابن رافع کو اس کے بستر پر قتل کر دیا تھا، پھر اس کی قوم بھی انھیں گرفتار نہ کر سکی اور وہ کامیاب و کامران واپس آئے۔ غرضیکہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ صاحبِ

[1] فتح الباري: 400/7.

فضیلت ہونے کے باوجود اس گروہ کے امیر نہیں بلکہ ایک فرد تھے، حالانکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں، لوگوں کی نگاہ میں آنے سے قبل، اس روشن تاریخ کے حامل شخص تھے۔

یہ وہ تربیتی سبق ہے جو صحابۂ کرام مکمل طور پر حاصل کیے ہوئے تھے۔ تربیت کی دنیا میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ افواج میں یہ قانون رائج ہے کہ رتبے کا لحاظ رکھا جائے۔ بلکہ اگر ایک ہی مقام و مرتبہ کے اشخاص ہیں تو قدیم عہدے دار نئے عہدے دار پر حکم چلائے گا۔ اور نئے عہدے دار پر سابقہ عہدے دار کی سمع و طاعت لازمی ہے، خواہ وہ اس سے چند ماہ ہی پہلے آیا ہو۔ اس اعتبار سے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے کوئی بھی آگے بڑھنے کا حقدار نہ تھا۔ لیکن یہاں تو یہ عظیم نبوی تربیت تھی تاکہ یہ نسل پہلوں سے سیکھے اور ان کے ہاتھوں تربیت پا سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی ہی اس قسم کی فوجی مہمات روانہ فرمائی ہیں جن میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما عام مجاہد اور فوجی کی طرح شامل تھے۔ [1]

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا سریہ یُسیر بن رزام یہودی کی جانب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ سلام بن ابی الحقیق کے بعد خیبر میں یہود کا سردار یسیر بن رزام شمال میں مقیم یہودیوں کو جمع کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ اس پر اکتفا نہیں بلکہ وہ غطفانی قبائل اور ان کے لشکروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ پر آمادہ کر رہا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کی منصوبہ بندی کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی اقدام سے پہلے اس خبر کی تصدیق کرنا چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو چند مسلمانوں کے ہمراہ روانہ کیا کہ وہ پہلے یہود کی سازش کا پتا چلائیں۔ [2]

نبوی خبر رسانوں نے یسیر بن رزام کے منصوبے کی تصدیق کی۔ یہی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تیس سواروں کو بھیجنے کے لیے کافی تھی۔ ان میں

[1] التربية القيادية للدكتور الغضبان: 148/4. [2] اليهود في السنة المطهرة للدكتور عبدالله الشقاري: 389,388/1.

عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ ابن رزام کے پاس آئے اور کہا: ''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری طرف بھیجا ہے تا کہ تجھے خیبر کا عامل مقرر کر دیں۔'' یہ اسے ایسی اُمیدیں آرزوئیں دلاتے رہے حتی کہ وہ اپنے تیس ساتھیوں کے ہمراہ ان کے ساتھ ہولیا۔ ان میں سے ہر شخص کے پیچھے ایک ایک مسلمان تھا۔ یہ خود حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے اونٹ پر ان کے پیچھے سوار تھا۔ جب یہ قافلہ خیبر سے چھ میل کے فاصلے پر ''قرقرہ ثیار'' پہنچا تو یسیر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جانے پر نادم ہوا۔ اس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے حضرت عبداللہ بن انیس کی تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ وہ اس کا مقصد بھانپ گئے، لہٰذا تلوار اس سے زبردستی چھین لی، پھر تلوار مار کر اس کا پاؤں کاٹ دیا۔ یسیر نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا لکڑی کا مضبوط اور سخت ڈنڈا عبداللہ بن انیس کے منہ پر مار کر انھیں زخمی کر دیا۔

اس کے بعد ہر مسلمان نے اپنے ساتھ بیٹھے یہودی کو قتل کر دیا مگر ایک شخص بچ نکلا۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے زخم پر لعاب مبارک لگایا، پھر (زندگی بھر) نہ تو وہ زخم خراب ہوا اور نہ کبھی تکلیف ہوئی۔[1]

یہ سریہ شوال چھ ہجری میں پیش آیا۔

اس مہم میں کئی ایک اسباق اور عبرتیں ہیں:

① ابتدا ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصوبہ تھا کہ مسلمانوں اور یہود کے درمیان خونریزی کو روک کر رکھیں۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا کردار بھی اسی پالیسی کا حصہ تھا۔ لیکن کینہ پرور یہودی بغض و عناد کا زہر ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف اُگلتے رہتے تھے۔ اب بھی یہی بغض و عناد ان پر غالب رہا۔ یوں امن کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ انھوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہا مگر برا انجام انھی کے حصے میں آیا۔

② جنگ میں جب تک دلیری کا مظاہرہ نہ ہو تو آئے روز دشمن کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 267,266/3، والسيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 477.

جنگ ہر چیز کو کھا جاتی اور فنا کر دیتی ہے، لہٰذا دشمن کے دل میں خوف و ہراس پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور جب بات چیت کام نہ آئے تو سختی سے کام لینا لازمی ہو جاتا ہے اور اس قدر سختی ضروری ہو جاتی ہے کہ دشمن اپنے مخالف کو اچھی طرح سمجھ لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی بھی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔

③ چھٹے ہجری سال نے دشمن کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے عملی اقدامات میں بھرپور پیش قدمی دیکھی۔ کوئی ایک ماہ بھی کسی ایسی مہم سے خالی نہ تھا۔ اسلامی لشکر کہیں صحرا پاٹ رہا ہے تو کہیں دشمن کا اجتماع منتشر کر رہا ہے، کہیں دشمن کی کمر توڑ رہا ہے تو کہیں کسی طاغوت پر اچانک جھپٹ رہا ہے گویا اس مرحلے کی کارروائیوں کا ماٹو اب یہ تھا: «اَلْآنَ نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا» ”اب وہ ہم سے نہیں لڑیں گے بلکہ ہم ان سے جنگ کریں گے۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا گروہ اللہ تعالیٰ کے نام سے دنیا میں پھیل رہا تھا اور ابدی اصول و ضوابط، بلند ترین اور عظیم اخلاقی قدریں ساری مخلوق کے سامنے پیش کر رہا تھا۔ ان اصولوں کا مقابلہ کرنے والے اور رکاوٹ بننے والے طاغوتی عناصر کو منظر سے ہٹایا جا رہا تھا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے اس گروہ کے ایک ایک فرد کو جو خود تربیت کے اخلاقی، فکری، عسکری اور سیاسی بلند معیار پر فائز تھا دیکھتے ہیں کہ کس عمدہ طریقے سے وہ اس منصوبے اور پروگرام کا نفاذ کر رہا ہے۔ اور ان کی حالت کیسے ان کے اصول و مبادیات کی زندہ عملی تصویر بن چکی ہے۔ اور کس طرح وہ آہستہ آہستہ نئے مرحلے کی طرف بڑھ رہے ہیں جس کے خدوخال اور نمایاں آثار صلح حدیبیہ سے شروع ہو رہے ہیں۔[1]

[1] التربية القيادية للدكتور الغضبان: 4/189-192.

حصہ 15

صلح حدیبیہ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ○

"بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے۔"

(الفتح 48:1)

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○

"البتہ تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، چنانچہ ان کے دلوں میں جو (خلوص) تھا، وہ اس نے جان لیا، تو اس نے ان پر طمانیت و تسکین نازل کی اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح دی۔"

(الفتح 48:18)

باب 1

صلح حدیبیہ کی تاریخ اور اسباب و واقعات

تاریخ حدیبیہ اور اس کے اسباب

رسول اللہ ﷺ یکم ذوالقعدہ بروز پیر 6 ہجری [1] کو عمرے کی ادائیگی کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ [2]

اس غزوے کا سبب وہ خواب بنا جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں دیکھا۔ آپ ﷺ نے خواب دیکھا کہ اصحاب کرام کے ہمراہ احرام باندھے عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں۔ تعظیم بیت اللہ کے لیے ساتھ قربانی بھی ہے۔ آپ ﷺ نے ساتھیوں کو عمرے کی ادائیگی کی خوشخبری دی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ [3]

مکہ مکرمہ اور کعبۃ اللہ کی محبت صحابۂ کرام کو گھٹی میں ملی تھی اور ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ اسی طرح وہاں سے گئے ہوئے انھیں عرصہ بیت گیا تھا۔ اسلام نے بیت اللہ سے تعلق اور شوق کو مزید بڑھا دیا تھا۔ وہ دل و جان سے بیت اللہ کے طواف کے انتہائی مشتاق تھے، خصوصاً مہاجرین تو مکہ کی جانب بہت زیادہ چاہت رکھے ہوئے تھے کیونکہ وہ وہیں پیدا ہوئے، پرورش پائی اور وہ اپنے آبائی وطن سے شدید محبت رکھتے تھے۔ ان کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان رکاوٹ حائل تھی، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے

1. اس تاریخ پر اہل علم کا اجماع ہے، دیکھیے: المجموع للنووي: 78/7. 2. نضرة النعيم: 334/1.
3. حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ للدكتور محمد بكر آل عابد: 495/2.

انھیں مکہ مکرمہ داخلے کی یہ خبر سنائی تو وہ اس عظیم زیارت کے لیے تیار ہو گئے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے آس پاس کے لوگوں کو بھی ساتھ جانے کے لیے کہا کیونکہ آپ ﷺ کو خدشہ تھا کہ قریش بیت اللہ سے روکیں گے۔ اسلامی ریاست کو خبر رساں دستوں کے ذریعے سے اطلاعات مل چکی تھیں کہ مدینہ کے جنوب میں واقع قریش اور شمال میں واقع خیبر کے درمیان جنگی معاہدہ ہو چکا ہے۔ اس معاہدے کا مطلب اسلامی حکومت کو دو تلواروں کے درمیان رکھنا اور بالآخر اسلامی وجود کا خاتمہ تھا۔ سیاسی طور پر اس معاہدے کو ختم کرنے کا وقت بھی آ چکا تھا۔

تمام عرب سمجھتے تھے کہ کعبہ قریش کی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ ان سب کے باپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وراثت ہے، لہٰذا قریش کا حق نہیں کہ جسے چاہیں اس کی زیارت سے روک دیں اور جسے چاہیں اجازت دیں، لہٰذا محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو بھی کعبۃ اللہ کی زیارت کا حق حاصل ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے مکہ جانے کی خبر عرب قبائل میں پھیل گئی۔ اس خبر کے پھیلنے کا عام آدمی کی رائے پر بڑا اثر تھا۔ اور خاص طور پر جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی کہ آپ ﷺ جنگ نہیں چاہتے بلکہ صرف شعائر اللہ کی تعظیم اور عمرے کی ادائیگی کا ارادہ ہے۔ اس عمدہ عمل نے بڑے اچھے تشہیری مقاصد حاصل کیے۔ آپ ﷺ کا مقصد بالکل علانیہ اور واضح تھا۔ اور وہ تھا بیت اللہ کی زیارت اور عمرے کی ادائیگی۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سلے کپڑوں کی جگہ احرام باندھ لیا۔ قربانی والے جانوروں کو قلادہ ڈالنے اور اِشعار[3] کرنے کے بعد ذوالحلیفہ سے عمرے کے لیے احرام باندھا۔[4]

---

[1] السيرة النبوية للندوي، ص: 273. [2] قراءة سياسية للسيرة النبوية للدكتور قلعجي، ص: 214,213. [3] قربانی کے جانور کو زخم لگا کر خون کے ساتھ نشان زدہ کرنا تاکہ دوسرے جانوروں سے اس کی پہچان ہو سکے اِشعار کہلاتا ہے۔ [4] مرويات غزوة الحديبية للدكتور حافظ الحكمي، ص: 55.

رسول اللہ ﷺ نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے بشر بن سفیان خزاعی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ اس کے متعلق واقدی کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور بیس شاہسواروں کی معیت میں، جو مہاجرین و انصار دونوں میں سے تھے، خبریں لینے کے لیے اپنے آگے روانہ کیا۔''[1]

اس سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد ان اچانک پیش آمدہ حالات کی تیاری تھا جن کے پیش آنے کا امکان تھا۔ ایسے ہی اس پیش رو گروہ کا مقصد دشمن کی خبریں معلوم کرنا بھی تھا۔[2]

ذوالحلیفۃ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے کو قبول فرمایا۔ انھوں نے یہ مشورہ دیا تھا: ''اے اللہ کے رسول! آپ ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہیں جو ہمارے دشمن ہیں اور بغیر جنگی ساز وسامان کے جا رہے ہیں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وہیں سے مدینہ آدمی بھیجا جو اسلحہ لے آیا۔[3]

اس سے آپ ﷺ کا ارادہ ان دشمنوں کے مدمقابل تیاری تھی جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور پست کرنے کے لیے ہر قسم کے اسلحے اور تیاری سے لیس تھے۔[4]

رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل اسباب و ذرائع اختیار کرنے کی آپ کی عادت مبارکہ کا حصہ ہے جسے آپ نے بہت سارے فوائد کی بنا پر اختیار کیا تاکہ آپ کے امتی بھی اسی طرح کریں۔ اس لیے کہ باہمی مشاورت سے ان دشمنوں کی تدبیروں کو بھی ناکام کیا جا سکتا ہے جو ہمیشہ مسلمانوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑنے کے منتظر رہتے ہیں۔[5]

رسول اللہ ﷺ وادی عسفان میں

رسول اللہ ﷺ جب عسفان پہنچے تو وہاں بشر بن سفیان کعبی خزاعی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ

1 المغازي للواقدي: 974/2. 2 صلح الحديبية لمحمد أحمد باشميل، ص: 309. 3 تاريخ الطبري: 622/2. 4 القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص: 489.
5 تاريخ الطبري: 622/2.

سے آملے اور انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! قریش آپ کی آمد کی اطلاع پا کر بچوں اور عورتوں سمیت نکل آئے ہیں۔ انھوں نے چیتوں کی کھالیں پہنی ہوئی ہیں اور وہ اس بات پر قسمیں کھا رہے ہیں کہ وہ آپ کو کبھی بھی زبردستی مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: «يَا وَيْحَ قُرَيْشٍ! لَقَدْ أَكَلَتْهُمُ الْحَرْبُ، مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ خَلُّوا بَيْنِي وَبَيْنَ سَائِرِ الْعَرَبِ، فَإِنْ هُمْ أَصَابُونِي كَانَ ذٰلِكَ الَّذِي أَرَادُوا، وَإِنْ أَظْهَرَنِي اللّٰهُ عَلَيْهِمْ دَخَلُوا فِي الْإِسْلَامِ وَافِرِينَ، وَإِنْ لَّمْ يَفْعَلُوا قَاتَلُوا وَبِهِمْ قُوَّةٌ، فَمَا تَظُنُّ قُرَيْشٌ، فَوَاللّٰهِ لَا أَزَالُ أُجَاهِدُهُمْ عَلَى الَّذِي بَعَثَنِي اللّٰهُ بِهِ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ أَوْ تَنْفَرِدَ هٰذِهِ السَّالِفَةُ»

''قریش کو جنگوں نے تباہ و برباد کر دیا۔ افسوس! کیا اچھا ہوتا کہ وہ مجھے دوسرے لوگوں سے لڑنے بھڑنے دیتے۔ اگر وہ مجھ پر غالب آجاتے تو قریش کا مقصد پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے لوگوں پر غالب کر دیتا تو وہ بھی اسلام قبول کر لیتے اور صحیح سالم بھی رہتے اور اگر اسلام قبول نہ کرتے تب بھی قوت کے ساتھ تو لڑتے۔ قریش نے کیا سمجھ رکھا ہے؟ اللہ کی قسم! میں ان سے لڑتا رہوں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب فرما دے جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے یا پھر میری گردن تن سے جدا ہو جائے۔''[1]

قریش کی تیاری کی اطلاع پہنچتے ہی رسول اللہ ﷺ نے ساتھیوں سے مذکورہ دو ارادوں کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا:

① مسلمانوں کو بیت اللہ سے روکنے اور جنگ کرنے کے لیے آنے والے قریش کے مخلوط مددگار قبائل کی آل اولاد پر حملہ کر دیا جائے۔

② بیت اللہ الحرام کا سفر جاری رکھیں۔ جو بھی راہ میں آئے، مقصد حاصل کرنے تک اس

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 323/3.

سے جنگ جاری رکھیں۔[1]

جب رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی مدلل رائے کا یوں اظہار کیا کہ جنگ کا ارادہ ترک کر دیا جائے اور اصل مقصد ''ادائے عمرہ'' کے لیے سفر جاری رکھیں اور اگر لڑائی کی نوبت آئے بھی تو پہل ان کی طرف سے ہو۔ آپ ﷺ نے اس رائے کو سراہتے ہوئے اختیار فرمایا اور لوگوں کو روانہ ہونے کا حکم دیا۔[2]

مشرکین کے سوار جب مسلمانوں کے بالکل قریب پہنچ گئے تو عسفان میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صلاۃ الخوف پڑھائی۔

رسول اللہ ﷺ کا حدیبیہ میں پڑاؤ

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش آپ ﷺ کو روکنے نکلے ہیں اور خالد بن ولید کی قیادت میں مسلمانوں کے خلاف گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ آپ ﷺ نے مشرکین سے تصادم مول نہ لینے کے لیے راہ تبدیل کرنا پسند کیا۔ فرمایا:

«مَنْ رَّجُلٌ يَّخْرُجُ بِنَا عَلٰى طَرِيقٍ غَيْرَ طَرِيقِهِمُ الَّتِي هُمْ بِهَا؟»

''کون ہے جو ہمیں قریش کے راستے کو چھوڑ کر کسی دوسرے راستے سے لے چلے۔''

قبیلۂ اسلم کے ایک آدمی نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ خدمت میں انجام دوں گا۔'' یہ اسلمی شخص گھاٹیوں کے اندر سے ہوتا ہوا مسلمانوں کو سخت پتھریلے راستے پر لے گیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ راستہ بڑا دشوار تھا۔ اس راستے سے تمام لوگ وادی کے کنارے نرم زمین پر پہنچے تو آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا:

---

1 القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص:489. 2 ملامح الشورٰى في الدعوة الإسلامية للشيخ عدنان النحوي، ص:160.

«قُولُوا: نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَنَتُوبُ إِلَيْهِ»

''سب کہو، ہم اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہیں اور اس سے توبہ کرتے ہیں۔''

پھر فرمایا: «وَاللّٰهِ! إِنَّهَا الْحِطَّةُ الَّتِي عُرِضَتْ عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَلَمْ يَقُولُوهَا» ''اللہ کی قسم! یہ وہی ''حطہ'' (جس کا ذکر اس آیت میں ہے: ﴿وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ﴾ (البقرة 2:58)) ہے جو بنی اسرائیل کو پیش کیا گیا تھا مگر انھوں نے نہ کہا۔''[1]

اب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ دائیں طرف مقام حَمش کی پشت کے درمیان اسی راستے پر چلو جو ثنیۃ المرار کی طرف جا نکلتا ہے۔ لشکر مکہ کے زیریں جانب حدیبیہ کی طرف چل پڑا۔ اور اس راستے پر آہستگی سے رواں دواں تھا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

خالد بن ولید نے مسلمانوں کے لشکر کا گردوغبار اڑتا دیکھا تو اپنے سواروں سمیت انتہائی سرعت سے نئی صورت حال کے خطرے سے اہل مکہ کو آگاہ کرنے روانہ ہوا۔[2] تاکہ وہ اس تازہ ترین صورت حال کے مقابلے کی تیاری کریں۔ مشرکین بہت پریشان تھے کہ اسلامی لشکر اچانک حدیبیہ پہنچ گیا اور اب مکہ خطرے میں تھا۔

جنرل محمود شیت اس انتہائی عمدہ اور سبق آموز صورتِ حال کے متعلق لکھتے ہیں: اس (نئے) راستے پر مسلمانوں کا سفر (مخالف) لشکر کے ڈر کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ جو کوئی دشمن سے ڈرتا ہے وہ اس کے پڑاؤ کے قریب نہیں جاتا۔[3]

اقتباس النظام العسكري في عهد النبي کے مصنف جنرل محمود شیت خطاب رسول اللہ ﷺ کے رستہ تبدیل کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: نئے راستے کے لیے رہبر لینے اور محفوظ اور پرامن راستے کو اختیار کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ

[1] السيرة النبوية لابن هشام:338/3. [2] غزوة الحديبية لأبي فارس، ص:39. [3] الرسول القائد لمحمود شيت خطاب، ص:187,186.

بیدار مغز، صاحب بصیرت قیادت لشکر کے لیے ایسا راستہ اختیار کرتی ہے جو خطرات و مشکلات سے دور ہوتا ہے۔ اور ایسے راستے سے اجتناب کرتی ہے جہاں دشمن کے حملوں کا خطرہ ہو۔“ [1]

جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو اونٹنی ”قصواء“ بیٹھ گئی۔ صحابہ نے کہا: ”قصواء اڑ گئی ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ وَّلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ»

”قصواء اڑی نہیں، نہ یہ اس کی عادت ہے بلکہ اسے اس ہستی نے روک رکھا ہے جس نے ہاتھی کو روک دیا تھا۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! لَا يَسْأَلُونَنِي خُطَّةً يُّعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا»

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ لوگ میرے سامنے جو بھی منصوبہ رکھیں بشرطیکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم کر رہے ہوں تو میں اسے ضرور تسلیم کر لوں گا۔“ [2]

اس کے بعد آپ ﷺ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اچھل کھڑی ہوئی، پھر آپ ﷺ نے مکہ کے راستے میں تھوڑی تبدیلی کی اور چلتے رہے یہاں تک کہ اقصائے حدیبیہ میں ایک چشمے پر فروکش ہوئے۔ وہاں تھوڑا سا پانی تھا۔ چند ہی لمحوں میں لوگوں نے سارا پانی نکال (کر ختم کر) لیا اور رسول اللہ ﷺ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا اسے چشمے میں ڈال دیں۔ تیر چشمے میں گیا ہی تھا کہ چشمے کا پانی ابل پڑا اور تمام لوگوں نے سیر ہو کر پانی پیا۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کنویں کے کنارے بیٹھ گئے۔ تھوڑا پانی منگوا

---

1 اقتباس النظام العسكري في عهد النبي ﷺ لمحمود شيت خطاب، ص: 258. 2 صحيح البخاري، حديث: 2731,2732.

کر کلی کی اور اسے کنویں میں پھینکا۔[1]

دونوں روایات میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ دونوں کام بیک وقت ہوئے ہوں۔ حافظ ابن حجر کی رائے بھی یہی ہے۔[2]

واقدی کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ڈول میں کلی کی اور اسے کنویں میں ڈال دیا اور ساتھ ہی اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر کنویں میں ڈالا اور دعا فرمائی تو کنواں جوش مارنے لگا۔[3]

چند نصائح و اسباق

کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور حکم سے جاری و ساری ہے۔ غور کیجیے کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کہاں بیٹھی اور کیسے صحابہ نے اس کا بیٹھنا ناپسند کیا اور پھر انھوں نے اسے اٹھانے کی کوشش بھی کی تاکہ اونٹنی سفر جاری رکھے اور وہ بھی اس کے ساتھ بیت اللہ کی جانب رواں دواں رہیں، خواہ نتائج کچھ بھی نکلیں لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔[4]

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان: ''اس (اونٹنی) کو ہاتھی روکنے والے نے روک دیا'' سے حافظ ابن حجر نے ایک بہت عمدہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ حافظ صاحب کہتے ہیں: ''اس قصے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمومی لحاظ کا اعتبار کر کے تشبیہ دینی جائز ہے اگرچہ اس کا کوئی خاص پہلو مختلف ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اصحاب الفیل تو خالصتاً باطل پر تھے جبکہ اس اونٹنی والے خالصتاً حق پر ہیں، لہٰذا اس مثال میں تشبیہ اللہ تعالیٰ کے حرم سے مطلقاً روک دینے کے اعتبار سے ہے۔''[5]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین، اہل بدعت، اہل فسق، ظالم اور باغی جب ایسے

---

[1] فتح الباري: 758/14، شرح الحديث: 3577. [2] فتح الباري: 164/11، شرح الحديث: 2732,2731. [3] المغازي للواقدي: 588/2. [4] صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 43. [5] فتح الباري: 261/6.

صلح حدیبیہ
(ذی القعدہ 6ھ)
﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾
”بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح دی۔“ (الفتح 1:48)
بیعت رضوان
﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾
”اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی کیفیت جان لی اور ان پر اطمینان و سکون نازل فرمایا اور ان کو ایک قریبی فتح عطا فرمائی۔“ (الفتح 18:48)
حدیبیہ کا مقام
آغاز حرم کے مقامات
مقامِ میقات
حرمِ مکی کی حدود
شمال
مدینہ منورہ
ذوالحلیفہ (آبارعلی)
اہل مدینہ کے لیے میقات
عراق کی طرف
بدر
مدینہ منورہ کی طرف
ابواء
(آپ ﷺ کی والدہ محترمہ کا مقام وفات)
رابغ
اہل شام، مصریوں اور ان سب کے لیے میقات جو خشکی یا سمندر کے راستے ادھر سے آئیں
کلومیٹر
200
150
100
50
بحیرۂ احمر (قلزم)
عسفان
حدیبیہ
جدہ
تنعیم
مکہ مکرمہ
اہل عراق کے لیے میقات
ذات عرق
وادی نخلہ
نجد کی طرف
قرن المنازل
اہل نجد کے لیے میقات
عرفہ
طائف
اضاءۃ لبن
یلملم
اہل یمن کے لیے میقات
نقشہ: 16

امر کا تقاضا کریں جن میں شعائر اللہ (دین) کا احترام ہوتا ہو تو ان کی بات تسلیم کرنی چاہیے۔ تعاون پیش کرنا چاہیے اور صرف اس بات میں تعاون ہونا چاہیے جس میں حرمات اللہ کی عظمت پائی جائے نہ کہ ان کے کفر اور ظلم و زیادتی میں تعاون کیا جائے۔[1]

اللہ جل جلالہ کا یہ فیصلہ تھا کہ اس بار مسلمانوں اور مشرکوں میں جنگ کی نوبت نہ آئے کیونکہ اس میں کئی حکمتیں پوشیدہ تھیں جن کا ظہور بعد میں ہوا، مثلاً:

- مسلمانوں کا بزور شمشیر داخل ہونے کا مطلب تھا کہ کشت و خون اور دونوں جانب سے لاتعداد جانوں کا ضیاع۔
- مکہ مکرمہ میں موجود کمزور مسلمان بھائیوں کے بھی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو جانے کا اندیشہ تھا جو اپنی قوم کے ڈر سے اسلام کو دلوں میں چھپائے ہوئے تھے۔

یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود تھی کہ یہی لوگ جو آج رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مسجد حرام سے روک رہے ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو اسلام کے لیے کھول دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں بہت سے ملک فتح کرائے گا۔ یہی لوگ پیغام الٰہی لوگوں تک پہنچائیں گے اور بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھائیں گے۔[2]

رسول اللہ ﷺ اور قریش کے درمیان سفارت کاری

رسول اللہ ﷺ نے قریش کو یقین دہانی کرانے کی حتی الوسع کوشش فرمائی کہ میں تم سے جنگ نہیں کرنا چاہتا بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ ہے۔ اور یہ مسلمان اور غیر مسلم ہر کسی کا حق ہے۔ قریش کو جب اس کا یقین ہو گیا تو انھوں نے بات چیت کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو جنگ پر مجبور کیے جانے کی صورت میں ان کی ممکنہ قوت جانچنے کے لیے کچھ لوگ بھیجے۔ ان سفیروں کا اور مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کو جنگ کے بغیر مذاکرات کے

[1] صلح الحديبية لأبي فارس، ص:48. [2] صلح الحديبية لأبي فارس، ص:45.

ذریعے بیت اللہ سے روکا جا سکے تو روک لیا جائے۔[1]

بدیل بن ورقاء کی قیادت میں بنوخزاعہ کا سفارتی وفد

بدیل بن ورقاء چند خزاعی لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اہل تہامہ میں سے خزاعہ آپ ﷺ کے خیر خواہ اور تعلق دار تھے۔ انھوں نے آ کر واضح طور پر بتایا کہ قریش آپ ﷺ کے مکہ مکرمہ میں داخلے کو روکنے پر تلے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے بھی اپنے مکہ آنے کا مقصد اور ممکنہ جنگ کی صورت میں قریش کے نقصان کا تذکرہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے قریش کے لیے معاملہ واضح ہونے تک انھیں جنگ بندی کی پیشکش بھی کی۔ یہ بھی بتایا کہ اگر وہ ایسا نہیں چاہتے تو پھر جان کی کوئی پروا نہیں، جنگ کا رستہ کھلا ہے۔ وفد نے یہ باتیں جا کر قریش کو بتائیں۔ اور انھیں سمجھایا کہ اے گروہ قریش! محمد ﷺ کے معاملے میں تم جلد بازی کر رہے ہو۔ محمد ﷺ قتال کے لیے قطعی نہیں آئے۔ ان کا مقصد صرف بیت اللہ کی زیارت ہے۔ اس پر قریش نے انھیں مورد الزام ٹھہرا کر نازیبا باتیں کیں۔ اور کہنے لگے: ''اگرچہ وہ قتال کے ارادے سے نہیں آیا مگر اللہ کی قسم! پھر بھی انھیں بیت اللہ میں بزور داخل نہ ہونے دیا جائے گا اور عرب کو چاہیے کہ اس بارے میں ہم سے بات بھی نہ کریں۔''[2]

مشرکین مکہ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی صلح اور عدم جنگ کی اعلیٰ ترین سیاسی پیشکش کئی اہم مقاصد پر منتج ہوئی، مثلاً:

① قریش سے صلح کا مطلب انھیں جزیرۃ العرب میں واقع ہونے والے کسی بھی معرکے سے الگ تھلگ کر دینا تھا، خواہ وہ قریش کے علاوہ دیگر عربی قبائل کے ساتھ ہو یا دھوکا باز اور گھٹیا دشمن یہود کے ساتھ ہو۔ یہود تو مسلمانوں کے لیے ہمہ وقت مشکل گھڑی کے منتظر رہتے تھے۔

[1] السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص:485. [2] السيرة النبوية لابن هشام:340/3.

② رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ ہمارے اور قریش کے درمیان بات چیت کا دروازہ کھلا ہی رہے تا کہ سفارت اور خط کتابت کے ذریعے سے ایک دوسرے کی بات سنتے سناتے رہیں۔ دلوں کو قریب کرنا اور فضا پر امن رکھنا بھی مطلوب و مقصود تھا۔ آپ ﷺ جنگ کی فضا کو ہموار سطح پر لانا اور جنگ کی طرف ان کی پیش قدمی کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔

③ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ خزاعہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ ان کا حلیف طاقتور ہے، لہٰذا اسلام سے قبل بنو ہاشم کے ساتھ طے پانے والے معاہدے پر انھیں اعتماد کرنا چاہیے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر وہ معاہدہ بحال رہا اور ختم ہونے کے بجائے مزید پختہ ہوا۔

④ اہل عقل و دانش جب رسول اللہ ﷺ کی باتیں سنیں گے کہ وہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور مشرک انھیں واپس لوٹا رہے ہیں اس کے باوجود وہ بیت اللہ کی زیارت پر مصر ہیں تو یہ اہل دانش و بینش آپ ﷺ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور آپ ﷺ کے لیے نرم گوشہ رکھیں گے جس سے آپ کا مرکز قیادت طاقتور اور قریش کا مرکز کمزور ہوتا چلا جائے گا۔

⑤ مشرکینِ مکہ بدیل کی بات چیت سے مطمئن نہ ہوئے۔ انھیں خزاعہ کے دلی جذبات کا آپ ﷺ کے حق میں ہونے کا علم تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ خزاعہ کی حمایت مسلمانوں کے ساتھ ہے۔[1]

⑥ رسول اللہ ﷺ کے بدیل بن ورقاء کو جواب دینے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اطاعت بجا لانے یا اس تک پہنچنے کے لیے نرم پہلو اختیار کرنا چاہیے، خواہ ایسا کرنا ضروری نہ بھی ہو۔ کیونکہ آپ ﷺ نے انھیں (بڑے ٹھنڈے مزاج سے) جواب دیا اور اپنی طبعی خوش خلقی کی بنا پر اس ناراضگی کا اظہار نہ ہونے دیا جو دل میں موجود تھی۔ کیونکہ جس نیکی کی بجا آوری کے لیے آپ ﷺ گھر سے نکلے تھے اس طرح اس تک پہنچنے کی بھی امید

[1] صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 67.

کی جا سکتی تھی۔[1]

عروہ بن مسعود ثقفی کی سفارت

بدیل بن ورقاء نے رسول اللہ ﷺ کی باتیں قریش کو بتائیں۔ انھوں نے ان باتوں کو تسلیم نہ کیا بلکہ خزاعہ کو متہم قرار دیا اور انھیں نازیبا باتیں کیں۔ اب عروہ بن مسعود ثقفی نے پیش کش کی میں رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہوں اور ان کے خیالات سن کر صحیح خبر لاتا ہوں۔[2]

اس واقعے کو امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں بھی بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس دوران عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ''اے میری قوم! کیا تم میری اولاد کے درجے میں نہیں ہو؟'' انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں۔'' عروہ نے کہا: ''کیا میں تمھارے اندر باپ کی حیثیت نہیں رکھتا؟'' انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں۔'' عروہ کہنے لگا: ''کیا تم مجھے متہم قرار دیتے ہو؟'' قریش کہنے لگے: ''نہیں۔'' عروہ نے کہا: ''کیا تم جانتے نہیں کہ میں نے اہل عکاظ کو اکٹھا کیا۔ انھوں نے جب میرا انکار کیا تو میں بیوی بچوں کو ساتھ لے کر آ گیا ہوں۔'' قریش نے کہا: ''کیوں نہیں۔'' اس نے کہا: ''اس شخص نے تمھارے سامنے اچھی تجویز پیش کی ہے اسے قبول کر لو۔ اور مجھے ان کے پاس جانے دو۔'' قریش نے کہا: ''جائیں۔'' چنانچہ وہ گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے بھی وہی بات کہی جو بدیل سے کہی تھی۔

اس پر عروہ نے کہا: ''اے محمد (ﷺ!) یہ بتائیے کہ اگر آپ نے اپنی قوم کا صفایا بھی کر دیا تو کیا اس سے پہلے کسی عرب کے متعلق سنا ہے کہ اس نے اپنی قوم کا صفایا کر دیا ہو۔ اور اگر دوسری صورت پیش آئی تو خدا کی قسم! میں (قابل اعتماد) چہرے نہیں دیکھ رہا۔ میں تو ایسے اوباش لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔''

[1] صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 68. [2] صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 68.

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جا! لات کی شرمگاہ چوس! کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟''

عروہ نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''ابوبکر ہیں۔'' اس نے انھیں مخاطب کر کے کہا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تمھارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا تو یقیناً میں تمھاری اس بات کا جواب دیتا۔''[1]

عروہ نے مسلمانوں پر نفسیاتی جنگ مسلط کرنے کا عزم کیا تھا تاکہ انھیں نفسیاتی طور پر شکست دے دے، چنانچہ اس نے اپنی بات بڑھا چڑھا کر بیان کی۔ اس نے قریش کی جنگی قوت، ان کا موقف اور تیاری نہایت مبالغہ آمیزی سے بیان کر کے قریش کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی۔

عروہ بن مسعود ثقفی نے نفسیاتی طور پر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار ڈالنے اور سالارِ لشکر کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش کی۔ یوں اس نے نبی مکرم ﷺ اور آپ کے لشکر کے درمیان مشکلات پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ ان کے عزائم کو خاک میں ملایا جائے اور احساسات و خیالات پر برا اثر ڈالا جائے۔ مذاکرات کے دوران مسلمانوں کے خلاف نفسیاتی جنگ کے مختلف انداز اختیار کیے گئے۔ یہ ان سب میں سے موثر ترین حربہ تھا۔

عروہ نے قریش کی طاقت کا رعب ڈال کر بھی مسلمانوں کو خوف میں مبتلا کرنے کی کوشش کی۔ عروہ نے مذاکرات کے دوران نفسیاتی جنگ کا ہر حربہ استعمال کیا۔[2]

مگر یہ تمام کوششیں گہرے ایمان، اعلیٰ جماعت اور سیسہ پلائی اسلامی صف بندی کے آگے ناکام ثابت ہوئیں۔

عروہ بن مسعود کے ساتھ مذاکرات کے دوران جو امتیازی اوصاف سامنے آئے ان

1 صحيح البخاري، حديث:2732,2731. 2 منهج الإعلام الإسلامي في صلح الحديبية لسليم حجازي، ص:132,131.

میں سے انتہائی تعجب خیز واقعہ وہ تھا جو اصحاب رسول کی قوتِ ایمانی کی دلیل کے طور پر سامنے آیا۔ اس میں اس بات کی بھی قوی دلیل موجود تھی کہ دین اسلام میں ایک عام عربی بدو کو فضیلت کا حامل اور اخلاقی معراج پر پہنچانے کی کس قدر قدرت و طاقت ہے۔

عروہ بن مسعود کے ساتھ مذاکرات کے دوران آپ ﷺ کی حفاظت پر مامور اشخاص میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ[1] بھی تھے جو اسی عروہ بن مسعود کے بھتیجے تھے۔

مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے مغیرہ بن شعبہ ایک ڈاکو اور شراب نوشی کرنے والے نوجوان تھے۔ اسلام سے وابستگی نے انھیں ایک اور ہی انسان بنا دیا اور ان کی کایا پلٹ دی اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ ایک ممتاز مومن بن چکے تھے۔ جنگ کے بادلوں سے اٹی ہوئی فضا میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری کا امتحان ان پر آ گیا۔ مذاکرات کے وقت جاہلیت کی عادت کے مطابق فریق مخالف اپنے ہم منصب کے داڑھی ہاتھ میں لیتا۔ اسی عادت کے پیش نظر عروہ بن مسعود گفتگو کے دوران رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک کو چھوتا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ چہرے پر خود چڑھائے رسول گرامی ﷺ کے پہلو میں کھڑے تھے۔ انھیں یہ دیکھ کر طیش آ گیا، انھوں نے اپنے چچا کو ڈانٹا اور تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے ہوئے کہا:

''رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک سے اپنا ہاتھ ہٹا لے ورنہ یہ ہاتھ واپس نہیں آئے گا۔''

نبی مکرم ﷺ مشرک چچا اور مومن بھتیجے کے معاملے پر تبسم فرما رہے تھے چونکہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اپنے جنگی لباس میں ملبوس تلوار سونتے، زرہ لگائے، خود چڑھائے کھڑے تھے،

---

1 حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حدیبیہ سے قبل اسلام لائے اور حدیبیہ میں شامل ہوئے۔ یوں بیعت رضوان میں بھی شرکت کی۔ جنگ یرموک میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔ جنگ قادسیہ میں رستم کی طرف حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ایلچی یہی تھے۔ الإصابة: 3/452.

عروہ نے انھیں نہیں پہچانا۔ عروہ نے غصے سے کہا: ''کاش! مجھے پتا چلے کہ تم کون ہو؟'' اس نے پوچھا: ''اے محمد (ﷺ)! یہ کون ہے؟'' رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا ابْنُ أَخِيكَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ»

''یہ تمھارا بھتیجا مغیرہ بن شعبہ ہے۔''

تو عروہ نے کہا: ''او بدعہد! تو ......؟ تو نے ثقیف قبیلے کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ہماری لڑائی بنا دی ہے۔ اللہ کی قسم! ابھی کل میں نے تیری خباثت دھوئی ہے۔''

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ جاہلیت میں مغیرہ کچھ لوگوں کے ساتھ تھے، پھر ان کو قتل کر کے ان کا مال لے بھاگے اور مسلمان ہو گئے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں تمھارے اسلام کو تو قبول کر لیتا ہوں لیکن مال سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

عروہ مذاکرات میں ناکام رہا مگر واپسی پر قریش کو مسلح تصادم سے ڈراتے ہوئے کہنے لگا:

''اے میری قوم! میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں جا چکا ہوں۔ بخدا! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد (ﷺ) کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! وہ اسے بھرپور نظر سے دیکھتے بھی نہیں تھے اور نہ اس کے پاس اپنی آواز بلند کرتے، اسے کسی کام کی طرف صرف اشارے کی ضرورت ہوتی ہے، پھر وہ کر دیا جاتا ہے۔ وہ تھوکتے بھی تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص اسے اپنے جسم پر مل لیتا تھا۔ اور جب وہ وضو کرتے تو ہر کوئی وضو کا پانی حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ میں نے ان کا صحیح صحیح اندازہ لگایا ہے۔ تمھیں یقین آ جانا چاہیے کہ اگر تم لڑنا بھی چاہتے ہو تو وہ اس میں پس و پیش نہ کریں گے بلکہ لڑائی کا حق ادا کر دیں گے۔ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ ان کے ساتھ کچھ بھی ہو جائے انھیں پروا تک نہیں، جبکہ وہ اپنے صاحب (محمد ﷺ) کو بچا لیں اور محفوظ کر لیں۔ بخدا! میں نے اس کے ساتھ ایسی جماعتیں دیکھی ہیں جو کسی صورت میں بھی محمد (ﷺ) کو نہیں چھوڑ سکتیں۔

کوئی مستحکم رائے قائم کرو اور کمزور آراء سے بچو۔ لوگو! اس کے ساتھ معاملہ طے کرلو (اس سے ڈر جاؤ، بچو) اس نے جو پیشکش کی ہے قبول کرو۔ میں تمھارا خیر خواہ ہوں اور یاد رکھو مجھے ڈر ہے کہ اس کے خلاف تمھیں (غیبی) امداد بھی میسر نہ ہوگی کیونکہ وہ بیت اللہ کی جانب تعظیم کی غرض سے آیا ہے، اس کے ساتھ قربانیاں ہیں جنھیں وہ ذبح کرے گا اور واپس چلا جائے گا۔'' یہ سن کر قریش نے کہا: ''اے ابو یعفور! (عروہ کی کنیت) ایسی باتیں مت کرو۔ کوئی اور یہ باتیں کرتا تو ہم اسے ملامت کرتے۔ اس سال ہم اسے بیت اللہ سے واپس کریں گے۔ وہ آئندہ سال آجائے۔''[1]

نفسیاتی جنگ مسلمانوں کے بجائے قریش پر مسلط ہوگئی۔ عروہ نے جن حالات کی عکاسی کی وہ بالکل صحیح عکاسی تھی۔ اس نے حدیبیہ میں مسلمانوں کی جو کیفیت دیکھی، کھول کر بیان کر دی کہ وہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرتے ہیں اور اس کے ساتھ انھیں کس قدر محبت ہے۔ اس کے دفاع کے لیے کتنی قربانی دینے والے ہیں اور وہ نفسیاتی برتری کے حامل ہیں۔ ان کی جنگی اور نفسیاتی تیاری بیان سے باہر ہے۔ گویا عروہ کا بیان قریش کے لیے براہ راست تنبیہ تھی کہ جلد بازی سے کام لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ مول نہ لیں۔ عین ممکن ہے کہ جنگ کے نتائج مسلمانوں کے حق میں نکلیں۔

ان باتوں نے قریش کی قیادت کو پریشان کر دیا۔ وہ معاملے کی سنگینی کا اس حد تک اندازہ نہیں لگا سکتے تھے۔ قریشی قیادت پر ثقیف کے سردار کا ایک ایک لفظ بجلی بن کر گر رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بلاشبہ) اللہ تعالیٰ کے تائید یافتہ تھے۔ اس کا اثر عروہ بن مسعود پر بھی ہوا جس سے قریشی لشکر میں آہستہ آہستہ پھوٹ پڑنے لگی۔ اور قریشی لشکر سچی، مضبوط، خود دار اور حق کی قیادت کے بالمقابل اپنی جائے پناہ ڈھونڈنے لگے۔ یوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عرب کو اکٹھا کرنے کی دلیل بھی خود بخود ختم ہوگئی۔

1 المغازي للواقدي: 598/3.

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حکمت و ذہانت سے بڑی کامیابی حاصل کی۔ آپ ﷺ نے مقصود حاصل کرنے کے لیے کئی قسم کی ڈپلومیسی اختیار کی تاکہ (مخالف کے) دلوں میں شکست کا یقین بٹھا دیں اور انھیں ان کے طرفداروں سے دور کر دیں۔ سیاسی اور عسکری سطح پر یہ بہت بڑی فتح سمجھی جاتی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے حاصل کی۔ [1]

حلیس بن علقمہ کی سفارت

پھر قریش نے حلیس بن علقمہ کنانی کو بھیجا۔ یہ اس وقت احباش کا سردار تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا مِنْ قَوْمٍ يَتَأَلَّهُونَ فَابْعَثُوا الْهَدْيَ فِي وَجْهِهِ حَتّٰى يَرَاهُ»

''اس شخص کا تعلق نیک قوم سے ہے وہ قربانی کے جانوروں کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ اس کے سامنے جانوروں کو کھڑا کر دو تاکہ وہ دیکھ لے۔''

اور ساتھ ہی آپ ﷺ نے بہ آواز بلند تلبیہ کہنے کا حکم دیا۔ حلیس بن علقمہ نے جب قربانی کے اونٹوں کو وادی سے اپنی طرف آتے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ سے ملے بغیر واپس پلٹ گیا۔

جہاں اونٹ تھے وہ وادی انتہائی خشک تھی۔ اس میں پانی تھا نہ چارا۔ قربانی کے اونٹ اتنی مدت یہاں ٹھہرنے کی بنا پر اپنی مینگنیاں کھانے پر مجبور تھے۔ اس نے مسلمانوں کو بھی دیکھا جنھوں نے تلبیہ بلند کرتے ہوئے اس کا استقبال کیا اور وہ احرام پہنے ہوئے تھے۔ عرصے تک احرام میں رہنے کی بنا پر ان کی حالت پراگندہ ہو چکی تھی۔ اسے قریش کا سخت رویہ بہت ناگوار گزرا۔ بنو کنانہ کا سردار رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کیے بغیر ہی واپس قریش کے پاس چلا گیا۔ اس نے طے شدہ پروگرام کے مطابق بات چیت بھی نہ کی۔ اس نے

1 منهج الإعلام الإسلامي في صلح الحديبية لسليم حجازي، ص:145.

بیت اللہ کی زیارت کرنے والوں کے خلاف مشرکین مکہ کے اس رویے کو دشمنی پر مبنی اور غیر منصفانہ قرار دیا اور یہ بھی فیصلہ دیا کہ اس صورت حال میں قریش کی حمایت بھی جائز نہیں۔[1]

بہرحال حلیس قریش کے مخالف خیالات لیے واپس آیا۔ اس موجودہ صورتِ حال میں قریش کی صفوں میں دراڑیں پڑنے اور قریش کے ساتھ ملنے والے دیگر قبائل میں ہونے والے معاہدے کے کالعدم قرار دیے جانے کے خدشات نمایاں تھے۔ اس لیے قریش نے کوشش کی کہ اس صورت حال کی تلافی کی جائے۔ اب قریش اور دیگر قبائل کے سردار حُلیس سے کہنے لگے: ”تم نے جو کچھ دیکھا وہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کی چال ہے۔ تم ذرا رُک جاؤ، ہم اپنے لیے کوئی ایسی بات طے کرلیں جس پر ہم سب رضا مند ہو جائیں۔“[2]

رسول اللہ ﷺ کو حلیس کی شخصیت اور نفسیات کا اچھی طرح ادراک تھا، تبھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ یہ نیک اور عبادت گزار قوم کا فرد ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس شخص کی مکمل واقفیت تھی۔ آپ ﷺ نے حالات کے مطابق اس کی شخصیت کو پرکھا۔

رسول اللہ ﷺ کو خود بھی شعائر اللہ کی تعظیم اچھی لگتی تھی۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے اس شخص کے سامنے مضبوط اور مناسب منصوبہ بندی کی اور اس کے سامنے مسلمانوں کا موقف واضح کیا۔ یا پھر اسے اس پر ابھارا کہ کم از کم وہ تو رکاوٹ بننے سے باز رہے اور قریش کا ساتھ نہ دے۔

حلیس بن علقمہ سارے عرب میں اپنی بہتر سوچ کی وجہ سے بہترین شہرت رکھتا تھا اور اسی بنا پر وہ احابش کا قائد اور سردار بھی تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ اور قریش دونوں کی نگاہ

---

1 منهج الإعلام الإسلامي في صلح الحديبية لسليم حجازي، ص: 108. 2 المغازي للواقدي: 600/2.

میں بڑے احترام و مقام پر فائز تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ حق اور انصاف مسلمانوں کی جانب ہے تو وہ اس پوزیشن میں تھا کہ دو مدمقابل گروہوں میں امن وسلامتی کے لیے اہم کردار ادا کر سکے اور قریش کو لگام دے سکے اور اسے مسلمانوں کے خلاف دشمنانہ موقف اور مسجد حرام سے روکنے سے پھیر سکے۔ یہیں سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حلیس کی نفسیات کو جانچنا ان مبادیات سے بالکل ہم آہنگ تھا جن مبادیات پر وہ ایمان رکھتا تھا۔ یہ منصوبہ بڑا کارآمد اور موثر تھا اسی لیے اس سے برآمد ہونے والا نتیجہ توقع کے عین مطابق اور پسندیدہ تھا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی تدبیر عروہ بن مسعود اور حلیس بن علقمہ پر بڑی کارگر ثابت ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مشرکین مکہ کی صفوں میں آہستہ آہستہ اختلاف پیدا ہونے لگا۔ اس بارے میں پروفیسر عقاد ذکر کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ لشکروں کی منصوبہ بندی اور جاسوسی گروہوں کی تیاری سے کمال حد تک واقف تھے اور اپنی دسترس میں موجود ہر قوت وصلاحیت کو برمحل استعمال کرنے پر قادر تھے، خواہ وہ رائے کی قوت ہو یا زبان کی قوت ہو یا قوتِ نفاذ۔ ہم تاریخ میں کسی کو ایسا نہیں پاتے کہ اس نے قائل کرنے یا سفارتکاری کی قوت کو مقصود تک لے جانے کے لیے آپ ﷺ سے زیادہ موثر اور نفع بخش طریقہ اختیار کیا ہو۔''

مصنف مزید لکھتے ہیں: جنگ میں سفارتکاری کی دیگر اغراض میں سے دو اہم اغراض یہ ہوتی ہیں:

① مدّ مقابل کو اپنا آپ منوالینا اور دیگر (غیر جانبدار) لوگوں کو اپنے حق میں کر لینا۔

② دشمن کا شیرازہ بکھیر کر اور اس کے عزائم توڑ کر اسے میدانِ کارزار میں مقابلے میں آنے سے روکنا۔

[1] منهج الإعلام الإسلامي في صلح الحديبية لسليم حجازي، ص: 111.

بعدازاں مصنف کہتے ہیں: ''بسا اوقات آپ ﷺ ایسے اہداف ایک ہی آدمی کی سفارتکاری سے حاصل کر لیتے جنھیں حکومتیں بڑی منظّم ایجنسیوں اور گروہوں سے حاصل نہیں کر پاتیں۔'' [1]

مکرز بن حفص کی سفارت

حدیبیہ کے روز مکرز بن حفص بھی قریش کے سفراء میں تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے: ...... تب قریش میں سے مکرز بن حفص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ''اب بات چیت کے لیے مجھے جانے دو۔'' انھوں نے کہا: ''چلو تم بھی ہو آؤ۔'' جب وہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا: «هٰذَا مِكْرَزٌ وَّهُوَ رَجُلٌ فَاجِرٌ» ''یہ مکرز ہے اور یہ فاجر آدمی ہے۔'' وہ رسول اللہ ﷺ سے بات کرنے لگا۔ وہ بات کر ہی رہا تھا کہ سہیل بن عمرو آ گیا۔

معمر کہتے ہیں مجھ سے ایوب نے عکرمہ کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ جب سہیل بن عمرو آ گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: «قَدْ سَهُلَ لَكُمْ مِّنْ أَمْرِكُمْ» ''تمھارا کام تمھارے لیے آسان ہو گیا ہے۔'' [2]

نبوی سفیر

رسول اللہ ﷺ نے خیال کیا کہ قریش کی جانب خصوصی ایلچی بھیجنے کی ضرورت ہے جو انھیں آپ ﷺ کی صلح پسندی اور جنگ نہ کرنے کی رغبت سے باخبر کرے۔ قریش کو بتایا جائے کہ ہمارا مقصد صرف مقامات مقدسہ کا احترام اور مناسک عمرہ کی ادائیگی ہے۔ اس کے بعد ہم مدینہ پلٹ جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا پیغام قریش کی جانب لے جانے کے لیے خراش بن امیہ خزاعی کا انتخاب ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے ''ثعلب'' نامی اونٹ پر سوار کیا۔ جب وہ مکہ میں داخل ہوا تو قریشیوں نے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں

1 عبقرية محمد ﷺ للعقاد، ص:49. 2 صحيح البخاري، حديث:2732,2731.

اور خراش کو بھی قتل کرنا چاہا مگر احباش نے انھیں بچا لیا۔ خراش بن امیہ رسول اللہ کے پاس واپس آئے اور آپ ﷺ کو قریش کے سلوک کی خبر دی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بطور سفیر چناؤ

رسول اللہ ﷺ نے دوسرا سفیر روانہ کرنا چاہا تو ابتدائی طور پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو چنا۔[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو معذرت پیش کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کا اشارہ کیا۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کی واضح دلیل دی کہ ان دشمنوں سے میل جول کے لیے ایسے شخص کا انتخاب اچھا ہوگا جس کی وہاں عزت و حمایت ہے۔ یہ چیز عمر رضی اللہ عنہ کو میسر نہ تھی تو نبی مکرم ﷺ کے سامنے انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ کیونکہ مشرکین سے ان کی حفاظت کے لیے وہاں ان کا قبیلہ موجود تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے اپنے متعلق قریش سے ڈر ہے۔ ان کے معاملے میں آپ میری سختی کو خوب جانتے ہیں اور مکہ میں بنو عدی کا کوئی آدمی بھی نہیں جو میری حمایت کر سکے، پھر بھی آپ پسند فرمائیں تو میں ان کے پاس چلا جاتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے یہ سن کر کچھ نہ کہا۔ حضرت عمر نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں آپ کو ایسے آدمی کے متعلق بتاتا ہوں جو مکہ میں مجھ سے زیادہ باعزت ہے، اس کا خاندان بھی زیادہ ہے اور محفوظ بھی ہے۔ وہ ہے: ''عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔''

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: «اِذْهَبْ إِلٰى قُرَيْشٍ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّا لَمْ نَأْتِ لِقِتَالِ أَحَدٍ وَّ إِنَّمَا جِئْنَا زُوَّارًا لِّهٰذَا الْبَيْتِ، مُعَظِّمِينَ لِحُرْمَتِهِ، مَعَنَا الْهَدْيُ نَنْحَرُهُ وَنَنْصَرِفُ» ''قریش کے پاس جا کر انھیں بتاؤ کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے۔ ہم محض بیت اللہ کی حرمت کی پاسداری کرتے ہوئے اس کی

[1] غزوة الحديبية لأبي فارس، ص:83. [2] المغازي للواقدي:600/2.

زیارت کے لیے آئے ہیں، ہمارے ساتھ قربانیاں ہیں، ہم انھیں ذبح کریں گے اور واپس چلے جائیں گے۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے ''بلدح'' پہنچے تو وہاں کچھ قریش ملے۔ انھوں نے پوچھا: ''کہاں کے ارادے ہیں؟''

عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمھاری طرف ہی بھیجا ہے کہ تمھیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی دعوت دوں۔ سب اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے دین اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غالب کرنے والا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ تم لڑائی سے باز آؤ۔ یہ کام دوسروں کو کرنے دو۔ اگر عرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آ گئے تو تمھارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ ملا تو تمھیں اختیار ہوگا کہ تم چاہو تو اس دین میں داخل ہو جاؤ جس میں لوگ داخل ہوئے یا پھر تم لڑنا چاہو تو بھی تازہ دم ہو کر پوری قوت سے لڑو۔ جنگ تمھیں توڑ چکی ہے۔ تمھارے سب بڑے بڑے اس کی نذر ہو چکے ہیں۔''

عثمان رضی اللہ عنہ ان سے ایسی باتیں کرنے لگے جو وہ سننا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے جواباً کہا: ''ہم تمھاری باتیں سن رہے ہیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی بزور ہمارے ہاں نہیں آ سکیں گے۔ اپنے ساتھی کے پاس واپس جاؤ اور انھیں بتا دو کہ وہ ہم تک کبھی نہیں پہنچ سکیں گے۔''

ابان بن سعید بن عاص نے آگے بڑھ کر عثمان رضی اللہ عنہ کو مرحبا کہا۔ انھیں اپنی پناہ میں لے لیا۔ اور کہا کہ آپ اپنا کام مکمل طور پر انجام دیں۔ بعدازاں وہ اپنے گھوڑے سے اترا اور اس پر زین کس کر عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ گئے۔ وہاں ہر ایک سربراہ سے ملے۔ ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ اور ان کے علاوہ کچھ لوگ بلدح میں اور کچھ مکہ میں ملے، سب یہی جواب دیتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ہاں مکہ میں کبھی نہ آ سکیں گے۔[1]

1 زاد المعاد: 3/290، والسيرة النبوية لابن هشام: 3/344.

مشرکین مکہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو طوافِ بیت اللہ کی پیشکش کی مگر آپ نے یہ پیشکش مسترد کر دی۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کا پیغام مکہ میں موجود کمزور مسلمانوں کو بھی پہنچایا اور انھیں خوشخبری دی کہ قید و بند اور مشقتوں کے ختم ہونے کا وقت آ چکا ہے۔[2]

کمزور مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زبانی پیغام واپس بھی بھیجا کہ ہماری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہیے، بلاشبہ جس ذات نے انھیں حدیبیہ میں اتارا ہے وہ وادی مکہ میں داخل کرنے پر بھی قادر ہے۔[3]

صلح کا معاملہ طے ہوتے ہوتے مسلمان اور مشرکین آپس میں گھل مل گئے۔ اچانک فریقین میں سے کسی شخص نے دوسرے فریق کے ایک آدمی کو پتھر دے مارا جس سے جھگڑا شروع ہو گیا، دونوں طرف سے تیر اور پتھر برسنے لگے۔ دونوں جماعتیں اس (اچانک جھگڑا) پر چیخ اٹھیں جسے ختم کرنے کے لیے دونوں جانب کے لوگوں نے اس میں شامل افراد کو بطور گروی روک لیا۔[4]

قرآن پاک نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾

''اور وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے وادی مکہ میں ان (کفار) کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے بعد اس کے کہ اس نے تمھیں ان پر کامیابی دی تھی اور اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔''[5]

گزشتہ آیت کا سبب نزول امام مسلم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ کے 80 مسلح آدمی

---

1 السيرة النبوية لابن هشام:344/3. 2 زاد المعاد:290/3. 3 غزوة الحديبية لأبي فارس، ص:85. 4 زاد المعاد:291/3. 5 الفتح 24:48.

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر اچانک حملہ کرنے کے لیے جبل تنعیم سے اترے۔ مسلمانوں نے انھیں گرفتار کر لیا مگر رسول اللہ ﷺ نے انھیں معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔[1]

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سارا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں: ''جب مشرکوں نے ہماری طرف صلح کے پیغام بھیجے تو لوگ ایک دوسرے کی طرف آنے جانے لگے اور ہم نے صلح کر لی۔ میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت کرتا تھا، ان کے گھوڑے کو پانی پلاتا ان کی پیٹھ کھجاتا، ان کی خدمت کرتا حتی کہ انھی کے ساتھ کھانا کھاتا۔ میں اپنا گھر بار، دولت سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کر کے چھوڑ چکا تھا۔ جب ہماری اور اہل مکہ کی صلح ہو گئی اور ہمارا ہر ایک دوسرے سے ملنے لگا تو میں ایک درخت کے پاس گیا اور اس کے نیچے جگہ صاف کی اور جڑ کے پاس لیٹ گیا۔ اتنی دیر میں اہل مکہ میں سے چار مشرک میرے پاس آئے اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا الفاظ کہنے لگے۔ مجھے ان پر غصہ آیا، لہٰذا میں دوسرے درخت کے نیچے چلا گیا۔ انھوں نے اپنے ہتھیار لٹکائے اور لیٹ گئے۔ وہ اسی حالت میں تھے کہ اچانک وادی کے نشیب سے کسی نے آواز دی: ''اے مہاجرین دوڑو! ابن زُنیم رضی اللہ عنہ مارے گئے۔'' میں نے اپنی تلوار سونتی اور ان چاروں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا، جبکہ وہ ابھی سو رہے تھے۔ میں نے ان کے ہتھیار لے کر گٹھا بنایا اور ایک ہاتھ میں کر لیا، چنانچہ میں نے کہا: ''قسم اس ذات کی جس نے حضرت محمد ﷺ کے چہرے کو عزت دی! تم میں سے جس نے سر اٹھایا میں اس کے اس عضو پر ماروں گا جس میں آنکھیں ہیں۔'' پھر میں انھیں پیچھے سے ہانکتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا۔ میرے چچا عامر رضی اللہ عنہ، عبلات (قریش کی ایک شاخ) کے مکرز نامی شخص کو ہانکتے

1 صحيح مسلم، حديث: 1808، وسنن أبي داود، حديث: 2688، وجامع الترمذي، حديث: 3264، ومسند أحمد: 122/3.

ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس اسلحہ بند گھوڑے پر سوار حالت میں لائے۔ اس کے ساتھ ستر مشرک بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں دیکھا اور فرمایا: «دَعُوهُمْ، يَكُنْ لَّهُمْ بَدْءُ الْفُجُورِ وَثِنَاهُ» ''ان کو چھوڑ دو، انھی کی جانب سے عہد شکنی شروع ہونے دو اور پھر دوبارہ بھی یہی عہد شکنی کا باعث بنیں۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو معاف کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت اتاری۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں پر احسان جتلانا ہے کہ اس نے مشرکین کے ہاتھوں کو ان سے روک لیا، ان کی جانب سے انھیں کوئی بھی گزند نہ پہنچا اور اسی طرح مومنوں کے ہاتھوں کو مشرکینِ مکہ سے روک رکھا۔ انھوں نے مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کی بلکہ اس نے دونوں گروہوں کو محفوظ رکھا اور ان میں صلح کرا دی جس میں مومنوں کے لیے بھلائی اور دنیا و آخرت کی عافیت تھی۔''[2]

﴿كَفَّ﴾ کسی کو ایسے کام سے باز رکھنا جسے وہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یا اسے شروع کر چکا ہے۔ یہ کلمہ اسم ''کف'' بمعنی ہاتھ سے مشتق ہے۔ کیونکہ روکنے میں اصل یہی ہے کہ ہاتھ سے روکا جائے (دھکیلا اور ہٹایا جائے۔) کہا جاتا ہے: «كَفَّ يَدَهُ عَنْ كَذَا» ''اس نے اپنے ہاتھ کو فلاں کام سے روک لیا۔''[3]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ کے بارے میں امام راغب کہتے ہیں: ''ہر چیز میں اوپر (ظاہر) کا متضاد بطن کہلاتا ہے۔ نچلی جانب کو ''بطن'' اور اوپر بلند جانب کو ''ظہر'' کہتے ہیں۔''[4]

جمہور مفسرین نے اسی آیت میں مذکور ﴿بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ سے مراد حدیبیہ لیا ہے۔ یہاں ''بطن'' کا اطلاق نشیبی جگہ پر ہوا ہے۔ حدیبیہ مکہ کے زیادہ قریب ہے۔ یہ جگہ حرم

---

1 صحیح مسلم، حدیث: 1807. 2 تفسیر ابن کثیر: 192/4. 3 التحریر والتنویر لابن عاشور: 178/26. 4 المفردات للراغب، ص: 51.

سے باہر ہے مگر اس کی کچھ زمین حرم میں شامل ہے۔ حدیبیہ مکہ مکرمہ اور جدہ کے راستے پر واقع ہے اور یہ (جدہ کی نسبت) مکہ کے قریب ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اس فرمان پر آیت ختم فرمائی:

﴿مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا﴾

''بعد اس کے کہ اس نے تمھیں ان پر کامیابی دی تھی اور اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔''[2]

یہ اس جانب اشارہ ہے کہ ایک دوسرے کے قتال سے باز رہنا مسلمانوں کی جانب سے تھا کیونکہ انھوں ہی نے دشمن پر قابو پانے کے بعد بھی ان پر احسان کیا تھا۔[3]

بیعتِ رضوان

رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کی بیعت کی۔ صحابۂ کرام نے لبیک کہا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔[4] ایک روایت میں ہے کہ یہ بیعت دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانے پر تھی۔[5] اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ بیعت جنگ سے راہ فرار اختیار نہ کرنے پر تھی۔[6] بہر حال ان روایات میں باہمی تعارض نہیں کیونکہ موت پر بیعت کا مطلب ہی یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جایا جائے اور راہِ فرار اختیار نہ کی جائے۔[7]

اس بیعت میں صرف ایک آدمی نے جو منافق تھا، شرکت نہ کی۔ اس کا نام جد بن

---

1 التحرير والتنوير لابن عاشور: 184/26. 2 الفتح:48:24. 3 حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ للدكتور محمد بكر آل عابد: 230/2. 4 صحيح البخاري، ص: 4169، وصحيح مسلم، حديث: 1860. 5 السيرة النبوية للدكتور العمري، ص: 486. 6 صحيح مسلم، حديث: 1856. 7 السيرة النبوية للدكتور العمري، ص: 486.

قیس تھا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ سے سب سے پہلے ابو سنان عبداللہ بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، پھر عام لوگ بیعت کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ بیعت کی۔ شروع میں، درمیان میں اور آخر میں۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کے متعلق فرمایا: «هٰذِهٖ عَنْ عُثْمَانَ» ''یہ عثمان کی طرف سے ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنا دایاں دستِ مبارک دوسرے دستِ مبارک پر رکھا۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے درخت تلے جن صحابہ سے بیعت لی تھی ان کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ [4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝﴾

''بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو بس اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جس نے عہد شکنی کی، تو بس وہ اپنی ہی ذات کے خلاف عہد شکنی کرتا ہے اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا، تو عنقریب وہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔'' [5]

[1] السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص:486. [2] صحيح مسلم، حديث: 1807، وزاد المعاد: 291/3. [3] صحيح البخاري، حديث:3699، وجامع الترمذي، حديث:3706، ومسند أحمد: 102,101/1. [4] صحيح البخاري، حديث: 4154، وصحيح مسلم، حديث: 1856-(69)، والسيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص:482. [5] الفتح 10:48.

اس آیت میں بیعت رضوان والوں کی بڑی تعریف و مدح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے ان کی بیعت کو اپنے ساتھ بیعت قرار دیا ہے جس میں ان کی انتہائی عزت افزائی اور مرتبہ و مقام ہے۔[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کیجیے: جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔'' جب صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ہاتھوں کے ساتھ بیعت کر رہے تھے اور آپ اپنا مبارک ہاتھ ان کے ہاتھوں پر رکھ رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سفیر تھے تو مسلمانوں کی یہ بیعت اللہ تعالیٰ ہی سے ہوئی۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اپنی ساری مخلوق سے اوپر ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہی ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے اوپر عرش پر مستوی ہے۔[2]

اس آیت میں وعدہ پورا کرنے پر اجر کا جو تذکرہ ہے اس سے مراد بہت زیادہ ثواب جنت کی صورت میں ہے اور اس میں جو کچھ بھی ہے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا تصور گزرا۔[3]

اللہ تعالیٰ اس بیعت میں شامل ہونے والوں کو اپنی رضا مندی کی خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ○ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○﴾

''البتہ تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت

---

[1] عقيدة أهل السنة في الصحابة للدكتور ناصر حسن الشيخ: 205/1. [2] الصواعق المرسلة لابن القيم: 172/2. [3] روح المعاني للآلوسي: 97/26.

کررہے تھے، چنانچہ ان کے دلوں میں جو (خلوص) تھا، وہ اس نے جان لیا، تو
اس نے ان پر طمانینت وتسکین نازل کی اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح دی۔
اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جو وہ حاصل کریں گے۔ اور اللہ نہایت غالب،
خوب حکمت والا ہے۔"[1]

یہاں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ ان منتخب افراد سے راضی ہو چکا ہے جو بیعت رضوان والے ہیں۔ اللہ کی قسم! جو مقام ومرتبہ بیعتِ رضوان والوں کو مل گیا کس قدر عظیم مرتبہ ہے، کس قدر بڑی فضیلت ہے۔ اے محمد! اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو چکا ہے۔ بیعت میں آپ کے ساتھیوں نے آپ کے ہاتھ پر قریش کا مقابلہ کرنے اور نہ بھاگنے کی درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ ان کی بیعت کیکر کے درخت تلے تھی۔ اے محمد! درخت تلے جب آپ کے صحابہ آپ سے بیعت کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے خوب جان لیا کہ وہ صدقِ نیت اور وفاداری سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دکھائے ہوئے حق کے رستہ پر کس قدر حسنِ بصیرت اور پختگی کا انھوں نے مظاہرہ کیا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر سکون واطمینان نازل فرمایا۔

فتح سے مراد فتح خیبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے بیعت کرنے والوں کو طویل سلسلہ غنائم بصورتِ فتح خیبر و فتح مکہ عطا فرمایا اور لاتعداد ممالک دیے۔ انھیں اپنی رضامندی سے نوازا۔ ان پر سکون واطمینان نازل فرمایا اور دشمنوں کے خلاف فتح عطا کر دی۔[2]

اس لیے ارشاد ہوا:

﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴾

"اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جو وہ حاصل کریں گے۔ اور اللہ نہایت
غالب، خوب حکمت والا ہے۔"[3]

[1] الفتح 48: 18، 19. [2] تفسیر الطبري: 26/ 85، 86، وتفسیر القرطبي: 16/ 178. [3] الفتح 48: 19.

اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان والوں کے متعلق بتایا کہ اس نے انھیں تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہی اس کے زیادہ اہل اور حق دار تھے۔ مزید ارشاد ہے:

﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾

''جن لوگوں نے کفر کیا جب انھوں نے اپنے دلوں میں حمیت (غیرت) پیدا کرلی۔ جاہلیت کی حمیت (غیرت)۔ تو اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر تسکین نازل کی اور ان کو تقویٰ کی بات پر ثابت قدم رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے۔ اور اللہ ہر شے کو خوب جانتا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کفار کی نسبت کلمہ تقویٰ کے زیادہ اہل اور حقدار تھے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں وہی اس کے اہل تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور پیغمبر کی مصاحبت کے لیے اہل خیر و صلاح لوگوں ہی کو چنا ہے۔[2]

حدیبیہ کے مقام پر جن صحابہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ان کے حق میں یہ قرآن کی زبان میں تعریف و تحسین ہے۔ ان کے متعلق بہت سی احادیث بھی آئی ہیں، چند ایک یہ ہیں:

① حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''حدیبیہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: «أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ» ''تم اہل زمین میں سب سے بہتر لوگ ہو۔'' ہم اس وقت چودہ سو تھے۔ میں اگر دیکھ رہا ہوتا تو تمھیں اس درخت کی جگہ دکھاتا۔''[3]

اصحاب شجرہ کی فضیلت کے متعلق یہ حدیث صریح ہے۔ اس وقت مسلمانوں میں سے

---

1 الفتح 26:48. 2 تفسير الطبري: 26/103-106. 3 صحيح البخاري، حديث: 4154، وصحيح مسلم، حديث: (71)-1856.

کچھ لوگ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور ان کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی موجود تھے۔ بعض شیعہ نے اس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت و برتری ثابت کی ہے کیونکہ درخت تلے بیعت کرنے والوں اور اس فرمان کے مخاطبین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت وہاں حاضر نہ تھے۔ یہ استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے خود بیعت کی تھی۔ تو حدیث میں مذکور فضیلت میں وہ بھی برابر کے حقدار ہوئے۔ اور پھر اس حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک دوسرے پر فضیلت کا بیان مقصود بھی نہیں ہے۔ [1]

② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے ام مبشر نے بتایا کہ اس نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا:

«لَایَدْخُلُ النَّارَ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ أَحَدٌ مِّنَ الَّذِينَ بَايَعُوا تَحْتَهَا»

"درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی ان شاء اللہ آگ میں داخل نہ ہو گا۔" تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! کیسے؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ڈانٹا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "پھر قرآن کی اس آیت کا مفہوم کیا ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ﴾ "تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے۔" [2]

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَدْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ:

﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ○﴾

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی تو فرمایا ہے: "پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے اور ہم

[1] فتح الباری: 443/7۔ [2] مریم 71:19۔

ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔''[1]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ کہنا کہ ''اصحاب شجرہ میں سے کوئی بھی ان شاء اللہ آگ میں داخل نہیں ہوگا۔'' کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی یقیناً آگ میں داخل نہ ہوگا۔ آپ نے ''ان شاء اللہ'' برکت کے طور پر کہا ہے نہ کہ شک کی بنا پر۔ رہا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا سوال اور قرآنی آیت تو نبی ﷺ نے اس آیت کے بعد والی آیت پڑھ کر سنا دی۔

اس میں مناظرانہ اسلوب میں جواب دینے کی دلیل موجود ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا مقصود بھی یہی تھا نہ کہ وہ آپ ﷺ کی بات کو رد کرنا چاہتی تھیں۔ اور اس وارد ہونے کے متعلق صحیح قول یہی ہے کہ اس سے مراد ''پل صراط'' پر سے گزرنا ہے۔ پل صراط جہنم کے اوپر لگایا جائے گا تو جہنمی اس میں جا گریں گے اور باقی بچ نکلیں گے۔[2]

③ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَّصْعَدُ الثَّنِيَّةَ، ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ، فَإِنَّهُ يُحَطُّ عَنْهُ مَا حُطَّ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ»

''جو شخص مرار گھاٹی پر چڑھ جائے گا اس کے گناہ ایسے معاف ہو جائیں گے جیسے بنی اسرائیل کے معاف ہو گئے تھے۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تو سب سے پہلے اس گھاٹی پر ہمارے گھوڑے چڑھے، یعنی خزرج کے، پھر لوگوں کا تانتا بندھ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «كُلُّكُمْ مَغْفُورٌ لَّهُ إِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ» ''تم میں سے ہر ایک کی بخشش ہو گئی سوائے لال اونٹ والے کے۔'' ہم اس شخص کے پاس گئے اور ہم نے کہا: ''چل رسول اللہ ﷺ تیرے لیے

---

1 مريم: 72:19، صحيح مسلم، حديث: 2496، وسنن ابن ماجه، حديث: 4281، ومسند أحمد: 285/6. 2 شرح النووي: 85/16.

مغفرت کی دعا کریں۔‘‘ وہ بولا: ’’اللہ کی قسم! میں اپنی گمشدہ چیز پا لوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے کہ تمھارے صاحب کی دعا سے مجھے بخش دیا جائے۔‘‘ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ شخص اپنی گم شدہ چیز ڈھونڈ رہا تھا۔[1]

اس حدیث میں حدیبیہ والوں کی بہت بڑی فضیلت کا ذکر ہوا ہے، یعنی انھیں اللہ تعالیٰ کی جناب سے مغفرت کا پروانہ نصیب ہوا۔ پروردگار نے انھیں کس قدر فضیلت سے نوازا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کے اخلاص کا صلہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سمع و طاعت کا نتیجہ تھا۔[2]

صحیح نصوص میں حدیبیہ والی جماعت کی متعدد صفات بیان ہوئی ہیں کہ وہ تمام اہلِ زمین سے افضل ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ نے مغفرت سے نوازا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی آگ میں نہیں جائے گا۔ اس جلیل القدر جماعت کا جب ہم اہل بدر سے تقابل کرتے ہیں تو ہمیں کل لشکر میں نصف سے زیادہ مہاجرین نظر آتے ہیں۔ بدر میں مہاجرین کی تعداد تراسی اور اب آٹھ سو۔ یہ پڑوس میں واقع چھوٹے چھوٹے عرب قبائل سے آنے والے مہاجرین تھے۔ ان کے نوجوان مدینہ منورہ آتے۔ مسجد نبوی میں تربیت پاتے اور غزوات سے عملی تربیت حاصل کرتے۔ وہ خالص فوجی تربیت حاصل کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ دین کا فہم حاصل کرتے۔ اور وہ اپنے سے پہلے مسلمان ہونے والے مہاجرین و انصار کے بلند ترین نمونے کے سایے تلے پروان چڑھ رہے تھے۔ اطاعتِ الٰہی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں رہتے۔ یوں ان کے قبائل شرف و عزت میں بڑے بڑے قبائل سے بہت آگے بڑھ گئے، جبکہ بڑے بڑے قبائل اسلام کے سایے میں آنے اور مددگار بننے سے پیچھے رہ گئے تھے، قبیلہ اُسلم اور غفار ان قبائل میں سب سے آگے تھے۔ اس کا سہرا اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی کے بعد مسلمانوں میں سے سبقت لے

1 صحیح مسلم، حدیث: 2780. 2 عقیدة أهل السنة والجماعة: 212/1.

جانے والے اور دعوت اسلامی کے بنیادی اراکین کے سر جاتا ہے۔ یوں کہہ لیجیے کہ مکہ مکرمہ میں السابقون الاولون کے ہمراہ اسلام لانے والے صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو یہ فضیلت و مرتبہ حاصل ہے کہ وہ اپنی قوم میں داعی بن کر گئے اور غزوۂ احد کے بعد غفار کے ستر گھرانوں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ یہ فضیلت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہے جو ہجرت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اپنی قوم کے ستر آدمیوں کے ہمراہ اسلام لائے تھے۔[1]

رہے بقیہ قبائل جیسے مزینہ، جہینہ، اشجع اور خزاعہ تو ان کے نوجوان بہت تھوڑی تعداد میں اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ آئے تھے، جبکہ ان کی اکثریت شرک و کفر ہی میں گھری رہی۔ اور وہ لوگ مدینہ منورہ کے تربیتی ماحول سے کنارہ کش رہتے ہوئے اپنے اجڈپن میں مگن رہے۔ دراصل یہ فضیلت ان کے مقدر میں نہیں تھی۔ وہ لوگ نبوت کی چھاؤں سے محروم رہے۔ لہٰذا حدیبیہ کی طرف آنے والے اسلامی لشکر میں عدم شمولیت کی وجہ سے وہ آیات ان پر بجلیاں بن کر برسیں جن میں ان پیچھے رہنے والوں کو ڈانٹ ڈپٹ کی گئی تھی۔[2]

[1] التربية القيادية للدكتور الغضبان: 4/214. [2] التربية القيادية للدكتور الغضبان: 4/216.

باب 2

صلح حدیبیہ اور اس کے نتائج

رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو کی بات چیت

قریش کو بیعتِ رضوان کی خبر ہوئی اور ان کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ کے ارادۂ جنگ کو بھانپ لیا تو جھٹ پٹ سہیل بن عمرو کی معیت میں اپنے کچھ لوگوں کو آپ سے بات چیت کے لیے بھیج دیا۔[1] ادھر آپ ﷺ نے سہیل کو آتے دیکھ کر فرمایا: «لَقَدْ أَرَادَ الْقَوْمُ الصُّلْحَ حِينَ بَعَثُوا هٰذَا الرَّجُلَ» ''اس شخص کو بھیجنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ قریش صلح چاہتے ہیں۔''[2]

سہیل بن عمرو قریش کے سرکردہ سرداروں میں سیاسی بصیرت اور ہوشیاری میں مشہور تھا۔ منجھا ہوا خطیب اور پختہ رائے والا آدمی تھا۔ اور گہری سوجھ بوجھ کا مالک تھا۔

فریقین صلح کی دفعات پر بات چیت کرنے لگے۔ یاد رہے صلح کا یہ معاملہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی واپسی کے بعد شروع ہوا تھا۔ فریقین نے معاہدہ صلح کے اہم نکات طے کیے۔ اختلاف کا باعث بننے والے امور پر بھی غور کیا۔ فریقین ابتدائی بعض نکات پر متفق ہوگئے۔ چند دفعات کے متعلق اختلاف باقی رہا۔ اختلاف نے خاصا طول پکڑا۔ بالآخر خاصی بحث و تمحیص کے بعد فریقین ایک رائے پر متفق ہو گئے۔ لیکن جب معاہدے کو

[1] التاريخ السياسي والعسكري للدكتور علي معطي، ص: 340,339. [2] المغازي للواقدي: 2/602، 605,604.

آخری شکل دینے کی باری آئی تو بعض نکات پر فریقین میں پھر اختلاف ہو گیا۔ قریب تھا کہ سارا معاملہ چوپٹ ہو جاتا۔

رسول اللہ ﷺ معاہدے کی تحریر لکھوانے لگے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم دیا کہ ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' سے تحریر کی ابتدا کرو۔ یہاں قریشی وفد کے سربراہ سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا کہ رحمٰن کو میں نہیں جانتا۔ آپ یوں لکھیے (جیسے دور جاہلیت میں لکھا جاتا تھا): «بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ» ''اے اللہ! تیرے نام سے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم تو رحمٰن ہی لکھیں گے۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے سیاسی حکمت کے پیش نظر لچک اختیار کرتے ہوئے کاتب سے فرمایا: «اُكْتُبْ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ» ''لکھو! اے اللہ تیرے نام سے۔''[1]

یوں تحریر معاہدہ کی کارروائی جاری رہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لکھو: «هٰذَا مَا اصْطَلَحَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ» ''یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے صلح کی......''

ابھی آپ یہ جملہ مکمل نہیں کر پائے تھے کہ قریشی وفد کے سربراہ نے لفظ ''رسول اللہ'' پر اعتراض کرتے ہوئے کہا:

''اگر میں یہ مانتا ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو میں آپ کی مخالفت نہ کرتا بلکہ آپ کی پیروی کرتا۔ کیا آپ اپنے اور اپنے والد کے نام محمد بن عبداللہ کو پسند نہیں کرتے! اپنا اور اپنے والد کا نام تحریر کیجیے۔''[2]

اس پر بھی مسلمانوں نے اعتراض کیا مگر رسول اللہ ﷺ نے حکمت اور دور اندیشی سے اختلاف ختم کرتے ہوئے کاتب کو تحریر معاہدہ سے لفظ ''رسول اللہ'' ختم کرنے کا حکم دیا، چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے خاموشی سے قبول کر لیا۔

نبی ﷺ نے ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' کے بدلے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھنے پر

[1] المغازي للواقدي: 2/610. [2] المغازي للواقدي: 2/610.

مشرکین سے اتفاق کیا۔ ”رسول اللّٰہ“ کے بجائے ”محمد بن عبداللّٰہ“ کے الفاظ پر بھی آمادگی ظاہر کی۔ اور یہ بھی مان لیا کہ مسلمانوں میں سے جو کوئی ان کے پاس جائے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے، جبکہ ان میں سے جو کوئی مسلمانوں کے پاس آئے گا، مسلمان اسے واپس کر دیں گے۔ آپ نے یہ تمام شروط، صلح سے حاصل ہونے والی اہم ترین مصلحت کے سبب قبول کیں، جبکہ ان کے قبول کرنے میں کوئی خرابی بھی نہیں تھی، مثلاً: ”بسملہ“ اور ”بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ“ ایک ہی معنی رکھتے ہیں اور محمد بن عبداللہ ہی رسول اللہ ہیں۔ اس جگہ اللہ سبحانہ کے اوصاف ”الرحمٰن الرحیم“ ترک کرنے میں اس ذات بابرکات کی نفی بھی لازم نہ آتی تھی۔ اسی طرح ”رسول اللہ“ کی عدم کتابت سے رسالت پر کوئی حرف نہ آرہا تھا، لہٰذا انھوں نے جو بھی تقاضا کیا اس میں کوئی خرابی تھی نہ نقصان۔ خرابی کی صورت تب ہوتی جب وہ ناجائز امور لکھنے کا تقاضا کرتے، مثلاً: اپنے معبودان باطلہ کی تعظیم وغیرہ۔

رہی یہ شرط کہ مکہ سے آنے والے کو واپس کریں گے جبکہ مسلمانوں سے جانے والا واپس نہ کیا جائے گا تو آپ ﷺ نے اس کی وضاحت اور حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ ذَھَبَ مِنَّا إِلَیْھِمْ فَأَبْعَدَہُ اللّٰہُ وَمَنْ جَاءَ نَا مِنْھُمْ سَیَجْعَلُ اللّٰہُ لَہُ فَرَجًا وَّمَخْرَجاً»

”جو ہمیں چھوڑ کر ان مشرکین کی طرف جائے گا اسے ہم سے اللہ نے دور کر دیا اور ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے کشادگی اور نکلنے کی کوئی نہ کوئی صورت بنا دے گا۔“[1]

بالآخر ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔

معاہدے کی شروط اور دفعات

یوں یہ معاہدہ تشکیل پا گیا جس میں درج ذیل دس دفعات تھیں:

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1784.

① «باسمك اللّٰهم» ”اے اللہ تیرے نام سے۔“

② یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے معاہدہ صلح کیا ہے۔

③ دونوں نے اتفاق کرلیا ہے کہ دس سال تک جنگ بند رہے گی۔ ان دس برسوں میں لوگ امن کی زندگی بسر کریں گے اور (ایک دوسرے سے) ہاتھ روک کر رکھیں گے۔

④ محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو کوئی بغرض حج وعمرہ یا کاروبار مکہ جائے گا اس کا خون اور مال محفوظ رہے گا، اس طرح قریش کا کوئی مکی شخص مدینہ آئے یا بغرض تجارت و کاروبار مصر یا شام جانے کے لیے وہاں سے گزرے تو اس کا بھی مال و جان محفوظ ہوگا۔

⑤ قریش کا جو آدمی ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا اسے محمد (ﷺ) قریش کے پاس لوٹا دیں گے اور محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے جو آدمی قریش کے پاس آئے گا قریش اسے محمد (ﷺ) کو واپس نہ کریں گے۔

⑥ دلوں کی عداوتیں دلوں ہی میں رہیں گی۔ انھیں ظاہر نہ کیا جائے گا۔ نہ بدعہدی اور خیانت کی جائے گی۔

⑦ اور یہ کہ جو محمد (ﷺ) کے عہد میں داخل ہونا پسند کرے وہ اس میں داخل ہو جائے اور جو قریش کے عہد میں داخل ہونا پسند کرے وہ ان کے عہد میں داخل ہو جائے۔ یہ معاہدہ طے پاتے ہی بنوخزاعہ نے آگے بڑھ کر کہا: ”ہم لوگ محمد (ﷺ) کے عہد میں ہیں۔“ اور بنوبکر نے آگے بڑھ کر کہا: ”ہم قریش کے عہد میں ہیں۔“

⑧ اور آپ اس سال واپس جائیں اور ہمارے ہوتے ہوئے مکہ میں داخل نہ ہوں۔ جب اگلا سال آئے گا تو ہم آپ کے لیے مکہ خالی کر دیں گے۔ آپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں اور یہاں تین دن قیام کریں۔ آپ کے ساتھ مسافروں والے ہتھیار ہوں گے، تلواریں نیاموں میں ہوں گی، اس صورت کے بغیر داخل نہ ہونا۔

⑨ اور جو قربانیاں آپ لے کر آئے ہیں اس کی ہمیں ضرورت نہیں۔

⑩ اس صلح پر کچھ مسلمانوں اور کچھ مشرکین نے شہادت دی۔ مسلمانوں میں سے ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن سہیل بن عمرو، سعد بن ابی وقاص، محمد بن مسلمہ اور کاتب معاہدہ حضرت علی رضی اللہ عنہم اور مشرکین کی طرف سے مکرز بن حفص اور سہیل بن عمرو۔[1]

بین الاقوامی معاہدات میں یہ معاہدہ اپنی مثال آپ ہے کہ اس کے طے ہونے سے پہلے کتنے مذاکرات ہوئے۔ اس کی متعدد شروط پر بحث ہوئی۔ فریق ثانی کی رضامندی پر نبی ﷺ کی طرف سے نرمی برتنے کا عظیم اخلاق سامنے آیا۔ کس طرح اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا اور پھر اس کا خیال رکھا گیا۔

اس معاہدے سے پہلے مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان مذاکرات کے کئی دور ہوئے۔ دونوں کے مختلف نمائندے اتفاق رائے تک پہنچنے میں ناکام رہے، پھر فریقین میں اس معاہدے تک پہنچنے کے لیے کئی مشورے ہوئے۔ بالآخر دونوں فریق رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام سمیت اور مشرکین کے نمائندے سہیل بن عمرو کے درمیان معاہدہ طے پا گیا۔

یہ معاہدہ اس وقت طے ہوا جب مسلمان ایک قوت بن چکے تھے اور کمزور ہرگز نہ تھے۔ وہ اتنی طاقت رکھتے تھے کہ یہ شروط جن کے متعلق صحابہ کرام کی اکثریت تنگ دل تھی، قبول نہ کریں لیکن وہ ایسے ہرگز نہ تھے جو رسول ﷺ کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیں، حالانکہ آپ ﷺ اپنی مرضی سے گفتگو ہی نہیں کرتے۔

مذاکرات کے دوران متعدد بار قریشی سفیر نے رسول اللہ ﷺ سے زبان درازی بھی کی۔ وہ اس وقت مسلمانوں کے لشکر میں تھا، پھر بھی اسے تکلیف نہ پہنچی، نہ مسلمانوں نے اسے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ کیونکہ ''سفراء کو قتل نہیں کیا جاتا'' اس کے بجائے

[1] المعاهدات في الشريعة الإسلامية والقانون الدولي للدكتور محمد الديك، ص:271,270.

رسول اللہ ﷺ اسے راضی کرتے ہیں اور بردباری و نرمی سے کام لیتے ہیں تاکہ اس نتیجے تک رسائی حاصل کی جا سکے جو اسلام کا اصل مقصود و مطلوب ہے، یعنی جان کی حفاظت اور امن و سلامتی کا دور دورہ۔ اس امید پر کہ شاید لوگ حق کی پہچان کر لیں اور اپنے غلط موقف سے رجوع کریں، کلام الٰہی کو سنیں اور اسلامی دعوت نئے دور میں داخل ہو جائے، نئے انداز سے پھیلے اور لوگوں سے میل جول شروع ہو۔ جب ہم حدیبیہ کے معاہدے میں طے پانے والی دفعات پر غور کرتے ہیں تو ان سے درج ذیل نتائج برآمد کر سکتے ہیں:

① اسلامی معاہدات کی ابتدا «بسم اللّٰہ» یا «باسمك اللّٰھم» سے ہوتی تھی۔ بین الاقوامی قانونِ معاہدات کی رو سے ''معاہدات کی ابتدا کتابت کے ایسے طریقے پر ہوتی ہے جس پر فریقین کا اتفاق ہو۔''

قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ اسلام میں معاہدات کی ابتدا لازمی طور پر اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے ہوتی ہے چونکہ وہ دلوں اور نیتوں کا محاسب و نگہبان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام ہر مومن کے نزدیک مقدس و محترم ہے حتیٰ کہ وہ لوگ جن کے عقائد میں خرابی آ چکی ہوتی ہے وہ بھی ذات الٰہی کا انکار نہیں کرتے، مگر اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق ان کا تصور فاسد ہو چکا ہوتا ہے۔

چند ایسے لوگ جو کھوکھلے نعروں سے عوام کے دلوں کو مائل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان میں یہ بات پھیل جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کے بجائے ''شعب'' یا ''الأمۃ'' کا نام لیتے ہیں۔ اپنے خیال کے مطابق وہ مذکورہ نام کو بطور تقدیس استعمال کرتے ہیں۔ لیکن جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر یقین و ایمان ہے وہ اپنے اعتقادات میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں سمجھتا یہی وجہ تھی کہ اس معاہدے کی ابتدا «بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ» سے ہوئی۔

② بین الاقوامی قانون کی طرح یہاں بھی ''دیباچہ'' کے بعد معاہدے میں طرفین کا تعین اور ذکر کیا گیا ہے۔ بین الاقوامی قانون میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ دیباچے کے بعد

معاہدے میں بات چیت کرنے والے ممبران کا ذکر کیا جاتا ہے یا ان حکومتوں کا تذکرہ ہوتا ہے جو معاہدے کے فریق ہوتے ہیں۔

③ معاہدے کے محرکات: معاہدے کے شروع میں دس سال تک جنگ بندی کی شرط پر صلح کا ذکر آیا ہے۔ بین الاقوامی قانون بھی یہی چاہتا ہے۔

④ معاہدے کی شروط اور دفعات: معاہدہ میں آپ ﷺ نے طرفین کی متفق علیہ شروط کا ذکر کیا ہے۔ بین الاقوامی قانون بھی اسی کی رہنمائی کرتا ہے۔

⑤ صلح حدیبیہ کے معاہدے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ جب ''رئیس الدولۃ الاسلامیۃ'' سمجھے کہ اس بات میں مسلمانوں کی مصلحت ہے تو وہ دشمن سے صلح کا تقاضا کر سکتا ہے۔ اس کا دارومدار اس پر نہیں ہے کہ پہلے دشمن کی جانب سے تقاضائے صلح ہو۔ [1]

⑥ زیادہ خرابی کو دور کرنے اور راجح مصلحت کے تحت کفار سے بعض ایسے امور پر بھی مصالحت ہو سکتی ہے جس میں مسلمان بظاہر حرج محسوس کریں۔ دراصل زیادہ خرابی کو تھوڑی خرابی سے ختم کرنا مقصود ہوتا ہے۔

⑦ اللہ تعالیٰ نے ''صلح حدیبیہ'' کا نام فتح رکھا ہے۔ لغت میں فتح سے مراد بندش کو کھولنا ہے۔ حدیبیہ میں مشرکین سے صلح سے قبل صلح کے تمام راستے مسدود تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے کھول دیا۔ یوں صلح فریق مخالف کے بند دلوں کو کھول دیتی ہے۔

حدیبیہ کی ظاہری صورت حال میں جو شرطیں لکھی گئیں وہ مسلمانوں پر زیادتی تھی، تاہم یہی شرائط دراصل فتح و نصرت کا پیش خیمہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ مستقبل میں معاہدے کے نتیجے میں حاصل ہونے والی فتح کو بصیرت افروز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جو واقعی عظیم فتح تھی۔ آپ مشرکین کی جن شرائط کو منظور کر رہے تھے وہ اکثر صحابہ کی سمجھ میں نہ آئیں لیکن بظاہر ناپسندیدہ شرائط کے پردے میں جو عمدہ پہلو تھے آپ ﷺ انھیں دیکھ رہے تھے۔ [2]

1 زاد المعاد:306/3. 2 المعاهدات في الشريعة الإسلامية للدكتور محمد الديك، ص:272.

⑧ معاہدہ بسا اوقات کھلا رکھا جاتا ہے تا کہ اس میں اطراف و جوانب سے کوئی بھی داخل ہو سکے اور کوئی حکومت بھی شامل ہو سکے۔ اس عالمی قانون کے تحت آپ ﷺ نے معاہدہ کھلا رکھا تھا کہ اِدھر اُدھر سے جو بھی چاہے اس میں داخل ہو سکے۔ خزاعہ اور بنو بکر قبیلے اس صلح میں شامل ہو گئے۔ یوں ان دونوں قبیلوں کی دیرینہ عداوتوں کا خاتمہ ہو گیا۔[1]

⑨ دونوں جانب سے معاہدے پر دستخط اور گواہیاں ضروری ہوتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دستخط اور گواہیاں بین الاقوامی قانون کے مطابق ہوئی تھیں۔

⑩ معاہدے میں یہ بھی درست ہوتا ہے کہ کوئی غیر متنازع شخص ثالث بن جائے اور وہ معاہدے کو حتمی شکل دینے کے لیے شریک ہو جس کے خیالات فریقین سے ملتے ہوں۔

احابش کا سردار حلیس بن علقمہ بطور ثالث درمیان میں آیا جو قریش کا سب سے بڑا حلیف تھا۔ قریش نے خود بھی اسے ثالثی کا کردار ادا کرنے کو کہا، یہ شخص بڑا عقل مند اور صاحبِ بصیرت تھا۔ اس کی بات اپنی قوم میں رد نہ کی جاتی تھی۔ آپ ﷺ اسے ذاتی طور پر بھی جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اس میں عبادت گزاری اور تعظیم حرم کا جذبہ موجزن رہتا ہے۔

قریش نے جب اسے سفارت کے لیے چنا تو انھیں توقع تھی کہ یہ آدمی عرب میں ممتاز حیثیت کی بنا پر اس کام کو تکمیل تک لے جائے گا۔ اسے نبی ﷺ کے ہاں بھی عزت والا مقام حاصل ہے، لہٰذا یہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ پر اثر انداز ہو گا۔[2]

بین الاقوامی قانون کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کبھی تو معاہدہ ایسی حکومت کی وساطت سے طے پاتا ہے جو جھگڑے میں فریق نہیں ہوتی یا ایسے سفراء کے ہاتھوں طے پا جاتا ہے جو

---

1 صلح الحديبية لمحمد أحمد باشميل، ص: 280. 2 صلح الحديبية لمحمد أحمد باشميل، ص: 200,199.

جھگڑے سے تعلق نہیں رکھتے یا جھگڑے سے ان کی حکومت کا تعلق نہیں ہوتا۔

⑪ معاہدے اور اس کی شرائط پر اتفاق ہو جانا ہی معاہدے کی تنفیذ کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ نہ لکھا گیا ہو اور نہ ابھی اس پر دستخط ہوئے ہوں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے معاہدے کی پانچویں شق پر سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل رضی اللہ عنہ کے متعلق یہی طرز عمل اختیار کیا تھا۔ معاہدے میں یہ طے پایا تھا کہ قریش کا کوئی فرد اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس جائے گا تو اسے واپس لوٹا دیا جائے گا۔

یوں رسول اللہ ﷺ نے اس شق کا اعلان فرمایا اور اسے نافذ العمل قرار دیا اگرچہ ابھی نہ معاہدہ تحریر ہوا تھا اور نہ اس پر دونوں جانب سے دستخط ہوئے تھے۔

⑫ معاہدے کے دو نسخے تیار کر کے ہر فریق کو ایک نسخہ دیا جاتا ہے، چنانچہ جب حدیبیہ میں صلح کے معاملات پایہ تکمیل کو پہنچ گئے تو ہر فریق نے اپنا اپنا نسخہ لیا۔ قریشی فریق اپنی تحریر لے کر مکہ روانہ ہو گئے۔ *

ابو جندل رضی اللہ عنہ کا موقف اور ایفائے عہد

صلح حدیبیہ کا ایک اہم سبق ایفائے عہد ہے۔ ایک مسلمان جو بات اپنے اوپر لازم کر لے وہ اسے پورا کرتا ہے۔ ماضی و حال کی تاریخ میں تحریری یا زبانی کلامی بات چیت کی پاسداری کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے بذات خود اعلیٰ مثال قائم فرمائی۔ اس معاہدے کی عملی صورت اس وقت پیش آئی جب سہیل بن عمرو حدیبیہ میں مذاکرات کر رہا تھا وہیں پر اس کا مسلمان بیٹا ابوجندل بھی بیڑیاں پہنے پہنچ گیا۔ وہ مشرکین مکہ کے قید خانے سے بھاگ آیا تھا۔ مشرکینِ مکہ کے ہاتھوں سے بچ نکلنے کے بعد مسلمانوں کے سامنے آ کر فریاد کرنے لگا۔ ادھر اس کا باپ مذاکرات کر رہا تھا۔ اس نے بیٹے کو دیکھا تو اٹھ کر اس

* المعاهدات في الشريعة الإسلامية للدكتور محمد الديك، ص: 273.

کے گریبان سے پکڑتے ہوئے کہا: ''اے محمد (ﷺ) میرے اور تمھارے درمیان معاملہ طے پا چکا ہے۔'' یعنی اس کی آمد سے پہلے ہم بات چیت سے فارغ ہو چکے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقْتَ» ''تم سچ کہتے ہو۔'' ابو جندل رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے مسلمانوں کی جماعت! کیا میں مشرکوں کی طرف واپس لوٹا دیا جاؤں گا جو مجھے دین کے متعلق آزمائش میں ڈالیں گے۔'' اس کی یہ فریاد و التجا بھی کام نہ آئی اور آپ ﷺ نے یہ کہتے ہوئے اسے واپس کر دیا:

«إِنَّا قَدْ عَقَدْنَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ صُلْحاً، وَّأَعْطَيْنَاهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ وَأَعْطَوْنَا عَهْدًا وَّإِنَّا لَا نَغْدِرُ بِهِمْ»

''ہم نے ایک دوسرے سے صلح کا معاہدہ کر لیا ہے اور اس پر ہم نے بھی اور انھوں نے بھی پکا عہد کر لیا ہے۔ ہم یہ عہد کسی صورت میں توڑنے والے نہیں۔''

ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ ﷺ نے اس کربناک صورت حال میں جس میں معاہدے کی دفعات رکاوٹ تھیں، ابو جندل اور اس صورت حال سے دوچار دیگر مستضعفین کو تنگی کے دن بہت جلد ختم ہونے کی بشارت دی۔ رسول اللہ ﷺ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

«يَا أَبَا جَنْدَلٍ! اِصْبِرْ وَاحْتَسِبْ، فَإِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لَّكَ وَلِمَنْ مَّعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ فَرَجًاوَّ مَخْرَجاً»

''اے ابو جندل! صبر سے کام لو اور ثواب کا خیال رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمھارے اور تمھارے ساتھ دیگر کمزور مسلمانوں کی تکالیف کا ازالہ فرمائے گا اور ان کے لیے نجات کا کوئی راستہ ضرور نکالے گا۔''[1]

کلامِ نبوت سے ایفائے عہد کے متعلق آپ کے بھرپور اہتمام کا پتا چلتا ہے۔ نتائج و

[1] السيرة النبوية لابن هشام:347/3.

عواقب کیسے ہی ہوں، لوگ اسے جیسی بھی نگاہ سے دیکھیں مگر آپ ﷺ نے ایسی مثال قائم کر دی ہے جس سے بڑھ کر وفا ناممکن ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ابو جندل رضی اللہ عنہ کا معاملہ ایفائے عہد کا سخت ترین امتحان تھا۔ جس میں آپ ﷺ نے اور صحابہ نے اپنے جذبات و احساسات کو حتی المقدور دبا کر ثابت قدمی دکھائی۔

اپنے بھائی ابو جندل رضی اللہ عنہ کی خستہ حالی پر انھوں نے صبر کا مظاہرہ کیا۔ ابو جندل کا باپ جب مسلمانوں کے ایک دینی بھائی کو گریبان سے پکڑے کھینچ رہا تھا اور اس کے بدن سے خون بہہ رہا تھا تو ان کی تکلیف میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ان کی اکثریت اس بھائی کی کربناک حالت پر ترس کھاتے ہوئے اپنے آنسو نہ روک سکی۔ وہ اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ اس کا بت پرست اور مشرک باپ اسے مکہ مکرمہ کی خوفناک جیل میں دوبارہ گھسیٹتے لیے جا رہا تھا۔

ابو جندل نے دین و عقیدہ کی راہ میں صبر کا دامن تھامے رکھا اور یوں اس پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا اطلاق ہوا۔

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝﴾

''اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ اور وہ اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے، بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ بے شک اللہ نے ہر چیز کے لیے اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔''[2]

---

[1] محمد رسول اللہ ﷺ لصادق عرجون: 275/4. [2] الطلاق 65:2،3.

معاہدے کے بعد ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ مکہ مکرمہ میں موجود دیگر کمزور مسلمان مکہ کی جیلوں سے نکل آئے۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر وہ ایک قوت بن گئے۔ اہل مکہ ان سے خوف کھانے لگے۔ اور یوں شام سے آنے والے قریشی قافلے ان کی دسترس میں آ گئے۔

نیک نیتی سے اختلاف رائے

معاہدہ صلح پر اتفاق سے پہلے مسلمانوں میں معاہدے کے متعلق شدید اختلاف ہو گیا۔ خاص طور پر ان دو دفعات پر جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ کی غرض سے آنے والے مسلمانوں کو واپس کرنے کے پابند تھے، جبکہ قریش اس کے پابند نہ تھے کہ ان کے پاس آنے والے مرتد کو واپس کریں۔

اور اسی طرح وہ شق جس کی بنا پر طے پایا کہ مسلمان اس سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے بغیر واپس مدینہ جائیں گے۔ دفعات کے متعلق اختلاف کرنے والوں میں عمر بن الخطاب، اوس کے سردار اسید بن حضر اور خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم پیش پیش تھے۔

روایات میں ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس معاہدے کی مخالفت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور عرض کیا: ”کیا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بَلٰی!» ”کیوں نہیں!“

عمر رضی اللہ عنہ: ”کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بَلٰی!» ”کیوں نہیں!“

عمر رضی اللہ عنہ: ”کیا وہ مشرک نہیں۔؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بَلٰی!» ”کیوں نہیں!“

عمر رضی اللہ عنہ: ”تو پھر دین کے معاملے میں ہمیں کس بنا پر ذلت کا سامنا ہے؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: «إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَلَسْتُ أَعْصِيهِ» ”میں اللہ کا رسول ہوں۔

میں اس کے حکم کی مخالفت نہیں کر سکتا۔''[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ لَنْ أُخَالِفَ أَمْرَهُ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي»

''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اس کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کروں گا اور وہ مجھے کسی طرح بھی ضائع نہیں کرے گا۔''[2]

عمر رضی اللہ عنہ: ''کیا آپ نے ہمیں کہا نہیں تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کریں گے اور اس کا طواف کریں گے؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بَلٰى! فَأَخْبَرْتُكَ أَنَّا نَأْتِيهِ الْعَامَ؟» ''کیوں نہیں! کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال کریں گے؟''

عمر رضی اللہ عنہ: ''نہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: «فَإِنَّكَ آتِيهِ وَ مُطَوِّفٌ بِهِ» ''بہر حال تم بیت اللہ تک پہنچو گے اور اس کا طواف بھی کرو گے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا: ''اے ابوبکر! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں؟''

ابوبکر رضی اللہ عنہ: ''کیوں نہیں!''

عمر رضی اللہ عنہ: ''کیا ہم مسلمان نہیں؟''

ابوبکر رضی اللہ عنہ: ''کیوں نہیں!''

عمر رضی اللہ عنہ: ''کیا یہ لوگ مشرک نہیں؟''

ابوبکر رضی اللہ عنہ: ''کیوں نہیں!''

عمر رضی اللہ عنہ: ''پھر دین کے معاملے میں ہمیں ذلت کا سامنا کیوں ہے؟''

[1] صحيح البخاري، حديث:2731،2732. [2] تاريخ الطبري:634/2.

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سمجھاتے ہوئے کہا: ”جھگڑا اور مخالفت ترک کر دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو تھامے رکھو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ انھوں نے جو کہا وہی درست ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ انھیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔“

ابو جندل رضی اللہ عنہ کے واقعے کے بعد صحابہ پھر سے معاہدہ صلح سے اپنے اختلاف کو سامنے لاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیگر کئی صحابہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور معاہدے سے اختلاف کا اظہار کیا۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صبر و حکمت، بردباری اور قوتِ دلیل سے صلح کی افادیت پر قائل کر لیا اور بتایا کہ یہ سراسر مسلمانوں کے مفاد میں ہے اور ان کے لیے دراصل فتح و نصرت ہے۔[1]

اور یقیناً اللہ تعالیٰ ابو جندل رضی اللہ عنہ جیسے کمزور مسلمانوں کے لیے کوئی رستہ ضرور نکالے گا اور پھر واقعی ایسا ہی ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نیک نیتی پر مبنی اختلاف رائے کو عملاً جائز قرار دیا۔ آپ نے قائدین کو نیک نیتی پر مبنی اختلاف رائے کا احترام کرنے کا سبق دیا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرزِ عمل آزادی رائے کو قابل احترام قرار دے رہا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اسلامی معاشرے کے افراد کو اظہار رائے کا حق حاصل ہے، خواہ وہ رائے حاکم یا خلیفہ پر تنقید سمجھی جائے۔

یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سربراہ کی رائے سے اختلاف جرم نہیں کہ رائے دہندہ کو جیل کی سلاخوں میں بند کر دیا جائے۔[3]

---

1 صلح الحديبية لمحمد أحمد باشميل، ص: 270. 2 القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص: 495. 3 غزوة الحديبية لأبي فارس، ص: 135,134.

عمرے کا احرام کھولنا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مشورہ

صلح نامہ سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: «قُومُوا فَانْحَرُوا ثُمَّ احْلِقُوا» ”اٹھو، جانور قربان کر دو اور سر منڈوا دو۔“

یہ بات رسول اللہ ﷺ نے تین بار دہرائی لیکن کوئی نہ اٹھا۔ آپ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں گئے اور لوگوں کے طرز عمل کا ذکر فرمایا۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا گویا ہوئیں: ”اے اللہ کے نبی! اگر آپ ایسا ہی چاہتے ہیں تو پھر باہر تشریف لے جائیے اور کسی سے بات کیے بغیر چپ چاپ اپنا جانور ذبح کر دیجیے اور حجام کو بلا کر سر منڈا دیجیے۔“

آپ خیمے سے باہر آئے اور کسی سے کچھ کہے بغیر قربانی ذبح کر ڈالی اور حجام کو بلا لیا۔ جب لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو فوراً اٹھے، اپنے اپنے جانور ذبح کر دیے اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ معلوم ہوتا تھا کہ فرطِ غم سے ایک دوسرے کا گلا کاٹ ڈالیں گے۔ [1]

حدیبیہ کے روز کچھ لوگوں نے سر کے پورے بال منڈوائے اور کچھ لوگوں نے کتروائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ» ”اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے۔“ لوگوں نے عرض کیا: ”اور ان لوگوں پر بھی جنھوں نے بال کتروائے ہیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے پھر بھی یہی فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے۔“ لوگوں نے پھر عرض کیا کہ بال کتروانے والوں پر بھی؟ اب آپ ﷺ نے فرمایا: «وَالْمُقَصِّرِينَ» ”اور بال کتروانے والوں پر بھی رحم فرمائے۔“ [2]

حدیبیہ کے روز رسول اللہ ﷺ کی قربانیوں میں ایک اونٹ ابوجہل کا بھی تھا۔ [3] جس کی ناک میں چاندی کا چھلا تھا۔ اس کی قربانی کا مقصد یہ تھا کہ مشرک جل بھن کر

---

1 صحيح البخاري، حديث: 2732,2731. 2 صحيح البخاري، حديث: 1727، وصحيح مسلم، حديث: 1301، ومسند أحمد: 216/1. 3 ابوجہل کا یہ اونٹ غزوۂ بدر کے موقع پر مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوا تھا۔ (عون المعبود: 172/5).

رہ جائیں۔[1]

اس واقعے میں کئی دروس و حکمتیں ہیں جو ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں، مثلاً:

عورت کی رائے: ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رائے بڑی مبارک اور درست تھی۔ وہ سمجھ گئیں کہ صحابہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں احرام اتارنے کا جو حکم دیا ہے وہ صرف ان کے لیے رخصت ہے۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود احرام کی حالت میں رہیں گے، چنانچہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ آپ خود احرام سے نکل آئیں تاکہ ان کا اگر یہ وہم ہو تو دور ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین کے مشورے کو درست خیال فرمایا، لہٰذا صحابہ نے بھی آپ کی دیکھا دیکھی وہی کیا جو آپ کر رہے تھے، خواہ اس وقت آپ نے انھیں ایسا نہیں کہا تھا۔ اس کے بعد تو مزید کسی بات کی گنجائش ہی نہ رہی۔ یہ بڑی درست رائے اور بابرکت مشورہ تھا۔

اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اگر عمدہ رائے، اچھی سوچ اور مثبت خیالات کی حامل کوئی خاتون مشورہ دے تو اس کا مشورہ قبول کرنا چاہیے۔[2]

یہ واقعہ ان اسلام دشمن عناصر کے منہ پر طمانچہ ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام نے عورت کے حقوق دبائے ہیں اور اسے اس کا جائز مقام نہیں دیا۔ عورت کے حقوق کا اس سے بڑا بھی کوئی اعتراف ہو سکتا ہے۔ عورت کی رائے کا اس سے زیادہ احترام کیا ہوگا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پریشان کن کیفیت کے حل کے لیے اس مشورے پر عمل پیرا ہوں۔[3]

عملی نمونہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کرنے کا تین بار حکم دیا۔ مخاطب افراد میں بڑے

---

1 سنن أبي داود، حديث: 1749، ومسند أحمد: 234/1، وسنن ابن ماجه، حديث: 3076، والمعجم الكبير للطبراني، رقم: 11148,11147، والسيرة النبوية لابن هشام: 349/3. 2 ملامح الشورىٰ في الدعوة الإسلامية للشيخ عدنان النحوي، ص: 161. 3 المعاهدات في الشريعة الإسلامية للدكتور محمد الديك، ص: 273.

بڑے صحابہ موجود تھے اس کے باوجود کسی نے بھی آپ ﷺ کی بات پر عمل نہ کیا۔ مگر جب ام المومنین کے بتائے ہوئے عملی پہلو کو آپ ﷺ اختیار فرمایا تو مقصد فوراً حل ہو گیا۔ ایسے معاملات میں عملی نمونہ بے حد نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔[1]

حج و عمرہ میں رکاوٹ پیدا ہو جانے کا حکم: معاہدۂ صلح کے بعد رسول اللہ ﷺ کا حالت احرام سے نکل آنا، قربانی کرنا اور سر منڈوانا اس بات کی دلیل ہے کہ مجبور و محصور آدمی کے لیے حالت احرام سے نکلنا درست ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں دیکھیے۔ یاد رہے کہ فوت شدگان اور خیبر میں شہید ہونے والوں کے علاوہ ''عمرة القضاء'' میں تمام شرکائے صلح حدیبیہ ادائیگی عمرہ کے لیے آئے تھے۔[2]

مدینہ منورہ واپسی اور سورۂ فتح کا نزول: رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے مدینہ کا قصد فرمایا۔ ابھی آپ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہی تھے کہ سورۂ فتح نازل ہوئی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوٰلُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۝﴾

''دیہاتیوں میں سے پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ آپ سے ضرور کہیں گے: ہمارے مالوں اور ہمارے اہل و عیال نے ہمیں مشغول کر دیا تھا، لہٰذا آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کریں، وہ اپنی زبانوں سے وہ (بات) کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، آپ کہہ دیجیے: پھر کون تمھارے لیے اللہ سے کسی شے کا اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمھیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا کوئی نفع دینا چاہے؟ (کوئی

---

1 تأملات في السيرة النبوية لمحمد السيد الوكيل، ص:211. 2 فقه السيرة للبوطي، ص:243.

بھی نہیں) بلکہ اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔‘‘ [1]

رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کے نزول پر اپنی خوشی کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

«أُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ سُورَةٌ هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ»

’’آج رات مجھ پر ایسی سورت اتاری گئی ہے جو دنیا جہان سے بڑھ کر مجھے محبوب ہے۔‘‘ [2]

پھر آپ ﷺ نے اس کی تلاوت فرمائی: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾

’’بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے۔‘‘ صحابہ نے کہا: ’’مبارک مبارک۔ اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے کیا ہے؟‘‘ نبی ﷺ نے تلاوت فرمائی:

﴿لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾

’’تاکہ مومن مردوں اور عورتوں کو ان جنتوں میں لے جائے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے ان کے گناہ دور کر دے اور اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘ [3]

رسول اللہ ﷺ ’’کراع الغمیم‘‘ میں اپنی سواری پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ لوگ آپ کی طرف لپکے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے سورۂ فتح کی پہلی آیت تلاوت فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا: ’’اے اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے؟‘‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّهُ لَفَتْحٌ»

’’ہاں! قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ یقیناً فتح ہے۔‘‘ [4]

1 الفتح 48:11. 2 صحيح البخاري، حديث:4177. 3 الفتح 48:5. صحيح البخاري، حديث: 4172، وصحيح مسلم، حديث: 1786. 4 سنن أبي داود، حديث: 2736، والمستدرك للحاكم: 131/2.

چنانچہ مسلمانوں کا غم اور پریشانی انتہائی خوشی میں بدل گئی۔ انھیں یقین ہو گیا کہ وہ اسباب ونتائج کا قطعاً ادراک نہیں کر سکتے۔ ان کی اپنی اور دعوتِ اسلامی کی ساری بھلائی اس میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔[1]

قرآن نے سورۂ فتح میں اس عظیم واقعے کا تذکرہ کیا ہے۔ غزوہ حدیبیہ کو بیان کرنے میں قرآن کا اپنا مخصوص انداز ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے جب اس غزوے کا تذکرہ کیا ہے تو اس نے فریقین کی صلح اور عدم جنگ کو ''فتح مبین'' کا نام دیا ہے۔ سورۂ فتح کے اسباب نزول پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ صلح سے فارغ ہو کر واپس مدینہ منورہ آ رہے تھے اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ اور جملہ مومنین عمرے کے حوالے سے اپنی دلی امید بَر نہ آنے کے بعد کئی ایک بڑے بڑے مراحل سے گزر چکے تھے، مثلاً: مشرکین کا آمنا سامنا، بیعتِ رضوان اور صلح حدیبیہ۔ جس پر بعض صحابہ کرام خوش نہ تھے اور ان معاملات کے متعلق ان کے دلوں میں کئی خیالات جنم لے چکے تھے۔

قرآن کریم اترتا ہے اور مسلمانوں کے لیے واضح ہوتا ہے کہ یہ صلح درحقیقت ''فتح مبین'' ہے اور قرآن یہ بات تاکید سے بیان کرتا ہے کہ قبول صلح کے سلسلے میں نبی مکرم ﷺ صحیح موقف پر قائم تھے۔ تاکہ جب رسول اللہ ﷺ انھیں دنیا والوں کے سامنے خوشخبری دیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں صلح کے ساتھ فتح سے ہمکنار کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مقدم و موخر کوتاہیاں معاف فرما دیں تو آپ ﷺ پر مومنوں کا اعتماد (عزت افزائی کے طور پر) مزید پختہ ہو جائے اور انھیں اطمینان حاصل ہو کہ آپ ﷺ درستگی پر ہیں اور آپ نے جو قدم اٹھایا ہے وہی صحیح ہے اور اس کا انجام خوش بختی اور سعادت مندی ہی ہے۔

---

[1] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 449/2.

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق مومنوں کے ساتھ تھی۔ اس نے تو اپنے رسول کو صبر کی توفیق بخشی کہ بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدۂ صلح پر متفق ہو گئے اور یہ معاہدہ ان کے دلوں میں نزول سکینت کا سبب بنا۔ حتی کہ ان کے دلوں پر بھی جنھوں نے صلح کی بعض شرائط ماننے سے انکار کر دیا تھا اور بڑی گرانیِ طبع کے ساتھ تسلیم کیا تھا، ان کی جانب سے بھی صلح کا معاملہ ترک کر دینے کی نوبت نہ آئی۔ بلکہ تمام کے تمام ہی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سکینت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کے فیصلے سے راضی ہو گئے۔ ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۗ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝﴾

”وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں طمانینت و تسکین نازل کی تاکہ ان کے ایمان میں اور (مزید) ایمان کا اضافہ ہو اور آسمانوں اور زمین کے (سب) لشکر اللہ ہی کے ہیں، اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔“[1]

قرآن پاک اس بات کی وضاحت فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ان پر اطمینان نازل فرمایا تاکہ وہ اس کا فضل و احسان یاد رکھیں اور ہمیشہ ان کا شکریہ ادا کریں۔

اطمینان و سکون کے اتارنے کی خبر قرآن پاک نے صرف اسی غزوے کے متعلق دی ہے۔ یہ سکینت غیر حسی ہے۔ اس کی کیفیت نزول اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ قرآن نے بیعتِ رضوان کی تعریف فرمائی اور اسے قرآن میں بیان کر کے دوام بخشا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیعت کرنا قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ

[1] الفتح 48:4.

فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝﴾

''بلا شبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو بس اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جس نے عہد شکنی کی تو بس وہ اپنی ہی ذات کے خلاف عہد شکنی کرتا ہے اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا تو عنقریب وہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔''[1]

غزوات کے متعلق قرآنی امتیاز یہ ہے کہ وہ حقائق بھی واضح کرتا ہے اور عقائد کی تصحیح بھی، نفوس کی تربیت بھی کرتا ہے اور منافقین کی رسوائی بھی۔ اسی طرح اس سورت میں عنقریب ہاتھ آنے والی خیبر کی غنیمتوں کے متعلق خوشخبری بھی ہے۔ عذر تراشنے والوں کا بھی تذکرہ ہے۔ جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہر ایک کے لیے سرزنش نہیں بلکہ کچھ کے لیے استثنا بھی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت ہے۔ جب صلح حدیبیہ مکمل ہو چکی، مسلمان مدینہ لوٹ آئے اور ان کا مکہ مکرمہ میں داخلے کا ارادہ پورا نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے خواب کے متعلق بتایا کہ وہ سچا خواب تھا۔ یہ بھی فرمایا کہ وہ بہت جلد شرمندہ تعبیر ہوگا۔ ارشاد ہوا:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ۚ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝﴾

''البتہ تحقیق اللہ نے اپنے رسول کو خواب میں حق کے ساتھ سچی خبر دی کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم اپنے سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے، تم (کسی سے) نہ ڈرتے ہو گے، چنانچہ اللہ وہ بات جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے، لہٰذا اس نے اس سے پہلے ایک فتح جلد ہی عطا کر دی۔''[2]

یہ عظیم المرتبت سورت نبی ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام کی تعریف پر اختتام پذیر ہوتی

[1] الفتح 10:48. [2] الفتح 27:48.

ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڗ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾

’’اور وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے سب ادیان پر غالب کر دے اور اللہ بطور گواہ کافی ہے۔ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں تو انھیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں ہیں۔ ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی پہلی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے۔ مثل اسی کھیتی کے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا، تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے۔ ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔‘‘[1]

ان آیات نے اصحابِ محمد ﷺ کے نیک کردار کی بڑی خوبصورت عکاسی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔[2]

1 الفتح 48:28,29. 2 حديث القرآن الكريم عن غزوات الرسول ﷺ لأبي بدر محمد بكر آل عابد: 2/548-555.

مسلمانوں کے لیے عمومی مغفرت کا یہ وعدہ ایسی صفات عالیہ کے تذکرے کے بعد کیا گیا ہے جو انھیں مغفرت الٰہی کا اولین مستحق بناتی ہیں۔ یہ عزت افزائی ان کے لیے کافی ہے اور یہ رضا مندی اجر عظیم ہے۔ لیکن فیضانِ الٰہی لامحدود ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا تو ایسی ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتی۔[1]

سید قطب رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''چودہ سو برس کے بعد میں ایک مرتبہ پھر ان باسعادت افراد کے دلوں میں جھانکنے کی کوشش کر رہا ہوں جبکہ وہ رضا مندی، عزت افزائی اور عظیم وعدے کا فیض حاصل کر رہے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اس کا اہل محسوس کر رہے ہیں۔ میں انھیں بہ چشم تصور سورۂ فتح کے نزول کے بعد حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ یہ سورت انھیں پڑھ کر سنائی گئی وہ اس پر کیف فضا، جادوئی سماں اور پرانوار ماحول میں اپنے قلوب و اذہان اور روح و وجدان سے اس خداوندی ضمانت و کفالت سے زندگی گزار رہے ہیں اور اس کی نعمت کا اثر محسوس کرتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔''[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس امر کا یقین کر لیا تھا کہ اب اسلامی دعوت نئے انداز، یقینی فتح اور وسیع تر مفاد کے ساتھ منصۂ شہود پر آئے گی۔ انھوں نے جانا کہ دین اسلام کی فطرت یہی ہے کہ وہ جنگ کے بجائے امن و سلامتی کے ماحول میں پروان چڑھتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ صلح حدیبیہ کے درج ذیل اچھے نتائج ان کے سامنے آنے لگے:

① معاہدہ صلح میں قریش نے مسلمانوں کو جداگانہ سیاسی قوت کے طور پر تسلیم کر لیا تھا۔ معاہدہ تو ہمیشہ برابر کی قوتوں میں ہوتا ہے۔ ان قبائل پر قریش کی اس ہٹ دھرمی کا گہرا اثر پڑا جو قریش کے ''میں نہ مانوں'' کے اصول سے واقف تھے۔ وہ اسی اصول کو رہنما اصول سمجھتے تھے۔

---

[1] التربية القيادية للدكتور الغضبان: 4/290-292. [2] تفسير في ظلال القرآن لسيد قطب: 6/3333.

② مشرکین و منافقین کے دلوں میں ڈر پیدا ہو گیا۔ اکثر کو غلبہ اسلام کا یقین تھا۔ قریش کے بڑے بڑے متعدد سرداروں، مثلاً: خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کی اسلام سے رغبت اس امر کا واضح اعلان تھا۔ مدینہ منورہ کے پڑوس میں مکین بدوؤں کا پیچھے رہنے پر معذرت خواہ ہونا بھی مستقبل میں اسلام کے غلبے کی ایک نشانی تھی۔

③ صلح نے اسلام کے پھیلنے اور لوگوں کو اس سے متعارف ہونے کا موقع فراہم کر دیا، جو بہت سے قبائل کے داخلۂ اسلام کا سبب بنا۔ امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس سے پہلے اسلام میں ایسی عظیم فتح نہیں ہوئی تھی۔ لوگ جہاں بھی اکٹھے ہوتے جنگ کی نوبت آتی۔ مگر جب صلح ہو گئی، جنگ بندی ہوئی تو لوگ ایک دوسرے سے بے خوف ہو گئے۔ میل جول ہوا۔ بات چیت ہوئی۔ عقل مند افراد نے اسلام کے متعلق بات چیت کی اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان دو برسوں میں اتنے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے جتنے اس سے پہلے کل تعداد میں تھے۔''[1]

ابن ہشام اس کے بعد کہتے ہیں: ''زہری کے قول کی دلیل یہ ہے کہ بقول جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے موقع پر 1400 آدمی اپنے ساتھ لے کر نکلے تھے مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو سال بعد فتح مکہ کے سال نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ 10,000 جانباز تھے۔''[2]

④ مسلمان قریش کے خطرے سے محفوظ ہو چکے تو اب رخ یہود اور ان کے طرفدار دیگر قبائل کی طرف ہو گیا۔ یوں صلح حدیبیہ کے بعد غزوۂ خیبر واقع ہوا۔

صلح کے مذاکرات سے قریش کے حلیف مسلمانوں کا موقف سمجھنے لگے اور ان کا جھکاؤ اسی طرف ہو گیا۔ حلیس بن علقمہ نے مسلمانوں کو تلبیہ کہتے سنا تو یہ کہتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا: ''میں نے نشان زدہ قربانیاں دیکھی ہیں جنھیں قلادے پہنائے گئے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ انھیں بیت اللہ سے روکنا چاہیے۔''

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 351/3. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 352,351/3.

⑤ صلح حدیبیہ نے رسول اللہ ﷺ کو غزوۂ موتہ کی تیاری کا موقع دیا۔ یوں جزیرۃ العرب سے باہر اسلامی دعوت کو نئے انداز سے پھیلانے کا ایک اور طریقہ میسر آ گیا۔

⑥ صلح حدیبیہ نے رسول اللہ ﷺ کو رومی، فارس، قبطی بادشاہوں کو اسلام کے دعوتی خطوط بھیجنے میں مدد دی۔

⑦ صلح حدیبیہ فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''صلح، عظیم فتح کا پیش خیمہ تھی۔ جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور لشکر کو سرفراز کیا۔ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو گئے۔ یہ صلح فتح مکہ کا دروازہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ بڑے معاملات سے پہلے آدمی کو ذہنی طور پر تیار کرتا ہے۔''[1]

ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ آمد

صلح حدیبیہ کے فوراً بعد ابو بصیر عتبہ بن اسید رضی اللہ عنہ مشرکینِ مکہ کی قید سے بھاگ نکلے اور مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ سے جا ملے۔ معاہدے کی شرط کے مطابق قریش نے ان کے پیچھے دو آدمی بھیجے۔ آپ ﷺ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «يَا أَبَا بَصِيرٍ! إِنَّا قَدْ أَعْطَيْنَا هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ مَا قَدْعَلِمْتَ، وَلَا يَصْلُحُ لَنَا فِي دِينِنَا الْغَدْرُ، وَإِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لَّكَ وَلِمَنْ مَّعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا فَانْطَلِقْ إِلٰى قَوْمِكَ» ''اے ابو بصیر! ہم نے اس قوم سے جو عہد کیا ہے وہ تمھیں معلوم ہی ہے اور عہد شکنی کی ہمارے دین میں کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے ساتھ دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کوئی راہ نکالے گا، لہٰذا تم اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ۔'' ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے ان مشرکوں کے حوالے کر رہے ہیں جو میرے دین کے معاملے میں مجھے آزمائش میں مبتلا کریں گے؟''

[1] زادالمعاد:309/3.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا أَبَا بَصِيرٍ، اِنْطَلِقْ، سَيَجْعَلُ لَكَ وَلِمَنْ مَّعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا»

''ابوبصیر! تم چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمھارے لیے اور تمھارے ساتھ دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکالے گا۔''[1]

چنانچہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ چل دیے۔ مسلمانوں کو یہ بات بہت گراں گزری کہ ان کا ہم عقیدہ بھائی قریش کے ظلم کی چکی سے نجات میں کامیاب تو ہوگیا مگر پھر اس جیل میں واپس جا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ عہد کی پاسداری کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے ہاں یہ صرف کاغذی کارروائی نہیں تھی، یہ آپ کا معمول تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی تو عہد نبھانے کا حکم دے رکھا ہے اور کئی ایک آیات میں عہد شکنی سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾

''اور اللہ کا عہد پورا کرو جب تم آپس میں عہد کرلو اور قسمیں پکی کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم نے اللہ کو اپنا کفیل بنایا ہو۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔''[2]

مزید ارشاد ہوا:

﴿ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝﴾

''اور تم عہد پورا کرو، بے شک عہد کی بابت سوال کیا جائے گا۔''[3]

ایفائے عہد دین اسلامی کا ایک بنیادی اصول ہے۔ اس اصول کو پیش نظر رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔[4]

1 السيرة النبوية لابن هشام: 337/3. 2 النحل 91:16. 3 بنيٓ إسراء يل 34:17. 4 منهج الإعلام الإسلامي في صلح الحديبية لسليم حجازي، ص:329.

رسول اللہ ﷺ نے قریش سے کیے ہوئے عہد کا التزام فرمایا اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو ان کے بھیجے ہوئے دو آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ ابھی ان کے ساتھ چلے دیے۔ جب وہ ذوالحلیفہ پہنچے تو ان دو میں سے ایک شخص سے کہا: ''اے عامری بھائی! کیا تمھاری تلوار کاٹ دار ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں!'' ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا میں دیکھ سکتا ہوں؟'' عامری نے جواب دیا: ''چاہو تو دیکھ سکتے ہو۔''

ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے تلوار ہاتھ میں لیتے ہوئے اس پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ دوسرا شخص بھاگتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا اور کہا: ''آپ کے ساتھی نے میرے ساتھی کو قتل کر دیا ہے۔ ابھی وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہی تھا کہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی تلوار سونتے پہنچ گئے اور کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ کی ذمہ داری پوری ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کی طرف سے واجب تھا ادا کر دیا، آپ نے مجھے ان کے سپرد کر دیا اور میں اپنے دین کے متعلق فتنے میں پڑنے سے بچ گیا۔'' اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَيْلُ أُمِّهِ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَّوْ كَانَ لَهُ أَحَدٌ»

''اس کے لیے افسوس! اگر اسے ساتھ مل جائے تو یہ جنگ بھڑکا دے گا۔''[1]

یہ بات سن کر ابو بصیر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ انھیں پھر کافروں کے حوالے کیا جائے گا، اس لیے وہ مدینہ سے نکل کر ساحل سمندر پر چلے گئے۔

مکہ میں رہنے والے کمزور مسلمان مکہ سے بھاگ بھاگ کر ابو بصیر کے پاس ساحل سمندر پر اکٹھے ہونے لگے۔ ادھر ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس خاصی جماعت اکٹھی ہوگئی۔ اس کے بعد ان لوگوں کو ملکِ شام سے آنے والے کسی قریشی قافلے کا پتا چلتا تو وہ اس سے ضرور چھیڑ چھاڑ کرتے اور قافلے والوں کو قتل کر کے مال لوٹ لیتے۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ اور قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے یہ پیغام دیا

[1] صحيح البخاري، حديث: 2732,2731، وسنن أبي داود، حديث: 2765.

کہ آپ انھیں اپنے پاس بلا لیں۔ اب ہمارے پاس سے جو بھی آپ ﷺ کے پاس جائے گا وہ مامون رہے گا۔ قریش خود ہی اپنی ظالمانہ شرائط سے دست بردار ہو گئے۔ یوں قریش کو وہاں سے ذلت ملی جہاں سے انھوں نے عزت حاصل کرنی چاہی تھی۔ [1]

یہ ساٹھ یا ستر افراد جو عیص میں جمع تھے۔ سب آپ ﷺ کے پاس آ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہاں جگہ دی۔ ان کی آمد سے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوا۔ لیکن اس گروہ کے روح رواں ''ابو بصیر رضی اللہ عنہ'' کی قسمت میں مدینہ آنا نہیں تھا۔ جب انھیں نبی اکرم ﷺ کا خط موصول ہوا تو وہ بسترِ مرگ پر تھے۔ عین موقع پر ان کی سانسوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ [2]

ابو بصیر اور ابو جندل کا واقعہ ثابت قدمی اور اخلاص کا مظہر ہے۔ مشرکین کو اس حد تک ذلیل کر دیا کہ وہ خود اپنی ہی شرائط سے دست بردار ہونے کے لیے مسلمانوں ہی کا سہارا ڈھونڈنے لگے۔ یہ واقعہ عقیدے کی ثابت قدمی اور اس کی نصرت وحمایت کے سلسلے میں حتی الوسع ہمت کے اظہار کا نمونہ ہے۔ اس نے اس مشہور مقولے کو عملاً ثابت کر دکھایا کہ «قَدْ يَسَعُ الْفَرْدُ مَالَا يَسَعُ الْجَمَاعَةُ» ''کبھی کبھی ایک فرد وہ کچھ کر دکھاتا ہے جو ایک جماعت مل کر نہ کر سکے۔'' ابو بصیر اور اس کے ساتھیوں نے مشرکین کو ناکوں چنے چبوائے جو اس وقت کی صلح پاسداری کرتے ہوئے پوری اسلامی مملکت بھی نہ کر سکتی تھی۔ مگر ابو بصیر اور اس کے ساتھی حکومت کے عمل دخل سے باہر تھے۔ ابو بصیر اور مکہ مکرمہ کے دیگر کمزور افراد نے مکہ مکرمہ کے سرکشوں کے آگے کمزوری نہیں دکھائی کہ وہ انھیں ان کے دین کے متعلق فتنے میں مبتلا رکھیں اور انھیں مدینہ سے روکیں۔ انھوں نے وہ موقف اختیار کیا جس میں ان کی خلاصی تھی اور ان کی اپنی حکومت (اسلامیہ) کی قوت تھی، (یعنی) ایسے کردار سے جو

---

1 محمد رسول الله ﷺ صادق عرجون: 281/4. 2 صور و عبر من الجهاد النبوي في المدينة للدكتور فوزي فيض الله، ص:296.

مکہ مکرمہ کے معاشی حالات کو کمزور کر دے اور اوقات صلح میں احساس امن کو ختم کر دے۔

ان واقعات پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کرام کو اپنی حفاظت و رعایت سے کس قدر نوازا تھا۔ اور بلاشبہ کچھ ایسے اسباب بھی ہیں جو انھوں نے اختیار کیے جنھوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کا حق دار بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جا بجا اپنی رعایت وعنایت کی اہلیت کے اسباب کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ﴾

”بلاشبہ اللہ ان کے ساتھ ہے جنھوں نے پرہیز گاری کی اور وہ احسان کرتے ہوں۔“[1]

اور ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾

”اور زمین کی اصلاح کے بعد تم اس میں فساد نہ کرو اور اللہ کو خوف سے اور طمع کرتے ہوئے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔“[2]

ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا﴾

”اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔“[3]

یہ بھی فرمانِ الٰہی ہے:

[1] النحل 16:128. [2] الأعراف 7:56. [3] الطلاق 65:2.

﴿وَالَّذِیْنَ جٰهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝﴾

''اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھاتے ہیں اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''[1]

یہ اوصاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بدرجۂ اتم موجود تھے، جس کے سبب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حفاظت وعنایت پائی۔ یہ اسباب جب بھی کسی شخص یا امت میں پائے جائیں کسی بھی جگہ، کسی زمانہ میں، اللہ تعالیٰ کی عنایت بہت جلد ان کا رخ فرمائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی وعدہ ہے اور اس کا وعدہ سچا ہے۔[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مہاجر عورتیں واپس کرنے سے انکار

مکہ مکرمہ میں کئی ایک کمزور مسلمان عورتوں نے جن میں ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا پیش پیش تھیں، دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کا پختہ ارادہ کیا۔ اور ان خواتین نے صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر لی۔ ادھر کفار مکہ نے انھیں واپس لانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق حکم نازل فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْیَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝﴾

''اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم انھیں مومن جانو تو انھیں

1 العنکبوت 29:69. 2 مرویات غزوۃ الحدیبیۃ للحکمي، ص: 320.

کفار کی طرف نہ لوٹاؤ، نہ وہ (عورتیں) ان (کفار) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان (عورتوں) کے لیے حلال ہیں اور تم ان (کفار) کو دے دو جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کرلو جب تم انھیں ان کے مہر دے دو اور تم کافر عورتوں کی عصمتیں قبضے میں نہ رکھو اور مانگ لو جو (مہر) تم نے خرچ کیا اور چاہیے کہ وہ (کفار) بھی مانگ لیں جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا، یہ اللہ کا حکم (فیصلہ) ہے وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان کا امتحان یہی تھا کہ وہ «لا إله إلا الله محمد رسول الله» کی گواہی دیں اور اقرار کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ یہی وہ آیت ہے جس نے اترتے ہی مسلمان عورتوں کو مشرکین پر حرام قرار دے دیا۔

امام قرطبی کے بقول یہ پہلی دلیل ہے کہ مسلمان عورت کے لیے اس کے (غیر مسلم) خاوند سے علیحدگی کا سبب اس کا اسلام ہے نہ کہ عورت کی ہجرت۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَآتُوهُم مَّا أَنفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ یعنی مہاجر خواتین کے مشرک خاوندو نے ان پر حق مہر کی جو چٹی بھری ہے وہ انھیں دے دو۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ کے متعلق ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب انھیں ان کے حق مہر دے دو تو ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ ان کی عدت گزر جائے اور ولی کی شرط وغیرہ پوری ہو۔[3]

---

[1] الممتحنة 60:10. [2] تفسير القرطبي: 18/63. [3] تفسير ابن كثير: 4/351.

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُمۡسِكُوا۟ بِعِصَمِ ٱلۡكَوَافِرِ﴾

عِصَم، عِصْمَةٌ کی جمع ہے۔ ''عصمة'' کا اصل مفہوم ''رسّی'' کا ہے۔ ہر وہ چیز جو کسی چیز کو روک لے اس پر بھی ''عَصَمَهُ'' (اس نے اسے روکا) کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں عِصمة سے مراد نکاح ہے۔ 'الکوافر' کافرۃ کی جمع ہے مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافر عورتوں کے نکاح پر قائم رہنے سے منع فرمایا ہے اور انھیں اپنے سے الگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب یہ آیت اتری تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس موجود دو مشرک عورتوں کو طلاق دے دی۔[1]

اور فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَسۡـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقۡتُمۡ وَلۡيَسۡـَٔلُوا۟ مَآ أَنفَقُوا۟ۚ ذَٰلِكُمۡ حُكۡمُ ٱللَّهِ يَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡۖ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝﴾

''اور مانگ لو جو (مہر) تم نے خرچ کیا اور چاہیے کہ وہ (کفار) بھی مانگ لیں جو (مہر) انھوں نے خرچ کیا، یہ اللہ کا حکم (فیصلہ) ہے وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔''[2]

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا کہنا ہے کہ قاعدہ یہ تھا کہ جو مسلمان عورتیں اسلام چھوڑ کر ایسے کفار کی جانب چلی جاتیں جن کے ساتھ معاہدہ ہے تو کفار سے کہا جاتا کہ ان عورتوں کا حق مہر ہمیں دے دو۔ اور کوئی عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر کے ادھر آ جاتی تو کہا جاتا اس کا حق مہر کفار کو لوٹا دو۔ دونوں صورتوں میں یہ قانون عدل و انصاف پر مبنی تھا۔

امت کا اجماع ہے کہ اس واقعے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اسی زمانے سے خاص

[1] صحيح البخاري، حديث:2733. [2] الممتحنة 10:60.

تھا۔ یہ بات ابن العربی نے نقل کی ہے۔[1]

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَا أَنفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝﴾

''اور اگر تمھاری بیویوں میں کوئی تم سے کفار کی طرف چلی جائیں، پھر تم (کفار سے) بدلہ لو (اور غنیمت ہاتھ لگے) تو جن کی بیویاں چلی گئیں، انھیں اس (مہر) کے برابر دے دو جو انھوں نے خرچ کیا اور تم اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔''[2]

یعنی اگر کوئی مومن عورت کفار مکہ سے جا ملے جبکہ تمھارے اور ان کے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں ہے اور تم میں اس عورت کا خاوند بھی موجود ہے۔ تو اگر تمھیں کہیں سے غنیمت ہاتھ لگے تو اس مسلمان خاوند کو غنیمت میں سے خمس نکالنے سے پہلے ہی اس کی طرف سے ادا کردہ حق مہر دے دو۔[3]

امام زہری کہتے ہیں: اس کا حق مہر مال فے سے دیا جائے گا اور اسی طرح جو خاتون مسلمانوں سے آملے اس کا حق مہر بھی دیا جائے گا۔[4]

امام مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿فَعَاقَبْتُمْ﴾ سے مراد یہ ہے کہ قریش یا دیگر کفار سے غنیمت ہاتھ لگے۔[5]

ابو سعود کہتے ہیں کہ ﴿فَعَاقَبْتُمْ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جب تمھاری حق مہر ادا کرنے کی باری آئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کافروں کو ادائے مہر کے متعلق جو حکم دیا ہے کہ مسلمان کافروں کو دیں اور کافر مسلمانوں کو اس میں اللہ تعالیٰ نے باری باری حق مہر کی

---

[1] تفسیر القرطبي: 68/18، حدیث القرآن عن غزوات الرسولﷺ لأبي بدر محمد بكر آل عابد: 545/2. [2] الممتحنة 11:60. [3] حدیث القرآن عن غزوات الرسولﷺ لأبي بدر محمد بكر آل عابد: 545/2. [4] تفسیر ابن کثیر: 352/4. [5] تفسیر ابن کثیر: 352/4.

ادائیگی کو ایسے معاملے سے تشبیہ دی ہے جس میں باریاں مقرر ہوتی ہیں جیسا کہ باری باری سواری پر سوار ہونا۔ [1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مومنوں کی عورتوں میں سے کوئی عورت مشرکین کی طرف چلی جائے تو مسلمان اس کے مومن خاوند کو جو اس نے خرچ کیا تھا ان عورتوں کے ان نفقات میں سے دے دیں جو ان مسلمان اور مہاجر عورتوں کی طرف سے مسلمانوں نے حکمِ الٰہی کے مطابق مشرکین کو ادا کرنے ہیں، پھر اگر کچھ باقی بچے تو وہ مشرکین کی طرف لوٹا دیں۔ [2]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ آیت ختم کر دی گئی: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ ''اور تم اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔'' [3] یعنی جس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے اس سے تجاوز کرنے سے بچو۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ہمارے علم میں نہیں آیا کہ ایمان لانے کے بعد کسی بھی مہاجر عورت نے ارتداد اختیار کیا ہو۔'' [4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''زہری کا مقصود یہ ہے کہ آیت میں مذکور سزا جس کا ذکر جانبین کی نسبت ہوا ہے وہ صرف عملاً ایک ہی جانب وقوع پذیر ہوئی کیونکہ ایسا نہیں ہوا کہ کوئی مومن عورت مسلمانوں سے بھاگ کر مشرکوں کے پاس چلی گئی ہو جبکہ مشرکین کے پاس سے عورتیں آئی تھیں۔'' [5]

صلح حدیبیہ کی اس شق میں اختلاف ہوا جس میں تھا کہ ''جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر قریش کی جانب سے محمد ﷺ کے پاس آئے گا، اسے واپس کر دیا جائے گا۔ مشرکین کا خیال تھا کہ یہ شق مرد و زن دونوں کے لیے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا موقف تھا

1 تفسير أبي السعود: 240/8. 2 تفسير ابن كثير: 352/4. 3 الممتحنة 11:60. 4 صحيح البخاري، حديث: 2733. 5 فتح الباري: 415/5.

کہ اس سے مراد صرف مرد ہیں کیونکہ اس شق میں مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موقف کی تائید فرمائی، لہٰذا کسی بھی مومن مہاجر عورت کو جو مدینہ آ گئی واپس نہ کیا گیا۔ بلکہ اس کا امتحان لیا گیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسے قبول کر لیا گیا۔[1]

مجمل روایات کے ساتھ آیت کو ملایا جائے تو یہ مفہوم سامنے آتا ہے کہ وہ بعض مومن عورتیں جو صلح سے پہلے ہجرت کا موقع نہ پا سکی تھیں، انھوں نے اب اس فرصت کو غنیمت جانا، لہٰذا جان چھڑا کر ہجرت کر لی۔ ادھر ان کے ذمہ دار صلح کی شرائط کے پیش نظر ان کی واپسی کا مطالبہ لے کر آ گئے تو انھیں واپس نہ کرنے کے متعلق آیت اتر آئی۔ ہاں اس آیت نے حکم ضرور دیا کہ ان کا حق مہر ان کے سابقہ خاوندوں کو واپس کیا جائے۔ صلح کے وثیقہ کی نص کے متعلق کئی ایک اقوال ہیں:

مثلاً یہ قول ہے کہ شق عام تھی اور صرف مذکر کے صیغے سے تھی، لہٰذا قریش مکہ خیال کرتے تھے کہ یہ شق مرد و زن کو بیک وقت شامل ہے۔ وہ عورتوں کی واپسی کا مطالبہ لے کر آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے تھے کہ وہ دفعہ عورتوں کو شامل نہیں، لہٰذا آیت کے اترنے سے مسئلہ واضح ہو گیا اور یہی بات قابل فہم تھی۔[2]

استاذ غزالی کہتے ہیں: ''صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں نے مسلمان مہاجر عورتوں کو ان کے اولیاء کے پاس لوٹانے سے انکار کر دیا، خواہ اس لیے کہ ان کی سمجھ کے مطابق معاہدہ صرف مردوں کے متعلق تھا یا اس لیے کہ مسلمان عورتیں اسلام قبول کرنے پر سزا برداشت نہیں کر سکتیں اور نہ مکہ چھوڑ کر ادھر اُدھر جا سکتی ہیں۔ اہل مکہ کی تدابیر کے ردعمل کے طور پر جیسا کہ ابو بصیر، ابو جندل وغیرہ نے کر لیا تھا۔ سبب کوئی بھی ہو اسلام قبول کرنے والی عورتوں کا اِدھر روک رکھنا قرآن پاک کی تعلیمات ہی سے مکمل ہوا۔''[3]

[1] مرويات غزوة الحديبية للحكمي، ص: 187. [2] سيرة الرسول للأستاذ محمد عزة دروزة: 354/2. [3] فقه السيرة للغزالي، ص: 367.

باب 3

حکمتیں، عبرتیں اور فوائد

غزوہ حدیبیہ میں عقیدہ و فقہ اور اصول تربیت وغیرہ کے علاوہ بہت سے اسباق اور حکمتیں ہیں۔ ان میں سے بطور مثال چند ایک حکمتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

عقیدے سے متعلق احکام

بڑے آدمی کے پہلو میں کھڑا ہونا، جبکہ وہ بیٹھا ہو: رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوں اور کوئی آپ ﷺ کے پہلو میں کھڑا ہو یہ آپ کی عادت مبارکہ نہ تھی۔ یہ صرف ایک طریقہ ہے جسے دشمن کے سفیروں کی آمد کے وقت عزت و وقار کا اظہار کرنے کے لیے اختیار کیا جاسکتا ہے تاکہ امام کی تعظیم و اطاعت کے ساتھ ساتھ اسے شر پسندوں کے شر سے بھی محفوظ رکھا جا سکے۔ مسلمانوں کے سفراء جب کفار کے پاس جاتے ہیں یا کفار کے سفیر جب مسلمانوں کے پاس آتے ہیں تو یہ عام عادت وطریقہ ہے۔ یہ وہ قیام نہیں جس کی نبی ﷺ نے یوں مذمت فرمائی ہے: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» ''جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہونے کی صورت اختیار کیے رکھیں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔''[1]

اسی طرح جنگ میں فخریہ انداز اختیار کرنا بھی قابل مذمت نہیں ہے۔[2] جیسا کہ جنگِ

[1] سنن أبي داود، حديث:5229، وجامع الترمذي، حديث:2755. [2] زاد المعاد:3/304.

احد میں ابودجانہ رضی اللہ عنہ فخریہ انداز میں چلے تھے۔ اکڑ کر چلنا شرعاً ناجائز ہے لیکن حالت جنگ میں یہ جائز ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابودجانہ کی چال دیکھ کر فرمایا تھا: «إِنَّهَا مَشْيَةٌ يَكْرَهُهَا اللّٰهُ إِلَّا فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ» ''یہ ایسی چال ہے جسے اس مقام کے سوا دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔''[1]

نیک فال کا استحباب اور بدشگونی کی ممانعت: جب سہیل بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاکرات کی غرض سے آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھتے ہی فرمایا: «سَهُلَ أَمْرُكُمْ» ''تمھارا کام آسان ہوگیا۔''[2]

اس فرمان نبوی میں نیک فال کے استحباب کی دلیل ہے اور یہ ناپسندیدہ بدشگونی نہیں ہے۔[3]

فال کے معنی کی وضاحت کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی ایک احادیث مروی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«لَا طِيَرَةَ وَخَيْرُهَا الْفَأْلُ»

''طیرہ (بدشگونی) کی کوئی (حقیقت) نہیں اور ایسی چیزوں میں سے بہتر (نیک) فال ہے۔'' صحابہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! فال کیا ہے؟'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا» ''اچھی بات جو تم میں سے کوئی سنتا ہے۔''[4]

اور بدشگونی اور فال میں فرق یہ ہے کہ فال اللہ تعالیٰ سے حسن ظن کا طریقہ ہے، جبکہ بدشگونی ناپسندیدہ ہے۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس طیرہ کا ذکر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] المعجم الكبير للطبراني، رقم: 6508، ومجمع الزوائد: 109/6. [2] صحيح البخاري، حديث: 2732، وزادالمعاد: 305/3. [3] زاد المعاد: 305/3. [4] صحيح البخاري، حديث: 5755,5754. [5] فتح الباري: 225/10.

«أَحْسَنُهَا الْفَأْلُ وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَإِذَا رَأٰى أَحَدُكُمْ مَّا يَكْرَهُ فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ لَا يَأْتِي بِالْحَسَنَاتِ إِلَّا أَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ إِلَّا أَنْتَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ»

''ان میں سے بہتر نیک شگونی ہے۔ اور یہ بدشگونی کسی (مسلمان) کو (اپنے کام سے) مت روکے۔ اگر کوئی شخص ناپسندیدہ چیز دیکھے تو یوں کہے: ''اے اللہ! تیرے سوا کوئی کسی طرح کی کوئی بھلائی نہیں لاسکتا اور تیرے سوا کوئی کسی برائی کو روک نہیں سکتا۔ برائی کا دور ہونا اور بھلائی کا حاصل ہونا تیری مدد ہی سے ممکن ہے۔''[1]

بارش کے اترنے میں ستاروں کو مؤثر جاننے والا شخص کافر ہے: حضرت خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: «هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟» ''تم جانتے ہو کہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِي وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ» ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''میرے بندوں میں سے بعض نے صبح مجھ پر حالتِ ایمان میں کی اور بعض نے میرے ساتھ کفر پر کی۔ جس نے کہا: بارش اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہوئی وہ مجھ پر ایمان لایا ہے اور ستاروں (کی تاثیر) سے کفر کرنے والا ہے۔'' مگر جس نے کہا: ''ہم پر بارش ستاروں کی گردش سے ہوئی تو وہ مجھ سے کفر کرنے والا ہے اور ستارے پر ایمان لانے والا ہے۔''[2]

---

1 سنن أبي داود، حديث:3919، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 8/139. 2 صحيح البخاري، حديث:846، وصحيح مسلم، حديث:71.

حدیث میں مذکور کفر علماء کے نزدیک حسب ذیل دونوں اقسام میں سے ایک ہو سکتا ہے: کفر اعتقادی یا کفرانِ نعمت۔

جو شخص کہتا ہے کہ فلاں فلاں ستارے کی بنا پر بارش ہوئی ہے اور اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ستارہ بارش کے نازل ہونے میں فعلاً و عملاً موثر ہے وہ شخص ایسا کفر اختیار کرتا ہے جو اسے ملت اسلامیہ سے خارج کر دینے والا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جو شخص یہ کہتا ہے کہ بارش فلاں فلاں ستارے کی بنا پر ہوئی ہے، اس کا یہ کہنا اہل جاہلیت کے طریقے پر ہے جو بارش کی نسبت کرتے وقت مراد یہی لیتے تھے کہ یہ فلاں فلاں ستارے کی بنا پر ہے۔ ایسا اعتقاد و نظریہ کفر ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا۔ کیونکہ ''نوء'' ایک وقت ہے اور وقت بذات خود ایک مخلوق ہے۔ جو اپنے لیے اور نہ کسی اور کے لیے کسی چیز کا مالک ہے، لہٰذا جو شخص کہتا ہے کہ ستارے کے فلاں جگہ پہنچنے کے وقت بارش ہوئی تو یہ کفر نہیں لیکن اس طرح کی بات بھی مجھے پسند نہیں۔''[1]

نیک لوگوں کی یادگاروں اور استعمال شدہ اشیاء سے تبرک کا مسئلہ؟ عروہ بن مسعود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد موجود صحابہ کرام کی جن خوبیوں کا ذکر کیا اس میں وہ کہتا ہے: ''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوکتے بھی تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص اسے اپنے جسم اور چہرے پر مل لیتا۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو ہر کوئی اس پانی کو پانے کی کوشش کرتا حتی کہ قریب تھا کہ وہ آپس میں لڑ پڑیں۔''[2]

امام شاطبی اس حدیث اور اس جیسی دیگر احادیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ظاہراً اس واقعے یا اس جیسے دیگر واقعات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کی ولایت مسلّم ہو اور وہ متبع سنت شخص ہو تو اس کی استعمال شدہ اشیاء سے تبرک حاصل کیا جانا

[1] الأم للشافعي: 1/252. [2] صحيح البخاري، حديث: 2731.

درست ہے۔ اس کے وضو کے بقیہ پانی سے تبرک لیا جائے۔ اس کا تھوک ملا جائے اور اس کی دیگر یادگاروں سے شفا حاصل کی جائے۔ لیکن ہمارے سامنے اس کے خلاف ایک قطعی دلیل ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی وفات کے بعد کسی بھی صحابی کی نسبت ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ افضل اور کوئی نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول تھے مگر ان سے تبرک حاصل کرنے کا کوئی واقعہ نہیں۔ نہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کبھی لوگوں نے ایسا استفادہ کیا، نہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اور نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے۔ یہی لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد بالترتیب افضل ہیں بلکہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم جو امت میں سب سے افضل ہیں ان میں سے کسی ایک سے کسی تبرک حاصل کرنے والے نے مذکورہ طریقے پر تبرک نہیں لیا۔ بلکہ انھوں نے ان اقوال و افعال اور سیرت و سنت کی اقتدا کی جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی مکرم ﷺ کی اتباع کی تھی۔ گویا یہ ان کی طرف سے ایسے امور ترک کرنے پر اجماع تھا۔''[1]

ابن وہب نے اپنی جامع میں یونس بن یزید کے واسطے سے ابن شہاب کی روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''مجھ سے انصار کے ایک شخص (عبدالرحمن بن أبی قرد رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وضو کرتے یا تھوکتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے وضو کے پانی اور تھوک کی جانب لپکتے۔ وہ پانی پی لیتے اور تھوک اپنے جسم پر مل لیتے۔ آپ ﷺ نے جب انھیں ایسا کرتے دیکھا تو دریافت فرمایا: «لِمَ تَفْعَلُونَ هٰذَا؟» ''تم ایسا کیوں کرتے ہو؟''

انھوں نے عرض کیا: ''ہم اس سے پاکیزگی اور برکت حاصل کرتے ہیں۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُحِبُّ أَنْ يُّحِبَّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ، فَلْيَصْدُقِ الْحَدِيثَ وَلْيُؤَدِّ الْأَمَانَةَ وَلَا يُؤْذِ جَارَهُ» ''تم میں سے جو کوئی بھی یہ

1 غزوة الحديبية للحكمي، ص:305.

پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ بات سچی کرے، امانت ادا کرے اور اپنے پڑوسی کو تکلیف مت دے۔''[1]

فقہی اور اصولی احکام

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کا قصہ اور آیت فدیہ کا اترنا: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ اس وقت جوئیں میرے سر سے گر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ؟» ''کیا تیری جوئیں تجھے تکلیف دے رہی ہیں۔'' میں نے عرض کیا: ''ہاں۔'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «فَاحْلِقْ رَأْسَكَ» ''تم سر منڈا دو۔'' حضرت کعب بن عجرہ کا کہنا ہے کہ تب یہ آیت اتری:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾

''البتہ تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (جس کی وجہ سے سر منڈا لے) تو اس پر فدیہ ہے، خواہ روزے رکھ لے، خواہ صدقہ دے، خواہ قربانی کرے۔''[2]

نبی ﷺ نے فرمایا: «صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوتَصَدَّقْ بِفَرَقٍ بَيْنَ سِتَّةٍ، أَوِانْسُكْ مِمَّا تَيَسَّرَ» ''تین دن روزے رکھو یا (کھجوروں کا) ایک ٹوکرا (تقریباً پونے سات کلو گرام) چھ مساکین کو خیرات دو یا جو میسر ہو قربانی کر دو۔''[3]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے جبکہ وہ مکہ میں داخل ہونے سے قبل حالت احرام میں حدیبیہ میں تھے۔ وہ

---

[1] المصنف لعبدالرزاق، رقم: 19748، والسلسلة الصحيحة، رقم: 2998. اس حدیث کے متعلق البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: طبرانی کی دونوں معاجم وغیرہ میں اس کے ثابت شدہ طرق اور شواہد موجود ہیں۔
[2] البقرة 196:2. [3] صحيح البخاري، حديث: 1815، وصحيح مسلم، حديث: (82)-1201.

ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہے تھے، جبکہ جوئیں ان کے چہرے پر گر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ؟» ''کیا تیری جوئیں تجھے تکلیف دیتی ہیں؟'' انھوں نے عرض کیا: ''جی ہاں'' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَاحْلِقْ رَأْسَكَ وَأَطْعِمْ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِينَ۔ وَالْفَرَقُ ثَلَاثَةُ آصُعٍ۔ أَوْصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوِانْسُكْ نَسِيكَةً»

''تم سر منڈا دو اور چھ مساکین کو ایک ٹوکرا کھلا دو۔ (فرق (ٹوکرا) تین صاع کا ہے) یا پھر تین دن کے روزے رکھ لو یا پھر ایک قربانی کرو۔''[1]

سورۂ بقرہ کی سابقہ آیت ایسے صاحبِ احرام کا حکم واضح کر رہی ہے جس کے سر میں تکلیف ہو۔ یہ آیت اگرچہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی تھی مگر اس کا حکم ہر اس مسلمان کے لیے ہے جو ایسی حالت سے گزرے۔

قیام گاہ میں نماز پڑھنے کی مشروعیت: امام ابن ماجہ نے ابو ملیح بن اسامہ سے روایت کی ہے کہ میں ایک رات بہت زیادہ بارش میں مسجد کی جانب گیا۔ جب میں نے واپس آ کر دروازہ کھلوایا تو میرے والد[2] نے کہا: ''کون ہے؟'' میں نے کہا: ''ابو ملیح۔'' انھوں نے کہا: ''حدیبیہ کے دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ بارش ہوئی (مگر اتنی کم کہ) اس سے ہمارے جوتوں کے تلوے بھی تر نہ ہوئے مگر آپ ﷺ کے اعلان کرنے والے نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کیا: «صَلُّوا فِي رِحَالِكُمْ» ''اپنی قیام گاہوں میں نماز ادا کرو۔''[3]

یہ روایت صحیح ہے، راوی ثقات ہیں اور سند متصل ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے صحیح

---

1 صحيح مسلم، حديث: (83)- 1201. 2 ابو ملیح کے والد کا نام اسامہ بن عمیر ہذلی رضی اللہ عنہ ہے۔ اس صحابی سے صرف ان کے بیٹے نے روایت کی ہے۔ 3 سنن ابن ماجه، حديث: 936، وسنن أبي داود، حديث: 1059، والسنن الكبرىٰ للنسائي: 111/2.

قرار دیا ہے۔[1]

مسلمانوں کا حدیبیہ سے واپس ہونا اور صبح کی نماز کے وقت سوتے رہ جانا:

حدیبیہ میں مسلمان تقریباً انیس دن مقیم رہے۔ ابن سعد اور واقدی کے مطابق بیس راتیں قیام پذیر رہے۔[2]

ابن عائذ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس غزوے میں ڈیڑھ ماہ کا عرصہ لگا۔ روایات ملانے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابن سعد اور واقدی نے آپ ﷺ کے حدیبیہ میں رہنے کی مدت شمار کی ہے اور ابن عائذ نے آپ ﷺ کے مدینہ سے واپس مدینہ پہنچنے تک کی مکمل مدت کا تذکرہ کیا ہے۔

مسلمان جب عمرے کا احرام اتار چکے تو واپس مدینے کا سفر شروع کیا۔ دورانِ سفر رات کے وقت سو گئے اور بلال رضی اللہ عنہ کو حفاظت کی ذمہ داری سونپ دی۔ مگر بلال رضی اللہ عنہ بھی سو گئے اور انھیں سورج کی دھوپ ہی نے بیدار کیا۔[3]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''حدیبیہ کے بعد ہم آپ ﷺ کے ساتھ واپس آ رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ يَّكْلَؤُنَا» ''ہماری حفاظت اور چوکیداری کون کرے گا؟'' حضرت بلال رضی اللہ عنہ بولے: ''میں۔'' چنانچہ ان کے علاوہ سب سو گئے اور ان کو بھی نیند آ گئی حتی کہ (صبح ہوئی) اور سورج بلند ہو گیا۔ سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ ہی بیدار ہوئے تو فرمایا: «اِفْعَلُوا كَمَا كُنْتُمْ تَفْعَلُون» ''ایسے ہی (نماز ادا) کرو جیسے عام حالات میں (ادا) کرتے ہو۔'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَكَذٰلِكَ فَافْعَلُوا لِمَنْ نَّامَ أَوْنَسِيَ» ''جو بھی سو جائے یا بھول جائے تو ایسا ہی کیا کرے۔''[4]

---

[1] فتح الباري: 184/2، وغزوة الحديبية للحكمي، ص: 221. [2] المغازي للواقدي: 616/2، والطبقات الكبرىٰ: 98/2. [3] مرويات غزوة الحديبية للحكمي، ص: 151. [4] سنن أبي داود، حديث: 447، ومسند أحمد: 386و391، والسنن الكبرىٰ للنسائي، رقم: 8802.

دیگر احادیث میں آیا ہے کہ صبح کی نماز کے وقت سونے کا واقعہ حدیبیہ کے علاوہ کسی اور موقع پر پیش آیا تھا۔ بعض علماء نے روایات کو تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر حافظ حکمی کا موقف یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت اور دیگر روایات میں جو اختلاف ہے اس کا سبب تعدد واقعات ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اس کو راجح قرار دیا ہے۔ [1] ابن کثیر، ابن حجر اور زرقانی رحمہم اللہ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ [2] بلکہ امام سیوطی نے یہاں تک کہا ہے کہ اس کی تطبیق تعدد واقعات ماننے کی صورت ہی میں ممکن ہے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے بیدار ہونے کے بعد اذان دلوائی۔ وضو کیا اور دو رکعت نفل ادا کیے۔ پھر آپ ﷺ نے صبح کی نماز باجماعت ادا فرمائی۔ اس کے بعد یہ وضاحت فرمائی کہ اگر کوئی سو جائے یا بھول جائے تو جیسے ہی جاگے یا یاد آئے تو نماز ادا کرے۔

صلح کی مشروعیت اور مدتِ صلح: ائمہ کرام اور علمائے عظام نے صلح حدیبیہ سے مسلمانوں اور اہلِ حرب کے درمیان ایک مدت تک جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی دلیل لی ہے، خواہ یہ صلح معاوضہ کے بدلے ہو یا بلا معاوضہ۔ بلا معاوضہ کی دلیل تو مدینہ کی صلح ہے۔ رہا کسی بدلہ کے عوض تو ''قیاس اولیٰ'' کی بنا پر، یعنی جب صلح بلا معاوضہ درست ہے تو معاوضہ سے تو بطریق اَولیٰ درست ہوگی۔

لیکن اگر مسلمانوں کی طرف سے دولت دے کر صلح ہو رہی ہو تو جمہور کے نزدیک درست نہیں کیونکہ اس میں مسلمانوں کی ذلت ہے اور اس لیے بھی کہ کتاب و سنت میں اس کے جواز کی کوئی دلیل موجود نہیں، ہاں ایسی صورت میں امکان ہے جب اس کی ضرورت ہو اور اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو، مثلاً: صلح نہ ہونے کی صورت میں ہلاکت یا قید کا ڈر ہو۔ ایسی صورت میں صلح جائز ہے۔ جس طرح کہ قیدی کے لیے اپنا آپ

---

1 شرح النووي: 182,181/5، ومرويات غزوة الحديبية للحكمي، ص: 258. 2 البداية والنهاية: 4/213، وفتح الباري: 1/449، وشرح الزرقاني على الموطأ: 1/47، 3 تنوير الحوالك: 1/33.

چھڑانے کے لیے فدیہ (مال) دینا درست ہے۔

امام شافعی، امام احمد اور بہت سارے دیگر علماء کا خیال ہے کہ صلح صرف محدود مدت تک ہی ہوسکتی ہے اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ دس سال تک کیونکہ نبی ﷺ نے حدیبیہ کے سال قریش سے اتنی ہی مدت کے لیے صلح کی تھی۔ [1]

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ امام کی رائے پر منحصر ہے وہ اگر مصلحت دیکھے تو دس سال سے بھی طویل مدت تک کے لیے صلح کر سکتا ہے۔ [2]

تحقیق یہ ہے کہ حدیث کے ظاہر کی بنا پر پہلا قول راجح ہے۔ ہاں اگر اس سے زیادہ مدت تک صلح کرنے میں مصلحت ہو تو معاہدہ دس سال کے بعد دوبارہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا خیال ہے۔ [3]

بعض متاخرین کا کہنا ہے کہ درج ذیل آیت کی بنا پر دائمی صلح کا معاہدہ کرنا بھی درست ہے۔ اور وہ اس فرمانِ الٰہی سے استدلال کرتے ہیں: [4]

﴿ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝ ﴾

''سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمھارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمھارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انھیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی

1 فقه السيرة للبوطي، ص: 242. 2 فتح القدير: 546/5، وغزوة الحديبية للحكمي: 294.
3 مرويات غزوة الحديبية للحكمي، ص: 295. 4 آثار الحرب في الفقه الإسلامي للزحيلي، ص: 680.

اختیار کرلیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمھاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ان پر (لڑائی کی) کوئی راہ نہیں کی۔''[1]

اس قول کی بنیاد اس اصل پر ہے کہ کفار سے مسلمانوں کا تعلق صلح پر مبنی ہے نہ کہ جنگ پر اور جہاد صرف مسلمانوں کے دفاع کے لیے فرض کیا گیا ہے۔[2]

مگر یہ بات درج ذیل دلائل کی بنا پر مسترد ہے:

① اس قول کے قائل پہلے خود بیان کر چکے ہیں کہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ دشمن سے صلح لازمی طور پر مقررہ مدت کے لیے ہونی چاہیے۔ اور بلا تعین مدت ہمیشہ کے لیے صلح کا معاہدہ درست نہیں۔ یہ قول نقل کرنے کے بعد خود اس سے اختلاف بھی کر رہے ہیں۔[3]

② جس آیت مبارکہ سے دلیل لی گئی ہے وہ حسب ذیل آیت مبارکہ کی وجہ سے منسوخ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

''پھر حرمت والے مہینوں کے گزرتے ہی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو، انھیں گرفتار کرو۔ ان کا محاصرہ کرلو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ جا بیٹھو، ہاں اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو تم ان کی راہیں چھوڑ دو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''[4]

ابن جریر نے یہی بات عکرمہ، حسن، قتادہ اور ابن زید سے نقل کی ہے۔[5]

امام قرطبی نے مجاہد سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس آیت کا یہی مفہوم سب سے

[1] النسآء 4:90. [2] آثار الحرب في الفقه الإسلامي للزحيلي، ص: 675. [3] آثار الحرب في الفقه الإسلامي للزحيلي، ص: 675. [4] التوبة 9:5. [5] تفسير الطبري: 9/24-26.

صحیح ہے۔[1]

③ جس اصل پر اس قول کی بنیاد ہے وہ سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت کی بنا پر ویسے ہی مسترد ہے۔

④ رہی یہ سوچ کہ جہاد صرف مسلمانوں کے دفاع کے لیے مقرر ہوا تو یہ نظریہ باہر سے ٹھونسا ہوا ہے۔ سید قطب رحمہ اللہ نے اس نظریے کی خوب خبر لی ہے اور اسے بالکل باطل قرار دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ سوچ ان لوگوں کی ہے جنھوں نے مستشرقین کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور اسلامی دعوت کے مراحل سے وہ یکسر ناآشنا ہیں۔[2]

مطلق حکم کو مطلق ہی رکھا جائے: یہ ایک فقہی اصول ہے مطلق مطلق رہتا ہے مقید نہیں ہوتا اور مقید غیر مقید یا مطلق نہیں ہوتا۔ اس کی تائید ابن ہشام کی اُس روایت سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے ابوعبید کے حوالے سے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا نہیں تھا کہ آپ مکہ میں امن و امان سے داخل ہوں گے۔'' فرمایا: «بَلٰی، أَفَقُلْتُ لَکُمْ مِّنْ عَامِي هٰذَا؟» ''کیوں نہیں! لیکن کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اس سال؟'' لوگوں نے کہا: ''نہیں'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَهُوَ کَمَا قَالَ لِي جِبْرِیلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ» ''میرا یہ کہنا اس کے مطابق تھا جو مجھ سے جبریل علیہ السلام نے کہا تھا۔''[3]

من جملہ یہ مستقبل میں فتح مکہ کی بشارت تھی۔ اس نے صحابہ کی نگاہیں اس طرف بھی پھیر دیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً کسی حکم کا کہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق حکم کو مطلق ماننا بھی لازمی ہے۔ بغیر اس کے کہ اسے ایسی قیود پر محمول کیا جائے جو اسے اس کے اطلاق سے پھیر دیں۔[4]

---

1 تفسیر القرطبي: 308/5. 2 تفسیر في ظلال القرآن لسید قطب: 1433/3. 3 السیرة النبویة لابن ہشام: 341/3. 4 مرویات غزوة الحدیبیة للحکمي، ص: 313.

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت لازمی ہے، خواہ آپ ﷺ کا حکم بظاہر قیاس کے خلاف ہو اور دل اسے نہ چاہتے ہوں۔ حدیبیہ کے واقعات میں یہ بات آ چکی ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ اور کچھ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مسلمانوں کے حقوق کے متعلق شرائط میں ظلم اور زیادتی دیکھی تو قریش کے ساتھ صلح نہ کرنا چاہی لیکن بعد ازاں وہ اپنے اس فعل پر نادم ہوئے اور سمجھنے لگے کہ وہ گناہ میں مبتلا ہو گئے ہیں کیونکہ ایک ایسا معاملہ جس پر رسول اللہ ﷺ راضی ہیں، انھوں نے اسے ناپسند کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

"اے لوگو! دین کے بارے میں اپنی رائے کو درست نہ جانو۔ میں نے ابو جندل (کے معاملے) والے دن، دیکھا کہ میں اپنی رائے سے بطور اجتہاد رسول اللہ ﷺ کے حکم کو رد کر رہا تھا۔ لیکن اب اللہ کی قسم! کبھی حق کو تسلیم کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا۔"[1]

سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: "اے لوگو! اپنی رائے کو ہمیشہ صحیح نہ کہو۔ میں نے ابو جندل کے دن دیکھا کہ اگر رائے سے رسول اللہ ﷺ کے حکم کو رد کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔"[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرصے تک حدیبیہ میں اپنے کردار سے متعلق بطور سزا نزولِ قرآن سے ڈرتے رہے۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کر کے کہتے تھے:

"اس موقع پر جو کچھ میں نے کیا اس کے ڈر سے ایک عرصے تک روزے رکھتا رہا، صدقہ دیتا رہا، غلام آزاد کرتا رہا، یہاں تک کہ مجھے امید ہو گئی کہ اب معاملہ بخیر انجام پائے گا۔"[3]

1 مسند البزار، رقم: 1813، ومجمع الزوائد: 146,145/6. 2 مرویات غزوة الحديبية للحكمي، ص: 313. 3 السيرة النبوية لابن هشام: 331/3، وحدائق الأنوار و مطالع الأسرار: 622/2.

ابن دیبع شیبانی اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''علماء کا کہنا ہے کہ اس قصے سے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری کے وجوب کا معاملہ کسی پر مخفی نہیں رہتا، خواہ اطاعت رسول ظاہری قیاس کے تقاضے کے خلاف اور نفوسِ انسانیہ کو ناگوار ہو، لہٰذا ہر مکلّف کو یہی نظریہ وعقیدہ رکھنا چاہیے کہ آپ ﷺ کے حکم ہی میں ہر قسم کی بھلائی ہے۔ یہی بجا آوری دنیا وآخرت کی سعادت مندی کی ضمانت ہے۔ آپ ﷺ دنیا وآخرت کی سعادت مندی کے امور کامل واکمل طور پر لے کر آئے ہیں، جبکہ اکثریت کی سمجھ بوجھ ان احکام کے اغراض ونتائج کے ادراک واحاطے سے قاصر رہی ہے۔''[1]

نبوی تربیت کے نمونے

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''جو شخص مرار گھاٹی پر چڑھے گا اس کے گناہ ایسے معاف ہو جائیں گے جیسے بنی اسرائیل کے معاف ہو گئے تھے۔''[2]

یہ فرمان تربیت نبوی کا عظیم پہلو سموئے ہوئے ہے۔ یہ اس بات پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو گھاٹی پر چڑھنے کے لیے ابھارتے ہیں اور انھیں یہ بتاتے ہیں کہ جو کوئی اس پر چڑھے گا عنقریب اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا مستحق ٹھہرے گا۔ ہم جب اس حدیث پر غور کرتے ہیں تو اس سے بڑے بڑے عظیم معانی ہمارے سامنے آتے ہیں، مثلاً:

① رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ اپنے اصحاب کے دلوں کو ان کی زندگی کے ہر ہر لمحے میں آخرت کے دن سے جوڑ دیں۔

② آپ ﷺ یہ بھی چاہتے تھے کہ ان کی نظریں اس جانب لگا دیں کہ ان کی زندگی کی ہر حرکت اور ہر فعل وعمل حتی کہ جنھیں وہ عادات یا طبعی میلانات خیال کرتے ہیں انھیں بھی آخرت کے دن کے لیے غنیمت خیال کریں۔ آپ ﷺ ہمیشہ یہی مفہوم اپنے ساتھیوں

[1] مرويات غزوة الحديبية للحكمي، ص: 315. [2] صحيح مسلم، حديث: 2780.

کے دلوں میں پختہ کرنے کی کوشش فرماتے۔ رسول اللہ ﷺ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: «وَفِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ» ''حقوقِ زوجیت کی ادائیگی بھی صدقہ ہے۔'' صحابہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو کیا اس میں بھی ثواب ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: «أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ أَكَانَ عَلَيْهِ وِزْرٌ؟ فَكَذٰلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ أَجْرٌ» ''کیوں نہیں، دیکھو! اگر وہ حرام جگہ شہوت پوری کرے تو اس پر وبال ہوا کہ نہیں؟ اسی طرح جب حلال جگہ شہوت پوری کرتا ہے تو ثواب بھی ملتا ہے۔''[1] ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

«وَإِنَّكَ مَهْمَا أَنْفَقْتَ مِنْ نَفَقَةٍ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ حَتَّى اللُّقْمَةِ الَّتِي تَرْفَعُهَا إِلٰى فِي امْرَأَتِكَ»

''اور تو جو بھی خرچ کرے گا، وہ صدقہ ہی ہے۔ یہاں تک کہ وہ لقمہ بھی جو تو اپنی بیوی کے منہ تک لے جاتا ہے۔''[2]

مفاہیم جب مسلمان کے دل میں پختہ ہو جاتے ہیں تو بس یہی اس کی ساری زندگی کو اکیلے اللہ تعالیٰ کی غلامی کے رنگ میں رنگنے کے لیے کافی ہیں۔ اور جب مسلمان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو عبادت گھیر لے تو اس کا انتہائی مبارک اثر ایک مسلمان پہلے اپنی زندگی پر محسوس کرے گا اور پھر اس کے اردگرد کے لوگ محسوس کریں گے۔[3]

اللہ کی غلامی قبول کرنے کے دو نمایاں اثرات

① مسلمان کی زندگی اور اعمال جب ربانی رنگ میں رنگے جاتے ہیں تو یہ صورت اسے تمام معاملات میں جنھیں وہ ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر دیتی ہے۔ یہ اعمال وہ ایک

1 صحيح مسلم، حديث: 1006، وسنن أبي داود، حديث:5244,5243، ومسند أحمد: 168,167/5. 2 صحيح البخاري، حديث:2742، وصحيح مسلم، حديث: 1006. 3 مرويات غزوة الحديبية للحكمي، ص: 315.

متواضع اور متدین عبادت گزار کی نیت سے بجا لاتا ہے۔ اور پھر یہ کردار اس کے لیے ہر نفع مند عمل اور بہتر نتائج اور ہر اس طریق کی طرف جانا آسان کر دیتا اور آگے بڑھاتا ہے جس کی بنا پر وہ اور اس کے ہم جنس افراد زندگی سے بھرپور اور اعلیٰ ترین نہج پر فائدہ اٹھا سکیں۔

بعد ازاں یہ صورت اسے نیکیوں اور قربت الٰہی کے جذبے سے مزید سرشار کر دیتی ہے۔ اور اس کا یہ کردار اسے دنیاوی اعمال میں حسن، عمدگی اور پختگی کی جانب بلاتا ہے کیونکہ وہ یہ سب اپنے پروردگار کی رضا اور بہتر انجام کے لیے کر رہا ہوتا ہے۔

② اس کا دوسرا لازمی اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک مسلمان کو ساری زندگی میں یک جہتی اور ایک ہی نتیجے کے حصول کا خواہش مند بنا دیتا ہے، چنانچہ وہ جو بھی کرتا یا چھوڑتا ہے تو اس میں بھی وہ اکیلے پروردگار کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر اپنے پروردگار کی طرف تمام تر دنیاوی اور اخروی کوششوں سے متوجہ ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت اور زندگی ٹوٹ پھوٹ اور اندرونی کشمکش کا شکار نہیں ہوتی اور نہ وہ ڈبل مائنڈڈ ہوتا ہے۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انھی کرداروں پر زندگی بسر کر گئے۔ انھوں نے ان کرداروں کو اپنی جیتی جاگتی زندگی میں عملاً داخل کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگیوں کو اس لیے محفوظ فرمایا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں ان کی اقتدا کریں اور ان کے بعد کسی بھی آنے والے کے لیے ان کی سیرت دلیل و حجت بن جائے۔[2]

راقم نے غزوۂ حدیبیہ کے موضوع پر زیادہ تر استفادہ ''حکمی'' کی ''مرویات غزوۃ الحدیبیۃ''، باشمیل کی ''صلح الحدیبیۃ'' اور ابو فارس کی ''غزوۃ الحدیبیۃ'' سے کیا ہے۔ یہ کتابیں اس موضوع کے حوالے سے نہایت عمدہ ہیں۔ اگرچہ دیگر کئی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

---

1 العبادة في الإسلام للقرضاوي، ص: 66. 2 مرويات غزوة الحديبية للحكمي، ص: 316.

حصہ 16

صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان کے اہم واقعات

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ
وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○

اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم
میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی
کو شریک بنائیں نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب بنائیں،
پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔"

(آل عمران3:64)

اَللّٰهُ أَكْبَرُ! اَللّٰهُ أَكْبَرُ! خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا
بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ

"اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ خیبر برباد ہو گیا۔
جب ہم جنگ کے لیے کسی قوم کے مکانوں کے سامنے اتر جائیں
تو ڈرائے اور متنبہ کی گئی قوم کا برا حال ہو جاتا ہے۔"

(صحيح البخاري، حديث: 610، وصحيح مسلم، حديث: [4665](120)-1365)

غزوۂ خیبر

تاریخ و اسباب

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ محرم 7 ہجری میں ہوا۔[1]

واقدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ صفر یا ربیع الاول 7 ہجری میں غزوۂ حدیبیہ سے واپس آجانے کے بعد ہوا۔[2]

ابن سعد کی رائے یہ ہے کہ یہ غزوہ جمادی الاولیٰ 7ھ میں ہوا۔[3] امام زہری اور امام مالک کہتے ہیں کہ یہ محرم 6ھ میں ہوا۔[4]

ابن اسحاق اور واقدی میں محض دو ماہ کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف معمولی نوعیت کا ہے۔ اسی طرح ان دونوں اور امام زہری و امام مالک کے درمیان اختلاف کا سبب پہلے ہجری سال کی ابتدا کے اختلاف کی بنا پر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کے موقف کو واقدی کے موقف پر ترجیح دی ہے۔[5]

یہود خیبر نے مسلمانوں سے دشمنی کا اظہار اس وقت تک نہیں کیا جب تک وہاں بنونضیر کے وہ سردار نہیں جا بسے جن کے دلوں میں جلا وطنی کا دکھ تھا، جبکہ جلا وطن کرنا ان کی طاقت

---

1 السيرة النبوية لابن هشام: 455/3. 2 المغازي للواقدي: 634/2. 3 الطبقات لابن سعد: 106/2. 4 تاريخ دمشق لابن عساكر: 33/1. 5 فتح الباري: 41/16، والسيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله أحمد، ص: 500.

کمزور کرنے کے لیے کافی نہ تھا۔ انھوں نے مدینہ اس حال میں چھوڑا کہ ان کی عورتیں، بچے اور اموال ساتھ تھے۔ اور ان کے پیچھے گانے والی کنیزیں دف اور باجے بڑی رونق اور فخر سے بجا رہی تھیں کہ اس زمانے میں کسی قافلے کے متعلق ایسا منظر نہ دیکھا گیا تھا۔[1]

بنونضیر جب خیبر کی طرف جلاوطن کر دیے گئے تو اس وقت ان کے سردار سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ابی الحقیق اور حیی بن اخطب تھے۔ جب یہ وہاں سکونت پذیر ہوئے تو وہاں کے سرداران کے ماتحت ہو گئے۔[2]

یہود خیبر کی سرداری کا ان کے ہاتھ آ جانا انھیں جنگ، مقابلہ آرائی اور مسلمانوں سے انتقام لینے کی غرض سے ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کے لیے کافی تھا۔ اپنے گھروں کو پلٹنے کی شدید خواہش اور دل میں چھپا کینہ انھیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔ اس کے لیے ان کی پہلی زبردست پلاننگ غزوۂ احزاب کی صورت میں سامنے آئی، جس میں خیبر اور خاص طور پر بنونضیر کے سردار، قریش اور دیگر بدو قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جمع کر لائے تھے۔ جس میں انھوں نے بے تحاشا اموال بھی جھونک دیے، پھر ان کا بنوقریظہ کو بدعہدی پر ابھارنے اور احزاب سے تعاون کرنے کی کوشش پر رضامند کرنا بھی شامل تھا۔[3]

یوں خیبر مسلمانوں کے لیے اور ان کی پروان چڑھتی ہوئی حکومت کے لیے بہت بڑے خطرے کا مرکز بن گیا۔

صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان یہود خیبر کے خطرے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے فارغ ہو گئے جس نے ان کے امن کو بار بار چیلنج کر رکھا تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد اترنے والی سورت ''الفتح'' میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے فتح خیبر کا وعدہ اور ان کے اموال کو بطور غنیمت حاصل کرنے کی بشارت شامل تھی۔[4]

[1] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 319/1. [2] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 319/1. [3] نضرة النعيم: 349/1. [4] نضرة النعيم: 349/1.

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ○ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ○﴾

"البتہ تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے، چنانچہ ان کے دلوں میں جو (خلوص) تھا، وہ اس نے جان لیا، تو اس نے ان پر طمانینت وتسکین نازل کی اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح دی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جو وہ حاصل کریں گے۔ اور اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔ اور اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کروگے، چنانچہ اس نے جلد ہی وہ تمھیں عطا کردیں اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے، تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہوجائے اور تاکہ وہ تمھیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔ اور (اللہ نے) دوسری غنیمتوں کا بھی (وعدہ کیا) جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے (مگر) اللہ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔"[1]

اسلامی لشکر کی خیبر کی طرف روانگی

خیبر کی جانب لشکر بلند یقین و ایمان کے ساتھ چل پڑا، باوجودیکہ انھیں علم تھا کہ خیبر بڑے بڑے ناقابلِ شکن قلعوں اور سخت جنگجو لوگوں پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ اسلحے کا

[1] الفتح 48:18-21.

ڈھیر بھی ہے۔ مسلمان بلند آوازوں سے اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پکارتے جا رہے تھے۔

آپ ﷺ نے یہ کہتے ہوئے پرسکون رہنے کا حکم دیا کہ

«أَيُّهَا النَّاسُ، اِرْبَعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا وَّلٰكِنْ تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيراً»

''اے لوگو! اپنے آپ پر مہربانی کرو کیونکہ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ تم اسے پکار رہے ہو جو خوب سنتا اور خوب دیکھتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ لشکر کے ہمراہ رات کا سفر کر رہے تھے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ خیبر کی جانب نکلے۔ ہم رات بھر چلتے رہے۔ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ لوگوں کے حدی خواں تھے۔ وہ کہہ رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

''اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ صدقات دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔''

فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا اتَّقَيْنَا وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَّاقَيْنَا

''ہم تجھ پر جان سے فدا! چنانچہ تو ہمیں بخشتا رہ جب تک ہم پرہیزگاری اختیار کریں۔ اور دشمن سے واسطہ پڑے تو تُو ہمیں ثابت قدم رکھ۔''

وَأَلْقِيَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا إِنَّا إِذَا صِيحَ بِنَا، أَتَيْنَا

''اور ہم پر اپنی رحمت و طمانیت نازل فرما۔ ہمیں جب (دشمن کی طرف سے) للکارا گیا ہم آ گئے۔''

وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا

''اور چیخنے کے ساتھ انھوں نے ہم پر شور کیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ هٰذَا السَّائِقُ؟» ''یہ حدی خواں کون ہے؟'' لوگوں نے بتایا کہ یہ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں یوں دعا دی: «يَرْحَمُهُ اللّٰهُ!» ''اللہ ان پر رحم فرمائے۔''

اس پر ایک شخص، اور وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے،[1] نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ نے تو اسے شہادت کا مستحق قرار دے دیا۔ کاش! آپ ہمیں ان سے مزید فائدہ اٹھانے دیتے۔''[2]

جب لشکر اسلامی خیبر کے قریب صہباء پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر ادا کی، پھر زاد راہ منگوایا تو صرف ستو ہی لایا گیا، چنانچہ وہی آپ ﷺ کے حکم سے بھگویا گیا۔ وہ آپ ﷺ نے بھی کھایا اور آپ کے ساتھ صحابہ نے بھی کھایا، پھر آپ ﷺ نماز مغرب کے لیے اٹھے کلی کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی اور وضو نہ فرمایا۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو دشمن کی خبریں اکٹھی کرنے کے لیے ایک گروہ دے کر روانہ کر دیا تاکہ اگر دشمن کہیں چھپ کر بیٹھا ہے تو ان کی کمین گاہوں کا پتا چلایا جائے۔ انھیں راستے میں یہود کی جانب سے بھیجا ہوا ''اشجع'' قبیلے کا ایک جاسوس ملا۔ عباد رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' اس نے کہا: ''میری اونٹنی گم ہوگئی ہے اس کی تلاش میں ہوں۔'' عباد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیا تمھیں خیبر کے بارے میں کچھ علم ہے؟'' اس نے کہا: ''بہت تھوڑی مدت ہوئی وہاں سے آیا ہوں۔ تم اس کے متعلق کیا پوچھتے ہو؟'' عباد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہود کے متعلق۔'' اس نے کہا: ''ہاں، کنانہ بن ابی الحقیق اور ہوذہ بن قیس اپنے غطفانی حلفاء کے پاس گئے تھے۔ اور انھیں ایک سال کا خیبر کا پھل دینا طے کیا، لہٰذا وہ گھوڑوں اور اسلحے سے تیار ہو کر عتبہ بن بدر کی قیادت میں بطور امداد آ گئے ہیں

---

1 فتح الباري: 530/7، میں ہے کہ وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ 2 صحيح البخاري، حديث: 4196، وصحيح مسلم، حديث: 1802. 3 صحيح البخاري، حديث: 4195، ودلائل النبوة للبيهقي: 200/4، والصراع مع اليهود لأبي فارس: 30/2.

اور یہود کے ساتھ ان کے قلعوں میں داخل ہو گئے ہیں۔ ان قلعوں میں دس ہزار جنگجو ہیں اور وہ ایسے قلعوں کے مالک ہیں کہ انھیں سر نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے پاس قلعوں میں کئی سال کی خوراک موجود ہے اور قلعوں ہی میں پینے کا پانی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی میں بھی ان سے لڑنے کی طاقت ہو۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے کوڑا اٹھایا اور اسے کئی کوڑے رسید کر دیے اور کہا: ”تم ان کے جاسوس ہو۔ میرے سامنے سچ بولو، وگرنہ تمھاری گردن مار دوں گا۔“ اب بدوی نے کہا: ”تم نے یہود سے یثرب میں جو سلوک کیا اس بنا پر یہاں کے لوگ تم سے بڑے مرعوب اور خائف رہتے ہیں۔ مجھے کنانہ نے کہا تھا کہ میں آپ کو راستے میں ملوں۔ کیونکہ مسلمان تم کو قابل نفرت نہیں سمجھیں گے۔ اور انھوں نے یہ بھی ذمہ داری لگائی کہ میں آپ کی تعداد ان تک پہنچاؤں، ایک سائل بن کر آپ کے قریب ہو جاؤں۔ پھر آپ پر یہودیوں کی کثرتِ تعداد اور ان کی تیاری کا رعب ڈالوں۔ کیونکہ آپ ضرور مجھ سے پوچھیں گے۔ اور پھر آپ کی خبریں لے جا کر جلدی ان تک پہنچاؤں۔[1]

جب مسلمانوں کا لشکر خیبر کی بلند گھاٹیوں کے پاس پہنچ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: «قِفُوا» ”ٹھہرو۔“ پھر یہ دعا پڑھی: «اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ وَمَا أَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْأَرَضِينَ وَمَا أَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضْلَلْنَ، وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ، فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَنَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّمَا فِيهَا» ”اے میرے اللہ، اے آسمانوں اور جو کچھ ان کے سایے میں ہے اس کے پروردگار! اور اے زمینوں اور جو کچھ وہ اگاتی ہیں ان کے پروردگار اور شیاطین اور جنھیں وہ گمراہ کرتے ہیں ان کے پروردگار اور اے ہواؤں کے اور جنھیں وہ اڑاتی ہیں ان کے پروردگار! ہم تجھ سے اس بستی اور اس کے

[1] المغازي للواقدي: 641/2.

فتح خیبر (محرم 7ھ)
﴿فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾
"لہٰذا اللہ نے اس (خواب کے واقع ہونے) سے پہلے تمہارے لیے ایک قریبی فتح (فتح خیبر) مقرر فرما دی۔" (الفتح 27:48)
تل النطاۃ
رجیع
تل الشق
تل الکتیبہ
ابی کا قلعہ
صخرہ
قموص کا قلعہ
ابو حقیق کا قلعہ
مسجد صخرہ
خرصہ
نزار کا قلعہ
خیبر
سُلالم کا قلعہ
ناعم کا قلعہ
زُبیر کا قلعہ
صعب کا قلعہ
وطیح کا قلعہ
سموان کا قلعہ
دُومہ
حرۃ خیبر
مرحب کا قلعہ اور اس کا محل
حرۃ الرجیع
دار بنی قمہ
جبل نمار
حرۃ الشقۃ
جبل اشمد
وادی الدومۃ
نقمی
غابۃ السفلیٰ
غابۃ العلیا
مدینہ منورہ
وادی ذعا
خیبر
جُرُف
ینبع النخل
وادی الفرع
عیون
آبار علی
مدینہ منورہ
ینبع البحر
الحمراء
الصفراء
بدر
بحیرۂ احمر
کلومیٹر
150
100
50
25
0

باشندوں کی بھلائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی کی درخواست کرتے ہیں اور اس بستی کے شر اور اس کے باشندوں کے شر اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ یہ دعا ہر بستی میں داخل ہوتے وقت پڑھتے تھے۔ جب رات کے وقت رسول اللہ ﷺ خیبر پہنچے تو آپ ﷺ نے لشکر کو خیبر کے بالائی علاقے میں رات گزارنے کا حکم دیا۔ اسلامی لشکر منہ اندھیرے بیدار ہوا اور وادی رجیع میں معسکر قائم کیا۔ یہ وادی خیبر اور غطفان کے درمیان تھی۔ اس طرح مسلمانوں نے غطفان کی طرف سے یہودیوں کو ملنے والی کمک کا راستہ روک دیا۔[2]

جب صبح ہوئی تو یہود بیلچے، پھاوڑے اور ٹوکریاں اٹھائے کھیتوں میں نکلے تو انھوں نے مسلمانوں کا لشکر دیکھا اور کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! محمد آ گئے۔ اور ان کا لشکر بھی۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ! اَللّٰهُ أَكْبَرُ! خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ» ''اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ خیبر برباد ہو گیا۔ جب ہم جنگ کے لیے کسی قوم کے مکانوں کے سامنے اتر جائیں تو ڈرائی اور متنبہ کی گئی قوم کا برا حال ہو جاتا ہے۔''[3]

خیبر کے قلعوں کی فتح

یہود اپنے قلعوں میں داخل ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ اور ایک ایک کر کے قلعے فتح کرنے شروع کر دیے۔ سب سے پہلے ناعم کا قلعہ فتح ہوا۔ پھر خیبر کی

[1] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 252/5، وصحيح ابن حبان، رقم: 2709، وصحيح ابن خزيمة، رقم: 565، والمعجم الكبير للطبراني، رقم: 7299، والمستدرك للحاكم: 101,100/2.
[2] الصراع مع اليهود لأبي فارس: 45/2. [3] صحيح البخاري، حديث: 610، وصحيح مسلم، حديث: [4665](120)-1365.

شمال مشرقی جانب نطاۃ علاقے میں قلعہ ''صعب'' اور شق علاقے میں قلعہ ابو النزار'' فتح کیا۔ پھر ابی الحقیق کا قلعہ ''قموص'' فتح ہوا۔ یہ کتیبہ کے علاقے میں سب سے مضبوط قلعہ تھا۔ بعدازاں مسلمانوں نے وطیح اور سلالم علاقے کے قلعے بھی فتح کر لیے۔

مسلمانوں کو بعض قلعے فتح کرنے میں شدید مزاحمت اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ قلعہ ناعم فتح کرتے وقت محمود بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ ان کے سر پر مرحب نے چکی کا پاٹ پھینک دیا تھا۔[1] اس قلعے کی فتح میں دس دن لگے۔[2]

محاصرے کی ابتدا کے وقت مسلمانوں کے علم بردار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے لیکن فتح حاصل نہ ہو سکی۔ جب لوگوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنِّي دَافِعٌ اللِّوَاءَ غَدًا إِلٰى رَجُلٍ يُّحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَيُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، لَا يَرْجِعُ حَتّٰى يُفْتَحَ لَهُ»

''کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم محبت کرتے ہیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔ وہ فتح کیے بغیر نہیں لوٹے گا۔''

یہ سن کر لوگ خوش ہو گئے، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے دن کی نمازِ فجر پڑھ لی تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلا کر جھنڈا دے دیا۔ انھوں نے جھنڈا لے لیا اور ان کے ہاتھوں قلعہ فتح ہو گیا۔[3]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا تو اس وقت وہ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور ان کے لیے دعا کی تو ان کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔[4]

---

1 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص:501. 2 المغازي للواقدي:657/2. 3 مسند أحمد:353/5. 4 صحيح البخاري، حديث:4210، وصحيح مسلم، حديث:2406.

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ یہود سے ٹکراؤ سے قبل انھیں اسلام کی طرف دعوت دینا اور فرمایا:

«فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ تَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ»

''اللہ کی قسم! اگر تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو راہ راست پر لے آئے تو وہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''[1]

اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: ''اے اللہ کے رسول! کس بات پر میں ان سے لڑتا رہوں؟'' تو فرمایا:

«قَاتِلْهُمْ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ مَنَعُوا مِنْكَ دِمَائَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ»

''جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ کوئی برحق معبود نہیں سوائے اللہ کے اور یقیناً محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، ان سے لڑتے رہو۔ جب وہ یہ گواہی دے دیں تو انھوں نے تجھ سے اپنی جان اور مال بچا لیا مگر سوائے کسی بدلے کے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔''[2]

جب مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ کیا تو اس کا سردار اور پہلوان مرحب سامنے آیا۔ یہی شخص حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب بنا تھا۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے میں آئے اور اسے قتل کر دیا۔[3]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ اس کے قتل نے یہود پر گہرا

[1] صحيح مسلم، حديث: 2406. [2] صحيح مسلم، حديث: 2405، ودلائل النبوة للبيهقي: 260/4. [3] السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 502.

اثر چھوڑا جس کا نتیجہ ان کی شکست کی صورت میں نکلا۔ [1]

متعدد روایات میں آیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک بہت بڑے دروازے کو ڈھال بنا لیا جو ناعم قلعہ کے پاس تھا۔ جبکہ یہودی نے ہاتھ سے ڈھال گرا دی تھی۔ مگر یہ تمام روایات ضعیف ہیں۔ ایسی روایات پر اعتماد نہ کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بہادری کی نفی نہیں کرتا۔ ان کی بہادری کے متعلق جو روایت ثابت ہیں وہی کافی ہیں۔ [2]

قلعہ ''ناعم'' فتح کرنے کے بعد مسلمان قلعہ ''صعب بن معاذ'' کی طرف متوجہ ہوئے۔ علمبردار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے تین دن بعد اسے بڑی بہادری سے فتح کر لیا۔ اس قلعے سے انھیں وافر کھانا اور سامان میسر آیا۔ ان دنوں مسلمان قلت طعام سے دوچار تھے۔

بعدازاں مسلمان قلعہ ''زبیر'' کی طرف متوجہ ہوئے۔ جس میں ''ناعم'' اور ''صعب'' کے بھگوڑے اور دیگر مفتوحہ قلعوں کے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کیا اور باہر سے جانے والا پانی بند کر کے انھیں جنگ پر مجبور کر دیا۔ یوں تین دن بعد انھیں بھی شکست فاش ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ''نطاۃ'' کے علاقے کے وہ تمام قلعے مسلمانوں کے زیرنگیں ہو گئے جن میں سخت ترین یہودی آباد تھے۔

اب مسلمان ''شق'' کے علاقے کے قلعوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ''اُبَیّ'' نامی قلعے سے ابتدا کی اور اس پر غلبہ حاصل کیا۔ مگر یہاں سے چند جنگجو بھاگ کر قلعہ ''نزار'' کی جانب چلے گئے۔ مسلمان ان کی طرف متوجہ ہوئے، محاصرہ کیا تو انھوں نے قلعہ کھول دیا۔ ''شق'' نامی علاقے کے بقیہ لوگ اپنے قلعوں سے بھاگ کر ''قموص'' کے محفوظ ترین قلعے اور وطیح و سلالم کے قلعوں میں جمع ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کا چودہ دن تک محاصرہ کیے رکھا یہاں تک کہ انھوں نے صلح کا مطالبہ کر دیا۔ [3]

---

1 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 502. 2 السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 324/1. 3 المغازي للواقدي: 658/2-671.

یوں خیبر جنگ سے فتح ہوا کیونکہ مذکورہ روایات اس بات کی تائید کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ بخاری، مسلم، ابو داود میں بھی یہی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے خیبر پر چڑھائی کی اور اسے فتح کیا۔[1]

اس کے ساتھ ہی خیبر مکمل طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ ادھر خیبر کے شمال میں اہلِ فدک نے فوراً صلح کا تقاضا کر دیا اور یہ مطالبہ کیا کہ ان کی جانیں محفوظ رکھی جائیں۔ اس کے عوض انھوں نے بہت سارے اموال بھی پیش کیے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ پیش کش قبول فرما لی۔

فدک کو فتح کرنے کے لیے چونکہ مسلمانوں نے کوئی لشکر کشی نہیں کی تھی۔ اس لیے یہ علاقہ رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص قرار پایا۔[2] بعد ازاں مسلمانوں نے ''وادی القریٰ'' کا محاصرہ کر لیا۔ اس میں ''خیبر اور تیماء'' کے درمیان کئی بستیاں تھیں۔ بالآخر انھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ یہاں بھی مسلمانوں نے بے تحاشا اموال بطور غنیمت حاصل کیے۔ زمین اور کھجوریں یہود کے پاس رہنے دیں۔ ان سے بھی خیبر والوں کی طرح معاملات طے کر لیے۔ اہل تیماء نے بھی ''خیبر اور وادی القریٰ'' کی شرائط پر مصالحت کر لی۔

یوں یہود کے تمام قلعے مسلمانوں کی طاقت کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ خیبر کے تمام معرکوں میں یہود کے 93 آدمی جہنم واصل ہوئے۔[3]

عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے گئے۔ انھی قیدیوں میں صفیہ بنت حیی بن اخطب بھی تھیں۔ انھیں رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔[4]

[1] صحيح البخاري، حديث: 3009و4210، وصحيح مسلم، حديث: 2406,2405، وسنن أبي داود، حديث: 3009، والسيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 504. [2] صحيح مسلم، حديث: 1551، وسنن أبي داود، حديث: 3006، ومسند أحمد: 451/2. [3] السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 504. [4] صحيح البخاري، حديث: 371، وصحيح مسلم، حديث: [3498]-(84)-1365.

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق مسلمانوں کے بیس آدمی شہید ہوئے۔[1]
واقدی کی روایت کے مطابق مسلمانوں کے پندرہ آدمی شہید ہوئے۔[2]

شہید بدوی

ایک بدوی نبی اکرم ﷺ کے پاس آ کر ایمان لے آیا اور آپ ﷺ کا مصاحب ہو گیا۔ اس نے عرض کیا: ''کیا میں آپ کے ساتھ مہاجر بن کر رہ سکتا ہوں؟'' آپ ﷺ نے اپنے بعض ساتھیوں کو اس کا خیال رکھنے کی وصیت فرمائی۔ جب جنگ خیبر کا موقع آیا اور آپ ﷺ کو کچھ غنیمتیں حاصل ہوئیں جنھیں آپ ﷺ نے تقسیم فرما دیا اور اس بدوی کو بھی حصہ دیا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کا حصہ لے لیا۔ وہ ان کے جانور چرایا کرتا تھا۔ جب وہ آیا تو انھوں نے اس کا حصہ اسے تھما دیا، اس نے کہا: ''یہ کیا ہے؟'' ساتھیوں نے بتایا: ''رسول اللہ ﷺ نے تیرا حصہ دیا ہے۔'' وہ اسے لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس گیا اور پوچھنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! یہ کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: «قَسَمْتُهُ لَكَ» ''میں نے تقسیم میں سے تیرا حصہ نکالا ہے۔'' اس نے عرض کیا: ''میں نے آپ کی اتباع اس کے لیے تو نہیں کی تھی بلکہ میں نے تو اس لیے آپ کا ساتھ دیا تھا کہ میرے یہاں ...... اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ...... تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں چلا جاؤں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنْ تَصْدُقِ اللّٰهَ يَصْدُقْكَ» ''اگر تم اللہ تعالیٰ سے صدقِ دل سے اس کا مطالبہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی سچا کر دکھائے گا۔'' پھر وہ دشمن سے لڑنے کو اٹھا اور شہید ہو گیا۔ اسے آپ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَهُوَ هُوَ؟» ''یہ وہی ہے نا؟'' صحابہ نے عرض کیا: ''جی ہاں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَ اللّٰهَ فَصَدَقَهُ» ''اس کا جذبہ صادق تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسے سچا کر دکھایا۔'' آپ ﷺ نے اسے اپنی ''عبا'' مبارک میں کفن دیا، پھر اس کی نماز جنازہ

[1] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري:327/1. [2] المغازي للواقدي:700/2.

پڑھائی۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے یہ دعا کی تھی: «اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَبْدُكَ خَرَجَ مُهَاجِرًا فِي سَبِيلِكَ قُتِلَ شَهِيدًا وَّأَنَا عَلَيْهِ شَهِيدٌ» ''اے اللہ! تیرے اس بندے نے تیری راہ میں ہجرت کی اور شہید ہوا ہے اور میں اس کا گواہ ہوں۔''[1]

حبشی چرواہا

اہل خیبر کے ایک مالدار یہودی کا حبشی غلام بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ تمام خیبر والوں نے ہتھیار لگائے ہوئے ہیں۔ اس نے ان سے ان کے ارادے پوچھے تو انھوں نے کہا: ''یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے ہم اس سے لڑیں گے۔'' وہ بکریاں لے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف آ گیا اور پوچھنے لگا: ''آپ کیا کہتے ہیں؟ اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَدْعُو إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَأَنْ لَّا تَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ» ''میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو۔'' غلام نے عرض کیا: ''اگر میں بھی اللہ پر ایمان لے آؤں اور یہی گواہی دینے لگوں تو مجھے کیا ملے گا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: «لَكَ الْجَنَّةُ إِنْ مِتَّ عَلٰى ذٰلِكَ» ''اگر تمھیں اس عقیدے پر موت آجائے تو تمھارے لیے جنت ہے۔'' وہ وہیں مسلمان ہو گیا، پھر اس نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَخْرِجْهَا مِنْ عِنْدِكَ وَارْمِهَا بِالْحَصْبَاءِ فَإِنَّ اللّٰهَ سَيُؤَدِّي عَنْكَ أَمَانَتَكَ» ''انھیں اپنے ہاں سے ہانک دو اور ان پر کنکریاں پھینکو۔ اللہ تعالیٰ یہ امانت تیری طرف سے ادا کر دے گا۔'' (یہ خود اپنے مالک

[1] السنن الكبرىٰ للنسائي: 4/ 61,60، والمستدرك للحاكم: 3/ 596,595، ودلائل النبوة للبيهقي: 4/ 222، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 4/ 16,15.

کے پاس چلی جائیں گی) اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ تمام بکریاں اپنے مالک کے پاس چلی گئیں۔ یہودی کو معلوم ہو گیا کہ اس کا غلام مسلمان ہو گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو وعظ فرمایا۔ انھیں جہاد کی رغبت دلائی، جب مسلمانوں اور یہود کی مڈھ بھیڑ ہوئی تو یہ حبشی غلام بھی شہید ہو گیا۔ مسلمان اسے اٹھا کر اپنے معسکر میں لے آئے اور خیمے میں رکھ دیا۔ صحابہ کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیمے میں نگاہ ڈالی اور پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

«لَقَدْ أَكْرَمَ اللّٰهُ هٰذَا الْعَبْدَ وَسَاقَهُ إِلٰى خَيْبَرَ، وَلَقَدْ رَأَيْتُ عِنْدَ رَأْسِهِ اثْنَتَيْنِ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ، وَلَمْ يُصَلِّ لِلّٰهِ سَجْدَةً قَطُّ»

''اللہ تعالیٰ نے اس غلام کو سرخرو کر دیا اور اسے خیبر کی طرف لایا۔ میں نے اس کے سر کے پاس خوبصورت آنکھوں والی دو جنتی حوروں کو دیکھا ہے، حالانکہ اس نے ابھی تک ایک سجدہ بھی نہ کیا تھا۔''[1]

بہادر ہونے کے باوجود جہنم کی طرف

مسلمانوں کا ایک شخص (قزمان) خیبر میں ایسا بھی تھا کہ کسی اکیلے مشرک کو نہ پاتا مگر اس کا صفایا کر دیتا اور پیچھا کر کے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ» ''وہ تو دوزخی ہے۔'' لوگوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! اگر وہ دوزخی ہے تو پھر ہم لوگوں میں جنتی کون ہے؟'' اتنے میں ایک آدمی (اکثم بن ابو الجون) کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! میں اس کا ہر حال میں پیچھا کروں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اکثم اس کی نگرانی کرنے کے لیے اس کے ساتھ ساتھ رہا اور وہ لڑتا رہا حتی کہ شدید زخمی

---

1 المستدرك للحاكم: 136/2، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 143/9، ودلائل النبوة للبيهقي: 220,219/4، وزاد المعاد: 324,323/3، والسيرة الحلبية: 39/3.

ہوگیا۔ اس نے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے خودکشی کر لی۔ اس نے اپنی تلوار کو زمین پر رکھا اور اس کی (اَنی) نوک سینے سے لگائی، پھر اپنا بوجھ تلوار پر ڈال کر اس نے اپنے آپ کو قتل کر لیا۔ اب پیچھا کرنے والا شخص (اکثم) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «وَمَا ذَاكَ؟» ''بات کیا ہے؟'' اس نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔

تب آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّهُ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَإِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

''ایک شخص بظاہر اہل بہشت کے کام کرتا ہے مگر ہوتا دوزخی ہے۔ اور ایک شخص دوزخیوں کے کام کرتا ہے لیکن ہوتا بہشتی ہے۔''[1]

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور مہاجرینِ حبشہ کی واپسی

فتح خیبر کے روز حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے دیگر صحابہ واپس تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے جعفر رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر بوسہ دیا، سینے سے لگایا اور فرمایا: «مَا أَدْرِي بِأَيِّهِمَا أَنَا أَسَرُّ بِفَتْحِ خَيْبَرَ أَمْ بِقُدُومِ جَعْفَرٍ؟!» ''میں نہیں بتا سکتا کہ کس بات کی زیادہ خوشی ہے، فتح خیبر کی یا آمد جعفر کی؟''[2]

رسول اللہ ﷺ کے جو ساتھی حبشہ میں مقیم تھے انھیں واپس لانے کے لیے آپ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا۔ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام کو دو

---

[1] صحیح البخاري، حدیث: 4207. [2] المستدرك للحاكم: 409,408/3، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 101/8، ومجمع الزوائد: 272,271/9، والطبقات الكبرىٰ: 35/4.

کشتیوں میں بٹھا کر خیبر کے روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر رفقاء بھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے۔[1]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے یمن میں سنا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں تو ہم بھی آپ ﷺ کی طرف روانہ ہوئے۔ میں تھا اور دو میرے بھائی۔ میں ان میں سب سے چھوٹا تھا۔ ایک کا نام ابو بردہ تھا اور دوسرا ابو رُہم اور چند آدمی یا ترپن یا باون افراد ہماری قوم کے تھے۔ ہم ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی نے ہمیں حبشہ میں نجاشی کے پاس پہنچا دیا، وہاں ہمیں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ملے تو ہم وہیں رہنے لگے، پھر ہم سب اس وقت مدینہ آئے جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر میں فتح پالی تھی۔[2]

حضرت جعفر اور دیگر مہاجرین تقریباً انیس سال حبشہ میں رہے۔ اس دوران قرآن کا بڑا حصہ نازل ہو چکا تھا۔ کافروں سے کئی معرکے لڑے جا چکے تھے۔ یوں بعض مسلمانوں نے یہ خیال کیا کہ مہاجرین حبشہ چونکہ اس اجر سے محروم رہے تھے، اس لیے فضیلت میں دوسروں کی نسبت کمتر ہیں۔[3]

مہاجرین حبشہ کی فضیلت: حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ کچھ لوگ ہم سے کہتے تھے کہ ہم تم سے ہجرت میں سبقت لے گئے ہیں۔ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ملاقات کے لیے ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں۔ یہ بھی نجاشی کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شامل تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اتفاق سے وہاں پہنچ گئے۔ اسماء رضی اللہ عنہا بھی وہیں موجود تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟'' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بولیں: ''اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں۔'' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والی؟ سمندر

---

[1] من معين السيرة لصالح الشامي، ص:353. [2] صحيح البخاري، حديث:4230، وصحيح مسلم، حديث:2502. [3] فقه السيرة للغزالي، ص:350.

میں سفر کرنے والی؟'' اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہاں!'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہم نے ہجرت (مدینہ) میں تم سے سبقت حاصل کی، اس لیے ہم تمھاری نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں۔'' یہ سن کر اسما رضی اللہ عنہا کو انتہائی غصہ آیا۔ انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ وہ تمھارے بھوکے کو کھانا دیتے اور تمھارے جاہل کو نصیحت کرتے اور ہم دور دراز دشمن کے ملک میں تھے (اور ہمیں اذیت دی جاتی تھی اور ڈرایا دھمکایا جاتا تھا) اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت تک نہ کھاؤں گی اور نہ پیوں گی جب تک جو تم نے کہا ہے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کر دوں اور اس کے متعلق پوچھ نہ لوں۔ اللہ کی قسم! میں نہ جھوٹ بولوں گی نہ کج روی اختیار کروں گی اور نہ زائد بات کہوں گی۔'' پھر جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انھوں نے سب کچھ کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَيْسَ بِأَحَقَّ بِي مِنْكُمْ، وَلَهُ وَلِأَصْحَابِهِ هِجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ، وَّلَكُمْ أَنْتُمْ، أَهْلُ السَّفِينَةِ هِجْرَتَانِ» ''وہ تم سے زیادہ حق نہیں رکھتے۔ بلکہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی ایک ہجرت ہے اور تمھاری یعنی حبشہ کی طرف کشتی کے ذریعے سفر کرنے والوں کی دو ہجرتیں ہیں۔''[1]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے عزت و شرف کا یہ نشان لیا اور اس وفد کے ارکان جہاں کہیں تھے ان میں خوب نشر کیا۔[2]

وہ خود کہتی ہیں کہ وہ (ہجرت حبشہ کی سعادت حاصل کرنے والے) میرے پاس گروہ در گروہ آتے اور اس حدیث کو سنتے اور دنیا میں کوئی چیز اتنی خوشی نہ دیتی تھی اور نہ ان کے لیے اتنی مرتبے والی تھی جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تھا۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، حديث:4231,4230، وصحيح مسلم، حديث:2503,2502. [2] فقه السيرة للغضبان، ص: 535. [3] صحيح البخاري، حديث:4231,4230، وصحيح مسلم، حديث:2503,2502.

رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر میں شریک صحابہ سے دریافت کرنے کے بعد ہجرت حبشہ والوں کو بھی خیبر کی غنیمتوں میں حصہ دار قرار دیا۔[1]

مال غنیمت کی تقسیم

غزوات میں سب سے زیادہ غنیمت غزوۂ خیبر میں ہاتھ آئی، مثلاً: اراضی، کھجوریں، کپڑے، کھانے کی اشیا وغیرہ۔ کتب سیرت کی بیان کردہ تفصیلات سے درج ذیل اشیائے غنیمت سامنے آتی ہیں:

① کھانا، خیبر کے قلعوں سے کھانے کی اشیاء کی وافر مقدار ہاتھ لگی جس میں چربی، گھی، شہد اور تیل وغیرہ شامل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان اشیاء کے کھانے کو جائز قرار دیا اور ان میں سے خمس نہیں نکالا۔[2]

② کپڑے، گھریلو سامان، اونٹ، گائے اور بکریاں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک خمس اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ مصارف میں خرچ کر کے بقیہ چار حصے تقسیم فرما دیے۔

③ قیدی۔ مسلمانوں نے بہت ساری یہودی عورتیں قید کی تھیں۔ یہ غنیمت کے حکم میں آتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قیدی بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دیے۔

④ اراضی اور کھجوریں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں 36 حصوں میں تقسیم فرمایا، پھر ہر حصہ مزید 100 حصوں میں تقسیم کیا چھتیس سو (3600) حصے بنے۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو کل کا آدھا حصہ ملا۔ یعنی اٹھارہ سو (1800) حصے ملے۔ کل کا دوسرا آدھا حصہ، یعنی اٹھارہ سو (1800) حصے پیش آمدہ مسائل اور مسلمانوں کی عام ضروریات کے لیے رکھے گئے۔

⑤ مسلمانوں کو خیبر میں تورات کے کچھ صحائف بھی ملے۔ یہود نے ان کا مطالبہ کیا۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2502، والصراع مع الیهود لأبي فارس: 96/3. [2] الصراع مع الیهود لأبي فارس: 140/3.

رسول اللہ ﷺ نے واپس کرنے کا حکم دیا۔ اور ویسا نہیں کیا جیسا رومیوں نے یروشلم فتح کرتے وقت کیا تھا کہ تمام مقدس کتابیں جلا ڈالیں اور نہ عیسائیوں کی طرح کیا کہ انھوں نے یہود پر اندلس میں غلبہ پاتے وقت تورات کے تمام نسخے جلا دیے تھے۔[1] اور نہ آج کل کے نام نہاد عیسائی پادریوں کی طرح کہ جنھوں نے سب سے سچی الہامی اور ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی مقدس کتاب ''قرآن مجید'' کو نذر آتش کیا اور ان کی نام نہاد جمہوری حکومتیں اسے آزادی رائے کا اظہار قرار دے کر خاموش رہیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہود کو اس شرط پر وہیں رہنے دیا کہ کاشت کاری میں سرمایہ کاری کریں اور محنت کریں تو انھیں وہاں کا آدھا پھل دیا جائے گا۔ مسلمان جب بھی چاہیں، انھیں وہاں سے جلا وطن کر سکتے ہیں۔ بلکہ خود یہود نے آگے بڑھ کر یہ مطالبہ کیا کہ ہم تمھاری نسبت زمین کی زیادہ شناخت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اگرچہ انھیں جلاوطن کرنے کا ارادہ فرما چکے تھے، پھر اس شرط پر انھیں خیبر میں رہنے دیا گیا۔[3]

یہ شرط بھی طے ہوگئی تھی کہ مسلمان انھیں جب چاہیں جلاوطن کر سکتے ہیں۔ یہود کا اس زمین کو کاشت کرنا مسلمانوں کے لیے بہتر تھا۔ دوسری بات یہ بھی تھی کہ یہود زمیندار تھے۔ دوسروں کی نسبت اچھی کاشت کاری جانتے تھے، لہٰذا ان کا یہاں رہنا نتیجہ خیز ثابت ہوسکتا تھا۔ خاص طور پر جبکہ وہ اس پر مزدوری کے بجائے زمین کی پیداوار کا حصہ لیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط لگا کر کہ مسلمان جب چاہیں انھیں جلاوطن کر دیں گے۔ ان کو پست رکھنے اور ان کی طاقت توڑنے کا کام کیا تھا۔ یہود کو معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی

---

[1] الصراع مع اليهود لأبي فارس: 142,141/3. [2] السيرة النبوية لأبي شهبة: 419/2. [3] سنن أبي داود، حديث: 3410، وسنن ابن ماجه، حديث: 1820، والسيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 328/1.

طرف سے جب بھی مسلمانوں کے مفاد کو ٹھیس پہنچے گی وہ انھیں جلاوطن کر دیں گے اور وہ یہاں دوبارہ کبھی نہیں آسکیں گے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عملاً ایسا ہی ہوا کہ انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر زیادتی کر کے ان کے بازو کہنیوں سے کھینچ دیے۔ اس سے پہلے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ پر زیادتی کر کے انھیں شہید کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب ان کے دھوکے اور خیانت کا ثبوت مل گیا تو آپ نے انھیں جلاوطن کر دیا۔[1]

خیبر کے یہود نے چاہا کہ سونا چاندی چھپالیں۔ یوں انھوں نے حیی بن اخطب کی کستوری بھی غائب کر دی۔ حیی بن اخطب بنوقریظہ کے ساتھ قتل ہو گیا تھا۔ جب بنونضیر کو جلاوطن کیا گیا تھا اس وقت وہ کستوری ساتھ اٹھا لایا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیی بن اخطب کے چچا سعیہ سے حیی کی کستوری کے بارے میں پوچھا: «أَيْنَ مِسْكُ حُيَيِّ بْنِ أَخْطَبَ؟» ''حیی بن اخطب کی کستوری کہاں ہے؟'' وہ کہنے لگا: ''وہ جنگوں اور اخراجات میں ختم ہوگئی ہے۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَلْعَهْدُ قَرِيبٌ وَّالْمَالُ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ» ''ابھی اتنا عرصہ بھی نہیں گزرا اور مال بھی کافی زیادہ تھا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے اسے کچھ سزا دی۔ اس نے کہا: ''میں نے اس بنجر جگہ حیی کو آتے جاتے دیکھا تھا۔'' صحابہ نے وہاں جا کر ادھر ادھر دیکھا تو اسی بنجر جگہ میں وہ کستوری مل گئی۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان زمین کی کاشت کاری کا جو معاہدہ طے ہوا تھا اس پر آپ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ وہ ہر سال ان کے پاس آتے اور کاشت

1 تأملات في سيرة الرسول ﷺ لمحمد سيد الوكيل، ص: 229,228. 2 السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 326/1. 3 تاريخ الإسلام (المغازي) للذهبي، ص: 424.

کا اندازہ لگا جاتے۔ یہودیوں نے آپ ﷺ کے پاس ان کے اندازے میں سختی کرنے کی شکایت کی اور ساتھ ہی انھیں رشوت کی پیش کش بھی کی۔ انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے دشمنو! مجھے حرام کھلاتے ہو؟ اللہ کی قسم! میں تمھارے پاس اس شخص کے پاس سے آیا ہوں جو مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔ رہے تم، تو تم خنزیروں اور بندروں کے خمیر سے اٹھنے والو، مجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہو لیکن تمھارے ساتھ میرا البغض اور ان سے میری محبت بھی مجھے اس بات پر نہیں ابھار سکتی کہ میں تم سے عدل سے کام نہ لوں۔'' یہ سن کر وہ کہنے لگے: آسمانوں اور زمین کی بقا اسی عدل و انصاف کی وجہ سے ہے۔''[1]

خیبر اب مسلمانوں کی ملکیت میں آ گیا تھا۔ اور یہ اہم ذریعہ آمدن ثابت ہوا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «مَاشَبِعْنَا حَتّٰی فُتِحَتْ خَيْبَرُ» ''ہم نے خیبر فتح ہونے سے پہلے کبھی سیر ہو کر کھانا نہ کھایا تھا۔''[2]

فتح خیبر کے بعد مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر ہو گئی اور ساتھ ہی مہاجرین نے انصار کے کھجور کے درخت واپس کر دیے جو انھوں نے دے رکھے تھے۔[3]

رسول اللہ ﷺ کا صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا سے نکاح

مسلمانوں نے جب ابوالحقیق کا قلعہ قموص فتح کر لیا تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی قیدیوں میں شامل تھیں، جسے آپ ﷺ نے دحیہ کلبی کو عطا کر دیا۔ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''آپ نے دحیہ کو حیی کی بیٹی دے دی جو اپنی قوم (بنوقریظہ اور بنونضیر) کی سردار ہے۔ وہ تو سوائے آپ کے کسی کے لائق نہیں۔'' آپ ﷺ نے اس کی بات کو اچھا جانا اور دحیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «خُذْ جَارِيَةً مِّنَ السَّبْيِ غَيْرَهَا» ''تم قیدیوں میں سے کوئی اور لونڈی لے لو۔'' پھر آپ نے صفیہ کو آزاد کر دیا اور ان کی آزادی کو حق مہر قرار دے کر

1 تاريخ الإسلام (المغازي) للذهبي، ص:424. 2 صحيح البخاري، حديث:4243.
3 من معين السيرة لصالح الشامي، ص:352.

ان سے نکاح کر لیا۔[1] اس سے پہلے صفیہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہو چکی تھیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ ابھی خیبر سے نکلے نہ تھے کہ صفیہ پاک ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے انھیں سواری پر اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ خیبر سے چھ میل کے فاصلے پر آپ پڑاؤ ڈالنا چاہتے تھے تاکہ ان کے ساتھ رات گزاریں مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات دلی طور پر محسوس ہوئی۔ جب ''صہباء'' پہنچے تو آپ ﷺ وہاں فروکش ہوئے۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آراستہ کیا، خوشبو لگائی اور رات کو آپ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔ آپ ﷺ نے دولہا کی حیثیت سے ان کے ہمراہ صبح کی۔ رسول اللہ ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: «مَاحَمَلَكِ عَلَى الْاِمْتِنَاعِ مِنَ النُّزُولِ أَوَّلًا» ''تجھے اس سے پہلے کس بات نے فروکش نہ ہونے پر اکسایا؟'' صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''وہاں ابھی یہود قریب تھے۔ مجھے آپ کے متعلق خوف سا ہوا کہ وہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔'' اس بات سے آپ کے دل میں ان کی عزت بڑھ گئی۔ رسول اللہ ﷺ صہباء میں تین دن مقیم رہے۔ ولیمہ کیا اور مسلمانوں کو دعوت دی۔ اس میں گوشت نہ تھا۔ صرف کھجور، پنیر اور گھی تھا۔ مسلمانوں کو پتا نہ تھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا امہات المومنین میں سے ہیں یا آپ کی کنیز ہیں؟ آپ ﷺ نے سفر کا آغاز کیا تو اپنے پیچھے ان کی جگہ بنائی اور پردہ لگایا تو مسلمانوں کو یقین آ گیا کہ وہ امہات المومنین سے ہیں۔[3]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک رات خواب دیکھا تھا۔ امام بیہقی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح طویل روایت میں ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صفیہ کی آنکھ پر نیل پڑا دیکھا تو دریافت کیا: «يَا صَفِيَّةُ! مَا هٰذِهِ الْخَضِرَةُ؟» ''صفیہ! یہ نیل کا نشان کیسا ہے؟'' تو وہ کہنے لگیں: ''میرا سر ابن حقیق کی گود میں تھا۔ میں سوئی ہوئی تھی اور خواب دیکھا کہ چاند

1 صحيح البخاري، حديث:371، وصحيح مسلم، حديث:[3497] (84)-1365. 2 الصراع مع اليهود لأبي فارس: 101/3. 3 السيرة النبوية لأبي شهبة: 384/2.

میری گود میں اترا ہے۔ میں نے خواب اسے بتایا تو اس نے میرے چہرے پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا: تو نے یثرب کے بادشاہ کی آرزو کی (یعنی شادی کرنا چاہتی) ہے؟''[1]

یوں اللہ تعالیٰ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کا خواب سچ کر دکھایا اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کا شرف بخشا۔ دوزخ سے چھٹکارا دلا دیا اور مومنوں کی ماں بنا دیا۔ جنت میں خاتم الانبیاء والمرسلین کی زوجہ محترمہ کا شرف بخشا۔[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عزت افزائی فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اونٹ کے پاس جاتے، اپنا گھٹنا رکھ دیتے تاکہ صفیہ اپنا قدم اس مبارک زانو پر رکھ کر سوار ہوں۔ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا ادب کرتی تھیں کہ اپنا پاؤں کبھی بھی اس مبارک گھٹنے پر نہ رکھتیں بلکہ اپنا گھٹنا اس پر رکھ کر سوار ہو جاتیں۔[3]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خود اخلاقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر اخلاق والا نہیں دیکھا۔ میں خیبر میں رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار تھی۔ مجھے اونگھ آتی تو میرا سر کجاوے سے لگ جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ہاتھ سے جگاتے ہوئے فرماتے: «يَا هٰذِهِ مَهْلًا» ''ارے! ذرا سنبھل کر۔''[4] حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات پہنچی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں صفیہ سے زیادہ قدر و منزلت والی ہیں کیونکہ ہم ازواجِ رسول بھی ہیں اور عم زاد بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو انھوں نے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَلَا قُلْتِ: وَكَيْفَ تَكُونَانِ خَيْرًا مِّنِّي، وَزَوْجِي مُحَمَّدٌ وَّأَبِي هَارُونُ وَ عَمِّي مُوسىٰ؟!» ''تم نے اس طرح کیوں نہ کہا کہ تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو، جبکہ میرے خاوند محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)، میرے باپ ہارون علیہ السلام اور میرے چچا موسیٰ علیہ السلام ہیں۔''[5]

---

1 السنن الكبرىٰ للبيهقي: 138/9. 2 الصراع مع اليهود لأبي فارس: 122/3. 3 صحيح البخاري، حديث: 2235. 4 مجمع الزوائد: 252/9، ومسند أبي يعلىٰ، رقم: 7120. 5 جامع الترمذي، حديث: 3892، والمستدرك للحاكم: 29/4.

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے بے حد متاثر ہوئیں۔ اس کا نتیجہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تمام لوگوں سے زیادہ محبوب بن گئے بلکہ آپ ان کے ہاں ان کی اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ٹھہرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بیمار پڑتے تو وہ آرزو کرتیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحت و عافیت سے رہیں اس کے بدلے میں مرض مجھے لاحق ہو جائے۔

ابن سعد نے حسن سند سے حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت بیان کی ہے کہ مرض الموت کے وقت تمام ازواجِ مطہرات جمع تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''اللہ کے نبی، اللہ کی قسم! میں یہ پسند کرتی ہوں کہ جو مرض آپ کو لاحق ہے مجھے لاحق ہو جائے۔'' دیگر ازواج مطہرات نے ان کو ایسی بات سے باز رہنے کا آنکھوں سے اشارہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر ازواج کو دیکھ لیا تو فرمایا: «مَضْمِضْنَ» ''تم سب کلی کرو۔''

انھوں نے عرض کیا: ''کس بنا پر؟''

فرمایا: «مِنْ تَغَامُزِكُنَّ بِهَا وَاللّٰهِ إِنَّهَا لَصَادِقَةٌ» ''اس بنا پر کہ تم نے اسے کنکھیوں سے اشارہ کیا ہے، حالانکہ اللہ کی قسم! وہ سچی ہے۔''[1]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا ایک پہلو یہ بھی رہا کہ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی حفاظت کرتے رہے۔ ابن اسحاق سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر ہی میں یا خیبر کے راستے میں کسی جگہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ ابو ایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ تلوار لے کر رات بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کا پہرہ دیتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ صبح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ دیکھا تو پوچھا: «مَالَكَ يَا أَبَا أَيُّوبَ؟»

''ابو ایوب کیا بات ہے؟''

انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کے متعلق اس عورت کا اندیشہ

[1] سیر أعلام النبلاء: 235/2.

تھا۔ یہ وہ عورت ہے جس کے باپ، شوہر اور قوم کو آپ نے ختم کر دیا ہے اور یہ ابھی نئی نئی مسلمان ہوئی ہے، اس لیے مجھے آپ ﷺ کے متعلق اس سے خطرہ تھا۔‘‘[1]

رسول اللہ ﷺ ان کے اس عمل پر بہت خوش ہوئے۔ ان کا یہ عمل محبت و ایمان کا تقاضا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ احْفَظْ أَبَا أَيُّوبَ كَمَا بَاتَ يَحْرُسُنِي»

’’اے اللہ! تو ابو ایوب کی حفاظت فرما جیسا کہ اس نے رات بھر میری حفاظت کی ہے۔‘‘[2]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کرنے میں بڑی حکمت تھی۔ اس نکاح سے رسول اللہ ﷺ کا ارادہ شہوت پوری کرنا نہ تھا۔ جیسا کہ کچھ لوگ بہتان تراشی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کا مقصود صرف یہ تھا کہ اسے عزت ملے اور اسے ایسے عام آدمی کے حوالے نہ کیا جائے جو اس کے حسب و نسب سے میل نہ کھاتا ہو۔ اس کا باپ، بھائی اور قوم کے بہت سے لوگ قتل ہو چکے تھے۔ یوں اسے کچھ حوصلہ بھی ہوا۔ آپ ﷺ کے اس کے ساتھ اس سلوک سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ اور یہود کے درمیان سسرالی رشتہ قائم کرنا بھی مقصود تھا۔ اس امید پر کہ عین ممکن ہے اس طرح اسلام کے ساتھ ان کی دشمنی میں کمی آئے۔ وہ اسلام کے پرچم تلے آجائیں اور ان کی ریشہ دوانیوں میں کچھ کمی آجائے۔[3]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی زیرک، بردبار اور سچی خاتون تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی لونڈی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور شکایت کی کہ صفیہ رضی اللہ عنہا ہفتے کے روز سے محبت رکھتی ہے اور یہود سے صلہ رحمی کرتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی طرف دریافت کرنے کے لیے قاصد بھیجا۔ انھوں نے جواب دیا: ’’جب سے ہفتے کے دن

[1] زاد المعاد: 328/3. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 355,354/3، السيرة النبوية لأبي شهبة: 385/2. [3] السيرة النبوية لأبي شهبة: 385/2.

کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے جمعہ عطا کیا ہے میں نے کبھی ہفتے کے دن کو پسند نہیں کیا۔ رہے یہود تو ان سے میری رشتہ داری ہے۔ میں ان سے صلہ رحمی کرتی ہوں۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی وضاحت قبول کی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کنیز سے پوچھا: "تم نے ایسا کیوں کہا؟" جواب دیا: "شیطان نے اکسایا تھا۔" حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جواباً کہا: "جاؤ تم آزاد ہو۔"

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رمضان 50 ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں فوت ہوئیں۔ بعض نے 52 ھ کا تذکرہ کیا۔[1]

زہر آلود بکری، یہود کی ناپاک جسارت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زہر آلود بکری ہدیہ دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِجْمَعُوا لِي مَنْ كَانَ هَاهُنَا مِنَ الْيَهُودِ» "یہاں جتنے یہود ہیں انھیں اکٹھا کرو۔" وہ اکٹھے کیے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنِّي سَائِلُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْهُ؟» "میں تم سے کسی چیز کے متعلق دریافت کروں گا، کیا تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے؟" انھوں نے کہا: "ہاں، ابوالقاسم!"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: «مَنْ أَبُوكُمْ؟» "تمھارا جداعلیٰ کون ہے؟" انھوں نے کہا: "فلاں شخص ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «كَذَبْتُمْ، بَلْ أَبُوكُمْ فُلَانٌ» "تم لوگوں نے غلط بتایا ہے بلکہ تمھارا باپ فلاں ہے۔" انھوں نے کہا: "آپ نے درست کہا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: «فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ؟» "اگر میں تم سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کروں تو کیا میرے سامنے سچ کہو گے؟"

[1] السيرة النبوية لأبي شهبة: 385/2.

انھوں نے کہا: ''ہاں اے ابو القاسم! اور اگر ہم جھوٹ بولیں گے تو آپ کو سابقہ سوال کی طرح معلوم ہو جائے گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَهْلُ النَّارِ؟» ''دوزخی کون ہیں؟'' وہ بولے: ''ہم دوزخ میں تھوڑی مدت کے لیے رہیں گے، بعدازاں تم ہماری جگہ آ جاؤ گے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «اِخْسَؤُوا فِيهَا، وَاللّٰهِ! لَا نَخْلُفُكُمْ فِيهَا أَبَدًا» ''تم ہی اس میں ذلیل وخوار ہو کر رہو، اللہ کی قسم! ہم وہاں تمھارے بعد ہرگز نہ ہوں گے۔''

آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا:

«فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ؟»

''اگر میں تم سے کوئی بات پوچھوں تو کیا تم میرے سامنے سچ کہو گے؟''

انھوں نے کہا: ''ہاں۔''

آپ ﷺ نے پوچھا: «هَلْ جَعَلْتُمْ فِي هٰذِهِ الشَّاةِ سُمًّا؟»

''کیا تم نے اس بکری (کے گوشت) میں زہر ملایا ہے؟''

انھوں نے کہا: ''ہاں۔'' آپ ﷺ نے پوچھا: «مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ؟» ''تمھیں اس بات پر کس نے آمادہ کیا؟'' انھوں نے کہا: ''اس بات نے کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہمیں آپ سے راحت مل جائے گی اور اگر نبی ہیں تو یہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔''[1]

بلوغ الأمانی کے مولف لکھتے ہیں کہ یہ زہریلی بکری آپ ﷺ کو سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے بطور ہدیہ دی تھی۔ زینب پہلے دریافت کر چکی تھی کہ بکری کا کون سا حصہ آپ ﷺ کو زیادہ مرغوب ہے۔ اسے بتایا گیا کہ آپ ﷺ کو دستی زیادہ پسند ہے تو اس نے دستی میں نسبتاً زیادہ زہر ملا دیا۔ آپ ﷺ نے جب دستی اٹھا کر تناول فرمائی۔ پہلا ہی لقمہ چبایا مگر نگلا نہ۔ آپ کے ساتھ بشر بن براء رضی اللہ عنہ بھی کھانے میں شریک

[1] صحيح البخاري، حديث: 3169، ومسند أحمد: 451/2.

تھے۔ انھوں نے لقمہ اٹھا کر کھالیا اور نگل گئے اور اس سے وفات پا گئے۔[1]

عروہ بن زبیر کی ''مغازی'' میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستی لی اور اس میں سے کچھ کھایا، جبکہ بشر رضی اللہ عنہ نے دوسری ہڈی لی اور اس میں سے کھایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگل دیا تو بشر رضی اللہ عنہ نے بھی جو کچھ منہ میں تھا، اگل دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِرْفَعُوا أَيْدِيكُمْ، فَإِنَّ كَتِفَ الشَّاةِ تُخْبِرُنِي أَنِّي قَدْ بُغِيتُ فِيهَا» ''اپنے ہاتھ اٹھالو، یہ دستی مجھے بتا رہی ہے کہ میں زہر آلود ہوں۔'' اب حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے کہا: ''قسم اس ذات کی جس نے آپ کو عزت عطا کی ہے! میں نے بھی اس کھانے میں یہی محسوس کیا جو کھا چکا ہوں۔ مگر میں نے اسے صرف اسی لیے نہیں پھینکا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا ترک کرنا مجھے اچھا نہ لگا۔ اور پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ مبارک میں موجود کھانا کھالیا تو مجھے ہرگز اپنی جان آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزیز تر نہ تھی (مگر میری یہی خواہش ہے کہ کاش! آپ اسے زہر آلود ہونے کی بنا پر نہ کھاتے) مجھے امید تھی کہ اگر یہ کھانا زہر آلود ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اسے ترک کر دیں گے۔''[2]

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو وہ بولی: ''میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دینا چاہتی تھی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَاكَانَ اللّٰهُ لِيُسَلِّطَكِ عَلَيَّ» ''اللہ تعالیٰ تجھے مجھ پر طاقت دینے والا نہیں۔'' صحابہ نے عرض کیا: ''اسے قتل نہ کر دیں؟'' فرمایا: «لَا» ''نہیں۔''[3] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچھ نہ کہا اور نہ ہی سزا دی۔ آپ نے گردن کے پاس کمر پر سینگی لگوائی اور دیگر متاثرین کو بھی سینگی کا حکم دیا مگر کچھ صحابہ اس بنا پر وفات بھی پا گئے۔

اس عورت کے قتل کے متعلق اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ جب حضرت بشر بن

---

1 بلوغ الأماني بحاشية الفتح الرباني: 123/21. 2 مغازي رسول الله ﷺ لعروة بن الزبير، ص: 198، والمعجم الكبير للطبراني، رقم: 1204، ومجمع الزوائد: 153/6. 3 صحيح مسلم، حديث: 2190.

براء رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو اسے قتل کر دیا گیا تھا۔[1]

وہ زہر انتہائی مہلک تھا، اس لیے حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ فوراً وفات پا گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رفیق اعلیٰ کے پاس چلے جانے تک اس زہر کی تکلیف محسوس کرتے رہے۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں روایت لائے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں فرما رہے تھے:

«يَا عَائِشَةُ! مَا أَزَالُ أَجِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِي أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ فَهٰذَا أَوَانُ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ أَبْهَرِي مِنْ ذٰلِكَ السُّمِّ»

''عائشہ! میں نے جو کھانا خیبر میں کھایا تھا اس کی تکلیف برابر پاتا رہا ہوں۔ اس وقت بھی اس زہر کی وجہ سے رگِ جاں کا کٹ جانا محسوس کر رہا ہوں۔''[3]

حجاج بن علاط سلمی رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ سے اپنے اموال واپس لانا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر فتح ہو جانے کے بعد حجاج بن علاط نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مکہ میں میرا بہت سا مال ہے اور میرے گھر والے بھی وہیں ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان سے حساب کتاب کر لوں۔ اور مجھے ضرورتاً کچھ غلط باتیں بھی کہنی پڑیں گی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حسب ضرورت کچھ کہنے کی اجازت دے دی۔ مکہ پہنچ کر وہ اپنی بیوی کے پاس آیا اور اس سے کہا: ''تمھارے پاس جو دولت ہے ساری اکٹھی کر کے مجھے دے دو۔ میرا ارادہ ہے کہ میں خیبر جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی (جو) غنیمت (یہود کے ہاتھ آئی ہے اسے) خرید لوں۔ وہ تمام قتل کر دیے گئے ہیں۔ ان کے اموال لوٹ لیے گئے ہیں۔ یہ بات مکہ

1 زاد المعاد: 336/3. 2 الصراع مع اليهود لأبي فارس: 121/3. 3 صحيح البخاري، حديث: 4428 بعد الحديث: 4430، وفتح الباري، شرح الحديث: 5777.

مکرمہ میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ مسلمان اپنی اپنی جگہ چھپ گئے۔ مشرکین نے بڑے جشن اور خوشی کا اظہار کیا۔ یہ خبر عباس رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو ان کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور وہ کھڑے ہونے سے بھی گئے۔

معمر کہتے ہیں کہ مجھے عثمان جزری نے مقسم کے حوالے سے بتایا کہ عباس پشت کے بل چت لیٹ گئے اور اپنا بیٹا ''قثم'' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھا اپنے سینے پر بٹھا لیا اور درج ذیل اشعار کہنے لگے:

''میرا پیارا بیٹا قثم، میرا پیارا بیٹا قثم، اس اونچی ناک والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملتا جلتا۔''

''جو بھی اسے ناپسند کرے اس کی ناپسندیدگی کے باوجود وہ اس محسن و منعم پروردگار کا نبی ہے۔''

ثابت بن انس کہتے ہیں: پھر انھوں نے اپنا غلام حجاج کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تو ذلیل ہو کیسی خبر لایا ہے؟ اور کیا کہتا ہے؟ تیری خبر سے تو اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا وعدہ بہت بہتر ہے۔ حجاج بن علاط نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام سے کہا: ''ابو الفضل عباس کو میرا سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ اپنے کسی گھر میں مجھ سے علیحدہ ملنے کا بندوبست کریں تاکہ میں ان کے پاس آسکوں۔ خبریں اس کی خوشی کے عین مطابق ہیں۔''

غلام واپس پلٹا اور جب گھر کے دروازے پر آیا تو کہنے لگا: ''ابو الفضل! آپ کو مبارک ہو۔'' عباس رضی اللہ عنہ خوشی کے مارے اُچھل پڑے۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اس نے حجاج کی ساری گفتگو کہہ سنائی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے آزاد کر دیا، پھر حجاج رضی اللہ عنہ بھی عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آگئے۔ انھیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کر لیا ہے، ان کے اموال بطور غنیمت ہاتھ لگ گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان کی تقسیم بھی ہو چکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ بنت حیی کو اپنے لیے پسند فرما کر اسے اختیار دیا ہے کہ

چاہے تو وہ آزاد رہے اور چاہے تو آپ کی بیوی کی حیثیت سے رہے۔[1]

میں تو یہاں اپنے مال کی غرض سے آیا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دے دی تھی۔ اے ابوالفضل! تین دن تک اس خبر کو پوشیدہ رکھو، پھر جیسے چاہو کہہ ڈالو۔[2]

حجاج کی بیوی نے تمام زیور اور سامان اکٹھا کر کے اسے دے دیا اور وہ سامان سمیٹ کر چپکے سے نکل گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تین دن کے بعد حجاج کی بیوی کے پاس گئے اور کہا: ''تمھارے خاوند نے کیا کیا؟'' اس نے بتایا کہ وہ تو فلاں فلاں دن چلا گیا ہے۔ وہ کہنے لگی: ''اے ابوالفضل! اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا۔ آپ کو جو خبر پہنچی ہے ہمیں اس کا دکھ ہوا ہے۔'' عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ایسا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسوا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہی ہوا جو ہم چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خیبر فتح کر دیا ہے۔ تمھیں اگر ضرورت ہے تو اپنے خاوند کے پاس جا سکتی ہو۔'' وہ کہنے لگی: ''بخدا معلوم ہوتا ہے آپ سچ کہتے ہیں۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں سچا ہوں۔ معاملہ ایسے ہی ہے جیسے میں نے تمھیں بتایا۔'' پھر عباس رضی اللہ عنہ قریش کی مجالس کے پاس گئے۔ عباس رضی اللہ عنہ جب وہاں سے گزرے تو وہ کہنے لگے: ''اے ابوالفضل! تم کو خیر و عافیت ہی ملے گی۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: ''الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے عافیت ہی سے نوازا ہے۔ حجاج بن علاط نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خیبر فتح کر دیا ہے۔ اس میں خدائی تقسیم کا اجرا بھی ہو چکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ بنت حیی کو اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ خبر تین دن تک پوشیدہ رکھنا۔ وہ تو صرف اپنا مال سمیٹنے آیا تھا اور اس کا جو بھی مال یہاں تھا اسے لے کر واپس چلا جانا چاہتا تھا۔''

---

[1] صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 459. [2] تاريخ الإسلام (المغازي) للذهبي، ص: 439.

اس خبر کے پھیلنے کے ساتھ ہی جو غم مسلمانوں کو لاحق تھا مشرکین کو لاحق ہو گیا۔ تمام مسلمان باہر نکل آئے اور جو کوئی بھی عباس رضی اللہ عنہ کے گھر چھپ کر بیٹھا تھا سب عباس رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہی خبر انھیں بھی دی۔ تمام مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ تمام غم، پریشانی اور ملال اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر ڈال دیا۔ [1]

اس روایت میں بہت سی سمجھنے والی باتیں اور فقہی مسائل ہیں:

جب انسان اپنا حق لینے کے لیے اپنے متعلق یا دوسرے کے متعلق جھوٹ بولے، جبکہ اس سے دوسرے شخص کا نقصان نہ ہو رہا ہو تو یہ درست ہے۔ حجاج بن علاط نے مسلمانوں کے متعلق جھوٹ بولا تاکہ مکہ سے اپنے مال سمیٹ سکے، جبکہ اس جھوٹ سے وہاں مقیم مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں ہوا مگر اس سے مکی مسلمانوں کو جو غم اور تکلیف ہوئی اس کے بعد انھیں سچی خبر سے کامل طور پر خوشی اور مسرت بھی حاصل ہوئی اور ایمان مزید بڑھ گیا، لہٰذا اس بڑے فائدے کا سبب یہی جھوٹ تھا۔

غزوے سے متعلق بعض فقہی احکام

① **گھریلوں گدھوں کا حرام ہونا:** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا۔ [2]

② **حاملہ کنیزوں سے مجامعت کی حرمت:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَسْقِ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ» ”جو کوئی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ دوسرے کی کھیتی کو پانی نہ پلائے۔“ [3]

1 مسند أحمد: 139,138/3، والمصنف لعبدالرزاق: 466/5-469، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 151/9، والمعجم الكبير للطبراني، رقم: 3196، والمسند لأبي يعلىٰ، رقم: 3479، ومسند البزار، رقم: 1816. 2 صحيح البخاري، حديث: 4218، وصحيح مسلم، حديث: [5008]-561.
3 سنن أبي داود، حديث: 2158، وجامع الترمذي، حديث: 1131.

③ غیر حاملہ کنیزوں سے استبرائے رحم سے پہلے مجامعت کی حرمت: فرمانِ رسول ﷺ ہے: «لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّقَعَ عَلَى امْرَأَةٍ مِّنَ السَّبْيِ حَتّٰى يَسْتَبْرِئَهَا» ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے درست نہیں کہ کسی کنیز سے حیض سے پاک ہونے سے پہلے جماع کرے۔''[1]

صرف ایک حیض سے پاک ہونا ہی استبرائے رحم کہلاتا ہے۔ اس کے لیے عدت ضروری نہیں، خواہ وہ کافر سے شادی شدہ ہو، خواہ وہ مر چکا ہو یا بقید حیات ہو کیونکہ عدت فوت ہونے والے خاوند سے وفا داری اور غم کے اظہار کے لیے ہوتی ہے، جبکہ کافر پر اظہارِ غم نہیں ہوتا۔[2]

④ ربا الفضل کی حرمت: حضرت ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنایا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس جنیب (عمدہ قسم کی) کھجور لے کر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: «كُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟» ''کیا خیبر کی ساری کھجور ایسی ہی ہوتی ہے؟'' وہ بولا: اے اللہ کے رسول! ایسی نہیں ہوتی۔ ہم اس کھجور کا ایک صاع، دوسری کھجور کے دو یا تین صاع کے بدلے لیتے ہیں۔'' تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا» ''ایسا نہ کیا کرو، جمع شدہ کھجور کو دراہم کے عوض بیچو، پھر دراہم سے یہ عمدہ کھجوریں خرید لیا کرو۔''[3]

لہٰذا ایک ہی جنس کے تبادلے میں کمی بیشی سود ہے اور یہی ''ربا الفضل'' ہے، یعنی جب

---

1 سنن أبي داود، حديث: 2159,2158، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 124/9، ومسند أحمد: 108/4. 2 الصراع مع اليهود لأبي فارس: 134/3. 3 صحيح البخاري، حديث: 4244، وصحيح مسلم، حديث: 1593.

ایک صاع کے بدلے میں ایک سے زیادہ صاع لے لے تو یہ زیادتی سود کہلاتی ہے۔ اور یہ حرام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کا بہتر حل بیان فرمایا کہ پہلے اپنے پاس موجود کھجور فروخت کر دو، پھر اس رقم کے عوض جس قدر چاہے عمدہ یا دوسری قسم کی کھجور خرید لو کیونکہ ضرورت اور مجبوری کبھی بھی کسی کو سود کے قبول کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے۔[1]

⑤ سونے کے ڈھیلے کی بیع خالص سونے سے اور چاندی کے ڈھیلے کی خالص چاندی سے بیع: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز سونے کے ڈھیلے کی خرید و فروخت خالص ڈھلے ہوئے سونے کے بدلے منع فرما دیا۔ اس طرح چاندی کا ڈھیلا خالص ڈھلی ہوئی چاندی کے بدلے میں بھی ممنوع ہے۔ ارشاد نبوی ہے: «اِبْتَاعُوا تِبْرَ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ الْعَيْنِ وَتِبْرَ الْفِضَّةِ بِالذَّهَبِ الْعَيْنِ» ”سونے کی ڈلی کی بیع بغیر ڈلی یا خالص چاندی سے کر لو۔ اور چاندی کی ڈلی کی بیع خالص سونے یا ڈلی سے کر لو۔“[2]

حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ سونا سونے کے بدلے برابر خریدا جائے۔ اور چاندی چاندی کے بدلے برابر برابر خریدی جائے، کمی یا زیادتی نہ ہو۔ مگر جب سونا چاندی کے بدلے میں ہو تو برابری ضروری نہیں ہے۔[3]

⑥ مساقات اور مزارعت کا جواز: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خیبر کی زمین خیبر کے یہودیوں کو اسی شرط پر دی کہ وہ اس میں زراعت اور محنت و مشقت کریں اور آدھی پیداوار وہ لیں۔[4]

---

1 الصراع مع اليهود لأبي فارس: 134/3. 2 السيرة النبوية لابن هشام: 346/3. 3 صور وعبر من الجهاد النبوي للدكتور فوزي فيض الله، ص: 321. 4 صحيح البخاري، حديث: 4248.

بعض محققین نے یہاں سوال اٹھایا ہے کہ ان بیوع کے احکام خیبر کے موقع پر کیوں آئے اس میں کیا راز ہے؟

اس کا جواب شیخ ابو زہرہ نے یوں دیا ہے کہ خیبر کی فتح مالی لین دین کے اعتبار سے ایک نئی فتح تھی، لہٰذا اس وقت ہی مزارعت و مساقات کا حکم سامنے آیا جبکہ عام طور پر یہ یثرب میں نہ ہوتا تھا۔[1]

⑦ **متعہ کی حرمت:** حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے روز عورتوں سے متعہ کرنا منع فرما دیا اور گھریلو گدھوں کا گوشت بھی۔[2]

غزوۂ خیبر میں خواتین کی شرکت

حضرت امیہ بنت ابی الصلت بنوغفار کی ایک خاتون سے بیان کرتی ہیں کہ میں بنوغفار کی چند عورتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ہم سب نے ارادہ کیا ہے کہ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں گی تاکہ زخمیوں کا علاج اور مرہم پٹی کر سکیں اور اپنی طاقت کے مطابق ان کی مدو بھی کریں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «عَلٰی بَرَكَةِ اللّٰهِ» ''اللہ تعالیٰ سے برکت کی امید رکھتے ہوئے چل پڑو۔'' یہ غفاری عورت کہتی ہیں کہ پھر ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت اترے اور میں بھی کجاوے سے اتری۔ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ کجاوے میں میری بیٹھنے کی جگہ پر میرا خون پڑا ہوا ہے۔ یہ ایام حیض کا پہلا خون تھا جو مجھے آیا، چنانچہ میں اونٹنی کی طرف سمٹ گئی اور مجھے بڑی شرم آئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حالت دیکھی اور خون دیکھا تو فرمایا: «مَالَكِ، لَعَلَّكِ نُفِسْتِ؟» ''تجھے کیا ہوا؟ شاید تیرے مخصوص ایام آئے ہیں؟'' میں نے عرض کیا:

---

1 خاتم النبيين لأبي زهرة: 1104/2، والصراع مع اليهود لأبي فارس: 136/3. 2 صحيح البخاري، حديث: 5523، وصحيح مسلم، حديث: 1407.

''جی ہاں۔'' فرمایا: «فَأَصْلِحِي مِنْ نَّفْسِكِ، ثُمَّ خُذِي إِنَاءً مِّنْ مَّاءٍ فَاطْرَحِي فِيهِ مِلْحًا، ثُمَّ اغْسِلِي مَا أَصَابَ الْحَقِيبَةَ مِنَ الدَّمِ، ثُمَّ عُودِي لِمَرْكَبِكِ» ''تو اپنے آپ کو درست کر، (یعنی اپنی شرمگاہ پر کوئی کپڑا یا کوئی ایسی چیز رکھ لو جس سے خون باہر نہ نکلے) پھر پانی کا ایک برتن لے اس میں نمک ڈال، پھر اس سے گٹھڑی میں جہاں خون لگا ہے دھو ڈال اور اپنی سواری پر واپس چلی جا۔''

جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں سے مجھے بھی کچھ دیا اور یہ ہار جو میرے گلے میں نظر آرہا ہے آپ ﷺ نے اس موقع پر مجھے عنایت فرمایا تھا اور اپنے دستِ مبارک سے میرے گلے میں ڈالا تھا۔ اللہ کی قسم! یہ ہار میرے گلے سے کبھی دور نہیں ہوا۔

انھوں نے یہ وصیت بھی کی تھی کہ یہ ہار بھی ان کے ساتھ ہی قبر میں دفن کیا جائے۔ ان کا بیان ہے کہ ایام کے بعد جس پانی سے طہارت کرتی تھیں اس میں نمک ضرور ملاتی تھیں اور انھوں نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ جب مروں تو غسل کے پانی میں بھی نمک ملا لیا جائے۔[1] ہر نوجوان عورت کے سامنے ایک ایسی عورت کی زندہ تصویر ہے جو مسلمانوں کے شانہ بشانہ جہاد میں شرکت کا ارادہ رکھتی ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ اسی طرح صلح و جنگ کے زمانے میں امت کی تربیت فرماتے تھے۔

فتح خیبر کا اثر

خیبر، فدک، وادی القریٰ اور تیماء کی فتح سے جزیرۃ العرب کے مختلف قبائل میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ قریش کو غیظ و غضب اور پریشانی نے آلیا۔ انھیں اس بات کی ہرگز توقع نہ تھی کیونکہ یہود کے مضبوط ترین قلعوں، ان کے لاتعداد جنگجوؤں، بے بہا اسلحے اور دیگر

---

[1] مسند أحمد: 380/6، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 407/2، والسيرة النبوية لابن هشام: 357/3، والبداية والنهاية: 204/4. [2] فقه السيرة للغضبان، ص: 534.

سازوسامان کا انھیں بخوبی علم تھا۔[1]

وہ عربی قبائل جو قریش کے ہمنوا اور مددگار تھے، انھیں بھی خیبر میں یہود کی شکست اور مسلمانوں کی فتح نے پریشان اور رسوا کر دیا تھا۔ نتیجتاً وہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کی طرف مائل ہونے لگے کیونکہ انھیں احساس ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کی دشمنی سے انھیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس فتح نے جزیرۃ العرب کے کناروں تک اسلام کے پھیلنے کی راہ ہموار کر دی۔ مسلمانوں کا اقتصادی و معاشی استحکام بھی دشمن کی نظر میں ان کے پروقار ہونے کا سبب بنا۔[2]

فتح خیبر کے بعد چھوٹے چھوٹے لشکر ارسال کرنے کا کام جاری رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے جلیل القدر صحابہ کرام کو ان لشکروں کا سپہ سالار بنایا۔ بعض مہمات میں جنگ کی نوبت آئی اور بعض میں نوبت جنگ تک نہ پہنچی۔[3]

[1] نضرة النعيم:1/353. [2] نضرة النعيم:1/353. [3] السيرة النبوية للندوي، ص:221.

باب 2

حکمرانوں اور امراء کو دعوتِ اسلام

صلح حدیبیہ اسلامی قلمرو کا پہلا قدم تھا۔ اب یہ سلطنت جزیرہ نمائے عرب کے کونے کونے تک پھیل رہی تھی بلکہ جزیرہ کی حدود سے باہر بھی پھیل رہی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش کے ساتھ صلح حدیبیہ کا معاہدہ کیا۔ معاہدے کے فوراً بعد ہی حجاز کے شمال میں مقیم خیبر، وادی القریٰ، تیماء، فدک کے یہودی زیرِنگیں آئے۔ اب رسول اللہ ﷺ نے حجاز کی حدود سے باہر اسلام کی نشر واشاعت کا آغاز کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت کو سفیروں کے ذریعے جزیرہ نمائے عرب اور اس سے باہر کے ہم عصر عالمی رہنماؤں تک پہنچایا۔

یہ اسلام اور عرب کی تاریخ کا انقلاب آفریں موڑ تھا۔ اس لیے نہیں کہ رسول اللہ ﷺ عنقریب جزیرہ نمائے عرب کے عربوں کو متحد کر دیں گے بلکہ اس لیے کہ عرب کے لوگوں نے اسلام اور آسمانی پیغام قبول کر کے پوری انسانیت کی طرف دعوت اسلام پہنچانے کی ذمہ داری قبول کر لی تھی۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا رؤسا اور حکمرانوں کو دعوت دینے کا منہج دعوت کے لازمی وسائل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ رؤسا اور قبائل کو دعوت دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا نیا انداز اختیار فرمایا، یعنی رؤسا اور قبائل کے سربراہوں کی جانب (سفیر روانہ کیے اور)

---

[1] السفارات النبوية للدكتور محمد العقيلي، ص: 15.

کتابت کی۔ خط کتابت سے واضح اثر ہوا۔ کچھ نے تو اسلام قبول کر لیا، جبکہ دیگر نے اسلام سے محبت کا اظہار کیا۔ اسی طرح ان خطوط سے اسلامی دعوت اور مدینہ منورہ کی حکومت کے متعلق خیالات بھی بعض رؤسا اور حکمرانوں کے سامنے آ گئے۔ یوں ان خطوط سے کئی اہم نتائج برآمد ہوئے۔ اسلامی حکومت نے مختلف خطوط کے مختلف ردعمل کے لحاظ سے نیا سیاسی منہج تشکیل دیا۔*

ان میں سے اہم خطوط درج ذیل ہیں:

① ہرقل کو دعوتِ اسلام

صحیح روایات میں اس نامۂ مبارک کی تفصیلات موجود ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں، رومی حکمران ہرقل کے نام بھیجا تھا۔ یہ نامۂ مبارک صلح حدیبیہ کے بعد زمانۂ صلح میں بھیجا گیا تھا۔

اس کی عبارت درج ذیل تھی:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى. أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ، تَسْلَمْ، يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرِيسِيِّينَ وَ ﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝﴾

"شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت مہربان ہے نہایت رحم والا ہے۔ محمد بن

* العلاقات الخارجية للدولة الإسلامية للدكتور سعيد المهجر، ص: 112.

نمبر شمار	حامل مکتوب	ملک / شہر	مکتوب الیہ
1	عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ	اکسوم (حبشہ)	نجاشی
2	علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ	بحرین	منذر بن ساوی
3	عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ	طیسفون (مدائن)	کسرائے فارس خسرو پرویز
4	دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ	القدس (یروشلم)	قیصر روم ہرقل
5	حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	اسکندریہ (مصر)	مقوقس
6	عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ	عمان	جیفر و عبد پسران جلندی
7	سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ	یمامہ	ہوذہ بن علی
8	شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ	غوطہ (نواح دمشق)	حارث بن ابی شمر غسانی
9	مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ	یمن	حارث بن عبد کلال ⟵ اسے ڈاکٹر صلابی نے اپنی کتاب میں دیے گئے نقشے میں شامل کیا ہے۔

عبداللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے روم کے رئیس ہرقل کی طرف! جو سیدھے رستے پر چلے اس پر سلام ہو، امابعد! میں تمھیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ تم سلامت رہو گے، اللہ تعالیٰ تم کو دوہرا ثواب دے گا۔ اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو غریب رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہو گا۔ اور اے اہل کتاب: ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب بنائیں، پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔'' [1]

ہرقل نے نبی مکرم ﷺ کا خط وصول کیا۔ اس معاملہ پر غوروفکر کیا۔ ابوسفیان اور ہرقل کے درمیان لمبی گفتگو صحیحین میں مروی ہے۔ اس نے ابوسفیان سے نبی اکرم ﷺ کے احوال دریافت کیے اور اس کے بعد ابوسفیان سے کہا: ''جو تو کہتا ہے اگر وہ سچ ہے تو وہ عنقریب (میرے اس ملک کا) جو میرے پاؤں تلے ہے اس کا مالک ہو گا۔ مجھے علم تھا کہ اس کے ظہور کا زمانہ آرہا ہے۔ لیکن مجھے یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہو گا۔ اور اگر مجھے یہ امید ہوتی کہ میں اس تک پہنچ پاؤں گا تو میں ضرور اس سے ملنے کی کوشش کرتا اور اگر میں وہاں ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا (خدمت کرتا)۔'' [2]

② شاہ فارس کسریٰ کے نام

نبی اکرم ﷺ نے فارس کے حکمران کسریٰ کو خط ارسال فرمایا۔ وہ خط آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ وہ یہ خط بحرین کے حاکم کو دیں۔ وہ اسے کسریٰ کے پاس پہنچا دے گا جو اس نے کسریٰ کو پہنچا دیا۔ کسریٰ نے

[1] آل عمرٰن 64:3. [2] صحيح البخاري، حديث: 4553، وصحيح مسلم، حديث: 1773.

خط پڑھ کر پھاڑ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے لیے بددعا کی: ''اللہ انھیں ملیامیٹ کردے۔''[1] طبری کی روایت کے مطابق اس خط کی عبارت یہ تھی:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلٰى كِسْرٰى عَظِيمِ فَارِسَ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، وَآمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَشَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْمَجُوسِ»

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے فارس کے سربراہ کسریٰ کے نام۔ سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور میں اس کا بندہ اور تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں تاکہ میں ساری انسانیت کو متنبہ کروں۔ تم اسلام قبول کرلو محفوظ رہو گے۔ دعوتِ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں ایران کے تمام مجوسیوں کا گناہ تمھارے سر ہوگا۔''[2]

③ شاہ حبشہ نجاشی کے نام خط

رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کے حکمران نجاشی کو عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں خط روانہ فرمایا۔ خط کی عبارت درج ذیل ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ، إِلَى النَّجَاشِيِّ مَلِكِ الْحَبْشَةِ، أَسْلِمْ أَنْتَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ، السَّلَامُ، الْمُؤْمِنُ، الْمُهَيْمِنُ،

1 صحيح البخاري، حديث:4424، ومسند أحمد:243/1، ودلائل النبوة للبيهقي:387/4.
2 تاريخ الطبري:655,654/2.

وَأَشْهَدُ أَنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رُوحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ الْبَتُولِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِينَةِ فَحَمَلَتْ بِهِ، فَخَلَقَهُ مِنْ رُّوحِهِ وَنَفْخِهِ كَمَا خَلَقَ آدَمَ بِيَدِهِ، وَإِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ وَالْمُوَالَاةِ فِي طَاعَتِهِ وَأَنْ تَتَّبِعَنِي وَتُؤْمِنَ بِالَّذِي جَاءَنِي، فَإِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَإِنِّي أَدْعُوكَ وَجُنُودَكَ إِلَى اللّٰهِ۔ عَزَّوَجَلَّ۔ وَقَدْ بَلَّغْتُ وَنَصَحْتُ، فَاقْبَلُوا نَصِيحَتِي وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى»

’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے شاہ حبشہ نجاشی کے نام! تم اسلام قبول کرلو۔ میں تمھاری طرف اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو بادشاہ، نہایت پاک، سلامتی والا، امن دینے والا، نگران ہے۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم، اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں پاکیزہ اور پاکدامن مریم بتول کی طرف ڈال دیا اور اس کی روح اور پھونک سے مریم عیسیٰ علیہ السلام کے لیے حاملہ ہوئیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ میں اللہ وحدہ لاشریک کی جانب اور اس کی اطاعت پر ایک دوسرے کی مدد کی جانب دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تم میری پیروی کرو اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے اس پر ایمان لاؤ کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اور میں تمھیں اور تمھارے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ اور میں نے تبلیغ و نصیحت کر دی ہے، لہٰذا میری نصیحت قبول کرو اور اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔‘‘[1]

[1] نصب الراية للزيلعي: 421/4.

④ مقوقس حاکم مصر کا تذکرہ

نبی مکرم ﷺ کا حاکم مصر مقوقس کو خط ارسال کرنا اور اسی طرح اس کا آپ ﷺ کو واپسی جواب دینا صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ آپ ﷺ نے اسے خط ارسال ہی نہیں کیا۔ اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ نصوص تاریخی اعتبار سے بھی قابل طعن ہیں۔ بسا اوقات نصوص شکل و مضمون کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں مگر ملکی نظم و نسق میں شرعی اعتبار سے ان سے حجت نہیں لی جاتی۔ [1]

محمد بن سعد نے اپنی کتاب ''طبقات'' میں یہ بات ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسکندریہ کے حکمران اور قبطیوں کے رئیس کی طرف حاطب بن ابی بلتعہ لخمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ خط ارسال فرمایا تھا۔ اور یہ بھی کہ اس نے تعریف کی اور معاملہ بالکل قریب ہو گیا تھا مگر وہ مسلمان نہ ہوا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں کئی تحفے ارسال کیے جن میں ماریہ قبطیہ بھی تھیں۔ جب مقوقس کا جواب آپ ﷺ کو پہنچا تو آپ نے فرمایا:

«ضَنَّ الْخَبِيثُ بِمُلْكِهِ وَلَا بَقَاءَ لِمُلْكِهِ»

''خبیث اپنی حکمرانی پر ریجھ گیا ہے، حالانکہ اس کی حکومت کو بقا نہیں۔'' *

⑤ حاکم دمشق کی طرف نامۂ مبارک

رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی پر شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں منذر بن حارث بن ابوشمر غسانی حاکم دمشق کی جانب خط روانہ کیا۔ خط کی عبارت یہ تھی: «سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، وَآمَنَ بِهِ، إِنِّي أَدْعُوكَ إِلٰى أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، يَبْقٰى لَكَ مُلْكُكَ» ''اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے اور

---

1 السيرة النبوية الصحيحة: 459/2. * الطبقات الكبرىٰ: 261,260/1، والبداية والنهاية: 340/5، ونصب الراية للزيلعي: 422/4.

اس پر ایمان لائے۔ میں تمھیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ جو اکیلا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ تمھارے لیے تمھاری بادشاہت باقی رہے گی۔''[1]

⑥ حدیبیہ سے واپسی پر ہوذہ بن علی حنفی کی طرف مکتوب گرامی

رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ کو خط دے کر ہوذہ بن علی حنفی کی طرف روانہ کیا۔ ہوذہ نے مکتوب گرامی پڑھ کر (اسلام لانے کے لیے) شرط لگائی کہ کچھ کار پردازی میرے اختیار میں بھی دے دیں۔ آپ ﷺ نے اس کا مطالبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (ہوذہ، یمامہ کا حاکم تھا۔ فتح مکہ کے چند دن بعد فوت ہوگیا)[2]

⑦ منذر بن ساویٰ کی طرف مکتوب

حدیبیہ سے آتے ہی رسول اللہ ﷺ نے ابو العلاء حضرمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بحرین کے امیر منذر بن ساوی العبدی کو خط ارسال فرمایا۔ تاریخی حوالہ جات بیان کرتے ہیں کہ منذر نے آپ ﷺ کے خط کے جواب میں اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ بحرین کے تمام عرب بھی مسلمان ہو گئے۔ لیکن شہروں میں بسنے والے دیگر یہود و مجوس نے حضرت علاء اور منذر سے اس شرط پر صلح کر لی کہ ہر بالغ ایک دینار دے گا۔[3]

ابو عبید قاسم بن سلام نے منذر کی جانب لکھے گئے خط کی نقل بروایت عروہ بن زبیر بیان کی ہے۔ متن یہ ہے: «سَلَامٌ أَنْتَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا، فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ الرَّسُولِ، فَمَنْ أَحَبَّ ذٰلِكَ مِنَ الْمَجُوسِ فَإِنَّهُ آمِنٌ وَّمَنْ أَبٰى، فَإِنَّ الْجِزْيَةَ عَلَيْهِ»

---

[1] تاريخ الطبري: 652/2، ونصب الراية للزيلعي: 424/4. [2] نصب الراية للزيلعي: 425/4، وإعلام السائلين لابن طولون، ص: 105-107. [3] نصب الراية للزيلعي: 420/4.

''تم پر سلام ہو، میں تمھاری طرف اس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اما بعد! جو ہم جیسی نماز ادا کرے، ہمارے قبلے کی طرف منہ کرے، ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھائے تو وہ مسلمان ہے۔ جس کا ذمہ وعہد اللہ تعالیٰ پر ہے اور رسول پر۔ مجوس میں سے جو پسند کرے اسے امن حاصل ہوگا اور جو انکار کرے گا اس پر جزیہ لاگو ہوگا۔''[1]

⑧ شاہانِ عمان کی طرف مکتوبِ گرامی

ذوالقعدہ 8 ھ میں رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط دے کر جلندی کے بیٹوں جیفر اور عبد کی طرف روانہ کیا جن کا تعلق ازد سے تھا اور وہ عمان کے حاکم تھے۔[2] اس میں لکھا تھا:

«وِمنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُولِ اللّٰهِ لِعِبَادِ اللّٰهِ الْأَزْدِيِّينَ مُلُوكِ عُمَّانَ وَأُسْدِ عُمَّانَ مَنْ كَانَ مِنْهُمْ بِالْبَحْرَيْنِ، إِنَّهُمْ إِنْ آمَنُوا، وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَطَاعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَأَعْطَوْا حَقَّ النَّبِيِّ وَنَسَكُوا نُسْكَ الْمُؤْمِنِينَ فَإِنَّهُمْ آمِنُونَ وَأَنَّ لَهُمْ مَّا أَسْلَمُوا عَلَيْهِ، غَيْرَ أَنَّ مَالَ بَيْتِ النَّارِ ثُنْيًا لِّلّٰهِ وَرَسُولِهِ وَأَنَّ عُشُورَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ وَّنِصْفُ عُشُورِ الْحَبِّ، وَأَنَّ لِلْمُسْلِمِينَ نَصْرَهُمْ وَنُصْحَهُمْ وَأَنَّ لَهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِينَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَأَنَّ لَهُمْ أَرْحَائَهُمْ يَطْحَنُونَ بِهَا مَا شَاؤُوا»

''اللہ کے رسول محمد کی طرف سے، عمان کے بادشاہ اور بہادر ازدیوں کی جانب، بحرین کے باشندوں میں سے جو بھی ایمان لے آئیں، نماز ادا کرنے لگیں، زکاۃ کی ادائیگی کریں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجا لائیں، نبی ﷺ کا حق ادا کریں، دیگر اہل ایمان کی طرح مناسک ادا کریں تو وہ سب محفوظ و مامون ہیں، اسلام قبول کرتے

1 الأموال لأبي عبيد: 28. 2 صبح الأعشى: 376/6.

وقت ان کے پاس جو بھی (جائیداد) ہے وہ ان کی رہے گی مگر وہ مال جو کنیسوں میں ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خاص ہے۔ اس طرح کھجور کا عشر (دسواں حصہ) صدقہ ہوگا۔ غلہ میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہوگا۔ مسلمانوں کی مدد اور خیر خواہی کرنا ان کا فرض ہوگا۔ مسلمانوں پر بھی ان کا اسی طرح حق ہوگا، ان کی چکیاں ان کی ملکیت میں رہیں گی۔ جس قدر چاہیں جو چاہیں ان سے پیس سکتے ہیں۔''[1]

ان خطوط کے علاوہ بھی کئی دیگر خطوط تاریخ کتب میں ملتے ہیں مگر حدیث کے تحقیقی اعتبار سے ثابت نہیں۔[2]

میدانِ سفارت کے شاہسواروں کے لیے

''محمود شیت خطاب'' نے تمام خطوط سفراء پر مشتمل ایک انوکھی کتاب ''سفراء النبی'' میں جمع کیے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اسلامی پالیسی ساز شخص کے شرائط و اوصاف کا استنباط بھی کیا ہے، ان میں سے اہم یہ ہیں:

اسلام اور اس کی طرف دعوت: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: یہی میری راہ ہے، میں اور میرے فرماں بردار اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ۔ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔''[3]

جب تمام مسلمان ہی دین الٰہی کے داعی ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بادشاہوں کی طرف بھیجے گئے سفیر تو ان داعیوں میں سے بھی چنے ہوئے لوگ تھے۔[4]

[1] الأموال لأبي عبيد، ص: 31,30، رقم: 52. [2] نضرة النعيم: 348/1. [3] يوسف 108:12.
[4] سفراء الرسول ﷺ لمحمود شيت خطاب: 258/2.

فصاحت و بلاغت: سیاسی ذمہ داری نبھانے والے شخص کے لیے، فصاحت، عمدہ الفاظ اور خوبصورت معانی و مفاہیم ضروری امور میں سے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ذریعے فصاحت و بلاغت کا سہارا طلب کیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِي ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۝﴾

''اور میرا وزیر میرے خاندان میں سے کر دے، (یعنی) میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو، تو مجھے اس کے ذریعے تقویت دے۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں سے اپنے تمام سفراء و مبعوثین وہ منتخب کیے تھے جنھوں نے جزیرہ نمائے عرب ہی میں تربیت پائی اور کبھی کبھار بدویوں کے ساتھ رہے۔ یہ تمام صاف ستھری زبان کے مالک تھے۔ ابھی تک عجمیوں سے میل جول کی بنا پر ان کی زبان و طبع دھندلائی نہ تھی۔ یہ تمام ہی فصاحت و بلاغت کی خوبیوں سے متصف تھے۔

حسن اخلاق: نبوی سفراء کے اخلاق وہی تھے جو اسلام کے اخلاق تھے۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت میں مفصل ذکر فرمایا ہے، سفیر میں خاص طور پر سچائی اور تواضع ہونی چاہیے۔[2]

علم: یہاں ہمارے پیش نظر علم کا مقام و مرتبہ بیان کرنا نہیں کیونکہ یہ طویل موضوع ہے۔ ہم یہاں یہ بات بالتاکید بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کسی چیز کے متعلق علم کا ہونا خیال و نظریہ کے منتقل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نجاشی سے بڑے عمدہ پیرائے میں تبادلہ خیالات کرتے ہیں اور پھر سورہ ''مریم'' اس کے روبرو تلاوت کرتے ہیں۔ اس سے ہمیں بڑی حد تک پیغمبرانہ چناؤ کی عمدگی کا یقین ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جعفر رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک عالم کی گفتگو کیسی واضح اور نکھری ہوئی ہوتی ہے۔ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ الفاظ کے انتخاب اور عبارت کے

---

[1] طٰہٰ 20:29-31. [2] سفراء الرسول ﷺ لمحمود شیت خطاب: 278/2.

چناؤ پر انھیں کس قدر کامل عبور تھا۔ [1]

صبر: ارشادِ باری ہے:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ﴾

''تو (اے نبی!) آپ صبر کریں جس طرح عزم و ہمت والے رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی (عذاب) طلب نہ کریں، گویا کہ وہ (کافر) جس دن اس (عذاب) کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (تو سمجھیں گے کہ) وہ تو (دنیا میں) دن کی بس ایک گھڑی ہی ٹھہرے۔ یہ (تو پیغام) پہنچا دینا ہے، چنانچہ نافرمان لوگوں کے سوا کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا۔'' [2]

حقیقت یہ ہے کہ صبر ہی ایک داعی کی پونجی اور اس راہ پر چلنے والے کے لیے زادِ راہ ہے۔ اگر آپ رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور جلیل القدر صحابہ کی زندگیوں کی ورق گردانی کریں گے تو اسے صبر سے پُر پائیں گے۔ طائف میں آپ ﷺ کا کردار اس کی زندہ مثال ہے۔

شجاعت و بہادری: اسلامی تاریخ نے مسلمان سفراء اور رسول اللہ ﷺ کے بادشاہوں کی طرف بھیجے گئے صحابۂ کرام کی زندگیوں سے پردہ اٹھایا ہے کہ وہ کسی ملامت گر کی ملامت سے ہرگز نہ ڈرتے تھے۔

حکمت و دانائی: رسول اللہ ﷺ کے سفیر حکمت و دانائی سے متصف ہوتے تھے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تو اپنی مثال آپ تھے۔ ان سے پوچھا گیا: ''عاقل کون ہوتا ہے؟'' فرمایا: ''اندازے سے درستگی تک رسائی حاصل کر لینا، ماضی سے مستقبل کو بھانپ

[1] الفقه السياسي للوثائق النبوية لخالد الفهداوي، ص: 114. [2] الأحقاف 46:35.

جانا۔ عاقل وہ نہیں جو شر سے خیر کو ممتاز کر لے بلکہ عاقل تو وہ ہے جس کے سامنے دونوں صورتیں شر ہی کی ہوں پھر بھی وہ ان میں سے خیر کا پہلو بھانپ لے۔'' [1]

چارہ گری کی وسعت: سفیر کے لیے سیاسی دور اندیشی کا ہونا لازمی عنصر ہے۔ ایسے ہی وہ حلیم الطبع، راز دان اور بڑا چارہ گر ہو۔ اس کا سارا دار و مدار ذہانت و ذکاوت پر ہے جو سفیر کی اہم علامات میں سے ایک ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے سفیر عقل و دانش، ہوشیاری و چالاکی، اچانک پیش آمدہ مشکلات کا مناسب حل نکالنے والے اور کسی بھی ناگہانی صورت سے نپٹنے والے تھے اور یہی امور چارہ جوئی کی بنیادیں ہیں۔

خوبصورت شکل وصورت: اندرونی طور پر پاکی وطہارت اور صاف دلی کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سفیر ظاہری شکل و شباہت کے لحاظ سے بھی ممتاز تھے، آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام میں مذکورہ صفات کے حاملین کے ساتھ ساتھ ایسے سفراء کا انتخاب فرمایا جن میں عقلی اور نفسیاتی خوبیوں کے علاوہ حسن و جمال بھی وافر موجود تھا۔ [2]

یہ وہ اہم صفات ہیں جنھیں محمود شیت خطاب نے نبی اکرم ﷺ کے سفراء کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ہمارے سامنے رکھا ہے۔ یہ ایسی صفات ہیں جو کسی بھی مسلمان سفیر کو اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں اور ایک اسلامی حکومت کو اس اہم عہدے کا انتخاب کرنے کے لیے انھیں معیار بنانا چاہیے۔

حکمتیں، عبرتیں اور فوائد و نصائح

''اَرِیسِیِّین'' کی تحقیق: صرف ہرقل کی طرف لکھے گئے خط میں ''اَرِیسِیِّین'' یا ''یَرِیسِیِّین'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور کسی خط میں یہ لفظ نہیں آیا۔

علمائے حدیث اور اہل لغت اس کلمے کے مدلول ومفہوم میں اختلاف رکھتے ہیں۔

---

1 سفراء الرسول لمحمود شيت خطاب: 301/2. 2 مقومات السفراء في الإسلام لحسن فتح الباب، ص: 60.

مشہور قول یہ ہے کہ ''اَرِیسیِّین'' اُریسی'' بمعنی غلام، لونڈی یا کاشت کار کی جمع ہے۔ [1]

علامہ ابو الحسن کے مطابق ''اَرِیسیِّین'' سے مراد اُریوس کے پیروکار ہیں جو مصری تھا۔ اس نے ایک مسیحی فرقے کی بنیاد رکھی جس کا مسیحی عقائد کی تاریخ اور دینی اصلاح میں بڑا کردار ہے۔ اس کا بازنطینی حکومت اور مسیحی گرجا پر عرصہ دراز تک اثر و رسوخ رہا۔ آریوس وہی ہے جس نے توحید، خالق اور مخلوق میں امتیاز اور باپ، بیٹا میں تمیز، جیسا کہ یہ اصطلاحیں عیسائیوں کے ہاں معروف ہیں، کی آواز کئی صدیوں تک بلند رکھی۔ [2]

''آریوس'' کا عقیدہ اور دعوت، حضرت مسیح کو خدا اور ایک خدا کے مساوی قرار دینے کے عقائد سے عرصہ دراز تک ٹکراتا رہا۔ آپس میں لڑائی برابر جاری رہی۔ بازنطینی حکومت کے مشرقی علاقوں میں بہت سارے عیسائی اس عقیدہ کو اپنا چکے تھے تا آنکہ ''تیوسورس الکبیر'' نے قسطنطنیہ میں ایک مسیحی کانفرنس کا انعقاد کیا اور اس میں حضرت مسیح کے خدا ہونے اور خدا کا بیٹا ہونے کے عقیدے کا فیصلہ کیا۔ اس اعلان نے ''اُریوس'' کے پھیلائے ہوئے عقیدہ کو پس پشت ڈال دیا اور اس طرح وہ پردۂ اخفا میں جاتا گیا۔ لیکن اس کے بعد یہ عقیدہ ختم نہیں ہوا بلکہ عیسائیوں کا ایک گروہ اس پر کاربند رہا جو آہستہ آہستہ ''اُریسیہ'' یا ''اَرِیسیِّین'' کے نام سے مشہور ہوا، لہٰذا راجح یہی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے نامۂ مبارک میں یہی لوگ مراد لیے تھے۔

یہی گروہ عالمی بازنطینی حکومت میں توحید پرست تھا اور اس گروہ کا سردار خود ہرقل تھا۔ [3]

[1] السيرة النبوية للندوي، ص:304. [2] السيرة النبوية للندوي، ص:305. [3] علامہ ندوی رحمہ اللہ کی اُریسیوں کے متعلق اسی رائے کو معروف ڈاکٹر دوالبی نے اختیار کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے فرمان عالی میں اُریوس کے پیروکار مسیحی فرقے ہی کو مراد لیا ہے جو اکیلا دنیا میں بشریتِ مسیح کا قائل اور الوہیت مسیح کا منکر تھا۔ یہ عمدہ بحث ''نظرات اسلامیہ'' ص: 68-83، میں بھی قابلِ مطالعہ ہے۔ اور ملاحظہ کیجیے: السيرة النبوية للندوي، ص: 290.

امام ابوجعفر طحاوی نے اس فرقے کے متعلق کہا ہے کہ اس فن کے بعض ماہرین نے کہا ہے کہ ہرقل کے گروہ میں ایک فرقہ بنام ''اَروسیہ'' پایا جاتا تھا جو اللہ تعالیٰ کو اکیلا جانتا تھا۔ حضرت مسیح کے بندۂ خدا ہونے کا اقرار کرتا تھا اور جو عیسائی لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو رب کہتے ہیں، ان کا ایسا کوئی نظریہ نہیں تھا۔ اس طرح یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت پر یقین رکھتے تھے۔ یہ فرقہ انجیل مسیح کے دین مسیح کو اختیار کیے ہوئے تھا۔ اس کے سوا نصاریٰ جو بھی کہتے ہیں اس کا یہ فرقہ انکاری تھا۔ اور اگر واقعی بات ایسے ہی ہے تو اس فرقہ کو حالت رفعی میں ''اریسیون'' اور نصبی اور جری حالت میں ''اَریسِیّین'' کہنا صحیح ہے، جیسا کہ محدثین کا خیال ہے۔[1]

خطوط نبوی میں بادشاہوں کے متعلق خصوصی حکمتیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہوں کے نام جو خطوط روانہ کیے ان کا ایک منفرد پہلو یہ بھی تھا کہ جس بادشاہ کا جو عقیدہ یا نظریہ تھا اس کی طرف دعوت نامے میں اسی کا خیال رکھا گیا۔ اس اسلوب کی بنیاد دعوتی حکمتِ عملی تھی، لہٰذا اگر ہرقل اور مقوقس کلیتًا الوہیت اپنائے ہوئے تھے اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے تو ان دونوں کی طرف ارسال کردہ خط میں اپنے نام کے ساتھ ''عبداللہ'' کا کلمہ ذکر کیا۔ بسم اللہ کے بعد خط کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے: ''محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے روم کے رئیس ہرقل کی طرف'' اور اسی طرح ''محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے قبطیوں کے سردار مقوقس کی طرف'' جبکہ کسریٰ خسرو پرویز کی طرف لکھے گئے خط میں ایسا نہیں بلکہ صرف ''رسول اللہ'' پر اکتفا کیا گیا۔ عبارت یوں تھی: ''اللہ کے رسول محمد کی طرف سے ایران کے سربراہ کسریٰ کے لیے۔''

اسی طرح حسب ذیل آیت مبارکہ بھی ہرقل اور مقوقس کی طرف لکھے گئے مکتوبات میں شامل فرمائی:

[1] مشكل الآثار للطحاوي:3/399.

﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○﴾

''اے اہل کتاب !ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: اس بات کے گواہ رہو کہ بے شک ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔''[1]

جبکہ کسریٰ پرویز کو لکھے گئے خط میں یہ آیت بھی نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں ان اہل کتاب سے تخاطب ہے جو الوہیت مسیح کا دین اپنائے ہوئے تھے۔ اور جنھوں نے مسیح ابن مریم اور اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ رب بنا رکھا تھا۔ ہرقل بازنطینی حکومت کا رئیس اور مقوقس مصر کا حاکم تھا۔ دونوں حکمران سیاسی قائد ہونے کے ساتھ ساتھ دنیائے مسیحیت کے بڑے اہم دینی پیشوا بھی تھے۔[2]

ایرانی کسریٰ خسرو پرویز اور اس کی قوم سورج اور آگ کی عبادت کرتے تھے اور دو خداؤں کا نظریہ رکھتے تھے۔ ایک خیر کا خدا ''یزدان'' اور دوسرا شر کا خدا ''ہرمن'' تھا۔ یوں یہ لوگ نبوت کے درست مفہوم سے ہی دور اور آسمانی ہدایت کے تصور سے نابلد تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایرانی حاکم کو جو خط لکھا اس میں یہ عبارت تھی:

«وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا»

''میں تمام لوگوں کی جانب اللہ تعالیٰ کا پیغام رساں ہوں تا کہ زندہ (شعور والے) کو ڈراؤں۔''

1 آل عمرٰن3:64. 2 ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین للندوي، ص:39,38.

حکمرانوں کا ان خطوط کو وصول کرنے کا انداز بھی مختلف تھا۔ ہرقل، نجاشی اور مقوقس نے تو مؤدبانہ انداز اختیار کیا اور اپنے اپنے جوابات میں نرمی کا پہلو اپنایا۔ نجاشی اور مقوس نے رسول اللہ ﷺ کے سفیروں کا اکرام کیا۔ مقوقس نے تو تحفے تحائف بھی روانہ کیے جن میں دو کنیزیں بھی تھیں۔ ایک رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی والدہ ''ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا'' تھیں۔

کسریٰ پرویز نے آپ ﷺ کا خط پھاڑ دیا۔ اور کہا: ''میرا غلام ہو کر مجھے ایسا خط لکھتا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ کو اس کے طرز عمل کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «مَزَّقَ اللّٰهُ مُلْكَهُ» ''اللہ تعالیٰ اس کی حکومت پارہ پارہ کر دے۔''[1]

کسریٰ نے یمن کے ایرانی باجگزار گورنر باذان کو حکم دیا کہ وہ اس (خط ارسال کرنے والے) کو میرے دربار میں حاضر کرے۔ اس نے ''بابویہ'' کو یہ پیغام دے کر (رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں) روانہ کر دیا کہ حاکموں کے حکمران نے باذان کو لکھا ہے کہ آپ (ﷺ) کو اس کے ہاں حاضر کیا جائے۔ باذان نے مجھے آپ کی طرف روانہ کیا ہے کہ آپ (ﷺ) میرے ساتھ چلیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسریٰ پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا ہے اور اس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے جیسا بتایا تھا ویسا ہی ہوا۔ ایرانی تخت پر کسری پرویز کے بیٹے قباذ، جس کا لقب ''شیرویہ'' تھا، نے قبضہ کر لیا۔ کسریٰ اپنے بیٹے کے اشارے پر 628ء میں ذلیل وخوار حالت میں قتل کر دیا گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر حکمران خاندان کے ہاتھوں کھلونا بن گئی۔ خود ''شیرویہ'' بھی صرف چھ (6) ماہ زندہ رہ سکا۔ بعدازاں تخت پر چار (4) سال میں دس (10) حکمران پے در پے آئے۔ حکومت کی چولیں ڈھیلی ہو گئیں تا آنکہ لوگ ''یزدگرد'' پر متفق ہوئے جو بنو ساسان کا آخری فرمانروا

[1] تاریخ الطبري: 90/3. [2] تاریخ الطبري: 91,90/3.

ثابت ہوا۔ یہی شخص ساسانی سلطنت کو زمین بوس کرتی ہوئی اسلامی یلغار کے سامنے آیا۔ چار سو سال تک پھلنے پھولنے والی یہ حکومت کلیتاً 637ء میں پارا پارا ہوگئی۔ یوں صرف آٹھ سال کی قلیل مدت میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے خطوط کا عمومی وصف: ایک محقق یہ بات ملاحظہ کرے گا کہ تمام حکمرانوں اور گورنروں کو لکھے گئے رسول اللہ ﷺ کے خطوط کی عام باتیں ایک جیسی ہیں۔ ان سے ہم درج ذیل امور کا استنباط کر سکتے ہیں:

جو خطوط رسول اللہ ﷺ نے حاکموں اور گورنروں کو لکھے وہ سب بسم اللہ سے شروع ہوتے ہیں۔ اور بسم اللہ کتاب اللہ کی ایک آیت ہے۔ اس سے تحریر کی ابتدا بہت اہمیت رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کی اقتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے تحریروں کو شروع کرنا مستحب ہے۔ آپ ﷺ خط کتابت ہمیشہ اسی سے شروع فرماتے تھے۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ خط کتابت خواہ کافر کی طرف ہی ہو شروع میں بسم اللہ لکھنا درست ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ کافر قرآن پاک کی ایک آیت یا اس سے بھی زیادہ قرآن پاک پڑھ سکتا ہے کیونکہ آپ ﷺ کے خطوط میں بسم اللہ اور دیگر آیات لکھی ہوتی تھیں۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنبی شخص ایک آیت یا مزید قرآن پاک پڑھ سکتا ہے کیونکہ کافروں کی طرف یہ خطوط ارسال کیے گئے ان میں بسم اللہ بھی موجود ہے، حالانکہ وہ نجاست و جنابت سے قطعاً احتراز نہیں کرتے، لہٰذا وہ جنبی ہوتے ہوئے بھی وہ خط پڑھیں گے جس میں قرآنی آیات ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے حکمرانوں اور گورنروں کی جانب خطوط سے ہم درج ذیل مسائل کا استنباط کر سکتے ہیں:

[1] السيرة النبوية للندوي، ص: 300.

❁ مسلمان سفیروں کو ائمہ کفر کی طرف بھیجنا درست ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ جو بھی خط لکھتے تھے وہ کسی مسلمان شخص کے ہاتھوں مکتوب الیہ تک پہنچتا تھا۔

❁ دین و دنیا کے معاملات میں کفار سے خط کتابت کا جواز۔

❁ مرسل، مرسل إلیہ اور خط کا موضوع تمام خطوط میں لکھنا چاہیے۔ اسلام کی دعوت دیتے وقت اختصارِ کلام ملحوظ خاطر رہے۔

❁ کافر کو ابتدا میں اسلام کا ''سلام'' السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ نہیں کہنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی خط میں کسی بادشاہ کو بھی یہ ''سلام'' نہیں لکھا۔ بلکہ آپ ﷺ اس طرح سلام فرماتے: «اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی» ''جس نے ہدایت کی پیروی کی اس پر سلام۔'' یعنی اسلام قبول کر کے امن و سلامتی میں ہو جاؤ۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کافر کو اسلام والے ''سلام'' سے سلام نہیں کہنا چاہیے۔

❁ رسول اللہ ﷺ خط لکھنے کے بعد اس پر اپنی مہر ثبت فرماتے جس پر یہ تین الفاظ کندہ تھے: ''محمد رسول اللہ۔'' ایک سطر میں ''اللہ''، ایک سطر میں ''رسول'' اور ایک میں ''محمد'' لکھا ہوا تھا۔''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے روم کے بادشاہ کو خط لکھنا چاہا تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا: ''روم کے لوگ وہی خط پڑھتے ہیں جس پر مہر لگی ہو۔'' تو آپ ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بطور مہر بنوائی۔ گویا میں انگوٹھی کی سپیدی آپ ﷺ کے ہاتھ میں دیکھ رہا ہوں۔ اس پر ''محمد رسول اللہ'' کندہ کرایا گیا تھا۔''[2]

مردم شناسی: رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ باذان بن ساسان کامیاب منتظم اور اچھا حکمران ہے تو آپ ﷺ نے اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد اسے یمن سے معزول

1 صحيح البخاري، حديث: 65و 5878، وصحيح مسلم، حديث:(56)- 2092. 2 صحيح البخاري، حديث:2938.

نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی خوبیوں کی قدر افزائی فرماتے اور باصلاحیت انسان کو مناسب جگہ دیتے تھے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے یمنی حکمران کے فوت ہونے پر اس کے بیٹے ''شہر بن باذان'' کو یمن کا حاکم بنایا تھا۔[1]

مجوسیوں سے جزیہ لینا جائز ہے: یہ بات منذر بن ساوی کو لکھے گئے خط سے معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے یہود اور مجوسی کے متعلق اپنے موقف کا تذکرہ یوں فرمایا تھا: ''جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہا اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔''[2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ اور چند دیگر علماء کا خیال ہے کہ جو بھی انسان جزیہ دے مسلمان اسے قبول کریں گے، خواہ وہ اہل کتاب سے ہو یا نہ ہو، چاہے وہ عرب علاقوں کا بت پرست ہی ہو۔ زاد المعاد میں مرقوم ہے کہ علماء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ جزیہ ہر ایک امت سے قبول کیا جائے گا، جبکہ وہ دینا پسند کریں۔ یہود و نصاریٰ سے کتاب اللہ کی بنا پر اور مجوس سے سنت کی دلیل سے۔ ان کے علاوہ دیگر اقوام کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا کیونکہ مجوس مشرک ہیں۔ ان کے ہاں کوئی کتاب (آسمانی) نہیں۔ ان سے جزیہ وصول کرنے کا مطلب تمام اہل شرک سے جزیہ وصول کرنا ہے۔ رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب بت پرستوں سے جزیہ قبول نہیں کیا تو دراصل یہ لوگ جزیہ کی آیت نازل ہونے سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ یہ آیت تبوک کے بعد نازل ہوئی ہے۔[3]

کافر کا ہدیہ قبول کرنے کا جواز: رسول اللہ ﷺ کو مصر کے حاکم مقوقس نے حالت کفر میں آپ ﷺ کے سفیر حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ دو کنیزیں، سواری کے لیے ایک خچر اور لباس بطور ہدیہ بھیجا، جسے آپ ﷺ نے شرف قبولیت سے نوازا۔ انھی دو کنیزوں

---

1 غزوة الحديبية، لأبي فارس، ص:242. 2 غزوة الحديبية، لأبي فارس، ص:242.

3 زاد المعاد:5/91.

میں سے ایک ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔[1]

بادشاہوں اور امراء کو بھیجے گئے خطوط کے نتائج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خارجی سیاست میں غیر معمولی سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا۔ اور بعد میں آنے والے خلفاء کے لیے ایک یادگار مثال چھوڑ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بہادری اور قوت کا بھی مظاہرہ کیا۔ ایسے موقع پر اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی اور شخص ہوتا تو معاملے کے انجام سے ڈر (کر بیٹھ) جاتا۔ خاص طور پر جبکہ ان میں سے بعض خطوط بڑے طاقتور حکمرانوں کو بھی لکھے گئے جن کی سرحدیں عرب کے ساتھ ملتی تھیں، مثلاً: ہرقل، کسریٰ اور مقوقس وغیرہ۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کی دعوت پہنچانے کا عزم اور اس کی تائید و نصرت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے اقدامات پر ابھارا اور اس سیاست نے درج ذیل بہتر نتائج دیے:

- رسول گرامی قدر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سیاست کے ذریعے سے بین الاقوامی طور پر ایسے تعلقات کی بنیاد رکھی کہ اس سے قبل انسانیت اسے جانتی ہی نہ تھی۔
- حکومت اسلامیہ کی قوت تسلیم کی گئی۔
- رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس خط کتابت نے حکمرانوں اور امراء کی چھپی نیتوں اور سیاسی پالیسیوں کو کھول کر رکھ دیا اور یہ بھی کہ وہ آپ کی دعوت کے متعلق کیا سوچتے ہیں۔
- اسلامی دعوت کے عالمی ہونے کی یہ ایک عملی تدبیر تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۂ عرب سے باہر کے حاکموں سے خط کتابت کی۔ وہ اسلامی عالمگیریت جس کا تذکرہ مکی عہد میں نازل ہونے والی قرآنی آیات نے یوں کیا ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَٰلَمِينَ ۝﴾

”اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔“[2]

[1] غزوۃ الحدیبیۃ لأبي فارس، ص:243. [2] الأنبیآء21:107.

اسی طرح مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾

''کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''[1]

حقیقت یہی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں کے ساتھ جن ممالک کی سرحدیں ملتی تھیں وہاں کے حکمرانوں اور عرب امراء کی جانب رسول اللہ ﷺ کے خطوط سے آپ کی سیاست کے خارجی اقدام کا آغاز ہوا، چنانچہ حکومت کا مرتبہ و مقام بڑھا۔ بین الممالک دینی و سیاسی مقام پیدا ہوا۔ اور یہ سب کچھ فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ اس طرح اسی سیاست نے ''عام الوفود'' کے لیے بطورِ تمہید تمام بلادِ عرب میں رسول ﷺ کی حیثیت کو واضح کیا۔[2]

[1] الأعراف 7:158۔ [2] التاريخ السياسي والعسكري للدكتور علي معطي، ص:351.

عمرۂ قضا (7ھ)

7ھ ذوالقعدہ میں رسول اللہ ﷺ عمرے کے ارادے سے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے جیسا کہ صلح حدیبیہ میں قریش کے ساتھ معاہدہ ہو چکا تھا۔ عمرہ قضا کے لیے نکلنے والوں کی تعداد (عورتوں اور بچوں کے علاوہ) دو ہزار تھی۔ اہل حدیبیہ میں سے صرف وہی افراد پیچھے رہے جو خیبر میں شہید ہو چکے تھے یا اس سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔[1]

نبوی قافلہ بستیوں اور وادیوں کو عبور کرتا ہوا بڑی شان و شوکت اور بارعب طریقے سے مکہ مکرمہ کے راستے پر چلا جا رہا تھا۔ یہ مقدس قافلہ مکہ و مدینہ کے رستے پر واقع بستیوں کے قریب سے گزرتا تو دونوں اطراف کے باسی اس بے مثال منظر کو دیکھتے رہ جاتے کہ تمام مسلمان احرام زیب تن کیے، باآواز بلند تلبیہ کہتے، قربانیوں کو نشان لگائے اور قلادے پہنائے قدم بقدم آگے بڑھ رہے تھے۔[2]

احتیاطی تدابیر

نبی مکرم ﷺ نے اپنے ساتھ مکمل اسلحہ لیا تھا۔ کسی بھی ناگہانی صورت حال کے پیش نظر صرف تلواروں پر اکتفا نہ کیا۔ یہ احتیاط خصوصاً اس لیے تھی کہ مشرکین طے شدہ معاہدے اور پختہ قسم کے عہد کا بھی کوئی خیال نہیں رکھتے تھے۔[3]

قافلے کا ہراول دستہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دو سو سواروں پر مشتمل تھا۔ قریش

1 السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري، ص:464. 2 منهج الإعلام الإسلامي لسليم حجازي، ص: 310. 3 صلح الحديبية لأبي فارس، ص:267.

کو خبر پہنچی تو انھوں نے فوراً مکرز بن حفص کو، قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ معاملے کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ لوگ مرّ الظہران کی وادی یاجج [1] میں مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ سے آملے اور پوچھا: ''اے محمد! بخدا آج تک بچپن یا اس عمر میں ہم نے آپ کو دھوکا کرتے نہیں دیکھا! (آج) آپ حرم میں بحالت اسلحہ داخل ہو رہے ہیں! حالانکہ آپ نے شرط مانی تھی کہ معاہدے کے مطابق ہی داخل ہوں گے اور پھر حرم میں صرف نیام بند تلواریں لے کر آئیں گے۔'' رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: «لَا نَدْخُلُهَا إِلَّا كَذٰلِكَ» ''ہم شرط کے مطابق ہی داخل ہوں گے۔'' اس کے بعد مکرز اپنے ساتھیوں سمیت تیزی سے مکہ مکرمہ واپس چلا گیا اور ان سے کہا: ''محمد (ﷺ) طے شدہ شرائط پر قائم ہیں اور حرم میں اسلحے سمیت داخل نہیں ہوں گے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے اسلحہ احتیاط کے پیش نظر حرم سے باہر قریب ہی رکھ دیا اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دو سو شاہسوار حفاظت پر مامور کیے جو رسول اللہ ﷺ کے حکم کا انتظار کریں اور جس جانب بھی ضرورت پڑے فوراً حرکت میں آئیں۔ [3]

رسول اللہ ﷺ قریش کی چالوں سے بے خبر نہ تھے۔ قبل ازیں انھوں نے آپ پر اور مسلمانوں پر متعدد دفعہ ناگہانی حملے کا پروگرام بنایا تھا، اس لیے اب آپ نے بچاؤ کا پورا بندوبست کیا تھا لیکن معاہدہ بھی پورا کیا۔ یوں آپ ﷺ نے امت کو دشمن کے متعلق احتیاط برتنے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ [4]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا اسلحے کی حفاظت پر مامور رہنا عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ [5]

---

[1] یاجج: مکہ مکرمہ کے قریب آٹھ میل کے فاصلے پر ایک وادی ہے۔ [2] دلائل النبوة للبيهقي: 321/4، والمغازي للواقدي: 734/3، والطبقات الكبرىٰ: 121/2. [3] صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 268. [4] صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 275. [5] صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 277.

مکہ مکرمہ میں داخلہ، طواف اور سعی

رسول اللہ ﷺ نے وادی یاجج سے اپنی اونٹنی ''قصواء'' پر مکہ مکرمہ کی جانب سفر جاری رکھا۔ آپ مکہ مکرمہ میں اس گھاٹی سے داخل ہوئے جو ''حجون'' پر جا نکلتی ہے۔ اس دوران مسلمان حفاظت نبوی کی بنا پر تلواریں گردنوں میں لٹکائے ہر طرف نظر رکھے ہوئے تھے اور لبّیك اللّٰھم لبّیك کی صدائیں گونج رہی تھیں۔[1]

تلبیہ پکارنے کا ایک مقصد اعلان توحید اور اسلام کی رفعت تھا۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب شرک کو باطل قرار دینا تھا۔ یہ اس ذات باری تعالیٰ کی حمد و ثنا کا اعلان بھی تھا جس نے انھیں اس عبادت کو بجا لانے کا موقع عطا فرمایا تھا۔[2]

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نبوی سواری کی لگام تھامے ہوئے یوں رجزیہ اشعار پڑھ رہے تھے:

خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ
خَلُّوا فَكُلُّ الْخَيْرِ فِي رَسُولِهِ

''اے کفار کے بیٹو! اللہ کے رسول کا راستہ چھوڑ دو، راستہ چھوڑ دو کہ ساری بھلائی اللہ کے پیغمبر ہی میں ہے۔''

يَا رَبِّ إِنِّي مُؤْمِنٌ بِقِيلِهِ
أَعْرِفُ حَقَّ اللّٰهِ فِي قَبُولِهِ

''اے پروردگار! میں ان کی بات پر ایمان رکھتا ہوں۔ انھیں مان کر ہی اللہ تعالیٰ کا حق پہچانتا ہوں۔''

1 التاريخ السياسي والعسكري للدكتور علي معطي، ص: 353. 2 صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 277.

ضَرْباً يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ

وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ

''(تمھیں) ایسی مار ماریں گے کہ کھوپڑی اپنی جگہ سے چھٹک جائے گی۔ اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دے گی۔''[1]

اکثر کتب سیرت و مغازی نے تذکرہ کیا ہے کہ اہل مکہ بلند جگہ سے مسلمانوں کا منظر دیکھنے کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے، جبکہ ان کی اکثریت، اس وقت کعبہ کے ساتھ موجود دارالندوہ کے پاس رہی تاکہ مکہ مکرمہ اور بیت اللہ الحرام میں داخل ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا مشاہدہ کریں۔[2]

مشرکین نے مسلمانوں کے خلاف مشہور کر رکھا تھا کہ انھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ پہلے تین چکروں میں رمل (پہلوانوں کی طرح کندھے ہلاتے ہوئے تیز تیز چلنا) کریں مگر رکن یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان (عام چال) چلتے ہوئے گزریں۔[3]

تاکہ مشرکین ان کی جسمانی قوت کا مشاہدہ کرلیں۔ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ الحرام میں داخل ہوئے اور اپنی چادر سے اضطباع کیا۔ (دائیں بغل کے نیچے سے چادر (احرام) کا کچھ حصہ گزار کر (دوسرا کنارہ) بائیں کندھے پر ڈال لینا)۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں کندھا کپڑے سے باہر رکھا اور طواف شروع کر دیا۔ آپ کے اصحاب بھی آپ کی پیروی کر رہے تھے۔ جب مشرکین نے یہ دیکھا تو کہنے لگے: ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق تم سمجھ رہے تھے کہ بخار نے انھیں کمزور کر دیا ہے۔ دیکھو! یہ کتنے طاقتور ہیں۔''[4]

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 2847، والسنن الكبرىٰ للنسائي: 202/5، ودلائل النبوة للبيهقي: 323/4، وصحيح السيرة النبوية للدكتور العمري، ص: 481. [2] منهج الإعلام الإسلامي لسليم حجازي، ص: 314. [3] صحيح البخاري، حديث: 4256، وصحيح مسلم، حديث: 1266.

[4] صحيح مسلم، حديث: 1266، وصحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 481.

مسجد حرام میں داخل ہوتے وقت، اضطباع کرنے، رمل کرنے اور تلبیہ کہنے سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد قریش کو مرعوب کرنا تھا تاکہ اس طرح ان کے سامنے مسلمانوں کی قوت، عزم و ارادہ، دین سے مضبوط لگاؤ اور اپنے دفاع کی بھرپور صلاحیت کا اظہار کیا جائے۔ اس پالیسی نے مشرکین کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے اس انداز سے مشرکین کو غیظ و غضب میں مبتلا کر دیا۔ مشرکینِ مکہ کی چالوں کو ناکام کرتے ہوئے اور انھیں غصہ دلاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے قرب الٰہی کو پالیا۔ غزوۂ احد میں بھی آپ ﷺ نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو مشرکین کے سامنے اکڑ کر چلنے کی اجازت دی تاکہ مومن کی عزت و وقار کا اظہار ہو۔ اور اسی لیے بھی کہ یہ بات مشرکین کو غصہ دلانے والی تھی۔ انھیں مزید غصہ دلانے کے لیے ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے سر پر سرخ پٹی باندھ لی اور رسول اللہ ﷺ نے اسے ناپسند نہ فرمایا۔ اسی طرح غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر جب قربانی کرنے کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے ابوجہل کے اونٹ کو بھی مشرکین کے سامنے ذبح کیا تاکہ مشرکین کو غزوۂ بدر میں اپنے سرداروں کی موت اور قیدیوں کی ذلت یاد آئے اور انھیں غم لاحق ہو۔ یہاں بھی عمرے کے دوران رمل کرنے اور مسلمانوں کی قوت کا اظہار کرنے کا مقصد یہی تھا کہ ان کی سوچیں اور تدبیریں ناکام بنا دی جائیں۔[2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ مشرکین کے ساتھ تدابیر اختیار کرنے میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف فرماتے تھے۔“[3]

یہ نفسیاتی جنگ تھی، اس کے بہتر نتائج بھی سامنے آئے۔ آپ تین دن مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔ بیت اللہ الحرام کا طواف کرتے رہے۔ اذانیں بلند ہوتی رہیں اور آپ ﷺ باجماعت نماز کا اہتمام فرماتے رہے۔ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ بلند آواز سے بیت اللہ

[1] منهج الإعلام الإسلامي لسليم حجازي، ص: 315. [2] صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 282. [3] زاد المعاد: 371/3.

الحرام کی چھت پر اذان دیتے۔ اس کا مشرکوں پر بجلی کے کڑکے کا سا اثر ہوتا تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ اسلحہ اور دیگر دفاعی سامان کی حفاظت کرنے والے رفقاء کو بھی نہ بھولے۔ ان کی جگہ دوسروں کی ذمہ داری مقرر کر دی جو طواف و سعی کر چکے تھے۔[2]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ام الفضل (سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی) کی ہمشیرہ تھیں۔ جب ان کے خاوند ابو رہم بن عبدالعزیٰ فوت ہوئے تو اس وقت ان کی عمر چھبیس برس تھی، خاوند کے فوت ہونے پر انھوں نے اپنا معاملہ ام الفضل کے سپرد کر دیا۔ ام الفضل رضی اللہ عنہا نے یہ ذمہ داری اپنے خاوند حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سونپ دی، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح اپنے بھتیجے حضرت محمد ﷺ سے کر دیا اور اپنی طرف سے چار سو درہم حق مہر بھی ادا کر دیا۔[3]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ حدیبیہ کے معاہدے کے مطابق جب تین دن گزر گئے تو آپ چاہتے تھے کہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے عقد نکاح کو اپنے اور قریش کے درمیان گفت و شنید اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا ذریعہ بنائیں۔ اس دوران سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ معززین قریش کا وفد لے کر آگئے اور کہا: ”آپ کا طے شدہ وقت گزر چکا ہے، لہٰذا یہاں سے چلے جائیے۔“

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: «وَمَا عَلَيْكُمْ لَوْ تَرَكْتُمُونِي فَأَعْرَسْتُ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ وَصَنَعْنَا لَكُمْ طَعَامًا، فَحَضَرْتُمُوهُ؟!» ”اگر تم مجھے یہاں ابھی رکنے دیتے تو کیا حرج تھا کہ میں تمھارے ہاں شادی کرتا، ہم تمھارے لیے کھانا تیار کرتے، پھر تم اس میں شریک ہوتے۔“ مگر ان لوگوں نے جواب دیا: ”ہمیں آپ کے کھانے کی ضرورت نہیں، بس مکہ چھوڑ کر چلے جائیں۔“[4]

---

1 صلح الحديبية لأبي فارس، ص:270. 2 صلح الحديبية لأبي فارس، ص:277. 3 صور وعبر من الجهاد النبوي للدكتور فوزي فيض الله، ص:326. 4 السيرة النبوية لابن هشام: 4/ 14، ودلائل النبوة للبيهقي:4/330.

چنانچہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوگئے اور اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کے لیے چھوڑ گئے۔ جب آپ ﷺ سرف میں پہنچے تو وہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو لے کر وہیں آگئے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں شامل ہونے والی آخری (خوش قسمت) خاتون تھیں۔ امہات المومنین میں سے بھی آپ سب سے آخر میں وفات پانے والی ہیں۔ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سرف میں فوت ہوئیں اور یہیں دفنائی گئیں اور یہی ان کی جائے ولیمہ بھی تھی۔[1]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے متعلق ایک مشہور فقہی مسئلہ بھی موجود ہے جس کے بارے میں فقہاء کے درمیان خاصا اختلاف رہا ہے۔ وہ یہ کہ آیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا یا حالت احرام سے نکل کر؟ فقہی کتب میں اس مسئلے سے متعلق خاصی تفصیلات موجود ہیں۔[2]

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا مسلمانوں سے ملنا

اسلام کی وجہ سے لوگوں میں بڑی تبدیلی آچکی تھی۔ وہی بیٹی جس کو شرفائے عرب باعث عار قرار دیا کرتے تھے اور اس عار کے ڈر سے بعض قبائل میں بیٹی کو زندہ درگور کرنے کی روایت چل نکلی تھی۔ وہی بیٹی اب انسانوں کو اچھی لگنے لگی تھی۔ اس کی تربیت کے سلسلے میں مسلمان ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس ضمن میں ہر آدمی اپنا حق دوسرے کے برابر خیال کرتا، الا یہ کہ کسی خاص صورت میں کسی کو اس کی تربیت کا زیادہ حق ملتا۔[3]

---

1 هذا الحبيب محمد ﷺ يا محب للجزائري، ص:375. 2 فقه السيرة للبوطي، ص:258.

3 السيرة النبوية للندوي، ص:321.

نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے واپسی کا ارادہ فرمایا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی چچا چچا پکارتے ہوئے آ گئی، انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لے لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''اپنے چچا کی بیٹی لے لو۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ، زید رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ اس کے متعلق جھگڑنے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔'' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرے بھی چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ (اسماء بنت عمیس) میرے نکاح میں ہے۔'' حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما نے کہا: ''یہ میری بھتیجی ہے۔'' آخر نبی اکرم ﷺ نے اس کی خالہ کے حق میں فیصلہ دے دیا اور فرمایا: «اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ» ''خالہ ماں کی طرح ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ» ''تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں۔'' اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي» ''تو صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہے۔'' اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا» ''تو ہمارا بھائی اور ہمارا دوست ہے۔''[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: ''آپ حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح کر لیجیے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ» ''وہ تو میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہے۔''[2]

اس قصے میں کئی اسباق، عبرتیں، حکمتیں اور فائدے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

- خالہ، ماں کی طرح ہے۔
- والدین کی عدم موجودگی میں بچے کی پرورش کا زیادہ حق خالہ کو ہے۔
- حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی پاکیزگی کا تذکرہ بھی اس فرمان میں موجود ہے: ''تو صورت اور سیرت میں میری طرح ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري، حديث:4251,2699، وجامع الترمذي، حديث: 1904. [2] صحيح البخاري، حديث:4251، وصحيح مسلم، حديث:1446.

* حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عظیم مرتبہ بھی واضح ہے: ”تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔“ نسب اور سسرالی رشتے کے لحاظ سے، سبقت الی الاسلام اور باہمی محبت کے اعتبار سے۔
* حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا یہ عظیم شرف کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنا بھائی اور دوست قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم فرمائی تھی، لہٰذا وہ حضرت حمزہ کے بھائی ٹھہرے۔ یوں وہ اپنے ذمے سگے بھائی کے واجبات وحقوق خیال کرتے تھے، اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ ان پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا سرپرست بننا واجب ہے۔
* پرورش میں خالہ کو چچی اور پھوپھی کے مقابلے میں ترجیح دی جائے گی۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو حق پرورش دیا، حالانکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا، یعنی بچی کی پھوپھی بقید حیات تھیں۔
* کسی بھی عورت کا نکاح کر لینا اس کے ذمے کسی کے حق پرورش کو ختم نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی پرورش کا فیصلہ خالہ کے حق میں صادر فرمایا، حالانکہ اس وقت وہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔
* خالہ بھانجی کو اس وقت پرورش میں لے سکتی ہے جب خاوند اس سے اتفاق کرے۔ بیوی خاوند کی پابند ہوتی ہے، اس لیے خاوند کی اجازت طلب کرنا ضروری ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ازخود حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو اس کی خالہ (اپنی اہلیہ) کی پرورش میں دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ یہی بات ان کی رضامندی کی دلیل ہے۔
* بچہ اگر اپنے چچا کے ساتھ دودھ میں شریک ہو جائے تو وہ اس کا بھائی قرار پائے گا۔ اور چچا کی تمام بیٹیاں (عم زادیاں) اس کی بھتیجیاں سمجھی جائیں گی، لہٰذا اس کے لیے ان سے نکاح کرنا حرام ہوگا۔[1]

[1] زاد المعاد: 375,374/3، وصلح الحديبية لأبي فارس، ص: 286.

عمرۂ قضا کے نتائج

پورے جزیرہ نمائے عرب پر عمرۂ قضا کا اچھا اثر پڑا۔ مسلمانوں کی تبلیغ سے خالد بن ولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔

قریش پر اس عمرے کا گہرا اثر ہوا۔ جنرل محمود شیت خطاب کہتے ہیں: ''عمرۃ القضاء نے قریش پر گہرا اثر چھوڑا۔ اکثر قریشی دارالندوہ کے پاس کھڑے رہے اور دیگر افراد آس پاس کی پہاڑیوں پر کھڑے ہو گئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا مکہ مکرمہ میں داخلے کا منظر دیکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو دایاں کندھا چادر سے باہر نکالا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً أَرَاهُمُ الْيَوْمَ مِنْ نَّفْسِهٖ قُوَّةً»

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے مشرکین مکہ کو اپنی قوت کا مشاہدہ کرایا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور صحابہ کے ساتھ رمل کرنے لگے۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ بھی نہ چھوڑ پائے تھے کہ خالد بن ولید قریش کے ایک گروہ میں کھڑے ہو کر کہہ رہے تھے۔ ہر عقل مند کے سامنے یہ بات کھل گئی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ جادوگر ہیں نہ شاعر اور وہ جو کلام سناتے ہیں وہ رب العالمین کا کلام ہے۔ ہر ذی شعور پر لازم ہو گیا ہے کہ وہ ان کی اتباع کرے۔

خالد کی یہ بات ابوسفیان کو معلوم ہوئی تو اس نے تصدیق چاہی اور خالد سے پوچھا: آپ نے یہ بات کی ہے؟ خالد نے تصدیق کی۔ ابوسفیان غصے سے بھرا اس کی جانب لپکا مگر وہاں موجود عکرمہ بن ابی جہل نے معاملہ رفع دفع کرا دیا۔ اور کہا: ''ابوسفیان! ٹھہر جاؤ، اللہ کی قسم! میں خود خالد جیسے خیالات کی بنا پر ایسی ہی بات زبان پر لانے اور اس جیسا

نظریہ اپنانے کا خدشہ محسوس کر رہا ہوں۔ تم خالد کی رائے جو اس نے خود اختیار کی ہے، اس پر لڑتے ہو! قریش سارے کے سارے اس کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں! اللہ کی قسم! مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ایک سال کے اندر اندر تمام اہل مکہ محمد (ﷺ) کی اتباع کر لیں گے۔''

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے اور خود کعبۃ اللہ کے متولی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے۔ بلکہ مکہ مکرمہ کے ہر گھر میں اسلام علانیہ یا چپکے چپکے داخل ہو چکا تھا۔ اس کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''عمرۃ القضاء'' نے مسلمانوں کے مکہ مکرمہ فتح کرنے سے پہلے ہی اہل مکہ کے دلوں کے در کھول دیے تھے۔ [1]

عباس محمود العقاد کہتے ہیں: ''یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ عمرۃ القضاء کے مثبت اثرات نے خالد بن ولید اور عمرو بن العاص جیسے یگانہ روزگار افراد کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔'' [2]

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام: آیئے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ انھی کی زبانی سنتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے: ''جب ہم غزوۂ خندق کے بعد لشکروں سمیت واپس ہوئے تو میں نے قریش کے کچھ آدمی جمع کیے جو میری بات بھی سن سکتے تھے اور میرے ہمنوا بھی تھے۔ میں نے ان سے کہا: ''اللہ کی قسم! تم دیکھ رہے ہو کہ محمد (ﷺ) ہر لحاظ سے غالب آتا جا رہا ہے۔ میری ایک رائے ہے مگر تم بتاؤ تمھارا کیا خیال ہے؟'' انھوں نے پوچھا: ''تمھارا کیا خیال ہے؟'' میں نے کہا: ''میرا خیال ہے کہ ہم نجاشی کے پاس چلے جائیں اور وہیں سکونت اختیار کر لیں، محمد (ﷺ) اگر اپنی قوم کے مقابلے میں فتح یاب ہوتا ہے تو ہمیں کیا غرض۔ ہم تو وہاں ہوں گے اور ہمیں اس کی ماتحتی کے مقابلے میں نجاشی کی تابعداری قبول ہو گی۔ مگر ہماری قوم نے اس پر فتح پائی تو وہ ہمیں جانتے ہی

---

[1] الرسول القائد ﷺ لمحمود شیت خطاب، ص: 210,209. [2] عبقریة محمد ﷺ للعقاد، ص: 69.

ہیں۔ہمیں ان سے اچھی ہی توقع ہوگی۔‘‘ سب نے اس رائے پر اتفاق کر لیا۔ میں نے کہا: ’’نجاشی کے لیے ہدیہ اکٹھا کریں۔‘‘ ہمارے ہاں سے اسے بہتر ہدیہ چمڑا ہی پیش ہوتا تھا، چنانچہ ہم نے ڈھیر سارا چمڑا جمع کر لیا اور اس کی جانب چل دیے۔اللہ کی قسم! ہم اس کے پاس ہی تھے کہ وہاں عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ آ گئے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے پاس حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق گفتگو کے لیے بھیجا تھا۔عمرو رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے، پھر واپس ہوئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ’’یہ عمرو بن امیہ ہے۔‘‘ اگر میں نجاشی کے پاس جاؤں اور اس سے اسے مانگ لوں، وہ مجھے دے دے تو اسے قتل کر سکتا ہوں، اگر ایسا کیا تو قریش سمجھیں گے کہ میں نے ان کی جانب سے کفایت کی ہے۔(ان کی کمی پوری کر دی ہے) کیونکہ محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) کا سفیر قتل کر دیا ہے،مشورہ کر کے میں نجاشی کے پاس چلا گیا۔حسب روایت اسے سجدہ کیا تو اس نے کہا: ’’اے دوست! خوش آمدید۔ اپنے علاقے سے کوئی ہدیہ بھی لائے ہو۔‘‘ میں نے کہا: ’’جی ہاں، بادشاہ سلامت! میں ڈھیر سارا چمڑا بطور ہدیہ لایا ہوں۔‘‘ یہ کہتے ہوئے میں نے چمڑا آگے بڑھا دیا۔اس کو وہ بڑا اچھا لگا۔

پھر میں نے عرض کیا: ’’بادشاہ سلامت! میں نے یہاں سے ابھی ایک آدمی کو نکلتے دیکھا ہے۔ وہ ہمارے دشمن کا سفیر ہے۔آپ وہ مجھے دے دیں تو میں اسے قتل کر دوں کیونکہ ان لوگوں نے ہمارے بہت سارے معزز اور شرفا مار ڈالے ہیں۔‘‘ یہ سن کر نجاشی غصے سے بھر گیا۔اس نے اپنا ہاتھ دراز کیا اور میری ناک پر اس زور سے مارا کہ میں سمجھا میری ناک ٹوٹ گئی ہے۔ مجھے اتنا ڈر لگا کہ اگر زمین پھٹ کر جگہ دے دیتی تو میں اس میں داخل ہو جاتا۔ میں نے عرض کیا: ’’بادشاہ سلامت! اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ اس مطالبے پر ناراض ہوں گے تو میں ایسا سوال ہی نہ کرتا۔‘‘ نجاشی نے کہا: ’’تم اس شخص کا سفیر قتل کرنے کے لیے مانگتے ہو جس کے پاس وہ فرشتہ آتا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا۔‘‘

میں نے کہا: ''بادشاہ سلامت! کیا واقعی ایسا ہے؟'' نجاشی نے کہا: ''تیرا ستیا ناس! اے عمرو! میرا کہا مانو تو اس کی اتباع کرلو۔ اللہ کی قسم! وہ حق پر ہے۔ اور وہ اپنے مخالفین پر ایسے ہی غالب آئے گا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اوراس کے لشکروں پر غالب آ گئے تھے۔'' میں نے عرض کیا: ''کیا آپ مجھے قبول اسلام پر بیعت کراتے ہیں؟'' اس نے کہا: ''ہاں!'' نجاشی نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے اسلام کی بیعت کر لی، پھر میں اپنے ساتھیوں کی طرف آیا۔ میری رائے بدل چکی تھی۔ میں نے قبول اسلام اپنے ساتھیوں سے چھپایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کے لیے چل دیا۔ فتح مکہ سے تھوڑی مدت پہلے کی بات ہے کہ مکہ مکرمہ سے آتے ہوئے مجھے خالد بن ولید مل گئے۔ میں نے پوچھا: ''ابو سلیمان کدھر؟'' انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! راستہ واضح ہو گیا ہے۔ یہ آدمی واقعی نبی ہے، میں تو بخدا جاتا ہوں اوراسلام قبول کرتا ہوں۔ آخر کب تک؟ (اس کی مخالفت کریں گے)؟'' میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں بھی اسلام قبول کرنے کے لیے آیا ہوں۔'' ہم دونوں مدینہ منورہ چلے گئے۔ پہلے خالد بن ولید آگے بڑھے اور اسلام قبول کیا، پھر میں قریب ہوا اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ میری سابقہ غلطیاں معاف کر دی جائیں اور جو ہو چکا میرے سامنے اسے نہ دہرایا جائے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«يَا عَمْرُو! بَايِعْ، فَإِنَّ الْإِسْلَامَ يَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَ إِنَّ الْهِجْرَةَ تَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهَا»

''اے عمرو! بیعت کرو، یقیناً اسلام کی بدولت سابقہ تمام گناہ مٹ جاتے ہیں اور ہجرت سابقہ ہر کوتاہی ختم کر دیتی ہے۔''[1]

---

[1] مسند أحمد: 4/199,198، ودلائل النبوة للبيهقي: 4/348,343، والسيرة النبوية لابن هشام: 3/289-291، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے دیکھیے: (إرواء الغليل، حديث: 1280)

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام میرے دل میں اتار دیا تو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور عرض کیا: ''اپنا دایاں ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔'' آپ نے ہاتھ آگے بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ نے فرمایا: «مَالَكَ يَا عَمْرُو؟» ''عمرو! کیا بات ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''میں شرط لگانا چاہتا ہوں۔'' فرمایا: «تَشْتَرِطُ مَاذَا؟» ''کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟'' میں نے کہا: ''یہ کہ میرے گناہ معاف کر دیے جائیں۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ»

''آپ جانتے نہیں کہ اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، ہجرت بھی سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج بھی پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''[1]

خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے قبول اسلام کی کہانی خود سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ مہربانی کا ارادہ فرمایا تو میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی، میں نے سوچا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تمام معرکوں میں شامل رہا ہوں۔ میں جس مقام پر بھی ان کے بالمقابل آیا، میری کوئی وقعت نہیں رہی اور وہی غالب رہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے لیے آئے تو میں مشرکین کے شاہسواروں کے ہمراہ نکلا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عسفان میں ہمارا آمنا سامنا ہوا۔ کسی اور مقصد کا اظہار کرتے ہوئے آپ کے بالمقابل ٹھہرا رہا، چنانچہ جب آپ نے اپنے ساتھیوں کو بے خوف ہو کر نماز ظہر پڑھائی تو ہمارا ارادہ تھا کہ اچانک حملہ کر دیں لیکن یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ اور اس میں بھلائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ارادے بھانپ گئے تو ساتھیوں کو صلاۃ الخوف پڑھائی۔ میرے دل پر اس کا بڑا عجیب اثر ہوا۔ میں نے

1 صحيح مسلم، حديث: 121، ومسند أحمد: 4/205، وصحيح ابن خزيمة، رقم: 2515.

سوچا یہ آدمی ضرور کسی کی حفاظت میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم جدا جدا ہو گئے۔ آپ ہمارے گھوڑوں کے راستے سے ایک جانب ہو کر چل دیے۔ جب آپ نے قریش سے مصالحت کر لی اور قریش نے آپ کو واپس جانے کو کہا تو میں نے دل میں سوچا: ''اب (آگے) کیا بچا ہے؟ اب کہاں جاؤں؟ نجاشی کے پاس چلا جاؤں مگر اس نے تو محمد ﷺ کی اتباع کر لی ہے۔ اس کے ساتھی اس کے پاس پر امن ہیں۔تو کیا ہرقل کی طرف بھاگ جاؤں؟ اپنا دین چھوڑ کر یہودیت یا نصرانیت اختیار کر لوں۔ عجمیوں کے ساتھ ان کے تابع ہو کر رہوں یا پھر لوگوں کے ساتھ اپنے گھر میں ٹھہرا رہوں۔'' میں یہی سوچ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ''عمرۃ القضاء'' کے لیے آ گئے، میں مکہ چھوڑ گیا اور جب تک وہ وہاں رہے میں وہاں نہ آیا۔ میرا بھائی ولید بن ولید بھی عمرے میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ اس نے مجھے بہت تلاش کیا مگر میں اسے نہ ملا۔ اس نے مجھے یہ خط لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اما بعد! مجھے اسلام سے تمھاری پہلو تہی پر تعجب ہے، جبکہ تم انتہائی عقل مند آدمی ہو۔ کیا کوئی شخص اب بھی اسلام سے ناواقف رہ سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تمھارے متعلق دریافت فرمایا ہے۔ آپ فرما رہے تھے: «أَيْنَ خَالِدٌ؟» ''خالد کہاں ہے؟''

تو میں نے عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِثْلُهُ جَهِلَ الْإِسْلَامَ! وَلَوْ كَانَ جَعَلَ نِكَايَتَهُ وَجِدَّهُ مَعَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ، لَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَلَقَدَّمْنَاهُ عَلٰى غَيْرِهِ»

''خالد جیسا شخص اسلام سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا، اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مشرکین کے خلاف نبرد آزما ہوتے تو ان کے لیے خیر و برکت کا باعث ہوتا۔ ہم انھیں دیگر لوگوں سے مقدم رکھیں گے۔''

میرے بھائی! بہت ہو گیا۔ اب لوٹ آیئے اور تلافی کیجیے۔''

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب مجھے ولید کا خط ملا تو اس نے اسلام کی طرف میری کشش بڑھا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مجھے بہت اچھی لگی اور مجھ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ انھی دنوں میں نے خواب دیکھا کہ تنگ و تاریک جگہ پر ہوں، پھر کشادہ و سرسبز جگہ کی جانب چلا گیا ہوں۔ میں نے دل میں کہا: ''یہ غیر معمولی خواب ہے۔'' جب میں مدینہ آ گیا تو میں نے سوچا یہ خواب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بتاؤں۔ انھیں بتایا تو انھوں نے یہ تعبیر کی کہ جو تم نے تنگ و تاریک جگہ دیکھی تھی وہ کفر کا ظلمت کدہ تھا اور پھر جو وسیع اور سرسبز و شاداب جگہ دیکھی وہ اسلام کی روشن راہ تھی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے کا ارادہ کر لیا تو سوچا کسے ساتھی بناؤں؟ میں صفوان بن امیہ سے ملا اور کہا: ''اے ابو وہب! دیکھ نہیں رہے کہ ہماری حالت کیا ہے؟ ''ہم تو صرف سری کھانے والے ہیں۔'' (یہ مقولہ تب بطور کنایہ بولتے ہیں جب تعداد اتنی تھوڑی ہو کہ جانور کی سری پر گزارا ہو جاتا ہو) ادھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کہ عرب و عجم پر غلبہ پا گیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم بھی اس کے پاس جا کر اتباع کر لیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سارے عرب کے مقابلے میں معزز ہو گیا ہے۔'' مگر صفوان نے سختی سے انکار کر دیا اور کہا: ''اگر سارے قریشی بھی مسلمان ہو جائیں تب بھی وہ اسلام قبول نہیں کرے گا۔'' اس کے بعد ہم جدا ہو گئے۔

میں نے خیال کیا یہ اپنے مقتولین بدر، باپ اور بھائی کا بدلہ نہیں لے سکا، اس لیے بدلے کی نیت لیے ہوئے ہے، اس کے بعد میں عکرمہ بن ابوجہل سے ملا۔ اس سے بھی وہی بات کہی۔ اس نے بھی تقریباً ویسا ہی جواب دیا۔ میں نے اس سے کہا: ''اس بات کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔'' میں نے سوچا کہ اس کے بھی رشتے دار بدر میں مارے گئے ہیں لیکن میں نے اسے وہ یاد دلانا پسند نہ کیا، پھر میں نے سوچا کہ مجھے اکیلے جانے میں کیا ڈر

ہے، پھر میں مکہ سے چل پڑا۔ راستے میں مجھے عثمان بن طلحہ ملا۔ میں نے سارا معاملہ کھول کر بتادیا اور کہا: ''ہماری مثال اس لومڑ جیسی ہے جو زمین میں گھس کر بیٹھا ہو مگر اسے جس وقت چاہیں وہاں پانی ڈال کر نکال سکتے ہیں اور وہ نکلنے پر مجبور ہو گا۔'' اس سے بھی میں نے وہی بات کہی۔ اس نے میری بات فوراً مان لی اور کہا: ''میں تو آج صبح ہی سے جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ یہ دیکھو صحن میں میری سواری بھی تیار ہے۔'' چنانچہ ہم دونوں نے یاجج اکٹھے ہونے کا وعدہ کرلیا کہ اگر تم پہلے پہنچ جاؤ تو میرا انتظار کرو اور اگر میں پہلے پہنچ گیا تو تمھارا انتظار کروں گا۔ ہم رات کی تاریکی ہی میں چل پڑے۔ ابھی فجر طلوع نہ ہوئی تھی کہ یاجج میں جا ملے۔ صبح چلتے رہے اور ''ہدہ'' مقام پر پہنچے تو وہاں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مل گئے۔ انھوں نے مرحبا کہا۔ ہم نے بھی مرحبا کہا۔ انھوں نے پوچھا: ''کہاں کے ارادے ہیں؟'' ہم نے کہا: ''آپ کیسے یہاں آئے؟'' انھوں نے ہمارے سوال پر پھر سوال کر دیا کہ ''آپ کا اس طرف رخ ہے تو اس کا باعث کیا ہے؟''

ہم نے کہا: ''قبول اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع۔'' انھوں نے کہا: ''میری غرض بھی یہی ہے۔'' ہم اکٹھے مدینہ پہنچ گئے۔ ہم نے حرہ میں اپنی سواریاں بٹھا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی تو آپ بہت خوش ہوئے۔ میں نے اپنا بہترین لباس زیب تن کیا اور آپ کی طرف چل دیا۔ رستے میں مجھے ولید ملا اور کہنے لگا: ''جلدی کیجیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی اطلاع دے دی گئی ہے۔ آپ کے آنے پر وہ بہت خوش ہیں اور آپ کا انتظار فرما رہے ہیں۔'' میں تیز تیز چلتے ہوئے جلدی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرما رہے تھے۔ میں نے سلام نبوت پیش کیا۔ آپ نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ میں نے کہا:

«إِنِّي أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَاكَ، قَدْ كُنْتُ أَرٰى لَكَ عَقْلًا رَّجَوْتُ أَلَّا يُسَلِّمَكَ إِلَّا إِلَى الْخَيْرِ»

''ہر قسم کی تعریف کے لائق وہ ذات ہے جس نے تمھیں ہدایت بخشی۔ مجھے تمھاری دانشمندی اور دوراندیشی سے امید تھی کہ وہ تمھیں ضرور نیکی و خیر سے وابستہ کرے گی۔''

میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں حق کی دشمنی میں آپ کے بالمقابل آیا کرتا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے میری مغفرت کی دعا فرما دیجیے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلْإِسْلَامُ يَجُبُّ مَاكَانَ قَبْلَهُ» ''اسلام سابقہ گناہوں کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔'' میں نے عرض کیا: ''اس کے باوجود بھی آپ دعا کر دیجیے۔'' تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِخَالِدٍ كُلَّ مَا أَوْضَعَ فِيهِ مِنْ صَدٍّ عَنْ سَبِيلِكَ»

''اے اللہ! آج تک خالد تیرے راستے سے روکنے کے لیے جتنی کوششیں کرتا رہا ہے اس کی وہ سب کوتاہیاں معاف فرما دے۔''

حضرت عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ بھی آگے بڑھے اور رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا مہینہ صفر قرار دیتے ہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا، رسول اللہ ﷺ مشکل کے موقع پر صحابہ میں سے کسی پر مجھ سے زیادہ اعتماد نہیں کرتے تھے۔[1]

قبول اسلام کے مذکورہ واقعات سے ماخوذ اسباق: حضرت عمرو بن عاص اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے کے قصے میں کئی حکمتیں، نکتے اور عبرتیں ہیں:

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 4/349-352، والبداية والنهاية: 4/239،240، والتاريخ الإسلامي للحميدي: 7/95.

❁ نجاشی کا غصے میں آنا اس کے صدق ایمان اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے سچی محبت کی علامت ہے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر نجاشی کی صداقت ایمانی کا گہرا اثر ہوا۔ ایک قریشی سردار کو اسلام کی طرف لانے پر نجاشی بڑے اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرا۔[1]

❁ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا اسلام اور مسلمانوں کے لیے بڑی برکت اور قوت کا باعث بنا۔ انھوں نے اپنی خداداد عقل و فراست کو اسلام کی دعوت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کے قبول اسلام سے کفر کو بڑا خسارہ ہوا۔ مشرکین انھیں ایسے بڑے بڑے معاملات میں آگے کرتے جو بڑے عقل و فراست کے متقاضی ہوتے تھے۔ خاص طور پر جن معاملات کا تعلق اسلام اور مسلم دشمنی سے ہو۔[2]

❁ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھانپ چکے تھے کہ میدان بالآخر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ آنے والا ہے۔ ان کی یہ بات قابل غور ہے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے بالمقابل ہر جگہ موجود رہا مگر جہاں بھی ہمارا آمنا سامنا ہوا آپ ﷺ ہی غالب رہے اور میں مغلوب، پھر میں یہ بھی دیکھتا کہ رسول اللہ ﷺ بہت جلد فاتح و غالب ہو جائیں گے۔[3] حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اس اعتراف و تجزیے میں دشمنانِ اسلام کے لیے عبرت ہے۔[4]

❁ کسی کی قدردانی اس پر اثر انداز ہونے کا بہترین ذریعہ ہے، اس لیے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا: ''خالد جیسا زیرک انسان اسلام سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ اپنی قوت مسلمانوں کے ساتھ مل کر مشرکین کے خلاف استعمال کریں تو ان کے لیے سراسر خیر و برکت کا باعث ہوگا اور ہم انھیں دیگر لوگوں سے مقدم رکھیں گے۔''

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے سلسلے میں ان پُر اثر کلمات کا بڑا کردار ہے۔

---

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 90/7. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 90/7. [3] صلح الحديبية لأبي فارس، ص: 263. [4] التاريخ الإسلامي للحميدي: 95/7.

رسول اللہ ﷺ دلوں پر اثر ڈالنے سے خوب واقف تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ خالد میں قیادت کی فطرتی صلاحیتیں موجود ہیں، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اس کی صائب رائے، عمدہ عقل و دانش اور پختگی فکر کی تعریف فرمائی۔ آپ کی اس تعریف نے خالد رضی اللہ عنہ کے لیے وہ تمام راستے مسدود کر دیے جو انھیں شرک پر صرف اس لیے قانع کیے ہوئے تھے کہ انھیں اس میں قیادت و سیادت حاصل تھی۔ جب انھیں احساس ہوا کہ جو مقام مشرکین نے انھیں دے رکھا ہے اسلام میں بھی حاصل رہے گا اور یقین ہو گیا کہ اسلام قبول کر کے وہ آخری صف میں نہیں دھکیل دیے جائیں گے اور بالکل بھلا نہیں دیے جائیں گے تو انھی باتوں نے انھیں شیطانی وسوسوں کے مقابلے میں فتح یاب کر دیا۔

❁ حضرت عمرو بن عاص اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی اسلام سے وابستگی اسلام کے لیے باعث قوت اور کفر کے لیے باعث ذلت تھی۔ ان دونوں کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جہادی تاریخ میں درخشاں ابواب کا اضافہ فرمایا جو امت کے لیے رہتی دنیا تک باعث فخر رہے گا۔[1]

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي:96,95/7.

جنگِ موتہ (8ھ)

اسباب اور تاریخ

شام کے عربوں نے مسلمانوں اور بازنطینیوں میں جنگ وجدل کی آگ بھڑکا دی تھی۔ قضاعہ کے قبیلہ کلب نے، جو دومۃ الجندل میں مقیم تھے، مسلمانوں کو تنگ کرنے کی عادت بنالی۔ ان کا ارادہ تھا کہ اشیائے ضرورت شام سے مدینہ منورہ لے جانے والے تاجروں کو تنگ کر کے مدینہ منورہ کی معیشت کمزور کردی جائے۔ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ کلب پر دومۃ الجندل میں پانچ ہجری کو یلغار کی مگر آپ ﷺ کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ ادھر اُدھر منتشر ہو چکے تھے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ایک مہم پر روانہ کیا۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ اسی مہم کو پورا کر کے واپس آرہے تھے تو "جذام" اور "لخم" کے کچھ لوگوں نے "حِسمٰی" مقام پر ان کا راستہ روک کر انھیں لوٹ لیا۔ 6 ہجری میں "حِسمٰی" کی جانب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا معرکہ بھی اسی غرض سے ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک شرارت یہ بھی ہوئی کہ مذحج اور قضاعہ قبیلوں نے 6 ہجری میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں پر زیادتی کی جو دعوت الی اللہ کے سلسلے میں وادی القریٰ بھیجے گئے تھے۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے حاکمِ بُصریٰ، جو اس وقت رومی حکمران کے ماتحت تھا، کی طرف اپنے سفیر حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تو انھیں شہید کر دیا گیا۔ اس سے ان کی جانب سے خطرات مزید بڑھتے چلے گئے۔[1]

---

[1] المسلمون والروم في عصر النبوة لعبدالرحمٰن أحمد سالم، ص: 87.

شرحبیل بن عمرو غسانی نے سفیروں اور ایلچیوں کے عمومی احترام و تکریم کو پس پشت ڈالتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔[1] حارث بن ابوشمر غسانی حاکم دمشق نے بھی رسول اللہ ﷺ کے سفیر سے بدسلوکی کی اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کی دھمکی دی۔ اس سے بھی زیادہ قابل مذمت واقعات رونما ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن کعب غفاری کی قیادت میں ایک جماعت کو ''ذات اَطلاح'' کی طرف دعوت اسلام دینے بھیجا۔ اہلِ علاقہ نے اسلام قبول کرنے کے بجائے داعیوں کو چاروں طرف سے گھیر کر لڑائی شروع کر دی اور سب کو شہید کر ڈالا۔ ان میں سے صرف ''امیر'' قافلہ بچا جو زخموں سے چور مدینہ منورہ پہنچا اور رسول اللہ ﷺ کو تمام حالات سے مطلع کیا۔[2]

ادھر شام کے عیسائی رومی حکومت کے ایما پر مسلمانوں سے سخت زیادتیاں کرنے لگے۔ انھوں نے ''مَعان'' کے گورنر کو اسلام لانے کے جرم میں شہید کر دیا۔ شام میں جس عرب نے بھی اسلام قبول کیا اسے شہید کر دیا گیا۔[3]

یہ دردناک واقعات خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت مسلمانوں کے دلوں کو تحریک دینے اور اس بات پر ابھارنے کے لیے کافی تھی کہ وہ عیسائیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی روک تھام کریں اور اپنے ان اسلامی بھائیوں کے خون کا بدلہ چکائیں جنھیں اکیلے اللہ کو رب ماننے اور محمد ﷺ کو اس کا رسول ماننے کے جرم میں قتل کر دیا گیا ہے۔[4]

اسی طرح رومی حکومت کے تابع فرمان عرب جو مسلمانوں کو پریشان کرنے کے عادی تھے، آئے دن دھمکیاں دیتے۔ اس سے قبل وہ کئی داعیان اسلام کو شہید کر چکے تھے۔ مسلمانوں کے نزدیک داعیانِ اسلام کا قتل ناقابل معافی جرم تھا۔ یہ تمام امور مسلمانوں

---

1. أسد الغابة: 216/1. 2 تاريخ الطبري: 103/3. 3 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 20. 4 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 20.

کے سامنے واضح ہدف کی صورت اختیار کر گئے تاکہ مستقبل میں اس طرح کے بھیانک جرائم کی روک تھام ہو۔ مسلمان داعی اپنی جانوں کو محفوظ سمجھیں اور مسلمان تاجر شام اور مدینہ کے درمیان آزادی سے تجارتی سامان منتقل کر سکیں۔[1]

لشکر اسلامی کی تیاری

8 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے بے مثال تیاری شروع کر دی۔ تین ہزار مجاہد تیار ہو گئے۔ سپہ سالاری کے لیے آپ ﷺ نے بالترتیب تین افراد کا انتخاب فرمایا۔ سب سے اول زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما، پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے باسند روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ موتہ کے لیے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو امیر مقرر کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنْ قُتِلَ زَيْدٌ فَجَعْفَرٌ، وَّإِنْ قُتِلَ جَعْفَرٌ، فَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ»

''اگر زید کو شہید کر دیا جائے تو جعفر امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی درجہ شہادت پالیں تو امیر عبداللہ بن رواحہ ہوں گے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی سپاہ کو حکم دیا کہ جس جگہ حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے وہاں پہنچ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اگر وہ قبول کر لیں تو بہتر ورنہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں اور ان پر یلغار کر دیں۔[3]

رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ لشکروں کو آدابِ قتال پر مشتمل نصائح کے ساتھ رخصت فرماتے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے انھیں بھی اپنی انمول نصائح سے نوازا۔[4]

[1] المسلمون و الروم في عصر النبوة لعبدالرحمٰن أحمد سالم، ص: 89. [2] صحيح البخاري، حديث: 4261. [3] السيرة الحلبية: 787/2. [4] الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 21.

رسول اللہ ﷺ نے اہل لشکر کو یوں نصیحت فرمائی:

«أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَبِمَن مَّعَكُمْ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، أُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ، فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، لَا تَغْدِرُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا وَّلَا امْرَأَةً وَّلَا كَبِيرًا فَانِيًا وَّلَا مُنْعَزِلًا بِصَوْمَعَةٍ وَّلَا تَقْرَبُوا نَخْلًا وَّلَا تَقْطَعُوا شَجَرًا وَّلَا تَهْدِمُوا بِنَاءً وَّإِذَا لَقِيتُمْ عَدُوَّكُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُوهُمْ إِلٰى إِحْدٰى ثَلَاثٍ: فَإِمَّا الْإِسْلَامِ وَ إِمَّا الْجِزْيَةِ وَإِمَّا الْحَرْبِ»

''میں تمھیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اپنے ہمراہی مسلمانوں سے اچھا سلوک کرنا، اللہ تعالیٰ کے نام سے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والوں سے جنگ کرو۔ بدعہدی نہ کرنا، کسی بچے اور عورت اور انتہائی عمر رسیدہ بوڑھے اور تارک الدنیا راہب کو قتل نہ کرنا اور کوئی کھجور اور درخت نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو منہدم نہ کرنا۔ دشمن سے ملو تو اسے تین میں سے ایک شرط قبول کرنے کی دعوت دینا: اسلام قبول کرلیں یا جزیہ ادا کریں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔''[1]

لشکر اسلامی کی روانگی

لشکر اسلامی جب مکمل طور پر تیار ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمان اسلامی لشکر کو الوداع کہتے ہوئے اپنے ہاتھ عاجزی کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں بلند کرتے ہوئے دعا گو تھے کہ اے اللہ! ہمارے مجاہد بھائیوں کی مدد و نصرت فرما۔ رسول اللہ ﷺ اور وہاں موجود مسلمانوں نے سب کو سلام کہا اور اس دعا سے الوداع کیا: «دَفَعَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَرَدَّكُمْ صَالِحِينَ غَانِمِينَ» ''اللہ تعالیٰ تم سے ہر بلا دور فرمائے اور تمھیں صحیح سلامت اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹائے۔''[2]

[1] المغازي للواقدي: 758,757/2. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 21/4.

لوگوں نے جب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو سلام کر کے الوداع کیا تو وہ رو دیے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا: ''ابن رواحہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟'' انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! مجھے دنیا کی محبت یا تمھارے ساتھ تعلقِ خاطر کی بنا پر رونا نہیں آیا بلکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اللہ کی یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ہے جس میں جہنم کا ذکر ہے:

﴿وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾

''تم میں سے ہر شخص جہنم پر وارد ہونے والا ہے یہ تمھارے رب پر ایک لازمی اور طے شدہ بات ہے۔''[1]

میں نہیں جانتا کہ جہنم پر وارد ہونے کے بعد کیسے پلٹ سکوں گا؟'' مسلمانوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ تمھارے شاملِ حال ہو، تمھارا دفاع فرمائے اور تمھیں صحیح سلامت واپس لائے۔'' حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جواباً یہ اشعار پڑھے:

لٰكِنَّنِي أَسْأَلُ الرَّحْمٰنَ مَغْفِرَةً
وَضَرْبَةً ذَاتَ فَرْغٍ تَقْذِفُ الزَّبَدَا

''لیکن میں تو رحمٰن سے مغفرت کا سوال کرتا ہوں اور تلوار کا ایسا گہرا زخم کھانے کی دعا کرتا ہوں جو خون کی جھاگ اڑانے والا ہو۔''

أَوْ طَعْنَةً بِيَدَيْ حَرَّانَ مُجْهِزَةً
بِحَرْبَةٍ تُنْفِذُ الْأَحْشَاءَ وَالْكَبِدَا

''یا کسی خون کے پیاسے نیزہ باز کے دونوں ہاتھوں سے پر زور نیزہ کھانے کا سوال کرتا ہوں جو (نیزہ) آنتوں اور جگر سے پار اتر جائے۔''

حَتّٰى يُقَالَ إِذَا مَرُّوا عَلٰى جَدَثِي
أَرْشَدَهُ اللّٰهُ مِنْ غَازٍ وَّقَدْ رَشَدَا

1 مریم 71:19.

''تاکہ جب لوگ میری قبر سے گزریں تو کہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اس مجاہد کو صحیح رستہ دکھایا اور اس نے وہی راستہ اختیار بھی کر لیا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو الوداع کہا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ شعر پڑھے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ مَا آتَاكَ مِنْ حَسَنٍ
تَثْبِيتَ مُوسٰى وَنَصْرًا كَالَّذِي نُصِرُوا
إِنِّي تَفَرَّسْتُ فِيكَ الْخَيْرَ نَافِلَةً
فِرَاسَةً خَالَفْتُهُمْ فِي الَّذِي نَظَرُوا
أَنْتَ الرَّسُولُ فَمَنْ يُّحْرَمْ نَوَافِلَهُ
وَالْوَجْهُ مِنْهُ فَقَدْ أَزْرٰى بِهِ الْقَدَرُ

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو محاسن عطا فرمائے ہیں وہ انھیں پایۂ ثبوت تک پہنچائے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے محاسن پایۂ تکمیل تک پہنچ گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی ایسی ہی مدد و نصرت فرمائے جس طرح دیگر (انبیاء) کی مدد فرمائی۔ میں نے یہ بات فراست سے سمجھ لی ہے کہ آپ ﷺ میں خیر و صلاح اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تحفہ ہے۔ میری فراست ان (کفار) کی فراست سے بالکل مختلف ہے جیسا انھوں نے دیکھا میں نے ویسا نہیں دیکھا۔ فراست میں میرا نقطۂ نظر ان سے بالکل الٹ ہے۔ آپ برحق رسول ہیں، چنانچہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ عطیات اور اس کی خوشنودی کے حصول سے محروم رہے گا اس کی قسمت نے اسے بہت نقصان میں رکھا۔''[2]

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 16,15/4، ودلائل النبوة للبيهقي: 359/4. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 16/4، ودلائل النبوة للبيهقي: 360,359/4.

اسلامی لشکر میدانِ جنگ میں اور جرنیلوں کی شہادت

اسلامی لشکر شام کے علاقے ''معان'' پہنچا۔ یہ علاقہ اب سلطنت اردن کا حصہ ہے۔ اطلاع ملی کہ عیسائیوں نے عرب وعجم کی بہت بڑی تعداد جنگ کے لیے جمع کر رکھی ہے۔ عربی قبائل لخم، جذام، بہرا اور بلی ایک عیسائی مالک بن رافلہ کی قیادت میں ایک لاکھ کی تعداد میں اکٹھے ہوئے ہیں اور ہرقل نے ایک لاکھ رومیوں کا لشکر بھی جمع کیا ہوا ہے۔ اس طرح دشمن کا لشکر دو لاکھ جنگجوؤں تک پہنچ گیا۔ جو مکمل اسلحے سے لیس، ریشم کا لباس پہنے، بڑے غرور سے میدانِ جنگ میں کھڑے تھے تاکہ مسلمان ان کی قوت کو دیکھ کر مرعوب ہو جائیں۔[1]

مسلمان ''معان'' میں دو دن مشورہ کرنے رکے رہے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو خط لکھ کر دشمن کی کثیر تعداد کی اطلاع دیں، آپ چاہیں تو مزید کمک دے دیں اور اگر چاہیں تو ہمیں جنگ کا حکم دیں، ہم تعمیل کریں گے۔[2] بعض نے سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ نے ان کو خوف زدہ کر دیا ہے، لہٰذا واپس چلیے، خیر و عافیت کا کوئی نعم البدل نہیں۔[3]

لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہتے ہوئے اس بات کی نفی کر دی کہ لوگو! اللہ کی قسم! جس چیز سے تم کترا رہے ہو یہ تو وہی شہادت ہے جس کی طلب میں تم نکلے ہو۔ یاد رکھو! دشمن سے ہم تعداد، قوت اور کثرت کے بل پر نہیں لڑتے بلکہ ہم محض اس دین کے بھروسے پر لڑتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے، اس لیے آگے بڑھو! ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی حاصل ہو کر رہے گی (یا تو غالب آجائیں گے یا شہادت سے سرفراز ہوں گے۔) نائب سپہ سالار کے ان پُر تاثیر الفاظ نے مجاہدین کو گرما دیا۔ حضرت زید بن

---

[1] شرح المواهب اللدنية للزرقاني: 271/2. [2] زاد المعاد: 382/3. [3] تاريخ دمشق لابن عساكر: 396/1.

حارثہ رضی اللہ عنہما لوگوں کو ”کرک“ کے کچھ جنوب میں ”موتہ“ کی جانب لے چلے، پھر وہاں وہ تاریخی جنگ ہوئی جسے تینوں سپہ سالاروں نے اپنے خون سے رقم کیا۔[1]

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما بسالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جھنڈا اٹھا کر دشمن کی صفوں میں جا گھسے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔

اس کے بعد جھنڈا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے تھام لیا اور صلیبیوں سے بے مثال جنگ شروع کر دی۔ یہاں تک کہ وہ بھی ان کے نرغے میں آ گئے مگر اس سے ان کے عزم و ارادے اور نیزہ بازی میں نرمی آئی نہ کمزوری بلکہ انھوں نے جنگ مسلسل جاری رکھی۔ گھوڑے سے کود پڑے۔ گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ اور یہ شعر پڑھنے لگے:

يَا حَبَّذَا الْجَنَّةُ وَاقْتِرَابُهَا

طَيِّبَةٌ وَّبَارِدًا شَرَابُهَا

وَالرُّومُ رُومٌ قَدْ دَّنَا عَذَابُهَا

كَافِرَةٌ بَعِيدَةٌ أَنْسَابُهَا

عَلَيَّ إِذْ لَاقَيْتُهَا ضِرَابُهَا

”کیا خوب! جنت اور اس کا اس قدر قریب ہو جانا، اس کی شراب بڑی عمدہ اور ٹھنڈی ہے۔ یہ رومی تو وہ ہیں جن پر عذاب کا وقت بالکل قریب آ گیا ہے، ان کے نسب ہم سے بہت دور ہیں۔ میں جب ان سے نبرد آزما ہوں تو انھیں تلواروں سے مارنا ضروری ہے۔“[2]

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے علم دائیں ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ وہ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں پکڑ

---

[1] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 468/2. [2] المعجم الكبير للطبراني، رقم: 4655، والسيرة النبوية لابن هشام: 19/4، ومجمع الزوائد للهيثمي: 159/6.

جنگ مؤتہ (جیش الامراء)
جمادی الاولیٰ 8 ہجری
کمانڈر: زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب
عبداللہ بن رواحہ
رومی لشکر
تعداد ایک لاکھ
بحیرۂ روم
سرخ چوکھٹے کے علاقے کا بڑا نقشہ
مؤتہ
معان
بابلیون
فیوم
ایلہ
عقبہ
سیناء
تبوک
مدین
صحرائے نفود
ذومۃ الجندل
مصر
ضبا
العلا
الوجہ
خیبر
الاقصر
مدینہ منورہ
ینبع
بحیرۂ قلزم (احمر)
مہد الذہب
حجاز
رابغ
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
صحرائے نوبیہ
سوڈان
0
50
100
200
400
600
800
1000
کلومیٹر
مؤتہ کی جائے وقوع
اریحا
القدس
مغاور قمران
بیت اللحم
الخلیل
مادبا
بلقاء
وادی زرقاء معین
ذیبان
بحیرۂ مردار
وادی موجب
اُردن
وادی یابس
مؤتہ
کرک
مزار
غور الصافی
وادی الحسا
طفیلہ
الحسا
شوبک
براء (پٹرا)
وادی موسیٰ
ازرح
معان
جفر
100
80
60
40
20
10
0
کلومیٹر

لیا۔ وہ بھی کٹ گیا تو دونوں بازوؤں سے جھنڈے کو سینے سے لگا کر تھاما اور اس حالت میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کی عمر تینتیس برس تھی۔ آپ زخموں سے چور ہو چکے تھے۔ جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے نوے زخم آئے۔ ان میں سے کوئی بھی زخم پشت پر نہ تھا بلکہ تمام زخم سینے پر تھے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر کی ہے کہ میں بھی اس غزوے میں موجود تھا۔ ہم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈا تو وہ ہمیں شہداء میں اس حالت میں نظر آئے کہ ان کے جسم پر نیزے اور تیروں کے نوے سے زیادہ زخم تھے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ان کے بازوؤں کے بدلے دو پر عنایت فرما دیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ عامر شعبی رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹے (عبداللہ) کو سلام کرتے تو اس طرح کہتے: «اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا ابْنَ ذِي الْجَنَاحَیْنِ» ”اے دو پروں والے کے صاحبزادے! تجھ پر سلام ہو۔“[3]

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد علَم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے تھام لیا اور گھوڑے پر بیٹھتے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

أَقْسَمْتُ یَا نَفْسُ لَتَنْزِلِنَّهْ

لَتَنْزِلِنَّ أَوْ لَتُکْرَهِنَّهْ

إِنْ أَجْلَبَ النَّاسُ وَشَدُّوا الرَّنَّهْ

مَالِي أَرَاكِ تَکْرَهِینَ الْجَنَّهْ

---

1 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 58. 2 صحيح البخاري، حديث: 4261، ودلائل النبوة للبيهقي: 4/361. 3 صحيح البخاري، حديث: 4264، ودلائل النبوة للبيهقي: 4/372.

قَدْ طَالَ مَا قَدْ كُنْتِ مُطْمَئِنَّه

هَلْ أَنْتِ إِلَّا نُطْفَةٌ فِي شَنَّه

يَا نَفْسُ إِلَّا تُقْتَلِي تَمُوتِي

هَذَا حِمَامُ الْمَوْتِ قَدْ صَلِيتِ

وَمَا تَمَنَّيْتِ فَقَدْ أُعْطِيتِ

إِنْ تَفْعَلِي فِعْلَهُمَا هُدِيتِ

''اے نفس، میں نے اس بات کی قسم کھائی ہے کہ تو معرکۂ جنگ میں ضرور مقابلہ کرے گا تو ضرور خود بخود مقابلہ کے لیے میدان میں کود جا، ورنہ تجھ کو اس مقابلہ کے لیے زبردستی میدان میں اتارا جائے گا۔ اگر لوگ واویلا کرتے ہیں اور آہ و بکا کرتے ہیں (تو کرنے دے) مگر میں تجھے منہ موڑتا ہوا، ناپسند کرتا ہوا کیوں پا رہا ہوں۔ تو تو اس چیز پر مدت سے مطمئن ہے، پھر یہ بھی ہے کہ تو پرانے مشکیزے میں پڑے ایک نطفے سے زیادہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اے نفس، اگر تو قتل نہ کیا گیا تو اپنی موت آپ مر جائے گا۔ یہ تو وہ موت ہے جو تیری قسمت میں لکھی جا چکی ہے۔ جس چیز کی تجھے تمنا تھی وہی تو دی جا رہی ہے، اے نفس! اگر تو ان دونوں (زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم) جیسا کام کرے گا تو درست کام کی طرف رہنمائی کیا گیا ٹھہرے گا۔''[1]

ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کے ایک چچا زاد نے انھیں ایک گوشت لگی ہڈی لا کر دی اور کہا: ''یہ کھا کر ذرا کمر مضبوط کر لیجیے۔ ایام سفر میں آپ کو انتہائی مشقت سے واسطہ پڑا ہے۔'' عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اسے کھانا شروع کیا۔ ادھر دشمن کے ہجوم سے آوازیں سنیں

1 دلائل النبوة للبيهقي: 364,363/4، والسيرة النبوية لابن هشام: 21/4، ومجمع الزوائد للهيثمي: 159/6.

تو بولے: ''ابھی تو دنیا میں ہی ہے۔'' لقمہ پھینک دیا اور آگے بڑھ کر تا شہادت دشمن سے لڑتے رہے، یوں دن کے آخری حصے میں جام شہادت نوش فرما لیا۔[1]

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت پر اجماع

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر جھنڈا سرنگوں ہوا تو آگے بڑھ کر ثابت بن اقرم بن ثعلبہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اسے تھام لیا اور ساتھ ہی کہا: ''مسلمانو! کسی امیر پر اتفاق کر لو۔'' سب نے کہا: ''آپ ہی ہمارے امیر ہیں۔'' انھوں نے کہا: ''میں یہ کام انجام نہیں دے سکتا۔'' چنانچہ سب نے بالاتفاق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار منتخب کر لیا۔[2]

''إمتاع الأسماع'' میں ہے کہ حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: ''اے ابو سلیمان! علَم تھام لیجیے۔'' حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ آپ نے ایک عمر گزاری ہے اور تجربہ کار ہیں اور بدر میں شمولیت کا شرف بھی رکھتے ہیں۔'' حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے دوبارہ کہا: ''میں نے یہ جھنڈا صرف آپ کو دینے کی غرض سے اٹھایا ہے، لہٰذا قبول کیجیے۔'' اب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جھنڈا تھام لیا۔[3]

اس کٹھن موقع پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اہم مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اپنی فوج کو ممکنہ اجتماعی ہلاکت سے کیسے نکالیں۔ کئی ایک تجاویز اور ان کے نتائج پر غور و خوض کے بعد یہ طے کیا کہ میدان جنگ سے کنارہ کشی ہی سب سے بہتر اور کم نقصان والا حل ہے۔ جب دشمن کی تعداد بمقابلہ اسلامی لشکر تقریباً 66 فی صد زیادہ ہے تو منصوبہ بندی کے تحت میدان جنگ سے ہاتھ کھینچ لینا ہی بہتر حل ہے۔ اس بنیاد کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ پروگرام تشکیل دیا:

1 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص:61. 2 السيرة النبوية لابن هشام:27/4.
3 إمتاع الأسماع للمقريزي:249,248/1.

❁ مسلمان اور رومی لشکر کے مابین کوئی ایسی پلاننگ کرنا تاکہ اس آخری حل کے مطابق سلامتی سے میدان جنگ چھوڑا جا سکے۔

❁ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری تھا کہ دشمن کو اس وہم میں مبتلا کیا جائے کہ ہمارے پاس تازہ دم کمک پہنچ گئی ہے تاکہ اس کے دباؤ میں کمی آئے اور اس طرح مسلمان ایک دفعہ منصوبے کے تحت میدان کارزار سے کنارہ کش ہوسکیں۔ اس منصوبے پر عمل درآمد کرنے کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شام تک میدان کارزار میں ڈٹے رہے۔ اور رات کی تاریکی میں لشکر کی حالت تبدیل کرلی۔ میمنہ کو میسرہ اور میسرہ کو میمنہ کی جگہ کر دیا۔ مقدمہ کو ساقہ اور ساقہ کو مقدمہ کی جگہ متعین کیا۔ لشکر کی نئی ترتیب دیتے وقت نعرہ ہائے تکبیر کی بلند آوازوں سے میدان میں ہلچل مچ گئی اور ساتھ ہی فجر کے وقت دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اور مسلسل، شدت آمیز حملے کر کے دشمن کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اسلامی لشکر کو تازہ کمک پہنچ گئی ہے۔[1]

یہ چال کامیاب رہی۔ دشمن نے صبح ہوتے ہی نئے جھنڈے اور نئے چہرے دیکھے جو قبل ازیں سامنے نہ تھے اور یہ بھی کہ مسلمان پہلے سے بڑھ کر جوانمردی دکھا رہے ہیں تو دشمن کو یقین آ گیا کہ واقعی کمک پہنچ گئی ہے اور وہی تازہ دم لشکر ہم سے نبرد آزما ہے۔ مسلمانوں کی جان توڑ بہادری نے رومیوں کے اعصاب شل کر دیے۔ انھیں یہ یقین کر لینے میں دیر نہ لگی کہ مسلمان لشکر کو حتمی شکست سے دوچار کرنا ممکن نہیں، چنانچہ وہ ان نئے حملوں کے آگے دل ہار بیٹھے۔ پہلی سی چستی ختم ہو گئی۔ اسلامی لشکر پر دباؤ میں کمی آ گئی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تھوڑا تھوڑا پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ”جنگِ موتہ“ سے اس طرح کامیاب واپسی عالمی جنگی تاریخ کی کامیاب ترین اور ماہرانہ چال سمجھی جاتی ہے۔ زمانہ حال کی جنگی حکمت عملی کے لحاظ سے یہ

1 البداية والنهاية:4/247، والمغازي للواقدي:2/764.

بالکل راست اقدام تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے میمنہ میسرہ کو قلب کے بل پر پیچھے ہٹایا وہ دونوں جانب بہت پیچھے ہٹ گئے۔ بعد ازاں قلب کو دونوں جوانب کی حفاظت میں پیچھے ہٹا لیا۔ اس طرح تمام لشکر دشمن کے نرغے سے نکل آیا۔[1]

مورخین کے بقول اس معرکے میں صرف بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ موتہ کے روز میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں اور بالآخر ایک یمنی تیغہ میرے ہاتھ میں رہ گیا۔[2]

اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے منصوبے کی بدولت مسلمانوں کو یقینی شکست سے بچا لیا۔ معرکے سے پسپائی ہی حالات کا تقاضا اور بڑی فتح تھی۔ ایسے نازک حالات میں مشکل ترین اور نفع بخش جنگی چال یہی ہوتی ہے کہ میدان سے کنارہ کر لیا جائے۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور لشکر موتہ کی نسبت اہل مدینہ کا موقف

معرکہ موتہ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ظہور میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی خبریں آنے سے پہلے ہی زید، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر دے دی تھی۔[4] لشکر کے حالات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد غمگین ہوئے۔ آنسو بہہ پڑے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے علم سنبھالا اور صحابہ کرام کو ان کے ہاتھوں فتح کی بشارت دیتے ہوئے انھیں ''سیف اللہ'' کا لقب عطا کیا۔[5] اس کے بعد جنگ کی خبر دینے والا بھی پہنچ گیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی اطلاع ہی کی تصدیق کی۔[6]

یہ لشکر جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس کا استقبال

---

1 معارك خالد بن الوليد للدكتور ياسين سويد، ص: 173. 2 صحيح البخاري، حديث: 4265، ودلائل النبوة للبيهقي: 4/373. 3 معارك خالد بن الوليد للدكتور ياسين سويد، ص: 175.
4 صحيح البخاري، حديث: 4262. 5 نضرة النعيم: 1/360. 6 البداية والنهاية: 4/255.

کیا، بچے بھاگ بھاگ کر ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ اپنی سواری پر تشریف لا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «خُذُوا الصِّبْيَانَ وَاحْمِلُوهُمْ وَأَعْطُونِي ابْنَ جَعْفَرٍ» "بچوں کو سواریوں پر بٹھا لو اور مجھے جعفر کا بیٹا تھما دو۔" عبداللہ بن جعفر کو لایا گیا اسے آپ ﷺ نے اپنے آگے سوار کرلیا۔ لوگ یہ کہتے ہوئے لشکر پر مٹی پھینکنے لگے:

"ارے! اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھاگ آئے ہو۔"

رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے: «لَيْسُوا بِالْفُرَّارِ وَلٰكِنَّهُمُ الْكُرَّارُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى» "یہ بھاگنے والے نہیں بلکہ ان شاء اللہ تعالیٰ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہیں۔"[1]

فوائد، نصائح اور اسباق

اس معرکے کے متعدد اسباق و نصائح ہیں، چند ایک یہ ہیں:

معرکۂ موتہ کی اہمیت: مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہونے والی جنگوں میں یہ ایک اہم معرکہ آرائی تصور کی جاتی ہے۔ فریقین کے درمیان یہ پہلا قابل ذکر معرکہ تھا۔ رومی حکومت کے مستقبل پر اس کا گہرا اثر ہوا۔ یہی معرکہ شامی علاقوں کی فتح اور انھیں رومیوں کے تسلط سے آزاد کرانے کا سبب بنا تھا۔ یہ غزوہ نبی اکرم ﷺ کا ایک عملی اقدام تھا جس کے ذریعے بالآخر شامی علاقوں سے رومی حکومت کا خاتمہ کردیا گیا۔ اس معرکے کی ہیبت نے سارے عرب کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا۔[2]

اس جنگ نے مسلمانوں کو رومی قوت کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ ان کے جنگی اسلوب اور طور طریقے سامنے آئے۔

1 السيرة النبوية لابن هشام: 24/4، ودلائل النبوة للبيهقي: 374/4. 2 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 64.

شوقِ شہادت ہی قربانی پیش کرنے کا باعث ہے: تینوں سپہ سالاروں اور دیگر مجاہدین کے صبر و ثبات اور قربانی پیش کرنے کا اصل باعث مجاہدین کی ثواب اور شہادت کی رغبت تھی تاکہ انھیں بھی اللہ تعالیٰ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت سے نواز دے اور اپنی ان وسیع و عریض جنتوں میں داخل فرما دے جن میں وہ کچھ ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال ہی پیدا ہوا۔

معرکہ موتہ کا خصوصی امتیاز: صرف یہی معرکہ ایسا ہے جس کی خبر آسمان سے دی گئی، تینوں شیر صفت سپہ سالاروں کی شہادت کی اطلاع رسول اللہ ﷺ نے میدان جنگ سے خبریں لانے والے سے پہلے دے دی تھی۔ بلکہ آپ ﷺ نے اس معرکے کی دیگر کارروائیاں بھی بتا دی تھیں۔ اس معرکے کا امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے لیے یکے بعد دیگرے تین امیر چنے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ۔[1]

نبی مکرم ﷺ کی طرف سے اولادِ جعفر کی عزت و تکریم: حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کی زوجہ محترمہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمایا: «اِئْتِنِي بِبَنِي جَعْفَرٍ» ”جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔“ بچوں کو آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ ﷺ نے انھیں اپنے قریب کر کے اپنے ناک مبارک کو پیار سے ان کے چہرے پر لگایا اور انھیں بوسہ دیا۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا پوچھتی ہیں: ”آپ کے پاس جعفر اور ان کے ساتھیوں سے متعلق کوئی خبر آئی ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: «أُصِيبُوا هٰذَا الْيَوْمَ» ”وہ آج شہید ہو گئے ہیں۔“ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اب کھڑی ہو کر رونے چلانے لگیں۔ اس پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا:

[1] الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 66.

«لَاتَغْفُلُوا عَنْ آلِ جَعْفَرٍ أَنْ تَصْنَعُوا لَهُمْ طَعَاماً فَإِنَّهُمْ قَدْ شُغِلُوا بِأَمْرِ صَاحِبِهِمْ»

''جعفر کے اہل خانہ کے لیے کھانا تیار کرنے میں غفلت نہ کرنا، وہ تو سب جعفر کے صدمے میں پڑے ہیں۔''[1]

اس حدیث میں کئی ایک مسائل ہیں، مثلاً:

* **فوت شدہ خاوند کے لیے عورت کا رونا درست ہے:** جب رسول اللہ ﷺ نے اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت سے باخبر کیا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا باواز بلند روئیں۔ آپ ﷺ نے اسے نہ برا جانا، نہ منع فرمایا۔ معلوم ہوا کہ عورت خاوند کی وفات پر روسکتی ہے۔ اگر رونا ممنوع ہوتا تو آپ ﷺ یقیناً انھیں روک دیتے۔ ہاں جو رونا اسلام میں منع کیا گیا ہے وہ زمانہ جاہلیت والا تھا جس میں نوحہ کرنا، گریبان چاک کرنا اور منہ کو پیٹنا وغیرہ ہوتا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا انکار اور دیگر ایسے امور پر مشتمل تھا جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تک لے جانے والے تھے۔
* **پسماندگان کے لیے کھانا تیار کرنا مستحب ہے:** رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرنے پر ابھارا تھا جس میں پسماندگان کے ساتھ غمخواری کا اظہار اور ان کی تکلیف میں کمی کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپس میں دکھ سکھ بانٹنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ اس کے بجائے بعض مسلمان معاشروں میں فوتگی والے تعزیت کے لیے آنے والوں کے لیے کھانا تیار کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو اس قبیح رسم سے دور رہنا چاہیے۔

اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے زیادہ رونے سے بھی منع فرمایا

---

[1] مسند أحمد: 380/6، وسنن ابن ماجه، حديث: 1611، ومجمع الزوائد للهيثمي: 161/6، ودلائل النبوة للبيهقي: 370/4، والسيرة النبوية لابن هشام: 22/4. [2] الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 68.

ہے۔ آپ ﷺ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: «لَاتَبْكُوا عَلٰى أَخِي بَعْدَ الْيَوْمِ اُدْعُو لِي بَنِي أَخِي» ''میرے بھائی کے بیٹے میرے پاس بلاؤ اور دیکھو آج کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا۔'' آپ ﷺ نے حجام بلا کر بچوں کے بال منڈوائے اور ارشاد فرمایا:

«أَمَّا مُحَمَّدٌ فَشَبِيهُ عَمِّنَا أَبِي طَالِبٍ، وَأَمَّا عَبْدُاللّٰهِ فَشَبِيهُ خَلْقِي وَخُلُقِي، ثُمَّ أَخَذَ بِيَمِينِ عَبْدِاللّٰهِ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اخْلُفْ جَعْفَرًا فِي أَهْلِهِ وَبَارِكْ لِعَبْدِ اللّٰهِ فِي صَفْقَةِ يَمِينِهِ»

''محمد تو ہمارے چچا ابو طالب سے ملتا جلتا ہے اور عبداللہ صورتاً اور سیرتاً میرے مشابہ ہے، پھر عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر دعا فرمائی: ''اے اللہ! جعفر کے بعد اس کے گھر والوں کی کفالت فرما اور عبداللہ کی تجارت میں برکت ڈال دے۔'' یہ بات آپ ﷺ نے تین بار دوہرائی۔

ان بچوں کی والدہ نے بچوں کی یتیمی اور ناتوانی کا ذکر کیا تو فرمایا: «اَلْعَيْلَةَ تَخَافِينَ عَلَيْهِمْ وَأَنَا وَلِيُّهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ» ''کیا تو ان کی محتاجی سے ڈرتی ہے، میں تو دنیا و آخرت میں ان کا سرپرست ہوں۔''[1]

شہداء کی اولاد کی تکریم و کفالت کا یہ نبوی منہج لائق اتباع ہے۔[2]

اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شادی: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ایام عدت گزرنے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں نکاح کا پیغام دیا۔ انھوں نے قبول کیا اور یہ نکاح ہوگیا۔ انھی سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اسماء رضی اللہ عنہا سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عقد کرلیا۔ ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے انھیں اولاد سے نوازا رضوان اللہ علیہم اجمعین۔[3]

1 مسند أحمد: 204/1، وسنن أبي داود، حديث: 4192، والسنن الكبرىٰ للنسائي: 182/8، والبداية والنهاية: 252/4. 2 السيرة النبوية لأبي شهبة: 430/2. 3 البداية والنهاية: 353/4.

ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے اپنے طویل قصیدے میں اپنے خاوند جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ان اشعار کی صورت میں خراج تحسین پیش کیا۔ وہ کہتی ہیں:

فَآلَيْتُ لَاتَنْفَكُّ نَفْسِي حَزِينَةً
عَلَيْكَ وَلَا يَنْفَكُّ جِلْدِي أَغْبَرَا
فَلِلّٰهِ عَيْنَا مَنْ رَّأٰى مِثْلَهُ فَتًى
أَكَرَّ وَأَحْمَرَ فِي الْهِيَاجِ وَأَصْبَرَا

''میں نے قسم اٹھالی ہے کہ میرا دل تیری وجہ سے ہمیشہ غمگین رہے گا۔ اور میرا جسم غبار آلود رہے گا۔ اللہ تعالیٰ بھلا کرے ان آنکھوں کا جنھوں نے ان جیسا نوجوان دیکھا ہے۔ جنگ میں بار بار حملہ کرنے والا اور ثابت قدمی دکھانے والا (اپنی مثال آپ تھا)۔''[1]

قیادت کا حق؟: نبی کریم ﷺ کی طرف سے مقرر کردہ آخری امیر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی جام شہادت نوش کر گئے تو حضرت ثابت بن اقرم عجلانی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا تھام لیا اور ان پر بحیثیت فوجی جو حق تھا وہ انھوں نے ادا کر دیا۔ علم کا سرنگوں ہونا لشکر کی شکست سمجھا جاتا ہے۔ انھوں نے علم کو تھاما اور مسلمانوں کو آواز دی کہ اپنا قائد چن لیں۔ عرصۂ جنگ میں انھیں امارت کی پیش کش ہوئی مگر وہ کہنے لگے: ''یہ بوجھ میں نہیں اٹھا سکتا۔'' چنانچہ لوگوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا انتخاب کر لیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ علم اٹھائے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں یہ علم آپ سے نہیں لوں گا، آپ ہی

[1] البداية والنهاية: 4/353.

اس کے زیادہ حق دار ہیں۔'' انھوں نے جواباً کہا: ''اللہ کی قسم! میں نے آپ کو دینے کے لیے ہی اسے تھاما تھا۔''

دونوں روایات کا مفہوم ملتا جلتا ہے کہ حضرت ثابت نے پہلے مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور منصب کو اس کے حوالے کر دیا جو اس کا اہل تھا۔[1]

لوگوں نے اگرچہ ان سے کہا تھا کہ آپ ہی ہمارے امیر ہیں لیکن انھوں نے یہ منصب لینا اچھا نہ سمجھا کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت لشکر میں ان سے بہتر قیادت سنبھالنے والا موجود ہے اور جب عہدہ ایسے شخص کو سونپ دیا جائے جو اس کا اہل نہیں تو خرابی کا امکان رہتا ہے۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شرکت کر چکے تھے، اس لیے وہ اس عہدے کے لیے نااہل نہیں تھے مگر انھوں نے اپنے سے بہتر شخص کے ہوتے ہوئے اسے قبول کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اگرچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ابھی اسلام قبول کیے صرف تین ماہ ہوئے تھے۔ اس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بہتر طور پر تنفیذ اصل مقصود ہے۔[2]

آج کے دور میں اسلامی دعوت کی قیادت پر مسلط طبقہ نئی قیادت اور اعلیٰ اقتدار کے حاملین کے سامنے طرح طرح کی مشکلات کھڑی کر دیتا ہے۔ جس کا اصل مقصد اس خطرے سے تحفظ ہوتا ہے جو قیادت کے ہاتھ سے نکل جانے کی صورت میں ان کے سروں پر منڈلا رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح شخصی طور پر حاصل شدہ امتیازات و مفادات اور دنیوی اغراض و مقاصد کو برقرار رکھنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے اس اعلیٰ کردار سے ایسے قائدین کو درس عبرت لینا چاہیے مگر یہ تو اس کا نصیب ہے جس کے پاس سمجھنے والا دل، سننے والے کان اور شعور و احساس موجود ہے۔

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 124/7. [2] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 376.

قیادت کے احترام کا نبوی سبق: حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ جنگ موتہ میں جو لوگ گئے تھے میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ہم چلتے چلتے رومی لشکروں سے جا ٹکرائے۔ ان کا ایک شخص سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا جس کی زین اور اسلحہ سونے سے ملمع کردہ تھا۔ وہ رومی مسلمانوں کو بے تحاشا مارنے لگا۔ ادھر یمنی امدادی قافلوں میں آنے والا میرا (حمیری) ساتھی ایک چٹان کے پیچھے (اس کی گھات میں) بیٹھ گیا۔ جب رومی ادھر سے گزرا تو اس نے آگے بڑھ کر تلوار سے اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ رومی بھاگا تو اس نے اس پر بھی حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور گھوڑے سمیت اس کا اسلحہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیج کر سلب میں سے کچھ حصہ اپنے پاس جمع کر لیا۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا: ''خالد! آپ کو علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامانِ سلب قاتل کو دلایا ہے۔'' حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یقیناً ایسا ہی ہے مگر مجھے یہ سامان زیادہ معلوم ہوتا ہے۔'' میں نے کہا: ''یہ (سارا) سامان اسے دیں یا پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس مال کے حوالے سے سوال ضرور اٹھاؤں گا۔'' مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پھر بھی وہ مال واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکٹھے ہوئے تو میں نے اس حمیری کا سارا قصہ بیان کر دیا اور جو کچھ حضرت خالد نے کہا وہ بھی کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «يَا خَالِدُ! مَاحَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ؟» ''خالد! تم نے ایسا کیوں کیا؟'' عرض کیا: ''میں نے وہ سامان اس کے لیے بہت زیادہ خیال کیا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «رُدَّ عَلَيْهِ الَّذِي أَخَذْتَ مِنْهُ» ''اس سے جو کچھ بھی لیا ہے واپس کر دو۔''

حضرت عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے خالد رضی اللہ عنہ سے کہا: ''خالد! مزا چکھ لو۔ کیا میں نے اپنی بات پوری نہیں کر دکھائی (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کر کے سامان واپس کرا دیا

ناں!)؟'' رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: «وَمَا ذٰلِكَ؟» ''وہ کیا تھا؟'' میں نے آپ ﷺ کو بتا دیا۔ آپ ﷺ نہایت غصے ہوئے اور فرمایا:

«يَا خَالِدُ! لَا تَرُدَّ عَلَيْهِ، هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِي أُمَرَائِي؟ لَكُمْ صَفْوَةُ أَمْرِهِمْ وَعَلَيْهِمْ كَدَرُهُ»

''اے خالد! مت لوٹا اسے، کیا تم میرے مقرر کردہ امیروں کو میری وجہ سے معاف نہیں کر سکتے۔ ان کے معاملے کا صاف صاف تمھارے لیے اور معاملے کا گدلا پن (کمی کوتاہی) ان کے اپنے ذمے ہے۔''[1]

امراء و قائدین سے بھی بتقاضائے بشریت غلطی کا امکان باقی رہتا ہے۔ ایسے میں کمی کوتاہی واقع ہونے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا امراء کی حمایت و تائید میں یہ موقف نہایت اعلیٰ ہے۔ ان کی بھی اصلاح کی کوشش ہونی چاہیے لیکن تنقیص و اہانت کے بغیر۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جب اس حمیری مجاہد کو مکمل سلب لینے سے روکا تو انھوں نے ان کی بے عزتی ہرگز نہ کی بلکہ اجتہاد کے تحت مصلحت عامہ کو سامنے رکھا کہ یہ سلب ایک آدمی کے لیے بہت زیادہ ہے اور اگر اسے عام مال غنیمت میں شامل کر لیا جائے تو متعدد مجاہدین کے لیے سود مند ہو سکتا ہے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی حد تک حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اس سے منع کرنے کا فرض ادا کر لیا اور صحیح صورت مسئلہ بتا دی مگر جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بات تسلیم نہ کی تو معاملہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا۔ اب تک ان کا کردار اصلاح پسندانہ تھا اور اب انھیں اس قضیے کو یہیں روک دینا چاہیے تھا کہ حق تو حقدار تک پہنچ چکا ہے۔ لیکن انھوں نے یہاں بس نہ کی بلکہ اس معاملے کو اصلاح کے دائرے سے نکال کر شخصی مسئلہ بنا ڈالا اور اس کے ذریعے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے انتقامی جذبے کی تسکین اور ان کی تحقیر کا

[1] صحيح مسلم، حديث: 1753، ومسند أحمد: 27/6، وسنن أبي داود، حديث: 2720,2719.

اظہار کیا۔ یہی وجہ تھی کہ اب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عوف رضی اللہ عنہ کی تائید نہ کی بلکہ سختی سے ڈانٹا اور امراء کے اپنی رعایا پر عظیم حق کی وضاحت فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سلب واپس نہ کرنے کا حکم دے کر اس حمیری مجاہد کا حق ضبط کیا یا کم کیا؟ یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی کی کوتاہی کی سزا کسی دوسرے کو دیں، لہٰذا یہ بات طے شدہ ہے کہ لازماً وہ حمیری مجاہد اس فیصلے پر راضی ہوا ہوگا، خواہ اسے اس کا بدلہ دے کر راضی کیا گیا ہو یا اس نے خود ہی اپنے حق سے دست برداری اختیار کر لی ہو۔ اس واقعے میں یہ تفصیل ذکر نہیں ہوئی۔[1]

جو لوگ اپنے امراء اور قائدین کا مقام و مرتبہ اور احترام کرنا نہیں جانتے ان میں کوئی نظام و قانون پروان نہیں چڑھ سکتا۔ نبوی تربیت ہی نے اس امت کو ایک بلند معیار دیا۔ مسلمانوں کی یہ کتنی بڑی ضرورت ہے کہ ہر شخص کو اس کی جگہ پر رکھیں اور اس کا احترام بھی ہو۔ اور یہ بھی چاہیے کہ انسان کو دین کے ناتے اس کا وہ مقام دیا جائے جو اس کا حق ہے اور پھر تمام لوگ اپنے اپنے دائرے میں رہیں جس کا تعین اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

''اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ تعالیٰ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتی ہوگی وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر، اللہ تعالیٰ

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 130/7.

کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا بھی نہ کریں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا زبردست علم والا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان: ''کیا تم میرے مقرر کردہ امیروں کو معاف نہیں کر دیتے؟'' خالد رضی اللہ عنہ کے لیے ایک تمغہ ہے کہ خود آپ ﷺ نے انھیں اپنے امراء میں شمار کیا۔ یہ نبوی طریقہ ہے انسانوں کے مقام و مرتبہ کے لحاظ کا۔[2]

ایمان کے پیمانے اور جنگوں میں ان کا اثر: اسلامی لشکر ''معان'' میں دشمن کی کثرت تعداد پر گفتگو کرنے کے لیے ٹھہرا رہا۔ مسلمانوں کے مادی وسائل جنگ کرنے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی نہیں کر رہے تھے اس کے باوجود مسلمان اپنے طریقے پر چلے اور ایمانی معیار اور ایمانی وسائل بروئے کار لاتے ہوئے جنگ میں داخل ہو گئے۔ مسلمان تو طلبِ شہادت کی غرض سے نکلے تھے اب وہ اپنے مطلوبہ ہدف کو سامنے پا کر میدانِ جنگ سے کیوں فرار اختیار کرتے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں یتیم تھا اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی سرپرستی اور نگرانی میں تھا۔ اس سفر میں عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیا اور اپنے کجاوے کی پیچھے والی لکڑی پر بٹھا لیا۔ اللہ کی قسم! رات کا وقت تھا وہ چلے جا رہے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے اور میں سن رہا تھا ؎

وَجَاءَ الْمُسْلِمُونَ وَ غَادَرُونِي

بِأَرْضِ الشَّامِ مُشْتَهَى الثَّوَاءِ

''اور مسلمان آئے اور مجھے شام میں چھوڑ کر چلے گئے ہیں وہ جگہ جس کے لیے میں بہت خواہش مند ہوں کہ اس جگہ رہ جاؤں۔''

[1] المآئدة 5:54. [2] من معين السيرة لصالح الشامي، ص:378.

میں نے یہ شعر سنا تو رونے لگا۔ اس پر انھوں نے مجھے درہ مارا اور کہا: ''اے ڈرپوک! تیرا اس میں کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب کرے اور تو آزادی سے کجاوے پر بیٹھ کر واپس پلٹے؟''[1]

صرف ٹیکنالوجی میں برتری ہی قوموں کے فاتح ہونے کا سبب نہیں بلکہ روحانی اور نفسیاتی برتری ہی فاتح اقوام کا اصل ہتھیار ہوا کرتی ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ اس معرکے کے متعلق اپنی رائے قائم کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''یہ بڑی بات ہے کہ مخالف دین رکھنے والے دو لشکر آپس میں لڑیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی راہ میں جن کی تعداد صرف تین ہزار اور دوسرا لشکر کافر جن کی تعداد دو لاکھ جنگجو۔ ایک لاکھ رومی اور ایک لاکھ عرب عیسائی، دونوں آپس میں فرداً فرداً مقابلہ بھی کریں اور عام جنگ بھی ہو، پھر بھی مسلمانوں کے صرف بارہ شہداء ہوں اور مشرکین کی کثیر تعداد موت کے گھاٹ اترے۔ اس غزوے میں شریک صرف ایک مجاہد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس روز میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں، بالآخر میرے ہاتھ میں صرف ایک یمنی بانا رہ گیا۔ دیکھیں انھوں نے ان تلواروں سے صلیب کے کتنے ہی پجاری قتل کیے ہوں گے۔ باقی کا معاملہ چھوڑ بھی دیں تو یہی تعداد کچھ کم نہ ہوگی؟ بقیہ حاملینِ قرآن نے بھی ہر موقع پر صلیب کے پجاری ملعونین کو دل کھول کر جہنم واصل کیا۔''[2]

شہدائے موتہ کے لیے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا خراجِ تحسین

فِي لَيْلَةٍ وَّرَدَتْ عَلَيَّ هُمُومُهَا

طَوْرًا أَحِنُّ وَتَارَةً أَتَمَلْمَلُ

1 السيرة النبوية لابن هشام:4/25,24۔ 2 البداية والنهاية:4/259۔

وَاعْتَادَنِي حُزْنٌ فَبِتُّ كَأَنَّنِي

بِبَنَاتِ نَعْشٍ وَّالسِّمَاكِ مُوَكَّلُ

وَكَأَنَّمَا بَيْنَ الْجَوَانِحِ وَالْحَشٰى

مِمَّا تَأَوَّبَنِي شِهَابٌ مُّدْخَلُ

وَجْداً عَلَى النَّفَرِ الَّذِينَ تَتَابَعُوا

يَوْماً بِمُؤْتَةَ أُسْنِدُوا لَمْ يُنْقَلُوا

صَلَّى الْإِلٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ فِتْيَةٍ

وَسَقٰى عِظَامَهُمُ الْغَمَامُ الْمُسْبِلُ

صَبَرُوا بِمُؤْتَةَ لِلْإِلٰهِ نُفُوسَهُمْ

حَذَرَ الرَّدٰى وَمَخَافَةً أَنْ يَّنْكُلُوا

فَمَضَوْا أَمَامَ الْمُسْلِمِينَ كَأَنَّهُمْ

فُنُقٌ عَلَيْهِنَّ الْحَدِيدُ الْمُرْفَلُ

إِذْ يَهْتَدُونَ بِجَعْفَرٍ وَّلِوَائِهِ

قُدَّامَ أَوَّلِهِمْ فَنِعْمَ الْأَوَّلُ

حَتّٰى تَفَرَّجَتِ الصُّفُوفُ وَجَعْفَرٌ

حَيْثُ الْتَقٰى وَعْثُ الصُّفُوفِ مُجَدَّلُ

فَتَغَيَّرَ الْقَمَرُ الْمُنِيرُ لِفَقْدِهِ

وَالشَّمْسُ قَدْ كَسَفَتْ وَكَادَتْ تَأْفِلُ

''میں ایسی رات کبھی تو روتا ہوں اور کبھی کروٹیں بدلتا ہوں جس میں غموں نے میرے گرد ہجوم ڈال دیا ہے۔

غم مجھ پر ایسے مسلط ہو گیا ہے گویا میں بنات النعش (قطب شمالی کے سات ستارے) اور (ستارہ) سماک کے سپرد کر دیا گیا ہوں۔ (نیند رات بھر نہ آنے سے یہ استعارہ ہے اور ''تارے گنتے رات گزرنا'' یہ محاورہ بھی اسی سے ہے۔)

اور گویا پسلیوں کے درمیان ایک شہاب ثاقب داخل کر دیا گیا ہے جو اندر ہی اندر بھڑک رہا ہے۔

یہ ساری کیفیت ان لوگوں کے غم والم کے سبب ہے جو موتہ کے دن یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ انھیں وہیں سپرد خاک کر دیا گیا اور یہاں منتقل بھی نہ کیے گئے۔

اللہ تعالیٰ ان جوانوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ کیسے ہی اچھے جوان تھے۔ ان کی قبروں کو رحمت کی موسلا دھار بارش سیراب کرتی رہے۔

انھوں نے موتہ میں اللہ کے لیے صبر کیا۔ اس خوف سے کہ کہیں ہلاکت میں نہ پڑ جائیں اور اس ڈر سے کہ بے مقصد واپس نہ لوٹیں اور راہ فرار اختیار نہ کریں۔

یہ (بہادر) مسلمانوں کے آگے آگے ایسے چل رہے تھے گویا نر اونٹ ہیں۔ اور ان کی (مضبوط) زرہیں زمین پر گھسٹ رہی تھیں۔

جعفر رضی اللہ عنہ بھی کیا ہی خوب سپہ سالار تھے جو خود جھنڈا بلند کیے سب سے آگے تھے (اور خوب دادِ شجاعت دے رہے تھے)۔ لیکن جب صفیں الگ الگ ہونے لگیں تو جعفر رضی اللہ عنہ وہیں شہید ہو کر گر پڑے۔ (ان کی شہادت کے غم میں) دمکتے چاند کا رنگ فق ہو گیا اور سورج بھی اتنا گہنا گیا قریب تھا کہ وہ ڈوب جاتا۔''[1]

یہ وہ چند اشعار ہیں جو حضرت کعب بن مالک نے شہدائے موتہ کو خراجِ تحسین پیش

1 السيرة النبوية لابن هشام:4/33-34.

کرتے ہوئے کہے تھے۔ ادھر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی شہدائے موتہ، حضرت جعفر بن ابی طالب، زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کے متعلق درد انگیز قصائد کہے۔ مسلمانوں کی طرف سے قصائد کی صورت میں عقیدتیں نچھاور کرنے والے اپنا فرض بڑی ذمہ داری اور سنجیدگی سے ادا کرتے تھے، اس لیے یہ افراد اپنی اس انوکھی خداداد صلاحیت کو بروئے کار لاکر اشعار کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بجا لاتے تھے اور نیکی کی نیت رکھتے تھے۔

غزوۂ ذات السلاسل

غزوۂ موتہ سے لوٹے ابھی چند ہی دن ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ''ذات السلاسل'' کی طرف ایک لشکر روانہ فرما دیا تاکہ قضاعہ کے ان لوگوں کے خلاف کارروائی کی جائے جو موتہ میں رومی لشکر میں شامل تھے اور مسلمانوں کی پسپائی پر بڑے گھمنڈ میں مبتلا ہوئے اور اب اطرافِ مدینہ پر ہلہ بولنے کی غرض سے اکٹھے ہو رہے تھے۔ لہٰذا حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تین سو مہاجرین و انصار کے ہمراہ ان کی جانب پیش قدمی کی۔

یہ لشکر جب دشمن کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ ان کی جمعیت بہت بڑی ہے، انھوں نے مزید کمک کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آدمی بھیجا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں انھیں دوسو افراد کی کمک مل گئی۔[1]

مسلمانوں نے کفار پر جنگ مسلط کردی۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قضاعہ کے علاقے میں دور تک بڑھتے چلے گئے۔ اہل علاقہ شکست خوردہ ہوکر بھاگ نکلے۔ یوں حضرت عمرو

[1] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 471/2، والمغازي للواقدي: 769/2-771.

بن عاص رضی اللہ عنہ شامی اطراف و جوانب میں اسلام کا رعب و دبدبہ بحال کرنے، سابقہ معاہدہ کرنے والوں کو پہلے جیسے معاہدے پر قائم رہنے اور دیگر کئی قبائل کو مسلمانوں کے حلیف بنانے میں کامیاب رہے۔ بنوعبس، بنومرہ اور بنوذبیان کے اکثر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ بنوفزارہ اوران کا سردار عیینہ بن حصن فزاری مسلمانوں کے معاہدہ میں شامل ہو گیا۔ ان کے ساتھ ساتھ بنوسُلیم اور ان کا سردار عباس بن مرداس اور بنو اشجع بھی معاہدے میں شامل ہوگئے۔ عرب بھر میں نہ سہی مگر عرب کے شمالی علاقوں میں مسلمان ہی سب سے طاقتور ہو گئے تھے۔[1]

حکمتیں، عبرتیں اور اسباق

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا اخلاص: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پیغام بھیجا کہ ہتھیار پہن کر میرے پاس آؤ۔ میں گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری جانب سر سے پاؤں تک دیکھا اور ارشاد فرمایا:

«إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَبْعَثَكَ عَلٰى جَيْشٍ فَيُسَلِّمَكَ اللّٰهُ وَيُغْنِمَكَ وَأَرْغَبُ لَكَ فِي الْمَالِ رَغْبَةً صَالِحَةً»

”میں تمھیں ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمھیں صحیح سلامت رکھے گا اور غنیمت دے گا اور میں بھی تمھیں خاصی مقدار میں مال دینا چاہتا ہوں۔“

میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! میں دولت کے لیے تو مسلمان نہیں ہوا تھا۔ بلکہ میں تو اسلام کو پسند کر کے مسلمان ہوا تھا اور اس لیے بھی کہ اس طرح مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ میسر رہے گا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

1 السيرة النبوية لأبي شهبة:2/433.

«يَا عَمْرُو! نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ»

''اے عمرو! اچھا مال، نیک انسان کے لیے اچھا ہوتا ہے۔''[1]

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا موقف ان کے اخلاص، سچائی اور قوت ایمان کا مظہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے یہ بات واضح فرمائی کہ حلال مال جب نیک انسان کے ہاتھ میں آئے تو یہ بڑی نعمت ہے۔ وہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے گا اور اسے نیکی کے کاموں میں صرف کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو اور اہل خانہ کو ہاتھ پھیلانے سے محفوظ رکھے گا۔[2]

اتفاق و اتحاد طاقت اور اختلاف کمزوری ہے: اس غزوے کے لیے بھیجی گئی کمک حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جب وہاں پہنچی تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے سارے لشکر کی قیادت اپنے ہاتھ میں لینا چاہی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ بطور کمک میرے پاس آئے ہیں، لہٰذا امامت کا آپ کو حق نہیں۔ امیر کارواں میں ہی رہوں گا۔ آپ تو صرف امدادی بن کر آئے ہیں۔'' مہاجرین نے کہا: ''ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ تم اپنے ساتھیوں کے امیر ہو اور ابوعبیدہ اپنے ساتھیوں کے سالار۔''

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''نہیں، تم سب ہماری کمک کے طور پر آئے ہو۔''

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نرم مزاج آدمی تھے۔ اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے کہنے لگے: ''اے عمرو! مطمئن رہو، (میں اس بات کو تنازع کا سبب نہیں بننے دوں گا کیونکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آخری نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: «إِذَا قَدِمْتَ عَلٰى صَاحِبِكَ فَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا» ''دیکھو! جب وہاں عمرو کے پاس پہنچ جاؤ تو ایک دوسرے کی بات ماننا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔'' واللہ! اگر تم میرا کہا نہ مانو گے تو بھی میں یقیناً تمھاری

[1] مسند أحمد: 4/197، والأدب المفرد للبخاري، رقم: 299، والمستدرك للحاكم: 2/2و236، وصحيح ابن حبان، رقم: 3211. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 133/7.

اطاعت کروں گا۔‘‘ یہ کہتے ہوئے انھوں نے ان کی سربراہی تسلیم کر لی۔ اس کے بعد نمازوں کی امامت حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ہی کراتے رہے۔[1]

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ یہ بات سمجھ گئے کہ مسلمانوں میں کسی بھی قسم کا اختلاف شکست سے دوچار کر سکتا ہے۔ نتیجتاً دشمن غالب و فاتح ہو جائے گا۔ لہٰذا اس جھگڑے کو فوراً ختم کرتے ہوئے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی امارت میں ایک سپاہی کے طور پر شامل ہو گئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی بجا آوری ہو سکے۔[2]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی اپنی مکمل قوت محفوظ رکھنے کی شدید خواہش: غزوۂ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ مہارت کا اندازہ صفوں میں اتحاد و اتفاق قائم رکھنے سے ہوتا ہے اور یہاں کئی مقامات پر اس کا ظہور ہوا، مثلاً: عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ رات کو چلتے اور دن کو چھپے رہتے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اپنی دور اندیشی اور ثاقب نظری سے یہ بات بھانپ گئے تھے کہ ممکن ہے دشمن مڈھ بھیڑ سے پہلے ہی ہمارے متعلق جاسوسی کر کے بہتر صورت میں اپنی تیاری کر لے، انھوں نے سوچا کہ رات کو سفر کریں اور دن کو چھپے رہیں۔ اپنی قوت کو محفوظ کرنے کا یہی بہتر طریقہ ہے۔ اس حکمت عملی سے انھیں دو اہم مقاصد حاصل ہوئے۔

- دشمن سے اپنی پیش قدمی مخفی رکھ کر مکمل جنگی قوت محفوظ رکھی۔
- لشکر کو گرمی کی حدت سے بچانا تاکہ وہ دشمن سے آمنا سامنا ہونے تک بالکل چاق و چوبند ہوں اور دشمن سے مڈھ بھیڑ کی مکمل طاقت رکھتے ہوں۔

لشکر کو آگ جلانے سے منع کرنا: لشکر والوں نے جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے سردی کی وجہ سے آگ جلانے کی اجازت طلب کی تو انھوں نے اجازت نہ دی۔

---

1 مغازي رسول اللّٰه ﷺ لعروة بن الزبير، ص: 207، سند ضعیف ہے۔ 2 غزوة الحديبية لأبي فارس، ص: 209.

اس کا سبب ان کی وہ گہری جنگی سوچ اور تجربہ تھا کہ آگ تاپنے کی مصلحت سے کئی گنا بڑا نقصان ہوسکتا ہے۔ آگ کی روشنی دشمن کے لیے مسلمانوں کی قلت تعداد کا راز کھول دے گی اور وہ اچانک حملہ کر سکتے ہیں۔ یہی مقصد اس وقت سامنے آیا جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس بارے میں گفتگو کی تو فرمانے لگے: ''جس شخص نے بھی آگ جلائی میں اسے اٹھا کر اس میں پھینک دوں گا۔''

مدینہ واپس آنے پر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا شکوہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تو عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میں نے اس لیے اجازت دینا پسند نہ کیا کہ وہ آگ جلائیں گے اور اس طرح دشمن ہماری قلت تعداد کو جان جائے گا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو درست قرار دیا۔[1]

راہ فرار اختیار کرنے والے دشمن کا پیچھا کرنے کی ممانعت: جب مسلمانوں نے دشمن کو شکست دے دی تو وہ چاہتے تھے کہ گرتی دیوار کو مزید دھکا دینے کے لیے بچے کھچے گروہوں کا پیچھا کیا جائے۔ قائد لشکر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے پیچھا کرنے سے روک دیا کہ ایسا نہ ہو کہیں مسلمان دشمن کے حصار میں آجائیں اور یہ فتح شکست میں بدل جائے۔ دشمن کی تعداد تو اب بھی مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو انھوں نے جواب دیا: ''میں نہیں پسند کرتا تھا کہ دشمن کا پیچھا کر کے اسے موقع فراہم کیا جائے۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کو مامون و محفوظ رکھنے والا ان کا یہ حکیمانہ عمل بھی درست قرار دیا۔[3]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی فقاہت: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں

---

1 صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص:509. 2 صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص:509. 3 القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص:540.

غزوۂ ذات السلاسل میں سخت سرد رات کو احتلام زدہ سو گیا میں ڈرا کہ اگر غسل کیا تو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا، لہٰذا میں نے تیمّم کر لیا، پھر اس طرح ساتھیوں کو نماز پڑھا دی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو بتا دیا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَأَنْتَ جُنُبٌ؟» ''کیا تم نے جنبی حالت ہی میں ساتھیوں کو نماز پڑھا دی؟''

میں نے اپنا عذر پیش کیا جس کی بنا پر غسل نہ کر سکا تھا اور پھر عرض کیا کہ چونکہ میں نے یہ قرآنی آیت سنی ہوئی تھی:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا۝﴾

''اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرنے والا ہے۔''[1]

تو آپ ﷺ ہنس کر خاموش ہو گئے اور کچھ نہ کہا۔[2]

اس قصے سے کئی احکام نکلتے ہیں:

- پانی میسر ہونے کے باوجود جب پانی کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ ہو تو اس کی جگہ جنبی کے لیے تیمّم کافی ہوگا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پانی ہونے کے باوجود جب جنبی ہوئے تو تیمّم کر کے نماز ادا کی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا انکار نہ فرمایا۔
- رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں بھی اجتہاد کا جواز و امکان موجود تھا۔ حضرت عمرو بن عاص نے ایک آیت کو سامنے رکھتے ہوئے سردی کی رات غسل کے بجائے صرف وضو پر اکتفا کرتے ہوئے نماز ادا کی۔ ان کے اس استدلال و اجتہاد کو رسول اللہ ﷺ نے غلط نہ جانا بلکہ ان کے دو امور کو صائب قرار دیا:

(ا) اجتہاد کرنے کا جواز۔

(ب) اس موقع پر انھوں نے جو اجتہاد کیا تھا اسے درست قرار دیا۔

---

1 النسآء 4:29. 2 مسند أحمد: 204,203/4، وسنن أبي داود، حديث: 334، وصحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 509.

* تیمّم کے جواز کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ سخت سردی کی بنا پر پانی کا استعمال تکلیف دہ اور مشکل ہو۔
* تیمّم والا، وضو والوں کی امامت کرا سکتا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تیمّم کر کے پانچ سو صحابہ کی امامت کرائی جنھوں نے وضو کر رکھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی انکار نہ فرمایا بلکہ اسے درست قرار دیا۔
* حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ان کی فقاہت اور دانش مندی کی دلیل ہے۔[1]

فقہاء نے اس واقعے سے کئی احکام کا استخراج کیا ہے جن میں سے سیرت کے حوالے سے چند باتیں درج ذیل ہیں:

① عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کیے ابھی صرف چار ماہ ہوئے تھے۔ قرآن سے اتنی جلدی اتنا گہرا تعلق کہ آیات مبارکہ سے مسائل کا استخراج اور اس قدر سوجھ بوجھ! اس کا سبب صرف اور صرف دین کی فقاہت حاصل کرنے کا شوق تھا۔ یہ امکان بھی بعید نہیں کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے حتی الوسع قرآن پاک سن چکے ہوں اور اس کی جستجو میں رہتے ہوں۔

② اس احتمال کا اعتبار کر لیں تو قرآن کی عظمت کی ایک اور مثال ہاتھ آئے گی کہ قرآن نے کس طرح اسلام کے دشمنوں کو بھی اپنی طرف مائل کیے رکھا کہ دشمن ہونے کے باوجود اسے سننے کی کوشش کرتے تھے۔ اور مکی دور میں ایسا ہوتا بھی رہا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے متعلق اس سلسلے کی ایک اور دلیل بھی ہے کہ انھیں قبولِ اسلام سے پہلے ہی قرآن سے کتنا شغف تھا جیسا کہ انھوں نے نجاشی سے کہا تھا کہ مہاجرین حبشہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سوال کریں۔[2]

شمال کی جانب پیش قدمی کے اثرات: صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کے جنگی حملے شمال

1 غزوة الحديبية لأبي فارس، ص: 210. 2 من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 381.

کا رخ اختیار کر گئے۔ یوں جزیرہ نمائے عرب کی مغربی اور جنوب مغربی جانب، جس جگہ مکہ مکرمہ ہے، صلح کے سایے تلے پر امن بن گئی۔[1]

رسول گرامی ﷺ کے لشکروں نے عرب کے شمال میں اپنے مقاصد و نتائج مکمل طور پر پاتے ہوئے روم کی سرحدوں پر جا دستک دی۔ یوں حکومت اسلامیہ کی سرحدیں مامون و محفوظ ہو گئیں۔ ہیبت پھیل گئی اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور شب خون مارنے کے تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ لشکروں کو مشین کی طرح حرکت میں رکھنے کی نبوی سیاست سے دو اہم اغراض حاصل ہو گئیں:

- داخلی طور پر دین اسلام کی حفاظت کی ضمانت
- بیرونی خطرات سے بھی محفوظ و مامون۔[2]

سیرت نبویہ پر گہری نگاہ رکھنے والا اور باریکی سے اس کی تفاصیل اور واقعات و حوادث جاننے والا شخص، بلاشبہ اس نتیجے تک پہنچے گا کہ صلح حدیبیہ سیاسی، عسکری اور ابلاغی پہلو سے اہم ترین کامیابی تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسلام اور بت پرستی کے درمیان عہد نبوی میں ہونے والے معرکوں میں سے بہتر نتائج دینے والا معرکہ یہی تھا جس نے ایک طرف تو اسلام کی بنیادیں مضبوط کر دیں اور دوسری جانب شرک اور بت پرستی کے ستون زمین بوس کر دیے۔

خیبر میں ہونے والی فتوحات، جنگ موتہ کی فتح و نصرت اور غزوۂ ذات السلاسل میں اسلامی قلمرو کی ہیبت کا سکہ، یہ سب کچھ صلح حدیبیہ ہی کی بدولت تھا۔[3]

---

1 المجتمع المدني للدكتور العمري، ص: 170. 2 الإعلام في صدر الإسلام للدكتور عبداللطيف حمزة، ص: 173. 3 منهج الإعلام الإسلامي لسليم حجازي، ص: 338.

غزوۂ فتح مکہ 8ھ

باب : 1 اسباب، تیاری اور پیش قدمی

باب : 2 مکہ مکرمہ میں داخلہ اور فتح کی منصوبہ بندی

باب : 3 دروس و حکمتیں

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبٰطِلُ ؕ
اِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○

”حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ یقیناً باطل ہے ہی مٹنے والا۔“

(بنی اسرائیل 17:81)

اَلْيَوْمُ يَوْمُ بِرٍّ وَّوَفَاءٍ

”آج نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے۔“

(المعجم الكبير للطبراني، رقم: 8395)

لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

”آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔“

(دلائل النبوة للبيهقي: 58/5)

باب 1

اسباب، تیاری اور پیش قدمی

اسباب

قریش نے مسلمانوں کے حلیف بنوخزاعہ کے خلاف اپنے حلیف بنوبکر کی مدد کر کے ناقابل تلافی غلطی اور بہت بڑی کوتاہی کی۔ انھوں نے بنوبکر کو گھوڑوں، اسلحہ اور جنگجوؤں کی صورت میں امداد فراہم کی۔ بنوبکر نے اپنے دوسرے حلیفوں کے ساتھ مل کر ''وتیر'' نامی چشمے کے پاس قبیلہ خزاعہ پر شبخون مارا اور ان کے بیس سے زیادہ آدمی قتل کر دیے۔[1]

خزاعہ کی کوئی جنگی تیاری نہ تھی، لہٰذا وہ بنوبکر سے بچنے کے لیے حرم میں پناہ گزین ہوئے، جہاں جنگ جائز نہیں، تاکہ بنوبکر جنگ سے رک جائیں۔ بنوخزاعہ نے بنوبکر کے قائد سے یہ بھی کہا: ''اے نوفل! اب تو ہم حرم میں داخل ہوگئے ہیں۔ تمھیں تمھارے الٰہ کا واسطہ!'' تو نوفل نے جواب دیا: ''بنوبکر! آج کوئی الٰہ نہیں، اپنا بدلہ چکا لو۔''[2]

تب عمرو بن سالم خزاعی قبیلے کے چالیس افراد کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ جا پہنچا۔ اس نے بنوبکر کے مظالم اور اپنے مقتولین کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ قریش نے ہمارے خلاف بنوبکر کی مدد کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ اس وقت مسجد نبوی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے آپ ﷺ کے سامنے یہ اشعار پڑھے:

---

[1] المغازي للواقدي: 2/781-784. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 4/39.

يَا رَبِّ إِنِّي نَاشِدٌ مُحَمَّدَا

حِلْفَ أَبِينَا وَ أَبِيهِ الْأَتْلَدَا

''اے پروردگار! میں محمد (ﷺ) کو ان کے آباء و اجداد اور اپنے آباء و اجداد کا قدیم معاہدہ[1] یاد دلاتا ہوں۔''

قَدْ كُنْتُمْ وُلْدًا وَكُنَّا وَالِدَا

ثُمَّتْ أَسْلَمْنَا فَلَمْ نَنْزِعْ يَدَا

''تم لوگ ہماری نسل ہو اور ہم تمھیں جننے والے تھے،[2] پھر ہم نے تابعداری اختیار کی اور کبھی دست کش نہ ہوئے۔''

فَانْصُرْ هَدَاكَ اللّٰهُ نَصْرًا أَعْتَدَا

وَادْعُ عِبَادَاللّٰهِ يَأْتُوا مَدَدَا

''اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت پر قائم رکھے، پُر زور مدد کیجیے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بلائیے کہ وہ (ہماری) نصرت و کمک کے لیے حاضر ہوں۔''

فِيهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ قَدْ تَجَرَّدَا

إِنْ سِيمَ خَسْفًا وَجْهُهُ تَرَبَّدَا

''ان میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں وہ بھی ہتھیار پوش، اگر آپ پر زیادتی (یا) آپ کی توہین کی جائے تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔''

فِي فَيْلَقٍ كَالْبَحْرِ يَجْرِي مُزْبِدَا

إِنَّ قُرَيْشًا أَخْلَفُوكَ الْمَوْعِدَا

---

1 عبدالمطلب کے زمانے میں بنو ہاشم اور بنو خزاعہ کا باہم صلح کا معاہدہ ہوا تھا۔ حدیبیہ کے موقع پر اس کی تجدید بھی ہوئی تھی۔ 2 مراد یہ تھا کہ عبد مناف اور قیصر دونوں کی مائیں خزاعیہ تھیں۔

”آپ ایک ایسے عظیم لشکر میں تشریف لایئے جو جھاگ اچھالتے سمندر کی طرح متلاطم ہو، یقیناً قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے۔“

وَنَقَضُوا مِيثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا

وَجَعَلُوا لِي فِي (كَدَاءٍ) رُصَّدَا

”انھوں نے آپ کے انتہائی پختہ عہد و پیمان کو توڑا ہے اور میرے لیے لوگوں کو ”کداء“ مقام میں گھات میں بٹھایا ہے۔“

وَزَعَمُوا أَنْ لَّسْتُ أَدْعُو أَحَدَا

وَهُمْ أَذَلُّ وَ أَقَلُّ عَدَدَا

”اور انھوں نے سمجھا کہ میں کسی کو نہیں پکاروں گا اور خود ان کا حال یہ ہے کہ نہایت ذلیل اور تعداد میں بہت کم ہیں۔“

هُمْ بَيَّتُونَا بِالْوَتِيرِ هُجَّدَا

وَقَتَلُونَا رُكَّعًا وَّ سُجَّدَا

”انھوں نے ہم پر ”وتیر“ میں شبخون مارا اور ہمیں بحالت رکوع وسجود قتل کیا۔“

یہ اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نُصِرْتَ يَا عَمْرَو بْنَ سَالِمٍ! لَا نَصَرَنِيَ اللّٰهُ إِنْ لَّمْ أَنْصُرْ بَنِي كَعْبٍ!»

”اے عمرو بن سالم! تیری مدد کی جائے گی، اگر میں نے بنی کعب کی مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ میری مدد نہ کرے گا۔“

پھر آسمان سے ایک بادل نمودار ہوا تو فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ السَّحَابَةَ لَتَسْتَهِلُّ بِنَصْرِ بَنِي كَعْبٍ»

”یہ بادل بنوکعب کی مدد کی بشارت وخوشخبری سے چمک رہا ہے۔“[1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان سب معاملات کو سن کر تحقیق کر لی تو قریش کو پیغام بھیجا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّكُمْ إِنْ تَبَرَّؤُوا مِنْ حِلْفِ بَنِي بَكْرٍ، أَ تَدُوا خُزَاعَةَ، وَإِلَّا أُوذِنُكُمْ بِحَرْبٍ»

”تم بنوبکر سے کیے ہوئے معاہدے سے براءت کا اظہار کر کے خزاعہ کو ان کا خون بہا دیتے ہو؟ وگرنہ میں تمھارے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔“

اس کے جواب میں قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف نے کہا (یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سسر تھے): ”بنوبکر نا مبارک، منحوس لوگ ہیں۔ (مرضی کے مالک ہیں) ان کے ہاتھوں مرنے والوں کی دیت دینے کے بعد ہمارے پاس کچھ بھی نہ بچے گا، رہی بات ان سے معاہدہ ختم کرنے کی تو اس وقت ہمارے دین پر ان کے علاوہ کوئی اور باقی نہیں رہا، لہٰذا ہم ان سے اظہار براءت بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہم آپ کا اعلان جنگ (قبول) کرتے ہیں۔“[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے ساتھ اچانک جنگ نہیں کی بلکہ انھیں تین امور میں سے ایک کا اختیار دیا تو انھوں نے جنگ کو پسند کیا۔[3]

ابوسفیان کی سفارت

قریش نے ابوسفیان کو صلح کی تجدید کرنے کے لیے مدینہ روانہ کیا۔ مدینہ آ کر ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ کو آنے کی غرض بتائی تو آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہ

---

1 السيرة النبوية لابن هشام:37,36/4، والسنن الكبرىٰ للبيهقي:234,233/9، ودلائل النبوة للبيهقي: 7,6/5، والبداية والنهاية: 278/4. 2 المطالب العالية: 243/4، رقم: 4361.
3 التاريخ الإسلامي للحميدي: 164/7.

دیا۔ اس کے بعد اس نے کبار صحابہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کو سفارشی بنانا چاہا مگر سب نے انکار کر دیا۔ ابوسفیان کسی بھی عہد و پیمان یا اتفاق رائے کی کوشش میں ناکام واپس مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔[1]

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوسفیان جب مدینہ آیا تو اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھنا چاہا تو انھوں نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا: ''بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا؟'' وہ کہنے لگیں: ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔'' ابوسفیان کہنے لگا:

''اللہ کی قسم! میرے ہاں سے آنے کے بعد تم خراب ہوگئی ہو۔''[2]

ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے یہ سلوک کوئی انوکھا نہیں۔ آپ نے تو دین کے لیے دو مرتبہ ہجرت کی اور مدت ہوئی جاہلیت سے اپنے تعلقات منقطع کر چکی تھیں۔ باپ کی شکل وصورت دیکھے سولہ برس گزر چکے تھے۔ اب جو دیکھا تو وہ محترم ومعزز اور قابلِ قدر باپ کی صورت میں نہ آیا تھا بلکہ اس حال میں آیا کہ ایک عرصے سے کفر کا سرغنہ بن کر اسلام کے راستے میں کھڑا ہے۔[3] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عقیدۂ ولاء و براء کا کس قدر اہتمام کرتے اور اسلام اور مسلمانوں کو کس حد تک معزز خیال کرتے تھے!

ابوسفیان صرف اپنی قوم کی حد تک نہیں بلکہ پورے عرب میں ایک بلند مقام رکھتا تھا مگر ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اپنے والد سے یہ انداز ان کے قوت ایمانی اور عقائد کی پختگی کی علامت ہے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے اس کردار سے پتا چلتا ہے کہ مسلمان اسلامی تشخص اور اسلامی تعلیمات واحساسات کی حفاظت وترقی کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔[4]

---

1 التاريخ السياسي والعسكري للدكتور علي معطي، ص: 365. 2 البداية والنهاية: 479/4.
3 من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 395. 4 التاريخ الإسلامي للحميدي: 171,170/7.

مسلمانوں سے کیے ہوئے پختہ عہد کی قریش کی طرف سے خلاف ورزی پر رسول اللہ ﷺ نے انھیں سزا دینے اور مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کا عزم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ساتھ درج ذیل امور بھی آپ ﷺ کے معاون ثابت ہوئے:

- مسلمانوں کی داخلی جماعتی صورت حال انتہائی مضبوط تھی۔ حکومت اسلامیہ بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ اور خیبر کے یہود پر کنٹرول پا کر یہودی دھوکے سے بالکل محفوظ ہو چکی تھی۔
- اندرونی مخالفین بھی کمزور پڑ چکے تھے۔ ان میں سب سے آگے آگے منافقین تھے جنھیں اب تدبیریں اور گر بتانے والے مشیر اور ان کے گرو یہود کی مدد حاصل نہ رہی۔
- رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کی مدت میں جنگی قوت بڑھانے اور مختلف اطراف میں لشکر ارسال کرنے کا ہدف مکمل فرما لیا تھا۔ اب مسلمان تعداد، جنگی تیاری اور معنوی و روحانی جذبے میں مشرکین قریش سے برتری حاصل کر چکے تھے۔
- فتح مکہ سے پہلے قریش اقتصادی لحاظ سے کمزور تھے اور اسلامی حکومت خیبر فتح کر کے وافر اموال غنیمت کی بنا پر اقتصادی طور پر اہل مکہ سے برتری حاصل کر چکی تھی۔
- مدینہ منورہ کے آس پاس کے قبائل میں اسلام پھیل چکا تھا۔
- مکہ فتح کرنے کے لیے قانونی اور حقیقی سبب قریش کی عہد شکنی کی صورت میں بھی پیدا ہو گیا تھا،[1] یعنی ہم دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا بلکہ بڑی حکمت و دانائی سے اسے استعمال کیا، چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد خیبر فتح ہو گیا اور اب قریش کی عہد شکنی سے ایک اور موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ علاقے میں طاقت کا توازن تبدیل ہو چکا تھا۔ اس نئی فرصت سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دس ہزار کا لشکر تشکیل دیا۔ اس قدر عظیم لشکر تا حال حجاز کی تاریخ نے نہیں دیکھا تھا۔[2]

---

1 السيرة النبوية لأبي فارس، ص:401. 2 الكامل في التاريخ:244/2، والتاريخ السياسي و العسكري للدكتور علي معطي، ص:266.

پیش قدمی کے لیے تیاری

رسول اللہ ﷺ کی حکومت سازی، معاشرے کی تربیت، سرایا بھیجنے کا طریقہ اور جنگوں میں نکلنے کا رنگ ڈھنگ ہمیں بتاتا ہے کہ اسباب معنوی ہوں یا ظاہری، انھیں کس طرح کارآمد بنایا جاتا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی سیرت کا یہ پہلو بالکل واضح نظر آتا ہے، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کرنے کا ارادہ کرلیا تو اسے امکان بھر پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی تا کہ ایسا نہ ہو کہ قریش کو اطلاع ہو جائے اور وہ مقابلے کے لیے تیاری کر کے انجام سے پہلے کوئی رکاوٹ ڈال دیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے آپ ﷺ نے درج ذیل اسباب اختیار کیے:

پیش قدمی کی منصوبہ بندی مکمل راز داری میں

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ فتح مکہ کی منصوبہ بندی کو بہت زیادہ پوشیدہ رکھا حتی کہ اپنے سب سے قریبی ساتھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی نہ بتایا۔ محبوب ترین بیوی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی نہ بتایا۔ آپ ﷺ کیا کرنا چاہتے ہیں، کدھر کا ارادہ ہے، کس دشمن سے نبرد آزما ہونے کا خیال ہے، ان حقائق کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے کیا ارادے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کسی بات کا ذکر نہیں کیا۔ اور کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموشی اختیار کرلیتیں۔ دونوں میں سے کوئی صورت ہو مقصد یہی ہے کہ نبی ﷺ کے ارادوں کا انھیں علم نہیں تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے اس حکیمانہ طرز عمل سے معلوم ہوا کہ سپہ سالاروں کو اپنے پروگرام رفیقہ حیات سے بھی مخفی رکھنے چاہئیں کیونکہ وہ کبھی حسن نیت ہی سے راز افشا کرسکتی ہیں

[1] البداية والنهاية: 282/4، والرسول القائد ﷺ لمحمود شيت خطاب، ص: 333، 334.

اور پھر یہ راز زبان زد عام ہو کر کسی بڑے حادثے کا سبب بن سکتا ہے۔[1]

سریہ اِضم

رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی جانب روانگی سے پہلے آٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک سریہ روانہ فرمایا تاکہ آپ ﷺ اصل ارادے کو پوشیدہ رکھ سکیں۔ ابن سعد اس کے متعلق لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے جب اہل مکہ سے جنگ کا عزم کرلیا تو ابو قتادہ ربعی رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت آٹھ آدمیوں پر مشتمل سریے کو ''وادیِ اضم''[2] روانہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ سمجھنے والا سمجھے کہ آپ ﷺ اسی علاقے کا رخ کریں گے، چنانچہ یہ لوگ وہاں گئے مگر کسی لشکر سے آمنا سامنا نہ ہوا، لہٰذا واپس ذی خشب پہنچ گئے تو انھیں خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں تو وہ وہیں سے روانہ ہوئے اور ''سقیا''[3] میں آپ ﷺ سے جا ملے۔

بعد میں آنے والے قائدین کے لیے لازمی احتیاط اختیار کرنے کے لیے یہ نبوی منہج ہے تاکہ دشمن کو ہر ممکن طریقے سے غلط فہمی میں ڈالا جائے کیونکہ اس طرح راہ خدا میں جہاد کرنے والے اسلامی لشکروں کے اصل مقاصد سے لوگوں کی آنکھوں کو پھیرا جاسکتا ہے، حتی کہ وہ اپنے مقاصد و ارادے پورے کرلیں اور دشمنوں کی تدبیروں سے بھی محفوظ رہ سکیں۔[4]

جاسوسی کا مضبوط نیٹ ورک

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس آدمی ارسال فرمائے تاکہ مدینہ کی خبریں قریش تک نہ پہنچ سکیں۔

---

[1] القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص:396,395. [2] اِضَم: یہ مدینہ کی وہ وادی ہے جہاں بطحان، قناۃ اور عقیق کی وادیاں آپس میں ملتی ہیں۔ [3] سقیا: یہ وادی القریٰ میں ایک مقام ہے۔ معجم البلدان: 288/3، والطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 132/2. [4] القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص:498.

اس کام کے لیے رسول اللہ ﷺ نے کچھ نقیب منتخب فرمائے اور ان پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بطور نگران چکر لگاتے رہے اور انھیں خبردار کرتے کہ جو بھی اجنبی شخص ملے اسے واپس لوٹا دو اور کوئی مکہ مکرمہ یا اس کے اطراف واکناف میں جا رہا ہو تو اسے بھی واپس لوٹا دو۔[1]

بارگاہِ الٰہی میں درخواست

رسول اللہ ﷺ انسانی وسائل و ذرائع بروئے کار لانے کی حتی الوسع کوشش کے بعد عاجزی وانکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ خُذْ عَلٰى أَسْمَاعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ فَلَا يَرَوْنَنَا إِلَّا بَغْتَةً وَّلَا يَسْمَعُونَ بِنَا إِلَّا فُجَاءَةً»

''اے اللہ! قریش کے جاسوسوں اور مخبروں کو روک لے کہ وہ ہمیں نہ دیکھ سکیں مگر یہ کہ ہم ان پر اچانک پہنچ جائیں اور انھیں ہماری خبر بھی اچانک ہی ملے۔''[2]

نبی مکرم ﷺ کی یہی عادت مبارکہ ہوتی تھی کہ تمام تر تدابیر بروئے کار لانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہرگز نہ بھولتے تھے۔

راز افشا کرنے کی ناکام کوشش

رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی جانب روانگی کا قصد فرمایا تو حاطب رضی اللہ عنہ نے قریش کو ایک خط لکھا جس میں انھیں مطلع کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف روانگی کا ارادہ کر لیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بذریعہ وحی ابتدا ہی میں مطلع فرما دیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس پر جلد ہی قابو پا لیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی، مقداد اور زبیر رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا جنھوں نے مدینہ سے بارہ میل پر ''روضۂ خاخ'' مقام پر اس عورت کو جا پکڑا اور اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے خود خط نہ نکالا تو پھر ہم تلاشی لیں گے، لہٰذا اس نے خود ہی

[1] المغازي للواقدي:2/796. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 11/5، والبداية والنهاية:4/282.

خط نکال کر ان کے حوالے کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے تحقیق کے لیے حاطب رضی اللہ عنہ کو بلوایا تو اس نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میرے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہ فرمائیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں خود قریش کا آدمی نہیں، البتہ ان سے منسلک ہوں، ان کا حلیف ہوں۔ مہاجرین کے وہاں قرابت دار ہیں جو ان کے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہیں جبکہ یہ تحفظ مجھے حاصل نہ تھا تو میں نے چاہا کہ قریش پر ایک احسان کر دوں جس کے عوض وہ میرے اہل و عیال کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ کام ازراہ ارتداد نہیں کیا اور نہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے کفر پسند کیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے (عذر قبول کیا اور) فرمایا: «أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ» ''اس نے تمھیں سچ سچ بتا دیا ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن مار دوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَّمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى مَنْ شَهِدَ بَدْرًا فَقَالَ: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ»

''یہ جنگ بدر میں حاضر ہو چکا ہے، عمر! تجھے کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھ کر کہا ہو کہ تم لوگ جو چاہو کرو، میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔''[1]

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۤ

[1] صحيح البخاري، حديث: 3983و4274، وصحيح مسلم، حديث: 2494، ومسند أحمد: 80,79/1.

تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝﴾

''اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم انھیں دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ انھوں نے تمھارے پاس جو حق آیا ہے اس کا انکار کیا ہے۔ پیغمبر کو اور خود تمھیں بھی محض اس وجہ سے جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کے لیے اور میری رضامندی کی طلب میں نکلے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک جائے گا۔''[1]

اس آیت نے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ معاملہ کرنے کا واضح منہج دیا ہے۔

امام قرطبی کہتے ہیں: ''یہ سورت کفار سے دوستی کی ممانعت کے لیے بنیاد ہے۔''[2]

یہاں (کفار و مشرکین) سے مراد وہ مشرکین اور کفار ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں سے نبرد آزما ہیں، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دشمنی اور ان کی بیخ کنی کا حکم صادر فرمایا ہے۔ انھیں دوست اور ساتھی بنانے سے منع فرما دیا ہے۔[3]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''تم انھیں دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ وہ اس حق کو نہیں مانتے جو تمھارے پاس آیا ہے۔'' یعنی تم انھیں مسلمانوں کے راز بتاتے ہو، ان کی خیر خواہی سوچتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے نبی ﷺ اور اس قرآن کا انکار کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے تم پر واضح حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ''انھوں نے پیغمبر کو اور خود تمھیں اس لیے نکالا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے ہو'' کے بارے میں ابن کثیر کا کہنا ہے کہ آیت کا یہ حصہ

1 الممتحنة 1:60. 2 تفسير القرطبي: 52/18. 3 تفسير ابن كثير: 346/4.

بھی سابقہ حصے کی طرح ان کے ساتھ دشمنی رکھنے اور دوستی نہ کرنے پر ابھار رہا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو توحید اور اللہ وحدہ لا شریک کے لیے خالصتاً عبادت کرنے کے جرم میں اپنے درمیان سے نکال دیا۔ اور ان کے نزدیک تمھارا جرم یہی تھا کہ تم اللہ رب العالمین پر ایمان لا چکے تھے۔ [1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اگر تم میری راہ میں جہاد کے لیے اور میری رضا کی تلاش میں نکلے ہو۔'' مطلب یہ ہے کہ اگر تم ایسی حالت میں ہو تو انھیں دوست نہ بناؤ، اگر تم میری راہ میں جہاد کی غرض سے میری رضامندی کے حصول کی بنا پر نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمن کو کبھی دوست نہ بناؤ، انھی نے تو تم سے دشمنی اور تمھارے دین سے ناراضگی کی بنا پر تمھیں تمھارے گھروں اور اموال سے بے دخل کیا ہے۔ [2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم چوری چھپے ان سے خیر خواہی کرتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا۔''

یعنی تم یہ کام کرتے ہو، حالانکہ میں پوشیدہ باتوں اور چھپے رازوں کو جانتا ہوں۔ [3]

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کرتے ہوئے آیت مکمل کی کہ جو بھی تم میں سے ان سے چوری چھپے دوستی کرے گا یا انھیں راز لکھ کر بتائے گا تو اس نے یقیناً غلط راستہ چنا اور وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

میرے استاد شیخ محمد بن بکر آل عابد کہا کرتے ہیں: ''ہم اس آیت کو فتح مکہ کی تمہید سمجھتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے دوستی نہ رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ مہاجرین کے اہل مکہ کے ساتھ جو رشتے ناطے اور ان کی اہل مکہ سے جو مادی مصلحتیں قائم تھیں وہ ان سے متاثر نہ ہوں۔'' [4]

[1] تفسیر ابن کثیر: 347/4. [2] تفسیر ابن کثیر: 347/4. [3] تفسیر ابن کثیر: 347/4.

[4] حدیث القرآن للدکتور محمد بکر آل عابد: 569,568/2.

استاد سید قطب کہتے ہیں: ''باوجودیکہ مہاجرین نے اہل مکہ کی طرف سے بڑی تکلیف اٹھائی تھی، پھر بھی بعض مہاجرین چاہتے تھے کہ اہل مکہ سے دوستی اور اچھے رواتب قائم ہو جائیں تو بہتر ہے۔ یہ آپس کی تکلیف دہ جنگ جس کی بنا پر وہ اپنے ہی گھر والوں اور رشتہ داروں کو قتل کرنے پر مجبور ہیں اور یہ صورت حال ان کے پرانے تمام تعلقات ختم کر رہی ہے، بند ہو جائے تو اچھا ہے، جبکہ ان آیات کی بدولت اللہ تعالیٰ گویا چاہتے ہیں کہ ان قدسی صفات لوگوں کو ان تمام تعلقات سے بالاتر کر کے اپنے دین، عقیدہ اور منہج کے لیے خاص فرما لیں، لہٰذا حکمت کے ساتھ واقعات و معاملات پر گرفت کر کے اللہ تعالیٰ نے بہترین حل اور مناسب طریقے سے انھیں درست فرما دیا۔ عین موقع پر گرفت گرم گرم لوہے کو کوٹنے کے مترادف ہوتی ہے۔''[1]

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے بہت بڑی بھول ہوئی، اس لیے اس موقع پر قرآن پاک اسلامی معاشرے کے دشمنوں کے ساتھ طرز عمل کے متعلق نازل ہوا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے بڑا فیاضانہ، رحیمانہ سلوک کیا جو اپنے ساتھیوں سے آپ کی انتہائی وفاداری کا آئینہ دار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سلوک اسلام میں سبقت رکھنے والوں کی کمی کوتاہی سے درگزر کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ کی سابقہ بہتر کارکردگی کو معافی کا سبب قرار دیا۔ یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکمت پر مبنی طرز عمل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ کو بڑی کوتاہی کے حوالے ہی سے نہیں دیکھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ زندگی میں جہاد فی سبیل اللہ کے معاملے میں ان کی پیش رفت اور دین اسلام کے لیے ان کی سرفروشی پر نگاہ ڈالی۔ گویا اس میں مسلمانوں کو رہنمائی ہے کہ غلطی کرنے والوں پر مکمل نگاہ ڈالیں، یعنی امت کے لیے ان کے دعوت و جہاد اور علم و تربیت جیسے اچھے کردار کو بھی سامنے رکھیں کیونکہ جو شخص فرض کفایہ کی ادائیگی اپنے سر لے

[1] تفسیر في ظلال القرآن لسید قطب: 6/ 358.

کر ادا کرتا ہے تو وہ احترام و مقام کا مستحق ہوتا ہے، خواہ کبھی جلد بازی میں اس سے کوئی کوتاہی بھی سرزد ہو جائے۔

یہ تو اس وقت ہے جب ایسے لوگوں سے واضح غلطی اور بھول چوک ہو جائے۔ مگر مجتہد ہونے کی بنا پر ان سے صرف اجتہادی غلطی ہو جائے تو وہ کس قدر صرفِ نظر کے مستحق ہوں گے؟

اس زمانے میں بعض طلبہ صرف اس بنا پر کہ کچھ علماء نے بعض علماء میں اجتہادی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے، ان علماء پر بے سوچے سمجھے طعن کرنے لگتے ہیں بلکہ ان کی یہ عیب جوئی بسا اوقات استہزاء اور مذاق تک بھی جا پہنچتی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ طلبہ اہل علم کی غلطی کو یوں بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور سامعین کے سامنے ایسی صورت میں رکھتے ہیں گویا ان علماء کی اسلام اور مسلمانوں کے لیے کوئی بھی گراں قدر خدمت نہیں بلکہ ان سے صرف غلطیاں، کوتاہیاں ہی سرزد ہوتی رہی ہیں اور بس۔ حالانکہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے ان کی گراں قدر خدمات کا تذکرہ علم و دعوت اور اسلام کی خدمت کے لیے ان کی محنتیں اور کوششیں بیان کی جائیں، پھر علمی نقد و جرح اور پیمانہ و قیاس کی رو سے اہل نقد کی نگاہ میں ان کی اغلاط اور درست باتیں بیان کی جائیں۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے سرزد ہونے والی اس عظیم کوتاہی کے بالمقابل اسلوب نبوی ہماری اسی طرز عمل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی جہاد فی سبیل اللہ میں گراں قدر تاریخ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (گویا) شفاعت و سفارش ثابت ہوئی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نہ خوار کیا اور نہ سزا دی۔ بلکہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:

«وَلَا تَقُولُوا لَهُ إِلَّا خَيْرًا»

''اور ان کے بارے میں اچھی بات ہی کرو۔''[1]

اس فرمان کے بعد کسی صحابی سے بھی انھوں نے کوئی نازیبا بات نہ سنی۔[2]

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عمر رضی اللہ عنہ کے مابین جو گفتگو ہوئی اس سے ہم کچھ مسائل اخذ کر سکتے ہیں:

- بعض حضرات مذکورہ حدیث سے مسلم جاسوس کے قتل پر استدلال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب رسول گرامی کو قتل کا مشورہ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سزا کو غلط قرار نہ دیا بلکہ صرف بدری ہونے کی بنا پر اسے یہ سزا نہ دی۔[3]
- حق کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت وحمیت کا اظہار اس وقت ہوا جب انھوں نے حاطب رضی اللہ عنہ کی گردن مارنے کا مطالبہ کیا۔
- حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے جاسوسی کی جو کوتاہی سرزد ہوئی وہ کبیرہ گناہ تھا، پھر بھی وہ مومن ہی قرار پائے اور ان کا ایمان برقرار رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صرف یہ مقصد تھا کہ حاطب رضی اللہ عنہ نے اپنے ظاہر کے خلاف کردار ادا کیا تھا کیونکہ حاطب رضی اللہ عنہ نے جو جاسوسی کا خط لکھا تھا وہ ان کے ایمان کے منافی تھا جس کے لیے وہ جہاد کر رہے تھے اور اپنا خون بھی پیش کر رہے تھے۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے عمر رضی اللہ عنہ متاثر ہوئے، لہٰذا چند ہی لمحات کے اندر اندر وہ شخص جو طیش میں بھرا بیٹھا تھا اور حاطب رضی اللہ عنہ کے لیے سخت ترین سزا کا مطالبہ کر رہا تھا اب

---

1 صحيح البخاري، حديث: 6939. 2 التاريخ الإسلامي للحميدي: 176/7. 3 وضاحت: مصنف نے جو موقف بیان کیا ہے وہ محل نظر ہے کیونکہ اس حدیث میں وجہ قتل واضح ہے، «دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ» ''مجھے اجازت دیجیے میں اس منافق کو قتل کر دیتا ہوں۔'' (صحيح البخاري: 3007) عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں منافق قرار دیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تردید فرمائی کہ «إِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا» یہ بدری ہے اور بدری منافق نہیں ہوسکتا۔ اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ حاطب رضی اللہ عنہ کو سزا اس لیے نہیں دی گئی کیونکہ وہ بدری تھے درست نہیں کیونکہ اگر بدری سے جرم سرزد ہو جائے تو اسے سزا دی جائے گی، جیسا کہ مسطح بن اثاثہ کو بدری ہونے کے باوجود سزا ملی تھی۔ 4 السيرة النبوية لأبي فارس، ص: 404.

ایسے شخص کا روپ دھار لیتا ہے جو متاثر ہو کر خوف کے مارے رو رہا ہے اور زبان سے کہہ رہا ہے: «اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ!» ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی خوب جانتے ہیں، بہتر جانتے ہیں۔'' دراصل بات یہ تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ فقط اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی خاطر تھا، لہٰذا جب ان کے سامنے یہ بات کھل گئی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو یہ پسند ہے کہ جہاد میں حاطب رضی اللہ عنہ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر اس سے بہتر رویہ اپنایا جائے اور اس کی کوتاہی سے صرفِ نظر کیا جائے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کو (دل و جان سے) قبول کرلیا۔[1]

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی معافی ان جیسی کوتاہی کا ارتکاب کرنے والے کے لیے معافی کی دلیل نہیں بن سکتی۔ (ان کی معافی اپنی مثال آپ تھی) عبدالکریم زیدان اسی رائے کو اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو شخص حاطب رضی اللہ عنہ جیسی کوتاہی کر گزرے، تو حاطب رضی اللہ عنہ کو ملنے والی معافی کی بنا پر اسے معافی دینا درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ انھیں جو معافی ملی اس کا ایک خاص سبب تھا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد پایا جانا ممکن نہیں اور وہ ہے ان کا بدر میں حاضر ہونا، لہٰذا یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کے قابل ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس مسئلے کے متعلق تحقیق پیش کی ہے۔ وہ ائمہ اربعہ کے اقوال بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''صحیح بات یہ (معلوم ہوتی) ہے کہ جاسوس کا قتل کرنا امام کی رائے پر ہے۔ اگر وہ دیکھے کہ مسلمانوں کی مصلحت اسے قتل کرنے میں ہے تو اسے ٹھکانے لگا دے، تاہم اگر اس کو باقی رکھنا زیادہ بہتر ہے تو زندہ رکھا جائے۔''[2]

فتح مکہ کے سفر کا آغاز اور راستے میں پیش آمدہ حالات

رسول اللہ ﷺ نے 10 رمضان 8 ہجری کو مکہ مکرمہ کا رخ کیا۔[3] اور مدینہ منورہ پر

1 التاريخ الإسلامي للحميدي: 177,176/7. 2 زاد المعاد: 443/3. 3 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله أحمد، ص: 561,560.

ابو رہم کلثوم بن حصین بن عتبہ بن خلف غفاری رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ لشکر کی کل تعداد دس ہزار تھی۔ کوئی مہاجر اور انصاری پیچھے نہ رہا۔

جب لشکر کدید[1] پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ افطار (توڑ) کر دیا۔ صحابہ نے بھی روزہ ختم کر دیا۔[2]

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ملاقات: جحفہ میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ملے جو مسلمان ہو کر اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کرتے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بڑی خوشی ہوئی۔[3]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کی جنگی خبریں یا عمومی خبریں مدینہ ارسال کرتے رہتے تھے۔ اب ان کا اہل و عیال سمیت وہاں سے ہجرت کر لینا اس کی نشاندہی کرتا تھا کہ مکہ میں ان کی ذمہ داری ختم ہو چکی تھی۔ خاص طور پر جب ہم یہ بات سامنے رکھیں کہ ان کا وہاں قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق تھا۔[4]

ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن ابی امیہ کا اسلام لانا: ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بھی مکہ مکرمہ سے نکل چکے تھے۔ یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ و مدینہ کے درمیان ''ثنیۃ العقاب'' میں ملے۔ ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے کوئی راہ نکالنے کی کوشش کی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ کا چچیرا بھائی اور آپ کا پھوپھی زاد اور برادر نسبتی (ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی) یہ دونوں آپ سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

1 کَدِید: مکہ سے عسفان کی جانب 42 میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ 2 صحیح البخاري، حدیث:4275، وصحیح مسلم، حدیث:1113. 3 البدایة والنهایة: 286/4، والسیرة النبویة لأبي فارس، ص:406. 4 تأملات في السیرة النبویة لمحمد السید وکیل، ص:254.

«لَا حَاجَةَ لِي فِيهِمَا أَمَّا ابْنُ عَمِّي فَهَتَكَ عِرْضِي وَأَمَّا ابْنُ عَمَّتِي وَصِهْرِي فَهُوَ الَّذِي قَالَ لِي بِمَكَّةَ مَاقَالَ»

''مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں، چچیرے بھائی نے میری ہتک کی اور پھوپھی زاد بھائی اور برادر نسبتی وہی ہے جس نے مکہ مکرمہ میں مجھ سے وہ باتیں کہیں جو کسی طرح بھی مناسب نہ تھیں۔''

رسول اللہ ﷺ کی اس بات کی خبر جب انھیں پہنچی تو ابوسفیان نے کہا، حالانکہ اُس کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی تھا: ''اللہ کی قسم! یا تو رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیں گے یا میں اپنے بچے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں چلا جاؤں گا اور وہیں بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔'' رسول اللہ ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ کے دل میں دونوں کے لیے رقت پیدا ہوگئی۔ (اور انھیں اجازت دے دی) وہ دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل شعر پڑھے اور جو کچھ اس سے پہلے کہہ چکے تھے اس سے معذرت کی اور اسلام قبول کرلیا:

لَعَمْرُكَ إِنِّي يَوْمَ أَحْمِلُ رَايَةً
لِتَغْلِبَ خَيْلَ اللَّاتِ خَيْلَ مُحَمَّدِ

''تیری زندگی کی قسم! یقیناً (اس سے پہلے) میں لات (ومنات) کے جھنڈے کو اٹھائے ہوئے تھا تاکہ اس کے سوار محمد ﷺ کے سواروں پر غالب آجائیں۔''

لَكَالْمُدْلِجِ الْحَيْرَانِ أَظْلَمَ لَيْلُهُ
فَهٰذَا أَوَانُ الْحَقِّ أُهْدٰى وَ أَهْتَدِي

''اُس وقت میں قطعی طور پر اس شخص کی مانند تھا جو انتہائی اندھیری رات میں ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار رہا ہو مگر اب وقت ہے کہ میں سیدھی راہ پر لگا دیا جاؤں اور اسی راہ

کو اختیار کروں۔"

فَقُلْ لِّثَقِيفٍ لَّا أُرِيدُ قِتَالَكُمْ
وَقُلْ لِّثَقِيفٍ تِلْكَ عِنْدِي فَأَوْعِدِي

"ثقیف سے کہہ دو کہ اب میں تم سے قتال نہیں کرنا چاہتا، ثقیف کو یہ بھی کہہ دو کہ لڑنا اب میرے اختیار میں ہے (مجھ پر لڑائی مسلط نہیں کی جاسکتی) لہٰذا اب کسی اور ہی کو دھمکی دو۔"

هَدَانِي هَادٍ غَيْرَ نَفْسِي وَ دَلَّنِي
عَلَى اللّٰهِ مَنْ طَرَدْتُّ كُلَّ مُطَرَّدِ

"مجھے میرے نفس نے نہیں بلکہ ایک ہادی و رہنما نے ہدایت دی ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ سے اس نے ملا دیا ہے جس سے میں نے ہر طرح کا مقابلہ کیا۔"

أَفِرُّ سَرِيعًا جَاهِدًا عَنْ مُّحَمَّدٍ
وَأُدْعٰى وَ إِنْ لَّمْ أَنْتَسِبْ لِمُحَمَّدِ

"میں محمد ﷺ سے لڑتے لڑتے بڑی تیزی سے ان سے (دور) بھاگ جاتا تھا اور مجھے محمد ﷺ سے تعلق کی بنا ہی پر پہچانا جاتا تھا اگرچہ میں یہ انتساب ظاہر نہ کرتا تھا۔"

هُمُ عُصْبَةٌ مَّنْ لَّمْ يَقُلْ بِهَوَاهُمُ
وَ إِنْ كَانَ ذَا رَأْيٍ يُّلَمْ وَ يُفَنَّدِ

"یہ ایک ایسا گروہ ہے جو اپنی خواہش و مرضی سے کچھ نہیں کہتا۔ اگر یہ خود صائب رائے ہوتا تو ان کی ملامت بھی کی جاتی اور انھیں جھٹلا بھی دیا جاتا۔"

أُرِيدُ لِأَرْضِيَهُمْ وَ لَسْتُ بِلَائِطٍ
مَّعَ الْقَوْمِ مَا لَمْ أُهْدَ فِي كُلِّ مَقْعَدِ

''میں اب انھیں خوش کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اور اپنی قوم سے اس وقت تک نہیں ملوں گا جب تک میں ہر ہر موقع کے متعلق رہنمائی و ہدایت نہ حاصل کرلوں۔''

فَمَا كُنْتُ فِي الْجَيْشِ الَّذِي نَالَ عَامِرًا
وَّمَا كَانَ عَنْ جَرًّا لِسَانِي وَلَا يَدِي

''میں اس لشکر میں نہ تھا جس نے عامر کو پایا تھا۔ اور نہ ہی وہ لشکر میری زبان اور میرے ہاتھ سے لایا گیا تھا۔''

قَبَائِلُ جَاءَتْ مِنْ بِلَادٍ بَعِيدَةٍ
تَوَابِعُ جَاءَتْ مِنْ سِهَامٍ وَّ سَرْدَدِ

''یہ وہ قبائل تھے جو دور افتادہ شہروں سے آئے تھے یہ وہ گھٹیا لوگ (پچھلگ) تھے جو سہام اور سردد کی زمین سے آئے تھے۔''

وَإِنَّ الَّذِي أَخْرَجْتُمْ وَ شَتَمْتُمْ
سَيَسْعٰى لَكُمْ سَعْيَ امْرِىءٍ غَيْرَ مُقْدَدِ

''بلاشبہ جس شخص کو تم نے نکال دیا اور برا بھلا کہا، تمھارے لیے ایک پختہ رائے والے آدمی کی سی سعی و کوشش بجا لائے گا۔''[1]

راوی کہتا ہے کہ جب ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو یہ کہا: ''میں نے ہر طرح کا مقابلہ کیا۔'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر ضرب سی لگائی

1 صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 517.

اور فرمایا: «أَنْتَ طَرَدْتَنِي كُلَّ مُطَرَّدٍ» ”تو نے ہر طرح میرا مقابلہ کیا تھا؟“[1]

ابوسفیان بن حارث اکثر و بیشتر اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتا تھا۔ عبداللہ بن ابی اُمیہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا: ”اللہ کی قسم! میں تجھ پر اس وقت ایمان لاؤں گا جب تو آسمان تک ایک سیڑھی لگائے گا، پھر میری آنکھوں کے سامنے آسمان پر چڑھے گا، پھر وہاں سے ایک مکتوب لائے گا جس کی گواہی ساتھ اترنے والے چار فرشتے دیں کہ جیسا تو کہتا ہے ویسا ہی ہے۔ تُو اگر یہ تمام کام کر بھی لے تو اللہ کی قسم! میں تجھے پھر بھی سچا تسلیم نہیں کروں گا۔“[2]

باوجود اس کے کہ ان کا جرم بہت بڑا تھا مگر نبی مکرم ﷺ نے عذر قبول کرتے ہوئے ان سے درگزر کیا۔ رحمت، شفقت اور درگزر کرنے کی یہ بلند ترین مثال ہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بھی مدحت رسول ﷺ میں فصیح و بلیغ قصیدہ کہہ کر اپنے سابقہ اشعار کا کفارہ ادا کر دیا۔ اس قصیدے میں اس نے مدح کے ساتھ ساتھ اپنی ہدایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ بعدازاں وہ ایک اچھے مسلمان ثابت ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جنگ حنین میں بڑا بہتر کردار ادا کیا۔[3]

مرالظہران میں پڑاؤ اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام: رسول اللہ ﷺ مسلسل سفر کرتے ہوئے ”مرّ الظہران“[4] پہنچے۔ شام کے وقت وہاں فروکش ہوئے۔

آپ ﷺ نے لشکر کو اپنی اپنی آگ جلانے کا حکم دیا۔ اس طرح دس ہزار جگہ آگ جل اٹھی۔ ادھر آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہرے پر مقرر کر دیا۔[5]

---

1 السيرة النبوية لابن هشام: 44,43/4، والمعجم الكبير للطبراني، رقم: 7264، ودلائل النبوة للبيهقي: 28,27/5، ومجمع الزوائد للهيثمي: 165/6، وتاريخ الطبري: 115,114/3، والطبقات لابن سعد: 50,49/4. 2 السيرة النبوية لابن هشام: 295/1-200. 3 التاريخ الإسلامي للحميدي: 182/7. 4 مرالظہران: مکہ مکرمہ کے شمال میں حجاز کی ایک وادی ہے جو مکہ سے 22 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ 5 من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 387، والطبقات لابن سعد: 135/2.

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے سوچا، ہائے قریش کی تباہی، واللہ اگر قریش کے خود آکر ملنے اور حصول امن کی درخواست سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزور بازو مکہ مکرمہ داخل ہو گئے تو ہمیشہ کے لیے قریش کی موت ہو جائے گی۔'' یہ سوچ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار ہو کر نکل پڑے تاکہ اہل مکہ تک کسی خبر رساں کو ڈھونڈ سکیں اور قریش رسول اللہ کے مکہ میں بزور طاقت داخل ہونے سے پہلے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکلیں اور امن کی درخواست کر لیں۔

ادھر ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء بھی مکہ سے نکل کر خبروں کی جستجو میں تھے اور وہ بھی وہاں آ پہنچے۔ اتنی زیادہ آگ دیکھ کر ابوسفیان نے کہا: ''آج کی رات جگہ جگہ جلتی ہوئی آگ اور آج کی رات کا سا عظیم لشکر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔'' بدیل نے جواباً کہا: ''اللہ کی قسم! یہ خزاعہ قبیلہ ہے جسے جنگ نے جلا رکھا ہے۔'' ابوسفیان بولا: ''کس قدر بڑا یہ لشکر ہے اور ہر طرف جلتی آگ، خزاعہ کی نہ تو اتنی تعداد ہے نہ اتنی طاقت۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی آوازیں سن لیں اور ان کو پہچان لیا، پھر آواز دی: ''اے ابو حنظلہ'' اس نے پوچھا: ''آپ ابو الفضل ہیں؟'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ''ہاں۔''

ابوسفیان بولا: ''کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں!''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ''تمھارا برا ہو اے ابوسفیان! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (قریب ہی) ہیں، اللہ کی قسم! قریش کی تباہی نظر آ رہی ہے۔''

ابوسفیان نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! اب کیا چارہ جوئی کی جائے؟''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بخدا اگر تم ان کے ہاتھ لگ گئے تو وہ تمھاری گردن مار دیں گے، لہٰذا خچر پر بیٹھو، میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلتا ہوں اور تمھارے لیے امان طلب کیے دیتا ہوں۔'' ابوسفیان ان کے پیچھے بیٹھ گئے اور ان کے دونوں ساتھی

واپس چلے گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو لے کر چلا۔ جب کسی الاؤ کے پاس سے گزرتا تو لوگ کہتے: ''یہ کون ہے؟'' مگر جب دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے الاؤ کے پاس سے گزرے تو انھوں نے کہا: ''یہ کون ہے؟'' اور اٹھ کر میری طرف آئے۔ جب پیچھے ابوسفیان کو دیکھا تو کہنے لگے: ''ابوسفیان!! اللہ کا دشمن! اللہ ہی کی تعریف ہے کہ اس نے بغیر عہد و پیمان کے تجھے ہمارے حوالے کر دیا۔'' اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ جلدی جلدی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! یہ ابوسفیان ہے۔ اسے اللہ نے بلا عہد و پیمان ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن ماردوں۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! اسے میں نے پناہ دی ہے۔'' جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے متعلق بار بار کہا تو میں نے کہا: ''عمر! ٹھہر جاؤ، اللہ کی قسم! اگر یہ تمھارے خاندان بنو عدی بن کعب کا آدمی ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عباس! رکو۔ اللہ کی قسم! تمھارا اسلام لانا میرے نزدیک خطاب کے اسلام لانے سے، اگر وہ اسلام لاتے، زیادہ پسندیدہ ہے اور اس کی وجہ میرے لیے صرف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمھارا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِذْهَبْ بِهِ يَا عَبَّاسُ! إِلٰى رَحْلِكَ، فَإِذَا أَصْبَحْتَ فَأْتِنِي بِهِ» ''عباس! اسے اقامت گاہ میں لے جاؤ، صبح میرے پاس لے آنا۔'' میں نے صبح اسے خدمت نبوی میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا: «وَيْحَكَ يَا أَبَا سُفْيَانَ! أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟!» ''ابوسفیان، تجھ پر افسوس! کیا اب بھی تمھارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی

عبادت کے لائق نہیں۔'' ابوسفیان نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کتنے بردبار، کتنے کریم اور کتنے خویش پرور ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہوتا تو اب تک میرے کچھ کام آیا ہوتا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: «وَيْحَكَ يَا أَبَا سُفْيَانَ! أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟!» ''ابوسفیان تم پر افسوس! کیا تمھارے لیے اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔'' ابوسفیان نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کس قدر حلیم، کس قدر کریم اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ اس بات کے متعلق تو اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک ہے۔'' اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تجھ پر افسوس! اس سے پہلے کہ ہم تیری گردن مار دیں اسلام قبول کر لے۔'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حق کی گواہی دی اور اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ابوسفیان چودھراہٹ پسند آدمی ہے اسے کوئی اعزاز دے دیجیے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ! مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ، وَّمَنْ أَغْلَقَ عَلَيْهِ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ، وَّمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ» ''ٹھیک ہے، جو ابوسفیان کے ڈیرے میں داخل ہو جائے گا، اسے امان ہے۔ جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے، اسے بھی امان ہے۔''

جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا عَبَّاسُ! اِحْبِسْهُ بِمَضِيقِ الْوَادِي عِنْدَ خَطْمِ الْجَبَلِ حَتّٰى تَمُرَّ بِهِ جُنُودُ اللّٰهِ فَيَرَاهَا» ''اے عباس! ابوسفیان کو وادی کی تنگ جگہ پہاڑ کے ناکے پر روک رکھو تاکہ یہ وہاں سے گزرنے والے اللہ تعالیٰ کے لشکروں کو ذرا دیکھ لے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا جس جگہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا انھیں وہیں روک لیا۔ ادھر قبائل اپنے اپنے پھریرے لیے گزر رہے تھے۔ جب وہاں سے کوئی قبیلہ گزرتا تو

ابوسفیان رضی اللہ عنہ پوچھتے: ”عباس! یہ کون ہیں؟“ تو وہ جواب میں کہتے: ”یہ فلاں قبیلہ ہے۔“ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے: ”مجھے اس سے کیا واسطہ؟“ پھر کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان پوچھتے: ”اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟“ وہ کہتے: ”مزینہ ہیں۔“ ابوسفیان کہتے: ”مجھے مزینہ سے کیا مطلب؟“ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار ومہاجرین پر مشتمل اپنے سبز دستے میں تشریف لائے۔ اسلحے سے لیس ہونے کے باعث ان سرفروشوں کی صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: ”سبحان اللہ، اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟“ عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا: ”یہ انصار ومہاجرین کے جلو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔“ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ”بھلا ان سے محاذ آرائی کی طاقت کسے ہے“ پھر کہنے لگے: ”بخدا، اے ابوالفضل! تمھارے بھتیجے کی بادشاہت بڑی پھیل گئی ہے۔“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ”ابوسفیان! یہ نبوت ہے۔“ وہ کہنے لگے: ”ہاں فی الواقع یہی بات ہے۔“ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے کہا: ”اپنی قوم کی فکر کرو۔“[1]

دروس، عبرتیں اور فوائد

ابوسفیان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے قابو آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ایک ہی اشارے سے انھیں پناہ مل گئی، حالانکہ ان کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کے ارادے خطرناک تھے، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی پناہ میں کر لیا اور دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کر دیا۔ انھیں ڈانٹ، تذلیل اور توبیخ کے بجائے اچانک جس چیز سے واسطہ پڑا وہ اسلام کی طرف دعوت تھی۔ وہ اس کریمانہ کردار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے بلکہ اس پر

[1] صحيح البخاري، حديث: 4280، والمصنف لعبدالرزاق: 5/374-378، ودلائل النبوة للبيهقي: 5/32-35، والسيرة النبوية لابن هشام: 4/44-47، ومجمع الزوائد للهيثمي: 6/164-167، والطبقات لابن سعد: 2/134-137، والمطالب العالية: 4/244-246، وصحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 518-520.

عش عش کر اٹھے اور اسے ان کے ضمیر نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا:

''اے محمد آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ کس قدر حلیم الطبع، کس قدر کریم اور کتنے ہی صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔''

اب ابوسفیان اپنے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا کر رہا ہے اور ہر قسم کی تعریف بجا لا رہا ہے۔[1]

اور پھر جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ سرداری اور عہدے کو پسند کرتے ہیں، لہٰذا آپ انھیں کوئی اعزاز دے دیجیے تو آپ ﷺ نے انھیں یہ اعزاز بخشا کہ جو بھی ان کے ڈیرے میں داخل ہو جائے گا امن میں رہے گا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصی مقام دینا ان کی خواہش کی تسکین کر رہا تھا۔ یہ اعزاز مرحمت فرمانا دراصل انھیں اسلام پر پختہ اور ایمان پر پکا رکھنے کے لیے تھا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا یہ اندازِ کریمی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے دل سے حسد وکینہ نکال دینے کے لیے ایک وسیلہ تھا۔ اور اس کے لیے یہ واضح پیغام تھا کہ اگر وہ مخلص ہیں اور اللہ کی راہ میں اپنی توانائیاں صرف کریں گے تو قریش میں انھیں جو مقام و مرتبہ حاصل تھا اسے کم نہ کیا جائے گا۔[3]

آپ ﷺ کا یہ فیاضانہ انداز علماء اور داعیانِ اسلام کے لیے ایک نمونہ ہے جسے انھیں مکمل طور پر اختیار کرنا چاہیے۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو وادی کی تنگ نائے (گزرگاہ) پر کھڑا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ وہاں سے گزرنے والے اسلامی لشکروں کا مشاہدہ کر لیں۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ قریش پر نفسیاتی جنگ مسلط کریں تاکہ اس طرح قریشی سردار کے مقابلہ کرنے کے خیالات کو بہتر

---

[1] فقه السيرة النبوية، للغضبان ص: 564، وصحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 518-520. [2] المستفاد من قصص القرآن للدكتور عبدالكريم زيدان: 403/2 [3] قراءة سياسية للسيرة النبوية لمحمد رواس، ص: 245.

طریقے سے بدل کر ماتحت کرلیں۔ اور یہ بھی مقصد تھا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ دیکھ لیں کہ اسلامی لشکر کس قدر، حسن اطاعت اور نظم و ضبط کا منہ بولتا ثبوت اور اسلحہ سے لیس ہے۔ اس طرح شرک اور بت پرستی کے پنجوں سے مکہ مکرمہ کو آزاد کرانے کے موقع پر اگر اہل مکہ کے دماغوں میں اس مبارک لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنے کا کوئی خیال آرہا ہے تو اسے درست کرلیں۔*

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حربہ واقعی کارگر ثابت ہوا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ قریش کو اس مسلمان لشکر کا مقابلہ کرنے کی استطاعت ہرگز نہیں ہے۔ حتی کہ جب مہاجرین و انصار کا لشکر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرا تو ابوسفیان نے پوچھا: ''سبحان اللہ! عباس! یہ کون لوگ ہیں؟'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا: ''یہ مہاجرین و انصار کے جلو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ بولے: ''اللہ کی قسم، اے ابوالفضل! ان لوگوں کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ ایسی کسی میں طاقت ہے۔ تمھارے برادر زادے کی حکومت عظیم الشان ہوگئی ہے۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: ''ابوسفیان! یہ نبوت ہے۔'' وہ کہنے لگا: ''تب تو اور بھی اچھا ہے۔''

''یہ نبوت ہے۔'' یہ وہ کلمہ ہے جو حکمت الٰہی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زبان پر جاری کرایا تاکہ روز قیامت تک اس شخص کا ردّ ہوتا رہے جو خود یہ وہم رکھتا ہے یا کسی کو اس وہم میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حکمرانی یا چودھراہٹ کے لیے تھی، یا اس کا مقصد (عرب) قومیت یا عصبیت کا زندہ کرنا تھا۔ یہ وہ کلمہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوّل تا آخر زندگی کا عنوان تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے لمحات اور مراحل اس کے منہ بولتے گواہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی رسالت ساری دنیا کے لوگوں تک پہنچانے کا مشن دیا گیا تھا نہ کہ دنیا میں اپنے دل کی چاہت کے مطابق حکمرانی

* القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص:447.

قائم کرنے کا پروگرام۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے سفر کے دوران دشمنوں پر نفسیاتی جنگ مسلط رکھی۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے کئی مقامات پر آگ جلانے کا حکم دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دس ہزار الاؤ ایک ہی رات میں روشن کر کے فضا کو منور کر دیا۔ لشکر کے قیام کا منظر اتنا رعب دار اور ہولناک تھا کہ اس کی ہیبت سے قریشیوں کے دل پھٹنے کے قریب تھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا بھی اس سے یہی ارادہ تھا کہ دشمن کے عزائم کو خاک میں ملایا جائے اور ان کے خیالات پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ وہ کسی قسم کے مقابلے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ انھیں اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا جائے تا کہ خون بہائے بغیر مقصود حاصل کر لیا جائے۔ اس اسلوب کو عملاً وفعلاً اختیار کر کے آپ ﷺ نے مطلوبہ نتائج حاصل کر لیے اور اپنے ارادوں میں کامیاب رہے۔ نبی مکرم ﷺ اپنے بالمقابل لڑنے والے کے خیالات کا جنگ سے پہلے اچھی طرح جائزہ لے لیتے تھے۔ جنگ سے پہلے جنگ کا یہ بہترین اصول ہے۔ اس کی اہمیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ زمانہ نبوی کے بعد جنگی قوانین مرتب کرنے والے کیڈٹ کالجز میں جنگی اعتبار سے اس پہلو کو بڑا اہم گردانا جاتا ہے اور اس کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔[3]

[1] فقه السيرة النبوية للبوطي، ص:275. [2] الطبقات لابن سعد:135/2. [3] العبقرية العسكرية وغزوات الرسول للواء محمد فرج، ص:565.

باب 2

مکہ مکرمہ میں داخلے اور فتح کی منصوبہ بندی

قائدین صحابہ میں اہم امور کی تقسیم

ذی طویٰ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام میں ذمہ داریاں تقسیم فرمائیں۔[1]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو میمنہ پر رکھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو میسرہ پر مقرر فرمایا۔ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پیادوں پر مقرر کیا اور یہ سب بطن وادی سے مکہ میں داخل ہونے کے لیے تیار تھے۔ نبی ﷺ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! أُدْعُ لِي الْأَنْصَارَ» ''ابوہریرہ! انصار کو میرے پاس بلاؤ۔'' انصار بھاگتے ہوئے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! هَلْ تَرَوْنَ أَوْبَاشَ قُرَيْشٍ؟!» ''اے خاندانِ انصار! کیا تم قریش کے اوباشوں کو دیکھ رہے ہو؟'' عرض کیا: ''جی۔'' فرمایا: «اُنْظُرُوا إِذَا لَقِيتُمُوهُمْ غَدًا أَنْ تَحْصُدُوهُمْ حَصْدًا» ''کل جب ان سے مڈبھیڑ ہو تو انھیں کاٹ کر رکھ دو۔'' اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا: «مَوْعِدُكُمُ الصَّفَا» ''تم مجھے صفا پہاڑ پر ملنا۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو مہاجرین اور ان کے شاہسواروں پر مقرر کر کے بھیجا اور فرمایا کہ مکہ مکرمہ کے بالائی حصے، یعنی کداء سے داخل ہوں اور حجون میں رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا گاڑ کر آپ ﷺ کی آمد تک وہیں رہیں۔ حضرت خالد بن

[1] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 389. [2] صحيح مسلم، حديث: (86)-1780.

ولید رضی اللہ عنہ کو قضاعہ اور سلیم وغیرہ کے قبائل پر مقرر کر کے بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ مکہ کے زیریں حصے سے داخل ہوں اور گھروں کے بالکل قریب جھنڈا گاڑ دیں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انصار کے ایک گروہ کے ہمراہ آگے آگے روانہ فرمایا اور انھیں حکم دیا کہ اپنے ہاتھ روک کر رکھیں۔ صرف اس سے لڑائی کریں جو خود قتال کرے۔ ●

اس طرح تمام افراد کی ذمہ داریاں مقرر ہو گئیں۔ ہر کسی نے اپنی ذمہ داری جان لی اور جس رستے سے جانا ہے وہ بھی معلوم کر لیا۔ ●

مسلمان لشکر بیک وقت مکہ مکرمہ کے چاروں اطراف سے داخل ہو گیا۔ اسلامی افواج کے سامنے کوئی نہ آیا۔ چاروں اطراف سے بیک وقت اسلامی لشکر کا داخل ہونا، مشرکین گروہوں کے لیے ضرب کاری کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ ایک جگہ اکٹھے ہو ہی نہ سکے اور مقابلے کا وقت نکل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پر حکمت جنگی تدبیر تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنائی جب جنگی تیاری اور کثرتِ تعداد کی بنا پر دشمن سے زیادہ قوی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منصوبہ کامیاب رہا، چنانچہ مشرکین میں نہ مقابلے کی طاقت تھی اور نہ وہ ام القریٰ کی طرف رواں دواں اس لشکر کے سامنے ٹھہر سکے۔ تمام سپہ سالاروں نے سونپے گئے علاقے کو امن و سلامتی سے زیر نگین کر لیا۔ سوائے اس علاقے کے جدھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ گئے تھے۔ ●

اس جانب قریش کے کچھ سر پھرے اکٹھے ہو گئے۔ ان میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابو جہل اور سہیل بن عمرو وغیرہ تھے۔ ان کے ساتھ کچھ حلیف بھی تھے۔ یہ تمام لوگ ''خندمہ'' ● میں جمع تھے۔

● من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 390. ● من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 390.
● صور وعبر من الجهاد النبوي في المدينة للدكتور فوزي فيض الله، ص: 397. ● **خندمہ:** یہ مکہ کے مشرقی جانب ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو اُبوقُبیس سے متصل ہے اور اس کا آخری شمال مشرقی حصہ سبیل الخضراء کہلاتا ہے۔ [معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 110]

فتح مکہ
رمضان 8ھ
اسلامی لشکر
ذی طوی از اذاخر
حجون
جبل ہند
غار حراء
جبل عمر
یمن کی طرف
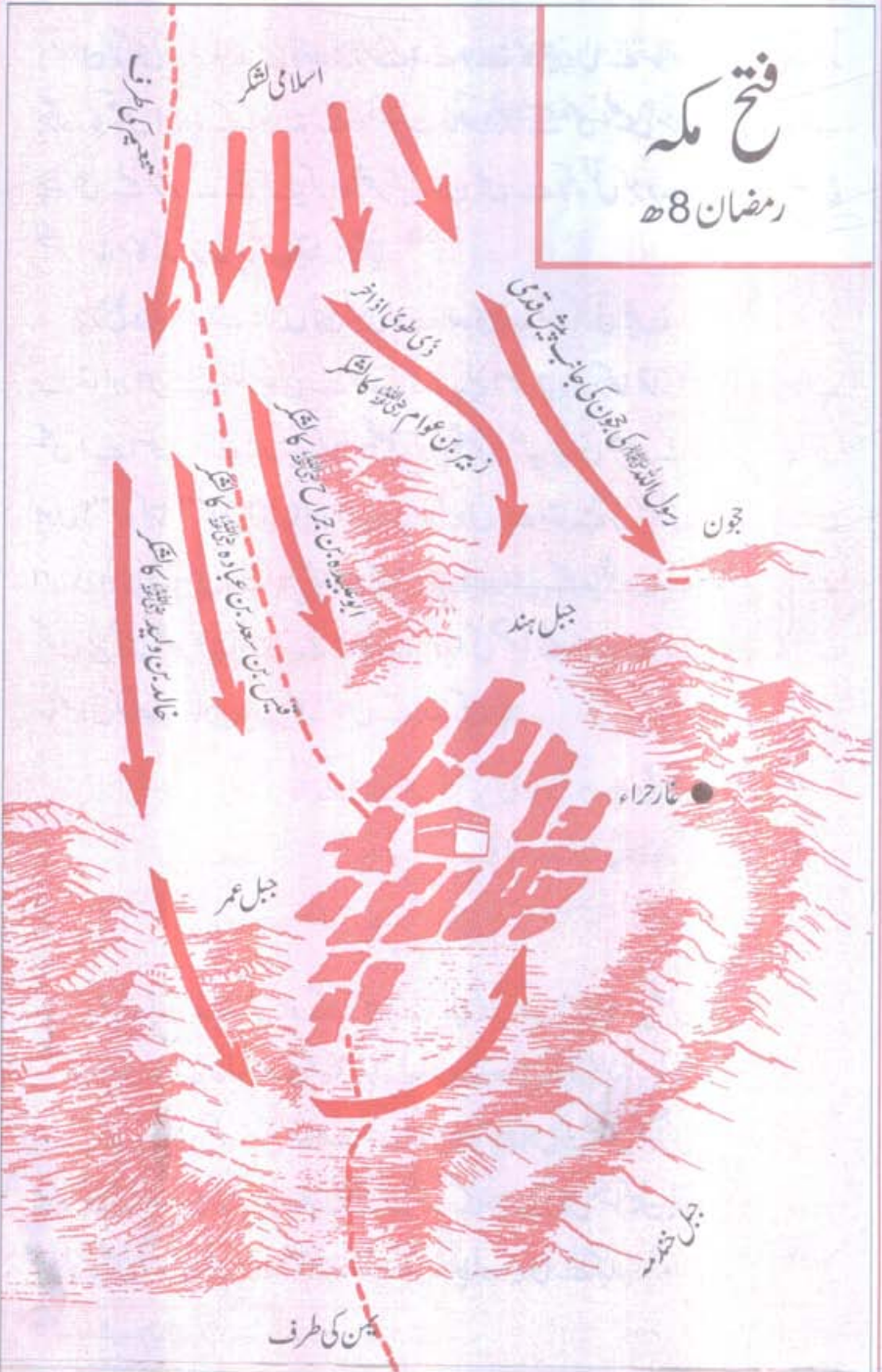
ان لوگوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اگلے دستے کا تیروں کے ساتھ استقبال کیا۔ اور جنگ کا مکمل ارادہ کیے ہوئے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں مٹا ڈالنے کا حکم دیا۔ چند ہی لمحے گزرے تھے کہ یہ گروہ بکھر گیا۔ ان میں سے کچھ قتل کر دیے گئے۔ اس طرح لشکر اسلام کا مکہ مکرمہ پر مکمل قبضہ ہو گیا۔[1]

تاریخ وسیر کی کتب حماس بن قیس بن خالد کا قصہ ذکر کرتی ہیں۔ یہ شخص قبیلہ بنو بکر سے تھا اور اس نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے اسلحہ تیار کر رکھا تھا۔ اس کی بیوی جب بھی اسے اسلحہ درست اور تیار کرتا دیکھتی تو پوچھتی: ''یہ تیاری کیسی ہے جو میں دیکھ رہی ہوں؟'' وہ کہتا: ''محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں سے مقابلے کی تیاری ہے۔'' ایک دن اس کی بیوی نے اس سے کہا: ''بخدا! محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کے مقابل آج تک کوئی چیز نہیں ٹھہر سکی۔'' اس نے جواباً کہا: ''خدا کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں ان کے بعض ساتھیوں کو تمھارا خادم بناؤں گا۔'' اس کے بعد کہنے لگا:

إِنْ يُّقْبِلُوا الْيَوْمَ فَمَالِي عِلَّهْ
هٰذَا سِلَاحٌ كَامِلٌ وَّأَلَّهْ
وَذُو غِرَارَيْنِ سَرِيعُ السَّلَّةِ

''اگر وہ آج مد مقابل ہو گئے تو میرے لیے کوئی عذر نہ ہوگا، یہ مکمل ہتھیار ہیں:
دراز انّی والا نیزہ اور جھٹ سونتی جانے والی دو دھاری تلوار۔''

فتح مکہ کے دن عکرمہ کی جماعت میں شامل ہو کر حماس نے بھی تھوڑی دیر مقابلہ کیا مگر پھر دیکھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقابلے میں مشرکین بھاگتے نظر آ رہے ہیں تو یہ بھی شکست کھا کر بھاگتا ہوا اپنے گھر پہنچا اور بیوی سے کہا: ''دروازہ بند کر دو۔''

[1] قيادة الرسول ﷺ لأحمد راتب، ص: 123,122.

تو بیوی نے اپنے شاہسوار خاوند سے دریافت کیا: ''بہادر! وہ تمھارا دعویٰ کہاں گیا جو تم کیا کرتے تھے؟'' تو اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا:

إِنَّكِ لَوْ شَهِدْتِّ يَوْمَ الْخَنْدَمَةْ

إِذْ فَرَّ صَفْوَانُ وَفَرَّ عِكْرِمَةْ

''اگر تو خندمہ کی جنگ خود دیکھ لیتی، جب صفوان بھاگ کھڑا ہوا اور عکرمہ بھی بھاگ نکلا۔''

أَبُو يَزِيدَ قَائِمٌ كَالْمُؤْتَمَهْ

وَاسْتَقْبَلَتْهُمْ بِالسُّيُوفِ الْمُسْلِمَهْ

''ابو یزید! ستون بن کر کھڑا رہ گیا اور ان سب کا استقبال مسلم تلواروں نے کیا۔''

يَقْطَعْنَ كُلَّ سَاعِدٍ وَّجُمْجُمَهْ

ضَرْبًا فَلَا يُسْمَعُ إِلَّا غَمْغَمَهْ

''تلواریں ہر کلائی اور ہر کھوپڑی پر پڑ کر اسے کاٹ رہی تھیں اور بجز ملی ہوئی آوازوں کے کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔''

لَهُمْ نَهِيتٌ خَلْفَنَا وَهَمْهَمَهْ

لَا تَنْطِقِي فِي اللَّوْمِ أَدْنٰى كَلِمَهْ

''ہمارے پیچھے ان کی دہاڑیں اور سینے سے اٹھنے والا غصہ ابلتا ہی سنائی دے رہا تھا، لہٰذا تو اپنی زبان سے ملامت کا ادنی کلمہ بھی نہ بول۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اسلامی لشکر کے داخل ہونے سے تھوڑی دیر پہلے کرفیو کا اعلان کروایا تا کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ کی فتح کے معاملے کو الجھاؤ کے بغیر کم از کم خون بہا

[1] البداية والنهاية: 4/295.

کر مکمل کر سکیں۔ آپ ﷺ کا واضح اعلان تھا:

«مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ، وَّمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ، وَّمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ»

''جو ابوسفیان کے ڈیرے میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کی حویلی کو اہمیت دی تا کہ اس طرح وہ اہل مکہ کو پرسکون رہنے اور اطاعت اختیار کرنے پر قانع کرنے میں آپ ﷺ کا معاون ثابت ہو۔ اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو پر امن طریقے سے بغیر کشت و خون کیے مکہ مکرمہ کی فتح کا راستہ ہموار کرنے کے لیے کنجی بنایا جا سکے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ فخر و سرداری پسند کرنے والے کو بھی سامان فراہم کیا جائے تا کہ اس طرح اس کے دل میں ایمان پختہ ہو جائے۔[1]

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نہایت تیزی سے مکہ پہنچے اور بلند آواز سے پکارنے لگے:

''اے قریش کے لوگو! یہ محمد ﷺ ہیں، تمھارے پاس اتنا بڑا لشکر لائے ہیں کہ تم میں مقابلے کی تاب نہیں، لہٰذا جو ابوسفیان کے ڈیرے میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔''

اتنے میں ہند بنت عتبہ اٹھی اور اپنے خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی مونچھ پکڑ کر بولی: ''مار ڈالو اس مشک کی طرح چربی سے بھرے پتلی پنڈلیوں والے کو۔ برا ہو ایسے پیشرو خبر رساں کا۔'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تمھاری بربادی ہو! دیکھو تمھاری جانوں کے بارے میں یہ عورت تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ محمد ﷺ ایسا لشکر لائے ہیں جس سے مقابلے کی تاب نہیں، اس لیے جو ابوسفیان کے ڈیرے میں گھس جائے اسے امان ہے۔'' لوگوں نے کہا: ''اللہ تجھے مارے! تیرا ڈیرہ ہمارے کتنے آدمیوں کے کام آ سکتا ہے؟'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ

[1] دراسات في السيرة النبوية للدكتور عماد الدين خليل، ص:245.

نے کہا: ''اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے، اسے بھی امان ہے۔ اور جو مسجدِ حرام میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔'' لہٰذا (یہ سن کر) لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو مکہ کی بالائی جانب ''کداء'' سے مکہ میں اترنے کا کہا۔ آپ ﷺ نے پسند فرمایا کہ آج اس مقام ''کداء'' سے مکہ میں داخل ہوں جس کا تذکرہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنے قصائد میں قریش کی ہجو کرتے ہوئے کیا تھا۔ ان کا یہ قصیدہ بڑا ہی عمدہ اور دلکش سمجھا جاتا ہے۔ اس قصیدے کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے ؎

عَدِمْنَا خَيْلَنَا إِنْ لَّمْ تَرَوْهَا

تُثِيرُ النَّقْعَ مَوْعِدُهَا كَدَاءُ

''ہمارے شہسوار یہاں نظر نہیں آ رہے اگر تم نے بھی انھیں نہیں دیکھا تو وہ غبار اڑا رہے ہوں گے، اب وہ ''کداء'' مقام میں ملیں گے۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی درج ذیل روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ کداء ہی سے داخل ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: عام الفتح کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ عورتیں گھوڑوں کے چہروں پر اپنے دوپٹے مار رہی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: «يَا أَبَا بَكْرٍ! كَيْفَ قَالَ حَسَّانُ؟» ''اے ابوبکر! حسان رضی اللہ عنہ نے اس موقع کے متعلق کیا کہا تھا؟'' تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ شعر پڑھا:

تَظَلُّ جِيَادُنَا مُتَمَطِّرَاتٍ

تُلَطِّمُهُنَّ بِالْخُمُرِ النِّسَاءُ

1 البداية والنهاية:4/290. 2 البداية والنهاية:4/309.

''ہمارے عمدہ گھوڑے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں ہوں گے تو ان کے چہروں پر عورتیں دوپٹے مار رہی ہوں گی۔''[1]

فتح مکہ کے وقت تواضع اور انکسار کا عالم

فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ بلا احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔[2]

جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح سے نوازا ہے تو سر مبارک تواضع سے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس قدر جھکا ہوا تھا کہ ریش مبارک کجاوے سے لگ رہی تھی۔[3] آپ ﷺ اس وقت سورۂ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔[4]

رسول اللہ ﷺ اس وقت فتح مکہ، گناہوں کی بخشش اور بلند پایہ فتح و نصرت کی نعمت کے احساس سے معمور تھے۔[5]

رسول اللہ ﷺ جزیرۃ العرب کے دل اور اس کے سیاسی و روحانی مرکز مکہ مکرمہ میں جب فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو عدل و انصاف اور تواضع و انکسار کا ہر شعار اپنائے رکھا، چنانچہ اپنی سواری پر پیچھے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار فرمایا۔[6] حالانکہ قریش کے رؤسا یا بنو ہاشم کے بیٹوں میں سے بہت سے افراد موجود تھے مگر آپ نے ان میں سے کسی کو اس موقع پر اپنے پیچھے سوار نہیں کیا۔[7]

رسول اللہ ﷺ جمعۃ المبارک، 20 رمضان 8ھ کی صبح مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔[8]

---

1 المغازي للواقدي: 831/2. 2 صحيح مسلم، حديث: 1358، وسنن أبي داود، حديث: 4076، وجامع الترمذي، حديث: 1735، والسنن الكبرىٰ للنسائي: 201/5، وسنن ابن ماجه، حديث: 2822، ومسند أحمد: 363/1. 3 دلائل النبوة للبيهقي: 68/5، والمستدرك للحاكم: 47/3، ومسند أبي يعلىٰ، رقم: 3393، ومجمع الزوائد للهيثمي: 169/6. 4 صحيح مسلم، حديث: (238)-794. 5 صور وعبر من الجهاد النبوي للدكتور فوزي فيض الله، ص: 396. 6 صحيح البخاري، حديث: 4289. 7 السيرة النبوية للندوي، ص: 337. 8 السيرة النبوية للندوي، ص: 337.

محمد الغزالی، نبی مکرم ﷺ کے دخولِ مکہ کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''جب ایک عظیم لشکر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا اور آپ ﷺ سیاہ عمامے کا تاج سجائے اپنی اونٹنی پر بیٹھے اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار عاجزی کے طور پر سر مبارک جھکائے ہوئے تھے۔ لشکر آہستہ آہستہ حرم مکی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ زرہ پوش لشکر جو چاند کے ''ہالے'' کی طرح آپ کے ارد گرد تھا اور آپ کے ایک اشارے کا منتظر تھا۔ یہ فتح مبین آپ ﷺ کو عمر رفتہ کی کہانی بھی یاد کرا رہی تھی۔ مشرکین مکہ کا ستایا حق کا ایک عظیم داعی قوت اور سچائی کے ساتھ واپس آ رہا تھا۔ اللہ کا یہ عظیم احسان یاد آیا تو رسول اللہ ﷺ کا سر فرطِ عقیدت سے اللہ کے حضور جھکتا ہی چلا گیا۔[1]

بایں ہمہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن پوری کوشش فرمائی کہ مکہ میں امن و امان بحال رہے، چنانچہ جب آپ ﷺ کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ابوسفیان سے کہی یہ بات پہنچی کہ آج کا دن کشت وخون کا دن ہے، آج کعبۃ اللہ کی حرمت حلال سمجھی جائے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا يَوْمٌ يُّعَظِّمُ اللّٰهُ فِيهِ الْكَعْبَةَ، وَيَوْمٌ تُكْسٰى فِيهِ الْكَعْبَةُ»

''(ایسا ہرگز نہیں ہوگا) بلکہ آج تو اللہ تعالیٰ کعبے کی عظمت کو بڑھائیں گے اور آج کعبے کو غلاف اوڑھایا جائے گا۔''[2]

بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو دے دیا۔ یوں آپ ﷺ نے ایک ایسا فیصلہ فرمایا جس سے نہ تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ناراضگی ہوئی اور نہ انصار کو۔ رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا کسی مہاجر کے سپرد نہیں فرمایا بلکہ انصاری سے لیا اور اسی کے بیٹے کو دے دیا۔ اور یہ انسانی فطرت اور کمزوری ہے کہ وہ

---

1 فقه السيرة للغزالي، ص: 380,379. 2 صحيح البخاري، حديث: 4280، ودلائل النبوة للبيهقي: 38/5، وتاريخ الطبري: 118/3.

صرف اپنے بیٹے کو خود سے افضل و بہتر جان سکتا ہے اور کسی کو نہیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تشریف فرما ہو چکے اور لوگ آرام سے ٹھہر گئے تو آپ ﷺ بیت اللہ تشریف لے گئے اور طواف کیا۔ بحالتِ طواف آپ ﷺ کے ہاتھ میں چھڑی یا کمان تھی۔ بیت اللہ کے اردگرد اور اس کی چھت پر تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ ﷺ اس کمان یا چھڑی سے ان بتوں کو مارتے جاتے اور کہتے جاتے تھے:

﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبٰطِلُ ۚ اِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ ﴾

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ یقیناً باطل ہے ہی مٹنے والا۔''[2]

﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبٰطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝ ﴾

''حق آ گیا اور باطل نہ تو پہلے کچھ کر سکا اور نہ کر سکے گا۔''[3]

اور آپ ﷺ کی ضرب سے بت چہروں کے بل گرتے جاتے تھے۔[4]

اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے اپنے رسول ﷺ کی مدد و تائید کا یہ بڑا ہی خوش کن منظر تھا۔[5]

رسول اللہ ﷺ نے کعبے کے اندر بنی ہوئی تصویروں کو بھی مٹانے کا حکم صادر فرمایا، جو فوراً مٹا دی گئیں۔[6]

تصاویر کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ کعبے میں داخل نہ ہوئے۔ بیت اللہ میں کچھ ایسی تصاویر بھی تھیں جن کے متعلق لوگ سمجھتے تھے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصاویر ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں قسمت معلوم کرنے کے تیر تھے۔ آپ ﷺ نے (دیکھ کر) فرمایا:

---

[1] قيادة الرسول ﷺ لأحمد راتب، ص: 196. [2] بني إسرائيل 81:17. [3] سبا 49:34. [4] السيرة النبوية للندوي، ص: 339. [5] فقه السيرة للبوطي، ص: 282. [6] السيرة النبوية للندوي، ص: 339.

«قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ لَقَدْ عَلِمُوا مَا اسْتَقْسَمَا بِهَا قَطُّ»

''اللہ تعالیٰ انھیں ہلاک کرے یہ خوب جانتے ہیں کہ ان دونوں پیغمبروں نے کبھی قسمت کے تیر استعمال نہیں کیے۔''[1]

پھر رسول اللہ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے، اس میں توحید کے کلمات کہے، پھر نماز ادا کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، بلال رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کعبے میں داخل ہوئے۔ دروازہ بند کر لیا اور کچھ دیر اندر ٹھہرے رہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب باہر نکلے تو میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: ''رسول اللہ ﷺ نے کیا کیا؟'' انھوں نے بتایا: ''آپ ﷺ اس طرح کھڑے ہوئے کہ دو ستون آپ کی بائیں جانب ایک دائیں جانب اور تین پیچھے تھے۔ ان دنوں کعبے کے چھ ستون تھے پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔''[2]

قبول اسلام سے قبل کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پانی پلانے کے اعزاز کے ساتھ ساتھ کلید برداری کا اعزاز بھی حاصل کرنے کی خواہش کی لیکن رسول اللہ ﷺ نے کعبے سے نکلتے ہوئے چابی سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو واپس کرتے ہوئے فرمایا:

«اَلْيَوْمُ يَوْمُ بِرٍّ وَّ وَفَاءٍ»

''آج نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے پہلے عثمان بن طلحہ سے کعبے کی چابی مانگی تو اس نے جواب

1 صحيح البخاري، حديث: 4288، ومسند أحمد: 365/1. 2 صحيح البخاري، حديث: 505، وصحيح مسلم، حديث: [3230]-1329، وسنن أبي داود، حديث: 2023، والسنن الكبرىٰ للنسائي: 63/2.

میں برا بھلا کہا اور نہایت غلیظ زبان استعمال کی تھی۔ آپ ﷺ نے بردباری سے کام لیا اور فرمایا:

«يَا عُثْمَانُ! لَعَلَّكَ تَرٰى هٰذَا الْمِفْتَاحَ يَوْماً بِيَدِي أَصْنَعُهُ حَيْثُ شِئْتُ»

''اے عثمان! امید ہے کہ یہ چابی کسی نہ کسی دن میرے ہاتھ میں آئے گی اور میں اسے اپنے مرضی سے جسے چاہوں گا دوں گا۔''

عثمان نے جواب دیا تھا: ''اگر ایسا وقت آیا تو وہ قریش کی ہلاکت اور ذلت کا وقت ہوگا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «بَلْ عَمَرَتْ وَعَزَّتْ يَوْمَئِذٍ» ''ایسا نہیں! بلکہ اسی وقت تو قریش کی آبادکاری اور عزت وتکریم ہوگی۔''

وہ پرانی گفتگو آج حقیقت کا روپ دھار رہی تھی اور عثمان بن طلحہ یہی سوچ رہا تھا کہ جو کچھ ماضی میں آپ ﷺ نے کہا تھا وہ حرف بحرف پورا ہو رہا ہے۔[1]

بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے اسے یہ کہتے ہوئے چابی واپس کر دی: «هَاكَ مِفْتَاحُكَ يَا عُثْمَانُ! اَلْيَومُ يَوْمُ بِرٍّ وَّوَفَاءٍ خُذُوهَا خَالِدَةً، تَالِدَةً، لَايَنْزِعُهَا مِنْكُمْ إِلَّا ظَالِمٌ» ''عثمان! اپنی چابی سنبھالو آج نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے۔ یہ چابی ہمیشہ کے لیے لے لو۔ تم سے صرف ظالم ہی اسے چھینے گا۔''[2]

نبی مکرم ﷺ نے حضرت بلال کو کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان کہنے کا حکم دیا۔ اہل مکہ اس نئی آواز کو خاموشی سے سن رہے تھے، گویا وہ محوِ خواب تھے۔ فضا میں گونجتے ہوئے یہ کلمات شیاطین کے دلوں پر رعب و دبدبے کے ہتھوڑے برسا رہے تھے۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر کی بارعب آواز کے آگے آج ان کے لیے دو ہی راستے تھے: پیٹھ

---

[1] المغازي للواقدي: 838/2. [2] المغازي للواقدي: 838/2، والمعجم الكبير للطبراني، رقم: 8395، والمصنف لعبدالرزاق: 84,83/5، ومجمع الزوائد للهيثمي: 177/6، والسيرة النبوية لابن هشام: 62,61/4، سند ضعیف ہے۔

پھیر کر بھاگ جائیں یا ایمان قبول کرلیں۔[1]

وہی سزا و عذاب کے کوڑوں تلے اُحد اُحد کی سنائی دینے والی دھیمی سی آواز آج کعبے کے اوپر «لا إلٰه إلا الله محمد رسول الله» کے نغمے سے گونج رہی ہے اور ہر کوئی خاموش، ہمہ تن گوش اور سر جھکائے ہوئے ہے۔[2]

عام معافی کا اعلان

اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی دعوت کو طرح طرح کی تکالیف اور رکاوٹوں سے دو چار کر رکھا تھا۔ اب اسلامی لشکر انھیں نیست و نابود کرنے کی مکمل طاقت رکھتا ہے، اس کے باوجود آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «مَاتَظُنُّونَ أَنِّي فَاعِلٌ بِكُمْ؟» ''تمھارا کیا خیال ہے کہ میں تمھارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟'' انھوں نے جواباً عرض کیا: ''اچھے سلوک کی امید رکھتے ہیں۔ آپ قابلِ قدر بھائی ہیں اور قابلِ قدر بھائی کے صاحبزادے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَاتَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ»

''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔''[3]

عام معافی کا یہ فائدہ ہوا کہ لوگوں کی جانیں قتل یا قید ہونے سے محفوظ ہوگئیں۔ منقولہ اور غیر منقولہ اموال مالکوں کے پاس رہے۔ ان پر خراج بھی مقرر نہ کیا گیا۔ اس طرح ان کے ساتھ دیگر مفتوحہ علاقوں جیسا سلوک نہ ہوا۔ یہ سب مکہ مکرمہ کی حرمت اور پاکیزگی کے لیے کیا گیا۔ یہ پارسا لوگوں کا مسکن اور پروردگار کا حرم ہے۔ اس لیے جمہور ائمہ سلف و خلف کا خیال ہے کہ مکہ مکرمہ کی اراضی فروخت کرنا یا کرایہ و اجرت پر دینا صحیح نہیں ہے

[1] فقه السيرة للغزالي، ص: 383. [2] فقه السيرة للبوطي، ص: 269. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 58/5، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 118/9، والطبقات لابن سعد: 142,141/2، والمجتمع المدني للعمري، ص: 179.

بلکہ یہاں جو پہلے آئے اس کی جگہ ہوگی۔ اہل مکہ ضرورت کے مطابق گھروں میں رہ سکتے ہیں اور جو گھر ان کی ضرورت سے زائد ہوگا وہ حاجیوں، عمرہ کرنے والوں اور عبادت کی غرض سے یہاں آنے والوں کی اقامت گاہ بنے گا، جبکہ بعض علماء کا خیال ہے کہ مکہ مکرمہ کی زمین فروخت کی جاسکتی ہے اور اس کے گھر کرایہ پر دیے جاسکتے ہیں اور دلائل کے اعتبار سے یہی رائے قوی ہے، جبکہ اس کے مخالف رائے والوں کے تمام دلائل یا تو مرسل روایات پر مشتمل ہیں یا موقوف روایات پر۔[1]

بعض افراد کو قتل کرنے کا حکم

قیادت جن صفات سے متصف ہونی چاہیے ان کے تقاضے پورے کرتے ہوئے مکہ میں احتیاط کا دامن بھی نہیں چھوڑا گیا، اسی لیے عام معافی سے دس سے کچھ زیادہ افراد کو مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ وہ افراد خواہ کعبے کے پردے سے بھی چمٹے نظر آئیں تو انھیں قتل کر دیا جائے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے اللہ تعالیٰ، رسول مقبول ﷺ اور اسلام سے متعلق جرائم بہت بڑے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے متعلق یہ ڈر اور اندیشہ بھی تھا کہ فتح کے بعد لوگوں میں فتنہ پھیلائیں گے۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں بیان کرتے ہیں: ''ان افراد کے نام درج ذیل ہیں جو الگ الگ روایات سے لیے گئے ہیں: عبدالعزیٰ بن خطل، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، عکرمہ بن ابوجہل، حویرث بن نُقید، مقیس بن صبابہ، ہبّار بن اسود، فرتنیٰ اور قُریبہ (ابن خطل کی یہ دونوں لونڈیاں گا گا کر نبی مکرم ﷺ کی ہجو کرتی تھیں) بنوعبدالمطلب کی آزاد کردہ لونڈی سارہ۔ اسی طرح ابومعشر نے ان میں حارث بن طلاطل خزاعی کا نام اور حاکم نے کعب بن زہیر، وحشی بن حرب اور ہند بنت عتبہ کے نام بھی شامل کیے ہیں۔''[3]

---

[1] المجتمع المدني للعمري، ص: 180. [2] السيرة النبوية لأبي شهبة: 451/2، وتأملات في السيرة، ص:262. [3] فتح الباري، شرح الحديث:4280.

ان میں سے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا گیا اور کچھ نے اسلام قبول کر کے توبہ کر لی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں معاف فرما دیا اور ان کے اسلام کی کیفیت اچھی رہی۔[1]

نبی مکرم ﷺ کا خطبہ اور اہل مکہ کا قبولِ اسلام

فتح کی صبح نبی مکرم ﷺ کو یہ بات پہنچی کہ آپ ﷺ کے حلفاء خزاعہ نے ہذیل کے ایک شخص پر، جو مشرک تھا، حملہ کر کے اسے قتل کر دیا ہے۔ یہ جاہلیت کے ایک مقتول کا بدلہ تھا۔ آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے، پھر لوگوں میں کھڑے ہو کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ، وَالْأَرْضَ، فَهِيَ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَلَا يَحِلُّ لِامْرِيءٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّسْفِكَ فِيهَا دَماً، وَّلَا يَعْضِدَ۔ يَقْطَعَ۔ فِيهَا شَجَراً، لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ كَانَ قَبْلِي، وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ يَّكُونُ بَعْدِي، وَلَمْ تَحِلَّ لِي إِلَّا هٰذِهِ السَّاعَةَ غَضَباً عَلٰى أَهْلِهَا، ثُمَّ قَدْ رَجَعَتْ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ، فَمَنْ قَالَ لَكُمْ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ قَاتَلَ فِيهَا، فَقُولُوا: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَلَّهَا لِرَسُولِهِ، وَلَمْ يُحِلَّهَا لَكُمْ، يَا مَعْشَرَ خُزَاعَةَ! اِرْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ عَنِ الْقَتْلِ، فَلَقَدْ كَثُرَ الْقَتْلُ أَنْ يَّقَعَ، لَقَدْ قَتَلْتُمْ قَتِيلًا لَأَدِيَنَّهُ، فَمَنْ قُتِلَ بَعْدَ مَقَامِي هٰذَا، فَأَهْلُهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ، إِنْ شَاؤُوا فَدَمُ قَاتِلِهِ، وَإِنْ شَاؤُوا فَعَقْلُهُ»

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جس دن زمین و آسمان پیدا کیے، اس دن سے مکہ کو

1 السيرة النبوية لأبي شهبة: 451/2.

حرمت والی جگہ قرار دیا۔ پس وہ اس وقت سے برابر حرمت کی جگہ چلا آ رہا ہے اور قیامت تک اسی طرح محترم رہے گا، لہٰذا کسی بھی ایسے آدمی کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، یہ بات جائز نہیں کہ مکہ میں کسی کا خون بہائے یا یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ یہ مجھ سے پہلے کسی بھی شخص کے لیے حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد کسی شخص کے لیے حلال ہو گا۔ میرے لیے بھی حلال نہیں ہوا، ہاں صرف اس وقت محض اس لیے حلال ہوا کہ اہل مکہ پر اللہ تعالیٰ کو اظہارِ غضب مقصود تھا۔ اس وقت کے بعد اس کی حرمت کل کی طرح پھر لوٹ آئی، لہٰذا تمھیں چاہیے کہ جو بھی یہاں موجود ہے وہ میری بات اسے پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں۔ ہاں! جو تم سے یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں قتال کیا تھا اس سے کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول ﷺ کے لیے اسے حلال کیا تھا۔ تمھارے لیے حلال نہیں کیا۔ اے خاندانِ خزاعہ! قتل سے اپنے ہاتھ اٹھا لو۔ بہت خون ہو چکا۔ تم نے ایک آدمی کو قتل کیا۔ میں اس کی دیت ضرور دوں گا۔ میرے یہاں کھڑے ہونے کے بعد جو شخص قتل کیا گیا اس کے ورثاء کو دو چیزوں کا اختیار ہو گا۔ اگر وہ چاہیں تو قصاص لے لیں اور چاہیں تو خون بہا لے لیں۔" [1]

رسول اللہ ﷺ کے تمام اہل مکہ کو معافی دینے اور کچھ ایسے لوگوں کو بھی معافی دینے کا جن کے قتل کا آپ حکم دے چکے تھے، فائدہ یہ ہوا کہ اہل مکہ خواہ مرد ہوں یا عورتیں، آزاد ہوں یا غلام یا آزاد شدہ غلام تمام تر راضی خوشی اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو گئے۔ اور ادھر مکہ مکرمہ کے اسلامی مملکت میں بدلتے ہی تمام لوگ گروہ در گروہ اسلام کی طرف چلے آئے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت پوری ہو گئی اور شکر الٰہی لازم ٹھہرا۔ [2]

[1] سنن أبي داود، حديث: 4504، وجامع الترمذي، حديث: 1406، ودلائل النبوة للبيهقي: 84,83/5، والسيرة النبوية لأبي شهبة: 451/2. [2] السيرة النبوية لأبي شهبة: 456/2.

رسول اللہ ﷺ نے صفا پہاڑی پر بیٹھ کر تمام مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے بیعت لی۔ ابتدا مردوں سے کی۔ آپ ﷺ اسلام، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی بیعت لے رہے تھے۔ فتح مکہ کے بعد مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے بھائی مجالد کو لے کر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس سے ہجرت کی بیعت لیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «ذَهَبَ أَهْلُ الْهِجْرَةِ بِمَا فِيهَا» ''ہجرت کرنے والے ہجرت کے فضائل و مراتب لے چکے ہیں۔'' اس نے عرض کیا: ''تو پھر آپ کس بات کی بیعت لیں گے؟'' فرمایا: «أُبَايِعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْإِيمَانِ وَالْجِهَادِ» ''میں اس سے اسلام، ایمان اور جہاد کی بیعت لوں گا۔''[1]

مراد یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے جو ہجرت پہلے فرض تھی اب فتح مکہ کے بعد اختتام پذیر ہوئی ہے۔ اسلام غالب آچکا ہے۔ اس کی جڑیں مضبوط ہو چکی ہیں اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہاں دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت یا ایسے علاقے سے ہجرت جس میں ایک مسلمان اپنے دین پر قائم نہیں رہ سکتا اور وہ شعائرِ اسلام کا اظہار نہیں کر سکتا، ایسی جگہ سے ہجرت کرنا قیامت تک باقی ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ قبل از فتح مکہ جیسی افضل ہجرت یہ نہیں ہوگی۔ کیونکہ اب کبھی تو ہجرت واجب کبھی غیر واجب ہوگی، جس طرح کہ جہاد اور فی سبیل اللہ خرچ قیامت تک باقی ہے مگر مکہ مکرمہ فتح ہونے سے پہلے جو ثواب جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کا تھا وہ اب میسر و ممکن نہیں ہوگا۔

ارشاد ہے:

﴿ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً

1 صحيح البخاري، حديث: 4306,4305، وصحيح مسلم، حديث: 1863، ومسند أحمد: 469/3.

مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝﴾

''تمھیں کیا ہوگیا ہے جو تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمینوں کی میراث کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم لوگوں میں سے جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے فی سبیل اللہ خرچ کیا اور قتال کیا ہے وہ دوسروں کے برابر نہیں بلکہ درجے میں ان سے بہت عظیم ہیں جنھوں نے فتح کے بعد انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد کیا۔ ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے، جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ خوب باخبر ہے۔''[1]

جب رسول اللہ ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو خواتین سے بیعت لی۔ خواتین میں ہند بنت عتبہ بھی بھیس بدل کر بیٹھی تھی۔ اسی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا مثلہ کیا تھا اور اب خوف زدہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کہیں اسے پہچان نہ لیں۔ (آپ ﷺ نے بیعت لینے کے لیے فرمایا) میں ان خواتین سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کریں گی۔ اور چوری نہ کریں گی اور زنا نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور کوئی بہتان نہ گھڑیں گی اور کسی بھی نیک کام میں (آپ کی) نافرمانی نہ کریں گی۔''

جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اور چوری نہ کریں گی۔'' اس پر ہند بول اٹھی: ''اے اللہ کے رسول! ابوسفیان بخیل آدمی ہے۔ مجھے اتنا نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو سکے۔ اگر میں اسے بتائے بغیر اس کے مال سے کچھ لے لوں تو کوئی گناہ ہے؟'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «خُذِي مِنْ مَّالِهِ مَايَكْفِيكِ وَبَنِيكِ بِالْمَعْرُوفِ» ''اس کے مال سے اتنا لے لے جو تجھے اور تیرے بچوں کو معروف طریقے سے کافی ہو سکے۔'' اور جب آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور زنا نہیں کریں گی۔'' تو ہند کہنے لگی: ''کیا آزاد عورت بھی زنا کرتی ہے؟''

[1] الحدید:57:10.

جب آپ ﷺ نے ہند کو پہچان لیا تو فرمایا: «وَإِنَّكِ لَهِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ؟» ”ہو نہ ہو تو ہند بنت عتبہ ہے؟“ وہ بولی: ”جی ہاں، اے اللہ کے رسول! جو کچھ گزر چکا ہے اسے معاف فرما دیجیے، اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔“

عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے بغیر ہاتھ ملائے بیعت کی۔ آپ ﷺ عورتوں سے کبھی ہاتھ نہ ملاتے تھے اور نہ کبھی عورت کو ہاتھ لگاتے سوائے اس عورت کے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے یا آپ ﷺ کی محرم خواتین ہیں۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں: ”ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔“[1]

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ عورتوں سے زبانی کلامی ہی بیعت کرتے تھے۔ اور فرماتے:

«إِنَّمَا قَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَّاحِدَةٍ كَقَوْلِي لِمِائَةِ امْرَأَةٍ»

”میرا ایک عورت کو (بیعت کے لیے) کہنا ایک سو عورت کو کہنے کی طرح ہے۔“[2]

بنو جذیمہ کی طرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی روانگی

رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو تبلیغِ اسلام کے لیے بنو جذیمہ کی جانب روانہ فرمایا۔ انھیں شوال 8ھ کو جنگ حنین سے پہلے بنو سلیم، مدلج اور کچھ انصار اور مہاجرین کے ہمراہ بھیجا جن کی تعداد تقریباً ساڑھے تین سو تھی۔ بنو جذیمہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر دیکھا تو اپنا اپنا اسلحہ تان لیا۔

حضرت خالد نے کہا: ”اسلحہ رکھ دو۔ یقیناً لوگوں کی اکثریت اسلام لا چکی ہے۔“ یہ سن کر ان میں سے جحدر نامی ایک شخص کھڑا ہوا اور بولا: ”بنو جذیمہ! تمھارے لیے تباہی ہو۔

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 5288، وصحيح مسلم، حديث: 1866. [2] البداية والنهاية: 319/4.

یہ خالد ہے! بخدا اسلحہ رکھنے پر تو قید ہی ہوں گے، پھر قید کے بعد گردنیں ماردی جائیں گی۔ اللہ کی قسم! میں تو اسلحہ نہیں رکھوں گا۔'' لوگ اسے آمادہ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ مان گیا اور اس نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ جب اس نے بھی ہتھیار ڈال دیے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انھیں گرفتار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ سب گرفتار ہو گئے۔ اب انھیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ انھوں نے «أَسْلَمْنَا» ''ہم مسلمان ہو گئے۔'' کہنے کے بجائے «صَبَأْنَا صَبَأْنَا» ''ہم پچھلے دین سے پھر گئے ہم نے نیا دین اختیار کر لیا۔'' کہنا شروع کیا۔ اب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس (بات) پر انھیں قتل کرنا اور قیدی بنانا شروع کر دیا۔ مگر خالد رضی اللہ عنہ کے بعض ساتھیوں نے قتل کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے اس فعل پر تنبیہ کی کہ آپ صحیح نہیں کر رہے۔ بعد ازاں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تمام قیدی اپنے ساتھیوں کے قبضے میں دے دیے۔ پھر ایک دن حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کر دے، بعض تو حکم ماننے کے لیے تیار ہو گئے لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات سن کر سخت ناراض ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف یہ کہتے ہوئے اٹھائے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ»

''اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے تیرے حضور اظہار براءت کرتا ہوں۔''[1]

حضرت خالد اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین اس بات پر گفتگو ہوئی اور معاملہ جھگڑے تک جا پہنچا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو محسوس ہوا کہ یہ جو ہوا ہے کہیں خالد رضی اللہ عنہ نے بنوجذیمہ سے اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ کا بدلہ نہ لیا ہو جو جاہلیت میں

---

[1] صحیح البخاري، حدیث: 4339، والسنن الکبریٰ للنسائي: 237/8، ومسند أحمد: 151,150/2، والطبقات لابن سعد:148,147/2، والسیرة النبویة لأبي شهبة:464/2.

بنو جذیمہ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ صحیح مسلم اور دیگر کتب احادیث کی روایت بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین کچھ جھگڑا ہوا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو برا بھلا کہا۔ رسول اللہ ﷺ کو پتا چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَسُبُّوا أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِي فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْأَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَّا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ»

''میرے اصحاب میں سے کسی کو برا مت کہو۔ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دے تو ان کے مد یا نصف مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیج کر ان کی دیتیں ادا کر دیں۔ بلکہ دیت سے کچھ زیادہ بھی دے دیا تاکہ ان کے دل خوش ہو جائیں اور اسلام کی ان مقتولین سے براءت ہو سکے۔[2]

اس حکیمانہ اسلوب سے رسول اللہ ﷺ نے بنو جذیمہ سے غمخواری کا اظہار فرمایا اور ان کے دلوں کو لاحق غم والم کا ازالہ فرمایا۔[3]

بت کدوں کا انہدام

بیت اللہ کو اس میں موجود بتوں سے پاک کرنے کے بعد علاقے بھر سے بت خانے گرانے ضروری تھے کیونکہ یہ عرصہ دراز سے جاہلیت کے نشانات اور شعائر تھے۔[4]

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جزیرۃ العرب کو ان سے پاک صاف کرنے کے لیے پے در پے سرایا و لشکر روانہ فرمائے۔ ان میں سے چند ایک کا تذکرہ درج ذیل ہے:

1 صحيح البخاري، حديث: 3673، وصحيح مسلم، حديث: 2541. 2 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 579. 3 السيرة النبوية لأبي شهبة: 465/2. 4 من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 394.

عزیٰ کی جانب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا لشکر: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس سواروں پر مشتمل سریہ ''عزیٰ'' کی جانب روانہ ہوا۔ ''عزیٰ'' قریش ہی نہیں عرب بھر میں مقام و مرتبے کے اعتبار سے سب سے بڑا بت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام و نشان مٹا دینے کے لیے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ جب یہ جماعت نخلہ مقام میں عزیٰ تک پہنچ گئی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کیکر کے درخت کاٹ دیے اور اس جگہ بنے ہوئے مکان یہ کہتے ہوئے گرا دیے ؎

كُفْرَانَكِ لَا سُبْحَانَكِ

إِنِّي رَأَيْتُ اللّٰهَ قَدْ أَهَانَكِ

''ہم تیری پاکی نہیں بیان کرتے بلکہ انکار کرتے ہیں۔ میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تجھے ذلیل کر دیا ہے۔''*

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مہم کی کامیابی کی خبر دی لیکن نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہم ادھوری چھوڑنے پر سپہ سالار سے سوال کیا: «هَلْ رَأَيْتَ شَيْئًا؟» ''تم نے وہاں کچھ دیکھا؟'' حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''نہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِرْجِعْ فَإِنَّكَ لَمْ تَصْنَعْ شَيْئًا»

''اے خالد! واپس جاؤ، تم نے تو کچھ نہیں کیا۔''

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنی ذمہ داری کو مطلوبہ تقاضے کے مطابق پوری نہ کر پانے کی وجہ سے غصے کی حالت میں واپس گئے۔ جب وہاں دوبارہ پہنچے تو مجاور یہ سمجھ گئے کہ اب کی بار یہ نامکمل اور ادھورا کام مکمل کرنے پہنچ گئے ہیں تو وہ بآواز بلند یہ کہتے ہوئے پہاڑ کی جانب

* المعجم الكبير للطبراني، رقم: 3811، ومجمع الزوائد: 176/6، والسرايا والبعوث النبوية للدكتور بريك بن محمد بريك، ص: 282.

بھاگ گئے: ''اے عزیٰ! اسے دیوانہ کر دے اس کی ایک آنکھ ضائع کر دے!'' حضرت خالد رضی اللہ عنہ قریب ہوئے تو دیکھا ایک ننگی عورت، سر کے بال کھولے اپنے سر پر مٹی ڈال رہی تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے مخصوص انداز شجاعت میں آگے بڑھے اور اسے تلوار مار کر قتل کر دیا۔ واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «تِلْكَ هِيَ الْعُزّٰى» ''وہی عزیٰ تھی۔''[1]

حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ ''منات'' کی جانب: منات اس بت کا نام ہے جو بحر احمر کے ساحل پر، قدید[2] کے پاس مشلّل میں تھا یہ اوس، خزرج اور غسان وغیرہ کا بت تھا۔ وہ جاہلیت میں اس کی عبادت کرتے، تعظیم کرتے اور یہیں سے حج کا احرام باندھتے تھے۔ اس کی اس قدر تعظیم کرتے کہ اس کے احترام میں صفا و مروہ کا طواف نہ کرتے تھے۔ ان کے آباء کا یہی طور طریقہ تھا کہ جو منات کا احرام باندھتا صفا و مروہ کا طواف نہ کرتا تھا۔[3]

اسلام لانے تک ان کی یہی عادت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لیے آئے تو انھوں نے اسی بات کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴾

''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے اور جو شخص خوشی سے کوئی نیکی کرے تو بے شک اللہ قدر کرنے والا، خوب جاننے والا ہے۔''[4]

جزیرۃ العرب میں شرک اور بت پرستی کو رواج دینے والا پہلا شخص، جس نے حضرت

---

1 دلائل النبوة للبيهقي: 77/5، ومجمع الزوائد: 176/6، ومسند أبي يعلىٰ، رقم: 902.
2 قدید: مکہ و مدینہ کے درمیان ساحل سمندر پر ایک جگہ ہے۔ 3 السرايا والبعوث النبوية، ص:286.
4 البقرة 158:2.

ابراہیم علیہ السلام کے دینِ حنیف میں تحریف کی ''عمرو بن لحی خزاعی'' تھا۔[1]

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مکہ مکرمہ فتح کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منات کی بیخ کنی کے لیے اس شخص کو روانہ کیا جو دورِ جاہلیت میں اس کی تعظیم کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو بیس سوار دے کر روانہ فرمایا۔[2]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے انتہائی سرعت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے تو مجاور نے پوچھا: ''کیا چاہتے ہو؟'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''منات کو ڈھانا چاہتا ہوں۔'' مجاور نے کہا: ''تم جانو اور تمھارا کام۔'' جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ منات کی جانب بڑھے تو ایک کالی، ننگی اور پراگندہ حالت والی عورت اپنا سینہ پیٹتے اور ہائے وائے کرتے ہوئے بت سے باہر نکلی۔ مجاور نے بڑے اعتماد سے آواز لگائی:

''منات! اپنے نافرمانوں کو پکڑ لے۔''

لیکن اس کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس کی مطلق پروا نہ کی اور اس زور کی تلوار ماری کہ اس عورت کا کام تمام کر دیا، پھر ساتھیوں سمیت بت کی جانب متوجہ ہوئے، اسے گرایا اور توڑ پھوڑ دیا۔

خزانے سے کچھ نہ ملا۔ بعدازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ گئے۔[3]

کہتے ہیں کہ یہ روایت اصول حدیث کے لحاظ سے ضعیف ہے لیکن اہل مغازی کی ان تاریخی روایات سے اسے تقویت مل جاتی ہے جن میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۃ العرب کے بتوں کا کام تمام کرنے کے لیے کئی ایک سرایا روانہ فرمائے تھے۔ ایسی صورت میں منات کو چھوڑ دینا ممکن نہیں کیونکہ یہ بھی جزیرۃ العرب کے بڑے بڑے طاغوتوں میں سے ایک تھا۔

1 السرايا والبعوث النبوية للدكتور بريك بن محمد بريك، ص: 287. 2 الطبقات: 146/20.
3 السرايا والبعوث النبوية للدكتور بريك بن محمد بريك، ص: 288.

''سواع'' کی طرف حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا سریہ: اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴾

''اور انھوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔''[1]

''سواع'' ان بتوں میں سے ایک بت ہے جسے بعد میں ہذیل قبیلے نے، جو مضر سے تعلق رکھتا تھا، اختیار کر لیا۔[2]

ہذیل قبیلے کے افراد دیگر لوگوں کے ساتھ مسلمان ہو گئے اور مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر بھیجا کہ ''سواع'' کے ٹکڑے کر دیے جائیں۔ اس لشکر کے قائد حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں وہاں پہنچا تو مجاور نے پوچھا: ''تم کیا چاہتے ہو؟'' میں نے کہا: ''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ڈھانے کا حکم دیا ہے۔'' اس نے جواب دیا: ''تم یہ طاقت نہیں رکھتے۔'' میں نے کہا: ''کیوں؟'' اس نے کہا: ''کوئی رکاوٹ حائل ہو جائے گی۔'' میں نے کہا: ''تم اب تک باطل پر ہو؟ تم پر افسوس! کیا یہ سنتا یا دیکھتا ہے؟'' پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے پاس جا کر اسے توڑ ڈالا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے خزانے والا مکان ڈھا دیں مگر اس میں سے انھیں کچھ نہ ملا۔ میں نے پھر مجاور سے کہا: ''بتاؤ کیسا رہا؟'' اس نے کہا: ''میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں۔''[3]

بتوں کو توڑنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے لشکروں سے یہ ثابت ہوتا ہے

1 نوح 23:71. 2 سبل الهدىٰ والرشاد للشامي: 303/6. 3 المغازي للواقدي: 780/2.

کہ اگر بتوں اور مقامات شرک کے مٹانے کی کبھی طاقت میسر آ جائے تو اس کے ہوتے ہوئے انھیں باقی رکھنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کفر و شرک کے نشانات ہیں اور یہ وہ بدترین برائیاں ہیں جنھیں طاقت کے باوجود قبول کرنا اور برقرار رکھنا ہرگز درست نہیں۔ بلکہ قبروں پر بننے والے قبوں کا بھی یہی حکم ہے جنھیں اب اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر معبود بنا لیا گیا ہے۔ اسی طرح وہ پتھر جن کی طرف نذر و نیاز، تعظیم، برکت اور بوسہ دینے کے لیے سفر کیا جاتا ہے ان کو مٹانے کی قوت کے باوجود روئے زمین پر باقی رکھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اب ایسی قبروں اور طاغوتوں میں سے اکثر لات و عزیٰ اور منات کا مقام لے چکے ہیں بلکہ ان کے پاس اور ان کے باعث ان سابقہ بتوں سے بھی بڑھ کر شرک ہو رہا ہے۔[1]

---

[1] السرايا والبعوث النبوية للدكتور بريك بن محمد بريك، ص:302.

باب 3

اسباق، نصائح اور عبرتیں

نزول سورۂ نصر اور رحلتِ رسول ﷺ کی خبر

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ فرماتے تھے: «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ» ”پاک ہے اللہ تعالیٰ اور اسی کی تعریف ہے۔ میں اسی سے بخشش طلب کرتا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“ میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! میں دیکھتی ہوں کہ آپ مذکورہ دعائیں کثرت سے مانگتے ہیں؟“ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «خَبَّرَنِي رَبِّي أَنِّي سَأَرَى عَلَامَةً فِي أُمَّتِي، فَإِذَا رَأَيْتُهَا أَكْثَرْتُ مِنْ قَوْلِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فَقَدْ رَأَيْتُهَا» ”مجھے میرے رب نے بتایا کہ تو اپنی امت میں ایک نشانی دیکھے گا۔ جب میں اس نشانی کو دیکھتا ہوں تو زیادہ تر یہی کہتا ہوں: «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ» میں نے وہ نشانی دیکھ لی ہے۔ (وہ نشانی اس سورت میں ہے:)

﴿ إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○ ﴾

”جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے۔ اور آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین میں جوق در جوق آتا دیکھ لیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اسی سے مغفرت کی دعا مانگیں بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔“[1]

[1] النصر 110:1-3. صحیح مسلم، حدیث: (220)-484.

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو اہل عرب نے کہا:

''محمد ﷺ اہل حرم کا فاتح بن چکا ہے، حالانکہ انھیں اللہ تعالیٰ نے ''اصحاب الفیل'' سے محفوظ رکھا تھا تو تمھیں اس سے مقابلے کی ہرگز طاقت نہیں ہے، لہٰذا وہ گروہ در گروہ، جماعت در جماعت آتے اور اسلام قبول کر لیتے۔''[1]

عمرو بن سلمہ کہا کرتے تھے: ''ہم سرِ راہ ایک چشمے کے قریب رہتے تھے۔ ہمارے پاس سے قافلے گزرتے تو ہم ان سے پوچھتے: ''لوگوں کو کیا ہوا؟ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ یہ شخص کیسا ہے؟'' وہ کہتے: ''اس کا خیال ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ وہ کہتے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف یہ کلام وحی کیا ہے۔ میں وہ کلام (سن کر) یاد کر لیتا۔ وہ کلام تو گویا میرے دل میں گھر ہی کر جاتا۔''

عرب فتح مکہ تک اسلام قبول کرنے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ یہ بات کہتے تھے کہ اسے اس کی قوم کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔ اگر وہ ان پر غالب آ گیا تو سچا نبی ہے، لہٰذا جب فتح مکہ کا یہ واقعہ رونما ہو گیا تو ہر کوئی جلد از جلد اسلام قبول کر لینا چاہتا تھا۔

یہ سورت ''سورۃ التودیع'' ہے کیونکہ یہ حضرت محمد ﷺ کی وفات کے قریب آنے کی خبر دے رہی ہے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بزرگ بدری صحابہ کے ساتھ مشورہ کرتے ہوئے مجھے بھی بلا لیتے تھے۔ بعض احباب کو یہ ناگوار گزرا، لہٰذا انھوں نے کہا: ''آپ اسے ہمارے ساتھ کیوں بلا لیتے ہیں اس جیسے (کم عمر) تو ہمارے بیٹے بھی ہیں؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تم اس کی وجہ جان لو گے!'' چنانچہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمر رسیدہ صحابہ کو بلایا۔ مجھے بھی ان کے ساتھ بلا لیا۔ میں سمجھ گیا کہ ان کے سامنے

---

[1] تفسير القرطبي:20/230. [2] حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ لأبي بدر محمد بكر آل عابد:2/572.

میرے علم کا اظہار چاہتے ہیں۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''تم ﴿ إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○﴾ کے متعلق کیا جانتے ہو؟'' کچھ صحابہ نے کہا: ''جب ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت مل جائے تو ہم اس کی تعریف کریں اور اسی سے بخشش مانگیں۔'' جبکہ بعض صحابہ خاموش رہے اور کچھ بھی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: ''ابن عباس! کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟'' میں نے کہا: ''نہیں!'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''تو تم کیا کہتے ہو؟'' میں نے کہا: ''اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○﴾ ''یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اَجل کی علامت ہے۔'' اور اب آپ کو یہ کرنا ہے کہ ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ○﴾ ''چنانچہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے بخشش طلب کریں۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''میں بھی یہی سمجھتا ہوں جو تم سمجھے۔''[1]

سید قطب اس سورۂ مبارکہ سے متعلقہ بعض مطالب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دنیا کے واقعات و حوادث اور جو کچھ اس زندگی میں رونما ہوتا ہے اس کی حقیقت کے متعلق اس سورت کی ابتدا میں خاص تصور دیا گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا دعوت الی اللہ کی بابت جو عظیم کردار ہے اور یہ کہ اس میدان میں انھیں کس حد تک جانا ہے، ان امور کو اس سورت کی ابتدا میں یوں واضح کر دیا گیا: ﴿ إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○﴾

یہ وہ امداد و نصرت ہے جو اللہ تعالیٰ ہی بذات خود جیسے چاہے، مناسب وقت پر ایک خاص نتیجے کے لیے عطا فرماتا ہے۔ اس میں رسولِ گرامی قدر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے جسے وہ اپنے رسول کے ذریعے یا کسی بھی فرد کے ذریعے نافذ کر سکتا ہے۔ ہاں! البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ ان کے لیے

[1] صحيح البخاري، حديث:4970.

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص شرف ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں اسے وقوع پذیر کرا دے اور انھیں اس کی حفاظت بھی سونپ دے اور انھیں اس کا امین بھی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ کے دین میں لوگوں کے فوج در فوج داخلے کے متعلق اس فتح و نصرت میں ان کا بس یہی کردار اور حصہ ہے۔"[1]

یہ وہ گہرا ایمانی مفہوم ہے جسے قرآن پاک نے مومنوں کے دلوں میں پختہ کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ یعنی یہ غلبہ و قوت اور کسی کو استحکام عطا کر دینا اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی اکیلا زمان و مکان اور ان لوگوں کا انتخاب فرماتا ہے جن کے ہاتھوں پر نصرت و فتح جاری کرنا چاہتا ہے۔ یہ اس کا خاص فضل و کرم ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے سچے ستھرے بندوں کو نوازا ہے۔

تسخیر قلوب اور دعوتی کردار

سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام: سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے تو میں نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور اپنے بیٹے عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ میرے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے امان طلب کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ ادھر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ اپنے گزشتہ سلوک کو یاد کرتا تو مجھے نظر آتا کہ مجھ سے زیادہ برا سلوک کرنے والا اور کوئی نہ تھا۔ میں حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح پیش آیا تھا کوئی اور ایسے پیش نہ آیا تھا۔ اس روز میں نے ہی وہ مسودہ طے کیا اور مزید یہ کہ میں جنگ بدر اور احد میں بھی مسلمانوں کے مدمقابل رہا تھا۔ بلکہ جب بھی قریش کوئی دشمنانہ کارروائی کرتے میں ساتھ ہوتا۔ اس کے مقابلے میں قربان جائیے پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حلم و بردباری پر! کہ عبداللہ

[1] تفسير في ظلال القرآن لسيد قطب:3996/6.

بن سہیل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ سہیل کو امان دے دیں گے؟''

فرمایا: «نَعَمْ! هُوَ آمِنٌ بِأَمَانِ اللّٰهِ، فَلْيَظْهَرْ»

''ہاں! وہ اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان سے مامون و محفوظ ٹھہرا۔ اسے چاہیے کہ سامنے آئے۔ چھپے مت۔''

پھر آپ ﷺ نے اپنے ارد گرد بیٹھے ساتھیوں سے فرمایا: «مَنْ لَقِيَ سُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو فَلَا يَشُدَّ النَّظَرَ إِلَيْهِ، فَلْيَخْرُجْ، فَلَعَمْرِي، إِنَّ سُهَيْلًا لَّهُ عَقْلٌ وَّشَرَفٌ، وَمَا مِثْلُ سُهَيْلٍ جَهِلَ الْإِسْلَامَ وَلَقَدْ رَأٰى مَاكَانَ يُوضَعُ فِيهِ، أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لَّهُ بِنَافِعٍ!» ''جو شخص بھی سہیل بن عمرو کو ملے اس کی طرف تیز نگاہ سے بھی نہ دیکھے اور اسے چاہیے کہ باہر نکلے۔ اللہ کی قسم! سہیل تو بڑا دانا اور معزز ہے۔ سہیل جیسا (عظیم) شخص اسلام سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔ بخدا اس نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ جس کے لیے اسے دوڑ دھوپ کرائی جاتی تھی اس نے اسے کوئی نفع نہیں پہنچایا۔''

یہ سن کر عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ کی طرف گئے۔ سہیل کا کہنا ہے: ''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ سب سے بڑھ کر ایفائے عہد والے تھے۔ بچپن میں بھی اور بڑھاپے میں بھی۔'' چنانچہ اب سہیل بن عمرو عام زندگی گزار رہے تھے۔ روپوش نہیں تھے۔ سہیل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حالت کفر ہی میں حنین کی جانب نکلے بالآخر جعرانہ پہنچ کر انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔[1]

ان ترغیبی الفاظ کا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ پر بڑا اثر ہوا۔ وہ عمر بھر رسول اللہ ﷺ کی صلح پسندی اور نیکی کا تذکرہ کرتے رہے، پھر اس کے بعد وہ اسلام میں بھی داخل ہو گئے۔ اور بڑے اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ کثرت سے نیک اعمال بجا لانے والے تھے۔[2]

---

[1] المستدرك للحاكم: 3/281، والمغازي للواقدي: 2/846، 847. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 7/216، 217.

زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ اس کے بعد سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کثرت سے نماز، روزہ اور صدقہ کیا کرتے تھے۔ اپنی جماعت سمیت شام کی طرف جہاد کے لیے بھی نکلے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس قدر روزے اور تہجد کا اہتمام کیا کہ ان کا رنگ ہی بدل گیا۔ وہ قرآن پاک سن کر بہت روتے تھے۔ وہ جنگ یرموک میں لشکر کے بہت بڑے حصے کے امیر تھے۔[1]

صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''صفوان بن امیہ بھاگ کے شعیبہ[2] چلا گیا اس نے اپنے غلام یسار سے کہا: ''تیرا برا ہو! دیکھ کون نظر آ رہا ہے؟'' غلام نے کہا: ''عمیر بن وہب ہے۔'' صفوان بولا: ''اس سے میرا کیا تعلق! وہ لازماً میرے قتل کے ارادے سے آ رہا ہے۔ اس نے میرے خلاف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کی ہے۔'' اتنے میں عمیر رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچ گئے۔ صفوان نے کہا: ''اے عمیر! تم نے جو کچھ پہلے میرے ساتھ کیا وہ کافی نہ تھا؟ پہلے تم نے اپنا قرض اور بچوں کا بوجھ مجھ پر ڈالے رکھا اور اب میرے قتل کا ارادہ کیے آ گئے ہو!''

عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں تجھ پر قربان! تیرے پاس اس ہستی کا سفیر بن کر آیا ہوں جو تمام لوگوں سے نیکی اور صلہ رحمی کرنے والی ہے۔''

عمیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا: ''اے اللہ کے رسول! صفوان میری قوم کا سردار ہے۔ وہ بھاگ کر نکل گیا ہے تاکہ سمندر میں کود کر اپنے آپ کو فنا کر ڈالے۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان! اسے ڈر ہے کہ آپ اسے امان نہ دیں گے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «قَدْ أَمَّنْتُهُ» ''میں نے اسے امان دی۔'' یہ سن کر عمیر رضی اللہ عنہ اس کی تلاش میں نکل پڑے اور صفوان سے مل کر کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے امان دے دی ہے۔'' صفوان کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! ایسا ہرگز ممکن نہیں۔ میں تیرے ساتھ اس وقت تک واپس نہیں

---

1 سیر أعلام النبلاء: 190/2. 2 شعیبہ: جدہ کی طرف حجاز کے ساحل سمندر پر مکہ مکرمہ کی بندرگاہ ہے۔

جاؤں گا جب تک کہ تو کوئی ایسی نشانی لے آئے جسے میں پہچانتا ہوں۔'' چنانچہ عمیر رضی اللہ عنہ دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں صفوان کے پاس سے آیا ہوں۔ وہ بھاگ گیا ہے اور اپنے آپ کو مار ڈالنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ آپ نے اسے امان دے دی ہے مگر اس نے یہ کہتے ہوئے آنے سے انکار کر دیا ہے کہ میں اس وقت تک تیرے ساتھ نہیں جا سکتا جب تک تو کوئی ایسی نشانی نہ لائے جسے میں پہچانتا ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «خُذْ عِمَامَتِي» ''یہ میرا عمامہ لے لو۔'' عمیر رضی اللہ عنہ یہ نشانی لے کر اس کے پاس گئے۔ یہ وہی یمنی منقش چادر تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر باندھے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ عمیر اب دوبارہ چادر لیے صفوان کی تلاش میں نکلے۔ اسے مل کر کہا: ''اے ابو وہب! تیرے پاس اس شخص کی طرف سے آیا ہوں جو سب سے افضل، سب سے زیادہ رشتے داری کا خیال کرنے والا، سب سے نیک اور سب سے بڑھ کر بردبار ہے۔ اس کا شرف تیرا شرف اور اس کی عزت تیری عزت اور اس کی حکومت تیری حکومت ہے۔ وہ تمھارا اپنا ہے چنانچہ دل میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو (اور میرے ساتھ چل پڑو۔)''

صفوان نے کہا: ''مجھے ڈر ہے کہ میں قتل کر دیا جاؤں گا۔''

عمیر رضی اللہ عنہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے۔ اگر تو راضی ہو تو ٹھیک ورنہ تیرے لیے پھر بھی دو ماہ چلنے پھرنے کا موقع ہوگا۔ تجھے معلوم نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ وفادار اور صالح انسان ہیں۔ انھوں نے تیری طرف اپنی عمدہ چادر نشانی کے طور پر بھیجی ہے جسے اوڑھے ہوئے وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ تم وہ چادر پہچان لو گے؟'' صفوان نے کہا: ''ہاں۔'' عمیر رضی اللہ عنہ نے چادر سامنے کی تو صفوان بولا: ''ہاں یہ وہی چادر ہے۔'' اس (یقین دہانی) کے بعد صفوان واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں نماز عصر پڑھا رہے تھے۔ یہ دونوں

آ کر کھڑے ہو گئے۔صفوان نے دریافت کیا: ''آپ دن رات میں کتنی نمازیں ادا کرتے ہیں؟'' عمیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''پانچ نمازیں۔'' صفوان نے پوچھا: ''ساری نمازیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی پڑھاتے ہیں؟'' عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلام پھیرا تو صفوان بآواز بلند بولا: ''اے محمد! عمیر بن وہب میرے پاس آپ کی چادر لایا اور اس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ آپ نے مجھے اپنے پاس آنے کی دعوت دی ہے اور یہ بھی کہ اگر میں اسلام پر راضی ہوا تو صحیح، ورنہ پھر بھی مجھے دو ماہ معاملات کا جائزہ لینے کے لیے آنے جانے کی اجازت ہوگی!'' رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «اِنْزِلْ أَبَا وَهْبٍ!» ''اے ابووہب! سواری سے اتر آؤ۔''

صفوان نے کہا: ''اللہ کی قسم ہرگز نہیں! یہاں تک کہ بات واضح ہو جائے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «بَلْ تُسَيَّرُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ» ''دونہیں! تجھے چار ماہ (جائزہ لینے اور سوچنے کے لیے) دیے جاتے ہیں۔'' یہ سن کر صفوان سواری سے اتر آیا۔[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوازن کی طرف روانہ ہوئے تو صفوان بن امیہ بحالتِ کفر ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان کو پیغام بھیجا کہ اپنا اسلحہ اُدھار دے دو۔ اس نے ایک سو زرہیں مع سازوسامان دیتے ہوئے پوچھا: ''یہ زبردستی ہے یا بخوشی؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «عَارِيَةٌ مُؤَدَّاةٌ» ''یہ ادھار ہیں جو واپس کر دی جائیں گی۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تو یہ اسلحہ وہ حنین لے گیا۔ وہ حنین اور طائف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ واپس پہنچے۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کا جائزہ لے رہے تھے، صفوان بھی ساتھ تھا۔ اس نے دیکھا کہ ساری وادی بکریوں، اونٹنیوں اور غلاموں سے پُر ہے۔ یہ کافی دیر انھیں دیکھتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پر نگاہ

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 60/4، ودلائل النبوة للبيهقي: 46/5. [2] سنن أبي داود، حديث: 3562، ومسند أحمد: 401/3 و 465/6، والمستدرك للحاكم: 49/3، والسنن الكبرى للبيهقي: 89/6.

رکھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «أَبَا وَهْبٍ! يُعْجِبُكَ هٰذَا الشِّعْبُ؟» ''اے ابو وہب! یہ وادی تجھے اچھی لگ رہی ہے؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں۔'' ارشاد فرمایا: «هُوَلَكَ وَمَا فِيهِ» ''یہ وادی ساز و سامان سمیت تیری ہوئی۔'' صفوان بولا: ''اس طرح کی سخاوت پر ایک نبی ہی بخوشی حکم دے سکتا ہے۔'' اور پکار اٹھے: «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ» اور اس طرح انھوں نے اسی جگہ اسلام قبول کر لیا۔[1]

اس روایت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے صفوان کے دل میں اسلام کی الفت و محبت پیدا کرنا چاہی بالآخر وہ مسلمان ہو گئے۔ محبتِ اسلام پیدا کرنے کے لیے آپ ﷺ نے اسے پہلے تو امان عنایت فرمائی، پھر چار ماہ کا اختیار دیا اور اس کو ڈھیروں مال دے دیا کہ عام انسان سے اس قدر عطیہ ملنا ناممکن تھا۔ پہلے تو اسے دیگر مکی سرداروں کے ساتھ سو اونٹ عطا کیے، پھر ایک گھاٹی میں موجود تمام اونٹ اور بکریاں عنایت کر دیں۔ یہ دیکھتے اور لیتے ہوئے وہ پکار اٹھا کہ اس قدر عطیہ بخوشی صرف ایک نبی ہی دے سکتا ہے کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں۔ اور اسی جگہ اسلام قبول کر لیا۔[2]

خود صفوان آپ ﷺ کی اس سخاوت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:

''اللہ کی قسم! آپ میری نگاہ میں سب لوگوں سے زیادہ برے تھے۔ آپ ﷺ نے مجھے ڈھیروں مال دیا اور یہ سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ آپ ﷺ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے۔''[3]

عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! عکرمہ آپ کے ڈر سے یمن بھاگ گیا ہے۔ اسے ڈر ہے کہ آپ اسے قتل کر دیں گے، لہٰذا اسے امان عنایت فرمائیے۔''

[1] المغازي للواقدي: 2/853-855، وكنزالعمال، رقم: 30170. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 7/220. [3] صحيح مسلم، حديث: 2313.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هُوَ آمِنٌ» ”اسے امان ہے۔“ (یہ سن کر) ام حکیم اپنے ساتھ اپنا ایک رومی غلام لیے اس کی تلاش میں نکل پڑی۔ اس غلام نے انھیں بہکانا چاہا۔ یہ اسے حیلے بہانے عک کے ایک قبیلے تک لے آئیں اور ان کے پاس آ کر اس غلام کے خلاف مدد کی طالب ہوئیں تو انھوں نے اس غلام کو پکڑ کر اچھی طرح باندھ دیا۔

ام حکیم رضی اللہ عنہا نے تہامہ کے ایک ساحل پر عکرمہ کو ڈھونڈ لیا جو کشتی میں سوار ہو چکا تھا۔ ملاح اسے کہہ رہا تھا: ”صرف ایک رب کو پکار۔“ عکرمہ نے کہا: ”میں کیا کہوں۔“ ملاح بولا: ”کہو لا إلٰه إلا اللّٰه“ عکرمہ نے جواب دیا: ”میں اس کلمے سے تو بھاگا ہوں۔“ یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ ام حکیم رضی اللہ عنہا بھی پہنچ گئیں اور عکرمہ سے واپسی کے لیے اصرار کرتے ہوئے کہنے لگیں: ”اے میرے چچازاد! میں آپ کے پاس سب سے نیک، صلہ رحمی کرنے والے اور سب سے بہتر انسان کی طرف سے آئی ہوں۔ اپنے آپ کو تباہی میں نہ ڈالیں۔“ عکرمہ (یہ سن کر) ام حکیم کے لیے رک گیا۔ اس نے پھر کہا: ”میں محمد رسول اللہ ﷺ سے آپ کے لیے امان حاصل کر چکی ہوں۔“ عکرمہ نے (تعجب سے) پوچھا: ”کیا واقعی تو ایسا کر چکی ہے؟“ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے کہا: ”ہاں! میں نے بذات خود آپ ﷺ سے گفتگو کی تو انھوں نے آپ کو امان دے دی۔“ یہ سن کر عکرمہ ان کے ساتھ واپس آ گیا۔ عکرمہ نے ان سے غلام کی کردار کشی سن کر اسے قتل کر دیا۔ عکرمہ تاحال دولتِ اسلام سے محروم تھے۔

جب یہ دونوں مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: «يَأْتِيكُمْ عِكْرِمَةُ بْنُ أَبِي جَهْلٍ مُّؤْمِنًا، مُّهَاجِرًا، فَلَا تَسُبُّوا أَبَاهُ، فَإِنَّ سَبَّ الْمَيِّتِ يُؤْذِي الْحَيَّ، وَلَا يَبْلُغُ الْمَيِّتَ» ”تمھارے پاس عکرمہ ایمان کی حالت میں ہجرت کر کے آنے والا ہے، لہٰذا تم نے اس کے باپ کو برا بھلا نہیں کہنا۔ کیونکہ فوت شدہ کو گالی دینے سے زندہ انسان کو اذیت و تکلیف ہوتی ہے، جبکہ میت کو وہ (گالی) نہیں پہنچتی۔“ [1]

---

1 شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو موضوع کہا ہے، دیکھیے: (السلسلة الضعيفة: 505/3)

راوی کہتا ہے کہ اس دوران عکرمہ اپنی بیوی کے قریب آنے کا ارادہ کرتا تو وہ انکار کرتے ہوئے کہتی: ''تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں۔''
عکرمہ کہتا: ''جس معاملے نے تجھے مجھ سے بھی روک دیا ہے واقعی وہ کوئی بہت بڑا معاملہ ہے۔''

نبی مکرم ﷺ نے عکرمہ کو دیکھا تو اسے خوش آمدید کہتے ہوئے اس کی طرف اس طرح لپکے کہ رسول اللہ ﷺ کی چادر کندھوں سے گر گئی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے تو عکرمہ بھی آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ ان کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا بھی نقاب اوڑھے موجود تھیں۔ عکرمہ نے کہا: ''اے محمد! اس نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے؟''
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَتْ فَأَنْتَ آمِنٌ» ''اس نے سچ کہا، تم امان میں ہو۔''

عکرمہ نے کہا: ''اے محمد! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: «أَدْعُوكَ إِلٰى أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَأَنْ تُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَفْعَلَ وَتَفْعَلَ» ''میں تجھے ایک معبود کی اور اپنی رسالت کی گواہی دینے کی طرف دعوت دیتا ہوں، اسی طرح نماز ادا کرنے، زکاۃ دینے اور فلاں فلاں امور انجام دینے کی طرف بلاتا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے چند خصائل و اوصاف کا تذکرہ فرمایا جن کا اسلام میں پایا جانا ضروری ہے۔

عکرمہ نے کہا: ''آپ نے یقیناً سچی بات کہی اور اچھے معاملے کی دعوت دی ہے۔ آپ بخدا حق کی دعوت سے پہلے بھی ہم میں سب سے سچے اور سب سے نیک تھے، لہٰذا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ اس بات سے انتہائی خوش ہوئے۔ عکرمہ نے پھر عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی اچھی بات بتائیں جسے میں پڑھتا رہوں۔'' فرمایا: تو یہ پڑھ لیا کر: «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ» عکرمہ نے

پھر عرض کیا: ''اس کے بعد کیا پڑھوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: «تَقُولُ: أُشْهِدُ اللّٰهَ وَأُشْهِدُ مَنْ حَضَرَ أَنِّي مُسْلِمٌ مُّهَاجِرٌ وَّمُجَاهِدٌ» ''تم کہو: میں اللہ تعالیٰ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں مسلمان، مہاجر اور مجاہد ہوں۔''

عکرمہ نے یہی بات دہرا دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَاتَسْأَلْنِي الْيَوْمَ شَيْئًا أُعْطِيهِ أَحَدًا إِلَّا أَعْطَيْتُكَهُ» ''آج تم مجھ سے اس قسم میں سے جو کچھ مانگو گے جو میں کسی کو دے سکتا ہوں تو میں تمھیں وہ دے دوں گا۔''

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میں درخواست کرتا ہوں کہ میں نے آج تک آپ سے جو بھی دشمنی کی میرے لیے اللہ کے حضور اس کی معافی طلب کیجیے یا جس کسی راہ میں آپ کے خلاف مجھے رکھا گیا یا کسی بھی مقام پر میں آپ ﷺ کو برائی کے ارادے سے ملا ہوں یا جو کوئی بھی بات آپ ﷺ کے سامنے یا پیچھے کہی ہو تو میرے لیے اللہ سے معافی طلب کیجیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے دعا فرما دی:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَانِيهَا، وَكُلَّ مَسِيرٍ سَارَ فِيهِ إِلٰى مَوْضِعٍ يُّرِيدُ بِذٰلِكَ الْمَسِيرِ إِطْفَاءَ نُورِكَ، فَاغْفِرْلَهُ مَا نَالَ مِنِّي مِنْ عِرْضٍ فِي وَجْهِي أَوْ أَنَا غَائِبٌ عَنْهُ»

''اے اللہ! عکرمہ نے میرے ساتھ جو کوئی بھی دشمنی کی ہے یا جس کسی جگہ کی طرف بھی تیرے نور کو بجھانے کے لیے گئے ہیں تو وہ اسے معاف فرما دے۔ اور اسی طرح اس نے میرے سامنے یا پشت پیچھے میری جو بھی بے ادبی کی ہے تو اسے بھی معاف فرما دے۔''

عکرمہ نے سن کر کہا: ''اے اللہ کے رسول! میں خوش ہوں۔ میں اللہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے جس قدر خرچ کرتا تھا اس سے دوگنا اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا۔ میں اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے جس قدر لڑائی کرتا تھا اب اس سے دوگنا اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا۔'' پھر واقعی حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے جہاد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی حتی کہ (یرموک کے دن) شہادت سے ہم کنار ہو گئے۔ ان کے اسلام قبول کر لینے پر ان کی بیوی سابقہ نکاح ہی پر ان کے پاس چلی گئی۔[1]

عکرمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشفقانہ سلوک ہی انھیں اسلام کی طرف کھینچ لانے کے لیے کافی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر جلدی سے آگے بڑھے کہ چادر اوڑھنے کی بھی پروانہ کی۔ ان کے آنے پر خوشی کا اظہار فرمایا اور انھیں مرحبا کہا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: «مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ» ''خوش آمدید! اے مہاجر بن کر آنے والے۔''[2]

عکرمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہتر سلوک سے متاثر ہوئے تو مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح حضرت ام حکیم بنت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہا کا کردار بھی شاندار ہے۔ انھوں نے اپنے خاوند کے لیے پروانہ امان حاصل کیا اور اپنے آپ کو خطرات سے دوچار کر کے انھیں تلاش کرتی رہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت سے نواز دے جیسا کہ انھیں ہدایت نصیب ہو ہی گئی۔ اور جب ان کے خاوند نے ان کے نزدیک آنے کی خواہش کی تو وہ یہ کہتے ہوئے الگ رہیں کہ تم کافر ہو اور میں ایک مسلمان عورت ہوں۔ اس سلوک پر عکرمہ کے لیے اسلام کی عظمت واضح ہو گئی۔ انھوں نے یہ محسوس کر لیا کہ وہ واقعی ایک عظیم دین کے سامنے کھڑے ہیں۔ حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نے انھیں اسلام کے متعلق غور و فکر کی تحریک دی،

---

1 المغازي للواقدي: 2/851-853. 2 جامع الترمذي، حديث: 2735، والمعجم الكبير للطبراني: 7/373،374، ومجمع الزوائد للهيثمي: 9/385.

پھر انھیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے تاجِ اسلام پہنا دیا گیا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے میں سچے تھے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے (پیش کش کے باوجود) انھوں نے دنیا طلب نہ کی بلکہ صرف یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ میرے پچھلے گناہ معاف فرما دے۔ پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو قسم اٹھائی کہ وہ جاہلیت کی نسبت فی سبیل اللہ دوگنا خرچ کریں گے اور اسی طرح یہ بھی کہ اللہ کی راہ میں جاہلیت کی نسبت بڑھ چڑھ کر جنگ کریں گے۔ انھوں نے واقعی اپنا وعدہ نبھایا، چنانچہ انھوں نے مرتدین کے خلاف جنگوں میں مسلمان سپہ سالاروں اور عام مجاہدین کی نسبت زیادہ بہادری دکھائی۔ اور شام کی فتوحات میں بھی بطور سپہ سالار شامل ہوئے۔ بالآخر جنگ یرموک میں جام شہادت نوش کیا۔[1]

نبوی تواضع کی اعلیٰ مثال اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کا قبول اسلام: ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ کے قبول اسلام کا قصہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہو کر مسجد حرام میں تشریف لے گئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: «هَلَّا تَرَكْتَ الشَّيْخَ فِي بَيْتِهِ حَتّٰى أَكُونَ أَنَا آتِيهِ فِيهِ» ”بزرگ آدمی کو گھر ہی میں کیوں نہ رہنے دیا؟ میں خود وہاں جا کر ان سے مل لیتا۔“ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”زیادہ مناسب یہی تھا کہ یہ چل کر آپ کے پاس آئیں۔“ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پھر آپ ﷺ نے (میرے دادا جان) ابو قحافہ کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔ ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: «أَسْلِمْ» ”اسلام لے آؤ۔“ ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے سر کے بال بالکل سفید تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «غَيِّرُوا هٰذَا مِنْ شَعْرِهِ» ”ان کے بال رنگ دو۔“

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي:7/223-225.

پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ انھیں لے کر گھر میں داخل ہوئے۔[1]

یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے والد گرامی کے اسلام قبول کرنے پر مبارک باد بھی دی۔[2]

اس واقعے سے اسوۂ نبوی کا پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی عمر کے لوگوں کی عزت واحترام کا منہج دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ عالی اس کی تاکید کر دیتا ہے:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا، وَ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا»

''جو ہمارے بڑے کا احترام اور چھوٹے پر شفقت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''[3]

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ»

''بلاشبہ سفید بالوں والے ضعیف العمر شخص کی تعظیم، اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے ہے۔''[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی راہ میں مصائب برداشت کرنے والوں، اسلام کے لیے خرچ کرنے والوں اور پہلے اسلام قبول کرنے والوں اور ان کے عزیز و اقارب کی بھی تکریم کا حکم دیا ہے۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحم و کرم اور عفو و درگزر کا نمونہ: فضالہ بن عمیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

1 مسند أحمد: 350,349/6، وصحيح ابن حبان، رقم: 7208، والمستدرك للحاكم: 47,46/3، والمعجم الكبير للطبراني: 89,88/24، ومجمع الزوائد للهيثمي: 174,173/6، والسيرة النبوية لابن هشام: 55,54/4. 2 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 577.
3 جامع الترمذي، حديث: 1921، ومسند أحمد: 257/1، وصحيح ابن حبان، رقم: 459.
4 سنن أبي داود، حديث: 4843، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، دیکھیے: (السلسلة الضعيفة: 247/7) 5 التاريخ الإسلامي للحميدي: 195/7.

کو فتح مکہ کے وقت بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر جب نبی ﷺ اس کے قریب ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَفُضَالَةُ؟» ''کیا تم فضالہ ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''اے اللہ کے رسول! ہاں فضالہ ہوں۔'' آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «مَاذَا تُحَدِّثُ بِهِ نَفْسَكَ؟» ''تم اپنے دل میں کیا بات سوچ رہے تھے؟'' فضالہ نے کہا: ''کچھ نہیں، میں (فقط) اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا تھا۔''

راوی کہتا ہے کہ آپ ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے، پھر فرمایا: «اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ» ''فضالہ اللہ سے استغفار کرو۔'' اور ساتھ ہی اپنا دستِ مبارک اس کے سینے پر رکھ دیا۔ اس کا دل پرسکون ہو گیا۔ فضالہ کا کہنا ہے: ''اللہ کی قسم! آپ ﷺ نے دستِ مبارک میرے سینے سے اٹھایا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں آپ ﷺ سے زیادہ محبوب میرے لیے اور کوئی نہ رہا۔'' فضالہ کہتے ہیں: ''پھر میں اپنے اہل و عیال کی طرف واپس آیا۔ میں ایک عورت کے پاس سے گزرا جس سے گفتگو کیا کرتا تھا تو اس نے پوچھا: ''کوئی خبر لائے ہو تو مجھے بتاؤ۔'' میں نے کہا: ''کوئی خبر نہیں۔'' ساتھ ہی فضالہ نے یہ اشعار پڑھے:

قَالَتْ هَلُمَّ إِلَى الْحَدِيثِ فَقُلْتُ لَا   يَأْبَى عَلَيْكِ اللّٰهُ وَالْإِسْلَامُ

''اس نے کہا: ''آؤ باتیں کریں۔'' میں نے کہا: ''نہیں، اللہ تعالیٰ اور اسلام منع کرتا ہے۔''

لَوْمَا رَأَيْتِ مُحَمَّدًا وَّقَبِيلَهُ   بِالْفَتْحِ يَوْمَ تُكَسَّرُ الْأَصْنَامُ

''اگر تو محمد ﷺ اور آپ کی جماعت کو فتح مکہ کے موقع پر دیکھ لیتی جب بت ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔''

لَرَأَيْتِ دِينَ اللّٰهِ أَضْحٰى بَيِّنًا   وَالشِّرْكُ يَغْشٰى وَجْهَهُ الْإِظْلَامُ

''تو تو دیکھ لیتی کہ اللہ تعالیٰ کا دین بالکل واضح ہو گیا ہے اور شرک کے چہرے پر تاریکی چھا گئی ہے۔''

حدود اللہ میں سفارش کی حیثیت؟

حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چوری کر لی، اس کی برادری گھبرا کر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچی تا کہ سفارش کر سکیں۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ جب اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے متعلق بات کی تو آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ جب پچھلا پہر ہوا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّمَا أَهْلَكَ النَّاسَ قَبْلَكُمْ: أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»

"اما بعد: تم سے پہلے لوگوں کو اس بات نے تباہ کیا کہ جب ان میں کوئی مالدار اور وڈیرہ آدمی چوری کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی غریب چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس عورت نے اپنی توبہ کا پاس لحاظ رکھا اور اس نے نکاح کر لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کرتی تھی اور میں اس کی ضرورت رسول اللہ ﷺ سے عرض کر دیتی۔[1]

یوں امت کی تربیت کا عمل جاری رہتا ہے۔ شریعت الٰہی کے نفاذ کے سلسلے میں

[1] صحيح البخاري، حديث: 4304، وصحيح مسلم، حديث: (9)-1688.

پورے عدل و انصاف سے قریبی اور دور والے سے سلوک ہو رہا ہے۔ دونوں پر حد کے نفاذ میں کوئی اونچ نیچ نہیں ہے۔ قریش نے یہ جان لیا کہ پروردگار کی شریعت میں انھیں عام لوگوں کے مقابلے میں کوئی امتیاز حاصل نہیں۔ رب العالمین کے روبرو تمام لوگ برابر ہیں۔ شرف و عزت کے پیمانے صرف اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر سے منسلک ہو گئے۔[1]

''پناہ یا امان'' دینے کا قانون

ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالائی مکہ میں نزول فرمایا تو میرے دو دیور دوڑتے ہوئے آئے۔ وہ دونوں خاندان بنی مخزوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا ہبیرہ بن ابو وہب مخزومی کی زوجیت میں تھیں۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر (اسی وقت) میرے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے اور کہا: ''اللہ کی قسم! میں ان دونوں کو ضرور قتل کر دوں گا۔'' میں نے ان دونوں کو اندر کر کے دروازہ بند کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بالائی مکہ میں پہنچی۔ میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ٹب سے غسل فرما رہے تھے۔ اس ٹب میں آٹے کے نشان بھی نظر آ رہے تھے۔ آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے آس پاس پردے کی اوٹ کیے ہوئے تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے فارغ ہوئے تو کپڑے لے کر پہنے، پھر چاشت کی آٹھ رکعات نماز ادا کی۔ بعدازاں میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: «مَرْحَباً وَّ أَهْلًا يَّا أُمَّ هَانِئٍ! مَا جَاءَ بِكِ؟» ''خوش آمدید ام ہانی! کیسے آنا ہوا؟'' میں نے اپنے دونوں دیوروں اور ان کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تاثرات بتائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ، وَأَمَّنَّا مَنْ أَمَّنْتِ، فَلَا يَقْتُلْهُمَا»

''جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی، جسے تم نے امان دی اسے ہم نے

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 233/7، ومن معين السيرة لصالح الشامي، ص: 402.

بھی امان دی، لہٰذا علی انھیں قتل نہ کرے۔''[1]

آنکھ کا اشارہ منصب نبوت کے شایان نہیں

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مسلمان ہو کر کچھ عرصے تک کاتب وحی بھی رہا لیکن پھر مرتد ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔ وہ بھاگ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آگیا جو اس کے رضاعی بھائی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے لے کر امان کی درخواست کے لیے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ خاصی دیر تک خاموش رہے، پھر فرمایا: «نَعَمْ!» ''چلو ٹھیک ہے۔'' اس کے بعد جب وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اردگرد بیٹھے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: «أَمَا كَانَ فِيكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ يَّقُومُ إِلٰى هٰذَا حِينَ رَآنِي قَدْ صَمَتُّ فَيَقْتُلَهُ؟» ''تم میں سے کوئی بھی سمجھ دار نہ تھا کہ جس دوران میں نے کوئی جواب نہ دیا اسی اثنا میں وہ اس کی گردن اڑا دیتا۔'' صحابہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ اشارہ فرما دیتے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ النَّبِيَّ لَا يَقْتُلُ بِإِشَارَةٍ» ''نبی اشارے سے قتل نہیں کرتا۔''[2]

ایک روایت میں ہے:

«إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ أَنْ يَّكُونَ لَهُ خَائِنَةُ أَعْيُنٍ»

''آنکھ کا اشارہ (جو خیانت پر مبنی ہو) منصب نبوت کے شایان نہیں۔''[3]

ابن ہشام کہتے ہیں: ''اس کے بعد عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ بلند کردار مسلمان ثابت

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 3171، وصحيح مسلم، حديث: [1669]-(82)، 336. [2] المعجم الأوسط للطبراني، رقم: 6573، ومجمع الزوائد: 167/6، والبداية والنهاية: 296/4. [3] سنن أبي داود، حديث: 2683و4359، والسنن الكبرىٰ للنسائي: 106,105/7، وصحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 528.

ہوئے، پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے اپنے عہد خلافت میں عمّال میں شامل کیا تھا۔‘‘[1] ابن کثیر کا کہنا ہے کہ ان کی وفات فجر کی نماز پڑھنے کے بعد گھر ہی میں ہوئی تھی۔[2]

انصار سے محبت کا اعلان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی جانب گئے۔ اس پر چڑھ کر ایسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں سے بیت اللہ سامنے نظر آتا تھا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے اور حسب منشا ذکر و دعا کی۔ ادھر انصار نیچے موجود تھے۔
انھوں نے ایک دوسرے سے کہا: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر سے محبت اور اپنی قوم سے نرمی پیدا ہوگئی ہے۔ (لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہیں قیام فرمائیں گے۔)‘‘
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس دوران وحی آگئی۔ جب وحی کا نزول ہوتا تھا تو ہر کسی کو معلوم ہو جاتا اور اختتام تک کوئی بھی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نگاہ نہ اٹھاتا تھا، جب وحی مکمل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمبارک اٹھایا اور فرمایا:

«يَامَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! قُلْتُمْ: أَمَّا الرَّجُلُ فَأَدْرَكَتْهُ رَغْبَةٌ فِي قَرْيَتِهِ وَرَأْفَةٌ بِعَشِيرَتِهِ؟»

’’اے گروہِ انصار! تم نے کہا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر سے محبت اور قوم سے نرمی نے آلیا ہے؟‘‘

انھوں نے عرض کیا: ’’اے اللہ کے رسول! واقعی ہم نے ایسا ہی کہا ہے۔‘‘ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

«فَمَا اسْمِي إِذًا؟ كَلَّا، إِنِّي عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ، هَاجَرْتُ إِلَى اللّٰهِ

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 58/4. [2] البداية والنهاية: 296/4.

وَإِلَيْكُمْ، فَالْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ، وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ»

''تو پھر میرا کیا نام ہو گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اور تمھاری جانب ہجرت کی تھی۔ میرا جینا مرنا اب تمھارے ساتھ ہے۔''

یہ سن کر تمام انصار روتے ہوئے آپ ﷺ کی طرف آئے اور عرض گزار ہوئے: ''اللہ کی قسم! ہم نے جو کچھ بھی کہا صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شدید خواہش و چاہت رکھتے ہوئے کہا۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَيُصَدِّقَانِكُمْ وَيَعْذِرَانِكُمْ» ''اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمھیں اس میں سچا سمجھتے ہیں اور تمھارا عذر مقبول گردانتے ہیں۔''[1]

شاعرِ قریش عبداللہ بن زبعریٰ کا قبول اسلام

مکہ مکرمہ فتح ہوا تو عبداللہ بن زبعریٰ سہمی نجران کی طرف بھاگ گیا۔ یہ شخص اسلام سے انتہائی دشمنی کرنے والا تھا۔ اسے وہاں بھی حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار سے واسطہ پڑ گیا۔ ان اشعار میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اسے بزدلی اور راہ فرار اختیار کرنے کی عار دلائی، حسان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

لَا تَعْدِ مَنْ رَجُلًا أَحَلَّكَ بُغْضُهُ
نَجْرَانَ فِي عَيْشٍ أَحَذَّ لَئِيمِ

''ارے! ایسی جگہ کو چھوڑ کر ہرگز آگے تجاوز نہ کر، جس سے دشمنی نے تجھے نجران میں جا پھینکا ہے۔ تو وہاں ایسی زندگی میں ہے جو سب سے الگ، انتہائی گھٹیا اور غیر شریفانہ ہے۔''

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1780، ومسند أحمد: 2/539,538.

یعنی (حضرت حسان رضی اللہ عنہ دست بدعا ہیں کہ) اللہ تعالیٰ ہمارے لیے عظیم ہستی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی رکھے، یہ وہ ہستی ہیں جن سے بغض وعناد نے تجھے نجران کے علاقے میں جا پھینکا ہے۔ اے ابن زبعریٰ! اللہ تعالیٰ تجھے دائمی ذلت آمیز زندگی، اہانت آمیز سلوک اور نحوست میں رکھے۔

اس کے بعد (اشعار میں) حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے ابن زبعریٰ اور اس کی اولاد کے لیے بددعا کرتے اور غضب الٰہی کے نزول کی درخواست کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اسے ہمیشہ ہمیش بدترین عذاب اور دردناک اذیت میں مبتلا رکھے۔[1]

غَضِبَ الْإِلٰهُ عَلَى الزِّبَعْرٰى وَابْنِهِ

وَعَذَابُ سُوءٍ فِي الْحَيَاةِ مُقِيمُ

''اللہ تعالیٰ زبعریٰ اور اس کے بیٹے سے ناراض ہو جائے اور اس پر زندگی بھر دائمی عذاب مسلط رہے۔''

یہ اشعار بہت جلد ابن زبعریٰ تک بھی پہنچ گئے۔ وہ انتہائی تلملایا۔ معاملات کا کئی کئی بار جائزہ لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا، چنانچہ اس نے اسلام میں داخل ہونے کا پختہ ارادہ کر لیا اور مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اسلام قبول کر لینے کا اعلان کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اسلام کے متعلق میں نے عداوت کا جس طرح بھی اظہار کیا اس کی معافی کی دعا فرمائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الْإِسْلَامَ يَجُبُّ مَاقَبْلَهُ»

''بلاشبہ اسلام سابقہ تمام کوتاہیوں کو ختم کر دیتا ہے۔''[2]

---

[1] الصحابي الشاعر عبدالله بن الزبعرى لمحمد كاتبي، ص: 92. [2] المغازي للواقدي: 848/2.

رسول اللہ ﷺ نے ابن زبعریٰ کو اپنے قریب کر لیا، اس سے محبت بھرا سلوک فرمایا، پھر اسے ایک سوٹ بھی عنایت فرمایا۔[1]

مورخین نے بالاتفاق ذکر کیا ہے کہ ابن زبعریٰ نے اسلام قبول کر لینے کے بعد بہت زیادہ اور بہت عمدہ اشعار کہے جن میں وہ رسول اللہ ﷺ سے معذرت کے آرزومند بھی رہے۔''[2]

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن زبعریٰ کے مدحت رسول ﷺ کی بابت اشعار خاصی تعداد میں ہیں۔

الاصابہ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ پھر انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور نبی مکرم ﷺ کی مدح کی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک سوٹ دینے کا حکم دیا۔[3]

امام قرطبی کا بیان ہے کہ یہ بڑے عمدہ شاعر تھے۔ ان کے مدحت رسول ﷺ میں بڑی تعداد میں ایسے اشعار ہیں جن کے ذریعے وہ حالت کفر میں کہے ہوئے اشعار کو منسوخ کرتے ہیں۔[4]

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ اسلام کے بڑے بڑے دشمنوں میں سے ایک تھا اور ان شعراء میں سے تھا جنھوں نے اپنی پوری ہمت وقوت مسلمانوں کی مذمت میں صرف کر دی، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام کی طرف جھکاؤ کی توفیق بخشی اور توبہ قبول فرما کر اس پر احسان وانعام فرمایا۔ اس پر یہ احسان بھی فرمایا کہ قبولِ اسلام کے بعد یہ اسلام کی نصرت و حمایت کے ساتھ ساتھ اس پر اٹھنے والے اعتراضات کا دفاع کرتے رہے۔[5]

ابن زبعریٰ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی مدح سرائی میں بہت سے اشعار کہے، اسی طرح قبول اسلام سے قبل اسلام دشمنی اور قبولِ اسلام میں تاخیر پر ندامت کی بابت بھی

---

1 الأعلام للزركلي: 87/4، والإصابة لابن حجر: 308/2. 2 الصحابي الشاعر عبدالله بن الزبعرى، ص: 97. 3 الإصابة: 308/2. 4 تفسير القرطبي: 407/6. 5 البداية والنهاية: 308/4.

اشعار کہے۔ ان اشعار میں سے چند ایک کا ترجمہ قارئین کے پیشِ خدمت ہے:

''ایسی تاریک و سیاہ رات جس میں تاریکیاں تہ بہ تہ تھیں، طرح طرح کے وساوس اورغموں نے میری نیند اُڑا دی۔''

''اس کے باعث کہ مجھے یہ خبر پہنچی تھی کہ احمد مصطفیٰ ﷺ نے میری مذمت و ملامت کی ہے، وہ رات میں نے بیداری میں گزاری۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھے بخار ہو رہا ہے۔''

''اے ان لوگوں میں سے سب سے اعلیٰ ہستی جنھیں کسی مضبوط، تیز رفتار مناسب اعضاء والی اونٹنی نے اپنے اوپر بٹھایا ہے،یعنی اعلیٰ اور تیز رفتار اونٹوں پر سوار ہونے والوں میں سے اعلیٰ شخصیت، عربوں میں سے اعلیٰ ہستی!''

''میں آپ سے اپنی اس کوشش پر معذرت خواہ ہوں جس کا تانا بانا (الفاظ و معانی) میں نے خود ہی گھڑا اور دراصل میں اس وقت (جب یہ اشعار کہے) گمراہی میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔''

''یہ ان دنوں کی باتیں ہیں جب ایک طرف مجھے قبیلہ سہم کے لوگ گمراہ کن نظریات پر آمادہ کرتے تھے تو دوسری طرف قبیلہ مخزوم کے لوگ گمراہ کن عقائد پر ابھارتے تھے۔''[1]

غزوۂ فتح مکہ سے ماخوذ احکامِ شرعیہ

فتح مکہ کے دوران کئی ایک شرعی مسائل واضح ہو گئے، چند ایک حسب ذیل ہیں:

(ا) مسافر رمضان میں روزہ رکھ بھی سکتا ہے اور افطار بھی کر سکتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ سے لشکر کی روانگی کے موقع پر روزہ رکھا تھا اور کدید پہنچ کر افطار کر دیا۔[2]

[1] البداية والنهاية: 4/307، 308. [2] السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 574.

(ب) رسول اللہ ﷺ نے چاشت کی ہلکی پھلکی آٹھ رکعات ادا فرمائیں۔[1]

(ج) مسافر چار رکعات والی نماز کو قصر کرے گا۔ نبی مکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں انیس (19) دن قصر کرتے رہے۔[2]

(د) متعہ تین دن کے لیے مباح کیا گیا اور اس کے بعد ہمیشہ کے لیے حرام ہو گیا۔[3]

امام نووی کا خیال ہے کہ متعہ دو مرتبہ حلال اور دو ہی مرتبہ حرام ہوا ہے۔[4]

فتح خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا اور فتح خیبر کے دن حرام کر دیا گیا، پھر فتح مکہ کے موقع پر حلال ہوا اور دوسری مرتبہ ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا۔ جبکہ امام ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ متعہ فتح خیبر کے موقع پر حرام نہیں کیا گیا بلکہ صرف فتح مکہ کے موقع پر حرام ہوا۔[5]

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے جہاں غزوۂ خیبر اور غزوۂ فتح مکہ کے واقعات سے فقہی مسائل کا استنباط کیا ہے وہاں اس مسئلے (حرمت متعہ) پر سیر حاصل بحث اور ائمہ کرام کے خیالات و نظریات کا جائزہ لیا ہے۔

بہر حال اس بات پر اتفاق ہے کہ فتح مکہ کے بعد متعہ ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا۔[6]

(ہ) رسول اللہ ﷺ نے طے فرما دیا کہ بچہ بستر والے کا ہوتا ہے اور زنا کرنے والے کے لیے پتھر ہیں۔ جس طرح کہ زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کے متعلق یہ بات حدیث میں وارد ہے۔ اس کے متعلق حضرت سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ نے جھگڑا کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق فیصلہ فرمایا کہ یہ عبد بن زمعہ کا ہے کیونکہ وہ عبد بن زمعہ کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔[7]

(و) تہائی مال سے زائد کی وصیت جائز نہیں، جیسا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے قصے سے

---

1 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 574. 2 المجتمع المدني للدكتور العمري، ص: 185. 3 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 575. 4 شرح النووي: 181/9.
5 زاد المعاد: 3/343-345 و459-464. 6 السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 575.
7 صحيح البخاري، حديث: 4303.

ظاہر ہے۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں بیمار ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔[1]

مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی اقامت گاہ

رسول اللہ ﷺ نے ''حجون'' میں قیام فرمایا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں قریش نے بنو ہاشم اور مسلمانوں سے قطع تعلقی کا معاہدہ کیا تھا۔ جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا کہ کیا آپ اپنے گھر میں تشریف فرما ہوں گے؟ تو فرمایا:

«وَهَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مِّنْ رِّبَاعٍ أَوْ دُوْرٍ؟»

''کیا عقیل نے ہمارے لیے رہنے کو کوئی گھر چھوڑا ہے؟''[2]

رسول اللہ ﷺ واضح طور پر فرما رہے تھے: «لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ»

''مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔''[3]

عقیل اور اس کا بھائی طالب ابو طالب کے وارث ہوئے تھے تو عقیل نے تمام گھر فروخت کر دیے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کی بنا پر وارث ہی نہ ٹھہرے تھے کیونکہ ابو طالب نے حالت کفر میں وفات پائی تھی۔[4]

فتح مکہ کے نتائج

فتح مکہ کے متعدد نتائج تھے:

① مکہ مکرمہ اب کفار کی دسترس سے نکل کر مسلمانوں کی عملداری میں آ گیا تھا، چنانچہ اس طرح حنین اور طائف میں شرک کے گڑھ کا خاتمہ کرنے اور پھر اس کے بعد سارے جہان

[1] المجتمع المدني للدكتور العمري، ص: 186. [2] صحيح البخاري، حديث: 1588، وصحيح مسلم، حديث: 1351. [3] صحيح البخاري، حديث: 6764، وصحيح مسلم، حديث: 1614، والسيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 482/2. [4] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 482/2.

سے اسے ختم کرنے کا موقع میسر آ گیا۔

② جزیرۃ العرب میں مسلمان سب سے بڑی قوت بن کر ابھرے۔ اور فتح مکہ کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی امید بر آئی کہ قریش کو اسلام قبول کر لینا چاہیے۔ مسلمان جزیرۃ العرب میں ایک ایسی قوت کے طور پر ابھر کر سامنے آئے جس کے سامنے کوئی قبائلی قوت ٹھہر نہ سکتی تھی، جبکہ اس میں اتنی قوت تھی کہ سارے عرب کو اسلام کے پرچم تلے جمع کر لے اور آس پاس کے علاقوں تک رسائی حاصل کرے۔ تاکہ ظلم کی حکومتوں کو مٹایا جاسکے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو آزادی سے ہمکنار کیا جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو کر اس اکیلے معبود کی عبادت کریں۔[1]

③ اس فتح کے دینی، سیاسی اور معاشرتی اثرات تھے۔ جو شخص بھی اس مبارک فتح کو گہری نظر سے دیکھے گا اسے وہ اثرات واضح طور پر نظر آئیں گے۔ معاشرتی اثرات تو اس طرح سامنے آئے کہ رسول گرامی ﷺ نے لوگوں سے انتہائی نرمی کا سلوک کیا اور ان کی راہنمائی کی تاکہ ان کی خود اعتمادی بحال ہو اور جس نئی صورتِ حال نے ان کے شہر پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اس پر بھی انھیں یقین آجائے۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ چھوڑتے وقت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہیں رکھا تھا تاکہ وہ نماز پڑھائیں اور دین کے مسائل بتائیں۔

رہے سیاسی اقدامات تو رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ پر حضرت عتاب بن اَسید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا تاکہ وہ لوگوں میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کریں، کمزور کو اس کا حق دلائیں اور ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد وحمایت کریں۔[2]

فتح مکہ کے دینی اثرات یوں مرتب ہوئے کہ فتح مکہ اور اس شہر کے اسلامی قلمرو میں

---

[1] قيادة الرسول ﷺ السياسية والعسكرية لأحمد عرموش، ص: 129. [2] تأملات في سيرة الرسول ﷺ لمحمد السيد الوكيل، ص: 466.

شامل ہونے سے تمام عرب کو یقین آ گیا کہ اسلام ہی (انسانوں کے لیے) اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، چنانچہ اب وہ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔[1]

④ مومنوں کو باوقار جگہ دینے کے متعلق اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا۔ تمام مراحل طے کر لیے گئے۔ اور اس کے لیے اہل ایمان نے گراں قدر قربانیاں دے کر تمام شرائط پوری کر دی تھیں، مثلاً: آزمائش کا سامنا کرنا، مزاحمت کا طریقہ اختیار کرنا، رفتہ رفتہ استحکام اور قوت حاصل کرنا، دلوں میں انقلاب برپا کرنا اور تمام اسباب اختیار کر لینا۔

ہم یہاں وہ تعجب خیز منظر نہیں بھول سکتے کہ ایک طرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مکہ کے سنگریزوں پر، وادیوں میں، بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑے «أحد أحد» پکارنا اور آج ان کا کعبۃ اللہ کی چھت پر چڑھنا اور حلاوت ایمانی سے اپنی سریلی آواز میں اذان کہنا کتنا بڑا انقلاب تھا۔

[1] تأملات في سيرة الرسول ﷺ لمحمد السيد الوكيل، ص:264.

غزوۂ حنین و طائف 8ھ

باب: 1 اسباب و واقعات اور نبوی منصوبہ بندی

باب: 2 لوگوں سے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی دور اندیشی

باب: 3 اسباق، عبرتیں اور فوائد

باب: 4 تبوک سے قبل اہم واقعات

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ
وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ
الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ○

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کی لڑائی والے دن بھی۔ جبکہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا لیکن اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہو ئی پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔“

(التوبۃ 9:25)

باب 1

اسباب و واقعات اور نبوی منصوبہ بندی

مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور قریش نے اطاعت قبول کر لی تو ہوازن اور ثقیف کے کان کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے باہم مشورہ کیا کہ اب محمد (ﷺ) ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لیے فارغ ہو چکے ہیں، لہٰذا ان کے جنگ مسلط کرنے سے پہلے ہی ہم ان سے جا لڑیں۔ اس پر اتفاق کر لینے کے بعد انھوں نے مالک بن عوف نصری کو اپنا سپہ سالار مقرر کر لیا۔ کعب اور کلاب کے سوا تمام ہوازن، ثقیف اور بنو ہلال اکٹھے ہو گئے۔ ان کے ہمراہ مشہور جنگجو، بہادر اور صائب الرائے درید بن صمہ بھی تھا۔ اگرچہ اب وہ شدید بڑھاپے کی بنا پر صرف رائے ہی دے سکتا تھا۔

مالک بن عوف کی رائے تھی کہ بال بچے اور تمام جانور ساتھ لے چلیں تاکہ بھاگنے کا تصور ہی نہ رہے۔ اس کا خیال جب درید بن صمہ کو معلوم ہوا تو اس نے دریافت کیا: ''وہ کس لیے؟''

مالک بن عوف نے کہا: ''میں چاہتا ہوں کہ ہر آدمی کی پشت پر اس کے ڈھور ڈنگر اور گھر بار ہو۔ وہ ان کی حفاظت کے لیے جان لڑائے۔'' درید نے کہا: ''تم تو بخدا چرواہے ہو، شکست خوردہ کو بھلا کوئی روک سکتا ہے؟ کیونکہ اگر فیصلہ تمھارے حق میں ہوتا ہے تو بھی صرف ایک شخص اپنی تلوار اور نیزے کے ساتھ ہی تیرے کام آ سکتا ہے لیکن اگر معاملہ الٹ ہو جاتا ہے اور تم مغلوب ہوتے ہو تو تب تم اپنے مال اور اہل و عیال سمیت رسوا ہو

جاؤ گے!!'' مگر اس نے درید کا مشورہ تسلیم نہ کیا۔[1]

اسلامی سپاہ کی پیش قدمی

مسلمان پانچ شوال کو حنین کی جانب روانہ ہوئے اور دس شوال شام کو وہاں پہنچ گئے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے نکلتے وقت حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا امیر مقرر کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا۔ ہوازن اور ثقیف کی تعداد دوگنا یا اس سے بھی زیادہ تھی۔ چند نومسلموں نے اسلامی لشکر کا جائزہ لیا تو کہنے لگے: ''آج ہم ہرگز شکست نہیں کھا سکتے کیونکہ ہماری تعداد زیادہ ہے۔'' یوں ان کے دلوں میں غرور آ گیا۔[3]

ہوازن اور ثقیف کے سپہ سالار کا جنگی منصوبہ

مالک بن عوف نے جنگی منصوبے پر کئی پہلوؤں سے مکمل تیاری کی تھی، چند پہلو درج ذیل ہیں:

لشکر کے حوصلوں کو بلند کرنا: مالک بن عوف لشکر میں ثابت قدمی اور بہادری دلانے کے لیے کھڑا ہوا اور لشکر سے یوں مخاطب ہوا: ''آج تک محمد (ﷺ) نے کسی سے جنگ ہی نہیں کی۔ یہ ناتجربہ کار لوگوں پر اچانک حملہ آور ہو جاتا اور اس طرح ان پر فاتح بن بیٹھتا رہا ہے۔''

مالک بن عوف نے تمام جنگجوؤں کی اولاد اور ڈھور ڈنگر ان کی پشت پر لا اکٹھے کیے۔ سپہ سالار نے حکم دیا کہ تمام جنگجوؤں کی بیویاں، بچے اور مال ان کی پشت پر جمع کر دیے جائیں۔ اس منصوبے سے اس کا مقصد لڑنے والوں کو بہادری اور ثابت قدمی پر ابھارنا تھا کہ دشمن کے سامنے ڈٹ جائیں۔ کیونکہ لڑنے والا جب یہ سوچے گا کہ اس کا قیمتی اور

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 88/4، والسيرة النبوية لأبي شهبة: 467/2. [2] الطبقات لابن سعد: 150/2. [3] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 497/2.

غزوہ حنین (شوال 8ھ / فروری 630ء)
﴿ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا ﴾
"اور حنین کے دن (بھی) جب کہ خوش فہمی میں ڈال دیا تھا تم کو تمہاری کثرت نے پس نہ کام آئی وہ تمہارے کچھ بھی۔" (التوبة 25:9)
اردن
عراق
فارس (ایران)
نجد
خلیج فارس
خلیج عمان
عمان
جزیرہ نمائے عرب
سوڈان
بحیرۂ احمر (قلزم)
اریٹیریا
یمن
بحیرۂ عرب
حبشہ
خلیج عدن
اندرونی چھوٹا چوکھٹا بڑے نقشے کی حدود کو اور بڑا چوکھٹا دائیں طرف چھوٹے نقشے کی حدود کو ظاہر کرتا ہے۔
جعرانہ
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
بحیرۂ احمر
100
50
0
کلومیٹر
طائف کا راستہ
مضیق
مشرکوں کی حنین کی طرف پیش قدمی
زیمہ
مسلمانوں نے ہوازن کا تعاقب کیا
مسلمانوں نے ہوازن کا تعاقب کیا
وادیِ اوطاس
جعرانہ
مال غنیمت کی منتقلی
شرائع
وادی حنین
اسلامی لشکر کی حنین کی طرف پیش قدمی
وادی حنین میں مشرکوں کی کمین گاہ
بنو ثقیف کی طائف کی طرف واپسی
مکہ مکرمہ
نقشہ: 21
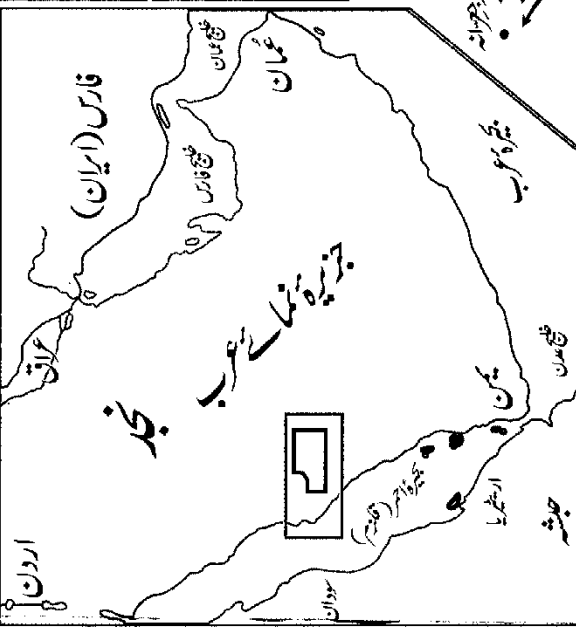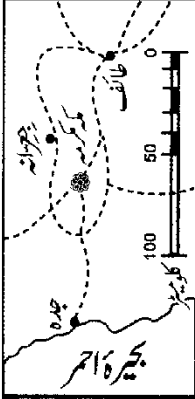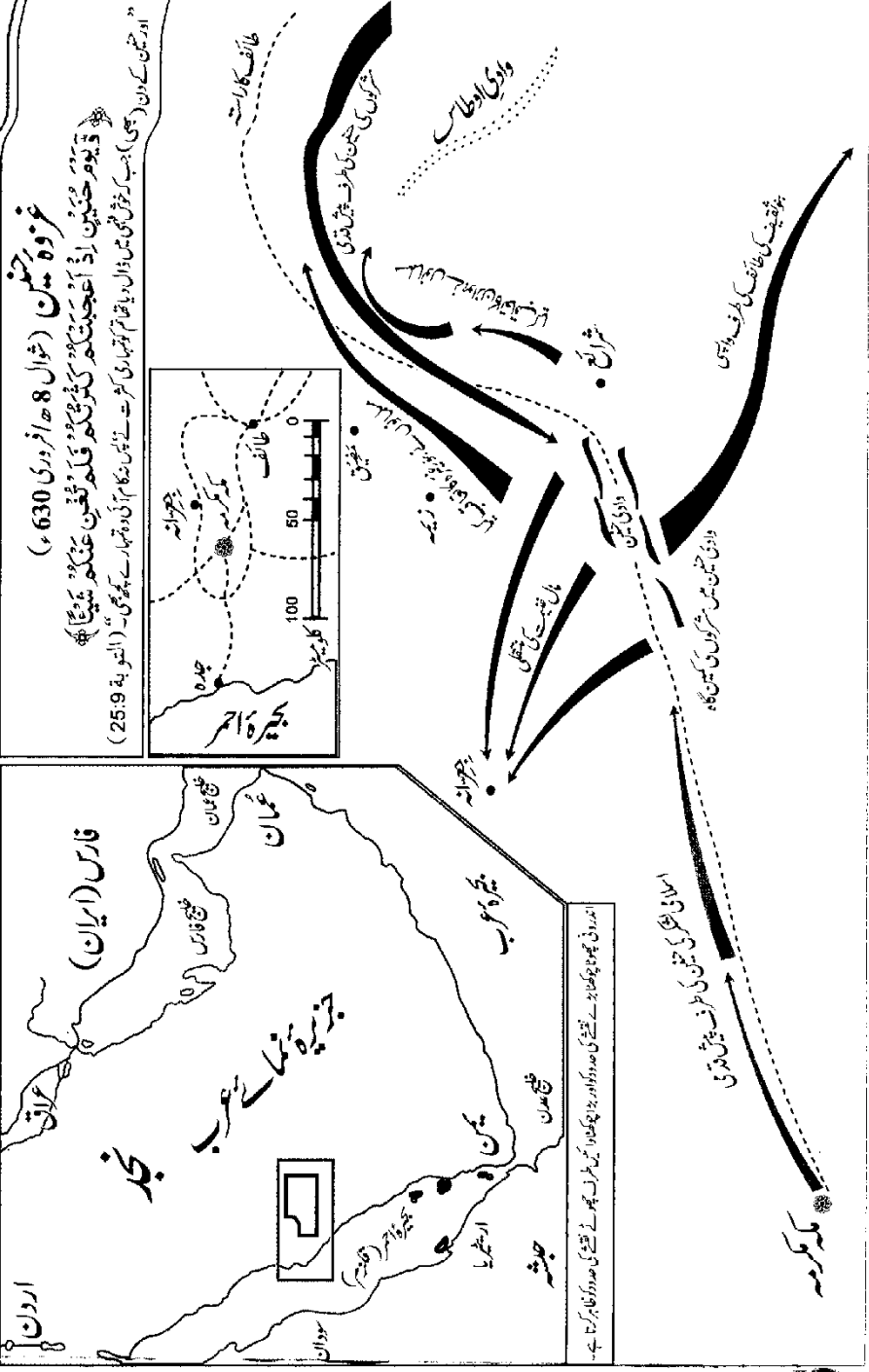
معزز سرمایہ تو اس کے ہمرکاب ہے تو اس طرح میدان جنگ میں انھیں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنا گراں ہوگا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نے مکہ فتح کر لیا تو حنین کی جانب جہاد کے لیے نکل پڑے۔ مشرک خوب صفیں باندھ کر آئے۔ پہلے گھڑ سواروں کی صف، پھر پیدل لڑنے والوں کی صف، اس کے پیچھے عورتوں کی صف لگائی گئی پھر بکریوں اور اس کے بعد چوپاؤں کی صف۔[1]

تلواریں ننگی کرنا اور ان کے میان توڑ دینا: عرب کی عادت تھی کہ لڑائی سے پہلے تلواروں کے میان توڑ دیتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ لڑنے والا مخالف کے سامنے فتح یا موت تک لڑتا رہے گا۔ مالک بن عوف نے یہی بات سامنے رکھتے ہوئے تمام لشکر کو میان توڑنے کا حکم دے دیا۔ اس کا کہنا تھا: ''جب دشمن پر تمھاری نگاہ پڑے تو دیکھتے ہی میان توڑ دو اور ان پر یکبارگی ٹوٹ پڑو۔''[2]

مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے کے لیے کمین گاہوں کی تیاری: مالک بن عوف کے پاس میدان جنگ کی معلومات تھیں۔ اس نے زمینی ہتھیار کو بھی استعمال کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے تجربہ کار شاہسوار کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اسلامی لشکر کے لیے کمین گاہوں کا انتخاب کیا۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی کرم نوازی نہ ہوتی تو اس کی یہ چال مسلمانوں کا صفایا کر دیتی۔

مسلمانوں پر حملہ کرنے کا فیصلہ: لشکر ہوازن کے سپہ سالار کو اندازہ تھا کہ فتح آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے کو نصیب ہوتی ہے۔ دفاع کرنے والا عموماً کمزوری دکھاتا ہے۔ اس نے پہلے خود حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس چال نے کچھ وقت تک اسے پورا پورا

---

1. صحيح مسلم، حديث: (136)-1059. 2 مجمع الزوائد للهيثمي:6/179,180، والمستدرك للحاكم:3/48,49.

فائدہ دیا۔ مگر بعد میں بفضل الٰہی قوت کے پیمانے بدل گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ثابت قدمی دکھائی تو مسلمانوں نے دوبارہ مڑ کر ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور دشمن پر غالب آ گئے۔[1]

مسلمانوں کے خلاف نفسیاتی جنگ کا حربہ: اہل ہوازن کی جنگی چالوں میں دلوں پر اثر کرنے والی نفسیاتی چال بھی شامل تھی۔ اس نے مسلمانوں کے دلوں پر رعب طاری کرنے کے لیے نفسیاتی جنگ کا سہارا لیا۔ اس نے میدان جنگ میں لائے گئے ہزاروں اونٹوں پر عورتیں سوار کر دیں۔ دیکھنے والا سمجھتا کہ لشکر کے پیچھے مزید ایک لاکھ جنگجو بھی ہیں، حالانکہ حقیقت ایسی نہ تھی۔[2]

ٹڈی دل لشکر کو روکنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی منصوبہ بندی

رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ ہوازن جنگ پر آمادہ ہیں تو آپ ﷺ نے درج ذیل منصوبہ بنایا:

لشکر کی مکمل معلومات: عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو ہوازن کی یقینی اور مکمل خبر لانے کو بھیجا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ وہاں گئے۔ ان میں ایک دو دن قیام کیا اور واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو سب کچھ بتایا۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے حکم پر گئے اور واپس آ کر ان کی خبریں آپ ﷺ کو بتائیں مگر وہ فرائض کی ادائیگی صحیح طور پر نہ کر سکے۔ انھیں چاہیے تھا کہ ان کے ساتھ گھل مل جاتے اور وہ مسلمانوں کے خلاف جو منصوبہ بنا رہے تھے اسے دیکھتے، سنتے اور رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دیتے۔ ان کا فرض تھا کہ ان مقامات پر نگاہ ڈالتے جن پر وہ لوگ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ (چونکہ ایسا نہ ہوا) لہٰذا مسلمانوں کو نشیبی جگہوں پر کمین گاہوں سے اچانک واسطہ پڑا۔ وہیں سے انھوں نے مسلمانوں پر تیروں کی بارش کر دی جس کے نتیجے میں

---

1 القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص: 252. 2 غزوة حنين لمحمد أحمد باشميل، ص: 128-131.

ابتدائی طور پر مسلمانوں کو شکست کا سامنا ہوا۔ ابتدائی ہزیمت میں ان کمین گاہوں کے متعلق عدم معرفت اہم سبب ثابت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے دشمن کے متعلق چھوٹی بڑی معلومات حاصل کرنے کے لیے پوری کوشش فرمائی تا کہ اس کی روشنی میں دشمن کے مقابلے کے لیے مناسب جنگی کارروائی اور منصوبہ بندی کر سکیں۔[1]

اسلامی لشکر کی تیاری: رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لیے نکلتے وقت دس ہزار کا لشکر تیار فرمایا۔ اب دو ہزار نئے مسلمان بھی ساتھ مل گئے۔ اس طرح اسلامی لشکر 12000 کی تعداد کو پہنچ گیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حنین کے دن ہوازن اور غطفان اپنی اولادیں اور جانور سب لے کر آ گئے۔ ادھر آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کے علاوہ دو ہزار نو مسلم بھی مل گئے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے لشکر کو مسلح کرنے کے لیے اپنے چچا زاد نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے تین ہزار نیزے اور صفوان بن امیہ سے زرہیں طلب کیں۔ اور واپسی کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ نوفل اور صفوان ابھی تک شرک پر قائم تھے۔ صفوان بن یعلی بن امیہ اپنے باپ یعلیٰ سے اور وہ نبی مکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے کہا: «إِذَا أَتَتْكَ رُسُلِي فَأَعْطِهِمْ۔ أَوْقَالَ: فَادْفَعْ إِلَيْهِمْ۔ ثَلَاثِينَ دِرْعاً وَّثَلَاثِينَ بَعِيرًا أَوْ أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ» ”میرے بھیجے ہوئے آدمی جب تمھارے پاس آئیں تو انھیں تیس زرہیں اور تیس یا اس سے کم وبیش اونٹ دے دینا۔“ اس نے پوچھا: ”اے اللہ کے رسول! کیا یہ اسلحہ عاریتاً لینا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ!» ”ہاں۔“[3]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ سے حنین کے دن زرہیں

---

1 القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص: 369. 2 صحيح مسلم، حديث: (135)-1059. 3 سنن أبي داود، حديث: 3566، والسنن الكبرىٰ للنسائي، حديث: 15744، ومسند أحمد: 4/222.

عاریتاً طلب فرمائیں تو وہ بولا: ''محمد (ﷺ)! کیا آپ یہ اسلحہ غصب کرنے کی غرض سے لینا چاہتے ہیں۔'' فرمایا: «لَا، بَلْ عَارِيَةٌ مَّضْمُونَةٌ» ''نہیں! بلکہ عاریتاً ضمانت پر لیں گے، پھر اسے واپس کر دیں گے۔'' راوی کے بقول جنگ کے موقع پر عاریتاً لیے ہوئے اسلحے میں سے کچھ گم ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے گم شدہ اسلحے کا معاوضہ صفوان کو دینا چاہا تو اس نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آج مجھے مال سے زیادہ اسلام سے رغبت ہے۔''[1]

امام ابوداود کہتے ہیں کہ یہ اسلحہ اس نے اسلام قبول کرنے سے پہلے عاریتاً دیا تھا، پھر بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا۔[2]

میدانِ جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی ثابت قدمی اور اس کے اثرات: ہوازن مسلمانوں سے پہلے وادی حنین میں پہنچ گئے۔ انھوں نے میدانِ جنگ میں من پسند جگہیں قبضے میں کر لیں اور اپنے جنگی دستے وہاں کی وادیوں، گھاٹیوں اور درختوں میں پھیلا دیے۔ منصوبہ یہ تھا کہ مسلمان وادی حنین کی نشیبی جگہ پر اتریں تو ان پر اچانک تیروں کی موسلا دھار بارش برسا دیں، چنانچہ جب مشرکین نے ہر طرف سے اچانک تیروں کی بارش کر دی تو مسلمانوں کی صفیں منتشر ہو گئیں اور حالات دگرگوں ہو گئے۔ اس اچانک اور ناگہانی آفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر کا بڑا حصہ شکست کھا کر بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ ہر کوئی اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔ اب میدان میں مشرکوں کے حملوں کا نشانہ صرف رسول اللہ ﷺ اور چند ایک مسلمان تھے۔

اس خوفناک منظر کا بیان ہم رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے سنتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حنین کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ میں اور ابوسفیان بن حارث آپ ﷺ سے جدا نہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت ایک سفید خچر پر سوار تھے۔

[1] سنن أبي داود، حديث: 3562، ومسند أحمد: 465/6، والمستدرك للحاكم: 49/3، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 89/6. [2] سنن أبي داود، حديث: 3563.

مسلمانوں اور کافروں کا جب آمنا سامنا ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے مگر رسول اللہ ﷺ خچر کو کافروں کی طرف ایڑ لگا رہے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا اور اسے روک رہا تھا کہ تیز نہ چلے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَيْ عَبَّاسُ! نَادِ أَصْحَابَ السَّمُرَةِ» ''اے عباس! بیعت رضوان والوں کو پکارو۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز نہایت بلند تھی۔ انھوں نے بلند آواز سے کہا: ''کہاں ہیں موت پر بیعت کرنے والے؟'' یہ سنتے ہی اللہ کی قسم! وہ ایسے لوٹے جیسے گائے اپنے بچوں کے پاس بھاگتی ہوئی پلٹتی ہے۔ اور کہنے لگے: ''ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں۔'' پھر وہ کفار سے لڑنے لگے، پھر انصار کو یوں بلایا: ''اے انصار کے لوگو! اے انصار کی جماعت!'' پھر پکار بنو حارث بن خزرج تک محدود ہوگئی۔ اب رسول اللہ ﷺ نے اپنے خچر پر بیٹھ کر میدان جنگ کی جانب دیکھا اور فرمایا: «هٰذَا حِينَ حَمِيَ الْوَطِيسُ»

''یہ وقت ہے تنور کے جوش مارنے کا (اب جنگ خوب گرما گرمی سے ہو رہی ہے۔)''[1]

حنین کے دن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کی کئی طرح سے مدد فرمائی:

- آسمان سے فرشتوں کا اترنا۔
- رعب و دبدبہ کا نزول۔[2]
- کنکریوں کی دو مٹھیوں اور مٹی کا دشمن کی آنکھوں میں اثر انداز ہونا۔

کنکریاں اور مٹی وہ مادی اسلحہ تھا جس کے ذریعے حنین کے دن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی مدد فرمائی۔ کنکریوں اور مٹی کی وہ دو مٹھیاں جنھیں آپ ﷺ نے مشرکوں

---

1 صحيح مسلم، حديث: 1775، والمصنف لعبدالرزاق:5/380,379، والسيرة النبوية لابن هشام:4/87. 2 صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص:559.

کے چہروں پر پھینکا۔ ان میں سے ہر کوئی اس کا اثر محسوس کرنے لگا اور بالآخر یہی ان کی شکست کا سبب بنیں۔[1]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کنکریاں پکڑیں اور انھیں کفار کے چہروں کی جانب پھینکتے ہوئے فرمایا: «اِنْهَزَمُوا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ!» ''محمد کے رب کی قسم! کافر شکست کھا گئے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دیکھنے لگا تو جنگ ابھی پہلی حالت ہی پر جاری تھی۔ مگر اللہ کی قسم! جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف کنکریاں پھینکیں تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ان کا زور ٹوٹ گیا اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔[2]

اوطاس اور طائف کی طرف بھاگنے والوں کا تعاقب

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی لڑائی سے فارغ ہوئے تو ابو عامر کو لشکر دے کر اوطاس کی جانب بھیجا۔ ان کی درید بن صمہ سے مڈھ بھیڑ ہوئی۔ درید مارا گیا اور اس کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے شکست دی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابو عامر کے ساتھ روانہ کیا۔ ابو عامر کے گھٹنے پر ایک جشمی کا تیر لگا جو اس جگہ پیوست ہوگیا۔ میں نے ان کے پاس پہنچ کر پوچھا: ''چچا جان! یہ تیر آپ کو کس نے مارا؟'' انھوں نے کہا: ''فلاں شخص نے مجھے قتل کرنے کے لیے تیر مارا ہے۔'' میں نے اس شخص کا پیچھا کیا اور اس سے جا ملا۔ اس نے جو مجھے دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا۔ میں اس کے پیچھے ہولیا اور اسے کہتا جا رہا تھا: ''او بے حیا! کیا تو ٹھہرتا نہیں۔'' تو وہ رک گیا۔ پھر میرا اس سے مقابلہ ہوا۔ اس نے بھی وار کیا، میں نے بھی وار کیا، آخر میں نے اسے مار ڈالا۔ میں نے واپس آ کر ابو عامر کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے

---

1 القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص: 259. 2 صحيح مسلم، حديث: 1775.

آپ کے قاتل کو مار دیا ہے۔ ابو عامر کہنے لگے: ''اب یہ تیر نکال دو۔'' میں نے وہ تیر نکالا تو وہاں سے پانی نکلا (نہ کہ خون۔) ابو عامر نے کہا: ''اے میرے بھتیجے! رسول اللہ ﷺ کو میری طرف سے سلام کہنا اور عرض کرنا: ''میرے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔'' اور ابو عامر نے مجھے لوگوں کا امیر بنا دیا۔ تھوڑی دیر زندہ رہنے کے بعد وہ فوت ہو گئے۔ جب میں لوٹ کر آیا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا۔ آپ ﷺ خیمے میں بان کی چار پائی پر تشریف فرما تھے۔ آپ کی پیٹھ اور پسلیوں پر چارپائی کے بان کا نشان تھا۔ میں نے اپنا سارا قصہ بیان کیا، ابو عامر کا حال ذکر کیا اور ان کا یہ کہنا بھی کہ میرے لیے استغفار کی درخواست کیجیے گا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا، وضو فرمایا، اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ» ''اے اللہ! ابو عامر کو بخش دے۔'' میں نے آپ ﷺ کے دونوں بغلوں کی سفیدی دیکھی، آپ ﷺ نے پھر دعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَوْقَ كَثِيرٍ مِّنْ خَلْقِكَ مِنَ النَّاسِ» ''اے اللہ! ابو عامر کو قیامت کے دن بہت سے لوگوں کا سردار بنا۔'' میں نے عرض کیا: ''اور میرے لیے بھی بخشش کی دعا فرما دیجیے۔'' تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهُ وَأَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُدْخَلًا كَرِيمًا» ''اے اللہ! عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) کے گناہ معاف فرما دے اور قیامت کے روز اس کو داخل ہونے کی باعزت جگہ (جنت میں) داخل فرما۔''

ابو بردہ کہتے ہیں کہ ایک دعا ابو عامر رضی اللہ عنہ کے لیے کی اور دوسری ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے لیے تھی۔ (ابو بردہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور اس حدیث کے راوی ہیں۔)[1]

طائف کی جانب بھاگنے والوں کا محاصرہ

رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا اور ان سے جنگ اور محاصرے کے لیے

[1] صحيح البخاري، حديث:2884، وصحيح مسلم، حديث:2498.

نئے نئے طریقے استعمال کیے۔ اور شوریٰ سے مشورہ بھی لیا۔ محاصرے کے وقت ایک مناسب جگہ پسند کی اور دشمن کو ذہنی طور پر مرعوب کرنے کے لیے اور ان پر اپنی دھاک بٹھانے کے لیے بطور ہتھیار جدید اسالیب اختیار فرمائے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

جنگ کے لیے نیا انداز

طائف کا محاصرہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ایک نیا ہتھیار استعمال کیا جو کبھی اس سے پہلے استعمال نہ کیا گیا تھا۔

منجنیق اور دبابہ: یہ بات ثابت ہے کہ طائف میں ثقیف کے قلعے کا محاصرہ کرتے وقت آپ ﷺ نے منجنیق کا ہتھیار استعمال کیا۔[1]

منجنیق بھاری اسلحہ ہے۔ یہ محاصرے کے دوران بڑے بڑے پتھر پھینکنے کے کام آتا ہے۔ اس کے ذریعے قلعے کی فصیل اور بلند مینار گرائے جاتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ بڑے بڑے گولے پھینک کر آگ لگانے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ جنگ میں منجنیق کو استعمال کرنے کے لیے ایک خصوصی دستہ تشکیل دیا جاتا ہے جو اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔[2]

طائف کے محاصرے میں پہلی مرتبہ جو اسلحہ رسول اللہ ﷺ نے استعمال کیا اس میں دبابہ بھی شامل تھا۔ یہ لکڑی کا بنا چھوٹے کمرے کی طرح کا اسلحہ ہوتا ہے جسے دشمن کے تیروں سے بچاؤ کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اسے قلعے کی دیوار توڑنے کے لیے بھی کام میں لایا جاتا ہے۔ یہ اہل لشکر کو تیروں سے محفوظ چھت فراہم کرتا ہے۔[3]

کانٹے دار پھندا (گوکھرو): یہ بھی طائف میں پہلی بار استعمال ہونے والا جدید اسلحہ تھا۔ یہ ایک موثر دفاعی ہتھیار ہے۔ دو لکڑیاں صلیب کی شکل پر باندھ کر ساتھ کانٹے

1 جامع الترمذي، حديث:2762، والمراسيل لأبي داود، حديث:335. 2 المدرسة العسكرية الإسلامية للواء محمد فرج، ص: 407. 3 القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص:405.

باندھے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ چار کونوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کسی جگہ اسے پھینک دیں تو اس کا ایک پہلو اوپر اٹھا رہتا ہے اور گھوڑوں اور پیدل چلنے والوں کو گرانے کا کام دیتا ہے، اس طرح میدان جنگ کی تیز حرکت رک جاتی ہے۔[1]

اصحاب المغازی والسیر نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ کرتے وقت یہ اسلحہ بھی استعمال کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے لشکروں کو ثقیف کے قلعے کے اردگرد کانٹے دار پھندے پھیلا دینے کا حکم دیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے اس عمل میں امت کی قیادت کے لیے خصوصاً اور عام مسلمانوں کے لیے عموماً راہ نمائی ہے کہ اپنی عقل وفکر کو نئی سے نئی اور نفع مند اشیاء سے استفادہ کرنے سے روک نہ رکھیں بلکہ انھیں ہر اس چیز سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے جو امت کے لیے نفع مند اور مصلحت والی ہو اور دشمن سے امت کا دفاع کر سکے۔

جنگ کے موقع پر مناسب جگہ کا انتخاب

اسلامی لشکر قلعے سے قریب ہی (غیر محفوظ) کھلی جگہ پر فروکش ہوا۔ ابھی مکمل لشکر نے پڑاؤ بھی نہ ڈالا تھا کہ دشمن نے تیروں کی بارش کر دی۔ بہت سے لوگ تیروں کی زد میں آ گئے۔ اس وقت حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس جگہ کے بجائے اہل طائف کے تیروں سے محفوظ جگہ منتقل ہونے کا مشورہ دیا جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ حضرت حباب رضی اللہ عنہ کو وسیع جنگی تجربہ حاصل تھا، لہٰذا آپ ﷺ نے انھیں مناسب جگہ ڈھونڈنے کی ذمہ داری سونپ دی۔ یہ گئے اور ایک مناسب جگہ کی نشاندہی کر کے واپس آئے اور نبی مکرم ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے لشکر کو اس نئی جگہ منتقل ہونے کا حکم صادر فرمایا۔

---

[1] الفن الحربي في صدر الإسلام للواء عبدالرؤف عون، ص: 195۔ [2] الطبقات الكبرىٰ: 214/2.

اس کارروائی کے عینی شاہد حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

جب ہم نے ان کے پاس جا کر پڑاؤ ڈالا تو ہمارے اوپر تیروں کی اتنی شدید بارش ہوئی کہ جیسے ٹڈی دل کا تیز حملہ ہو، اس حالت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، پھر ہم نے اپنا دفاع کیا مگر مسلمانوں میں سے کئی لوگ زخمی ہو گئے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حباب رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ دشمن سے ذرا ہٹ کر کوئی مناسب اور بلند جگہ دیکھو، حباب رضی اللہ عنہ چلے گئے۔ یہاں تک کہ مسجد کی جگہ پہنچ گئے۔ (اب یہی مسجد ابن عباس کے نام سے معروف ہے۔)

پھر واپس آ کر حباب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لشکر کو وہاں چلے جانے کا حکم دیا۔[1]

مرعوب کرنا اور نفسیاتی جنگ کا ہتھیار استعمال کرنا

اہل طائف کے ساتھ جب جنگ اور مقابلہ بازی سخت ہو گئی اور انھوں نے مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد شہید بھی کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انگور اور کھجور کے وہ باغات جو طائف کے اردگرد تھے جلانے کا حکم دیا تاکہ ان پر دباؤ بڑھایا جائے۔ اور جب ثقیف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کا واسطہ دیا کہ یہ کام روک دیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے غلاموں تک یہ بات پہنچائی کہ جو کوئی بھی قلعے سے اتر پڑے گا اور مسلمانوں کی جانب آ جائے گا وہ آزاد ہے۔ یہ سن کر تینتیس (33) غلام قلعے سے باہر آ گئے۔ جن میں ابوبکرہ ثقفی بھی تھے۔ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا اور ثقیف کے اسلام قبول کر لینے پر بھی انھیں واپس نہ کیا۔[2]

[1] المغازي للواقدي: 416/1. [2] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 510/2.

محاصرہ ختم کرنے کی حکمت

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے محاصرہ ختم کرنے کی حکمتِ عملی بالکل واضح تھی۔ اردگرد کا علاقہ بنوثقیف کے ماتحت نہیں تھا۔ بلکہ حکومت اسلامیہ کی قلمرو میں شامل تھا۔ قلعہ والوں کو کہیں سے امداد ملنے کی توقع نہ تھی بلکہ ان کا سارا ساز و سامان قلعہ ہی میں موجود تھا۔ ایک تجربہ کار سپہ سالار کے سامنے ایسے لوگوں کا محاصرہ کرنا یا نہ کرنا برابر تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے محاصرہ جاری رکھنے یا اٹھا لینے سے متعلق اپنے ساتھیوں سے مشورہ طلب کیا تو نوفل بن معاویہ دیلی نے عرض کیا: ''لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر آپ اس پر ڈٹے رہے تو پکڑ لیں گے۔ اور اگر چھوڑ کر چلے گئے تو وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔'' لہٰذا آپ ﷺ نے واپسی کا اعلان کرا دیا۔ اس سے لوگ شور کرنے لگے۔ وہ کہنے لگے: ''طائف فتح کیے بغیر واپس ہوں گے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَاغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ» ''اچھا تو کل لڑائی پر چلنا ہے۔'' دوسرے دن لوگ لڑائی پر گئے لیکن سوائے زخموں کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے پھر فرمایا: «إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ» ''ہم کل ان شاء اللہ واپس جائیں گے۔'' اس پر لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انھوں نے اب بلا چون و چرا رختِ سفر باندھنا شروع کر دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ مسکراتے رہے۔[1]

لوگوں نے جب اپنا ساز و سامان اٹھا کر کوچ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قُولُوا: آئِبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ»

''تم کہو: ہم پلٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے، عبادت گزار ہیں اور اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہیں۔''[2]

---

1 صحيح البخاري، حديث: 4325، وصحيح مسلم، حديث: 1778. 2 صحيح البخاري، حديث: 1797، وصحيح مسلم، حديث: 1344، ومسند أحمد: 21/2.

پھر کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ثقیف والوں کے لیے بددعا کریں۔ آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَّائْتِ بِهِمْ»

''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انھیں لے آ۔'' [1]

[1] جامع الترمذي، حديث: 3942، ومسند أحمد: 343/3، والمصنف لابن أبي شيبة: 201/12.

باب 2

لوگوں سے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی دور اندیشی

بت پرستی کی طرف پلٹنے کی کوئی گنجائش نہیں

غزوۂ طائف کے کئی ایک واقعات سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ بت پرستی کے لیے دوبارہ سے کوئی جگہ نہیں۔ حنین کو جاتے ہوئے کچھ نئے مسلمان بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ راستے میں ایک ایسا سرسبز درخت تھا جس کو ''ذات انواط'' کہا جاتا تھا۔ مشرکین ہر سال اس درخت کے تلے جاتے، اس کے ساتھ اپنا اسلحہ لٹکاتے، اس کے پاس جانور ذبح کرتے اور اس کے اردگرد ایک دن کے لیے مجاور بن کر بیٹھتے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جاتے ہوئے ان کی نگاہ اس پر پڑی تو زمانۂ جاہلیت کے میلوں کا تذکرہ ان کی زبان پر آ گیا۔ عرض کرنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے لیے بھی ''ذات انواط'' بنا دیجیے جیسے مشرکین کے لیے ''ذات انواط'' ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ! قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسٰى لِمُوسٰى: ﴿اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ لَتَرْكَبُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ» ''اللہ اکبر! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! تم نے ویسی ہی بات کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی: ''ہمارے لیے بھی ایک معبود مقرر کر دیجیے جس طرح ان کے معبود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی

جہالت ہے۔"[1] "تم لوگ بھی یقیناً پہلوں کے طریقوں پر چلو گے۔"[2]

اس سے پتا چلتا ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے باوجود ان کے ہاں خالص توحید کا تصور غیر واضح تھا۔ نبی مکرم ﷺ نے جو شرک کا مفہوم واضح کیا اس سے انھیں دوبارہ ایسا مطالبہ کرنے سے محتاط رہنے کا حکم دیا مگر اس موقع پر نہ انھیں سزا دی اور نہ سرزنش کی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔[3]

اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں جہاد میں شریک ہونے کی اجازت اس لیے مرحمت فرما دی تھی کہ جہاد میں شرکت کے لیے اعتقاد کا جاہلیت کے میل کچیل سے کلیتاً صاف ہونا شرط نہیں ہے۔ جہاد تو ایک نیک عمل ہے جس کے کرنے والے کو اس کا ثواب بہر حال مل جائے گا، خواہ دین کے دیگر امور میں اس سے کوتاہی ہو جاتی ہو۔ بلکہ جہاد ایک تربیت گاہ ہے جس میں مجاہدین عقائد و احکام اور اخلاق سیکھتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ اس میں سفر ہوتا ہے۔ ایک دوسرے سے ملاقات کے دوران باہمی تبادلہ خیالات ہوتا ہے، افکار سامنے آتے ہیں اور سیکھنے کا موقع میسر آتا ہے۔[4]

کثرتِ تعداد پر گھمنڈ کا انجام

کثرت پر بھروسا اور غرور نصرت الٰہی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ جنگ کے آغاز میں نصرت کثرت پر گھمنڈ کے باعث روک لی گئی۔ قرآن پاک نے اس کی یوں تعبیر کی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

[1] الأعراف 138:7. [2] جامع الترمذي، حديث: 2180، ومسند أحمد: 218/5، ودلائل النبوة للبيهقي: 125/5، والسيرة النبوية للندوي، ص: 349. [3] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري، ص: 497. [4] التاريخ الإسلامي للحميدي: 62/8.

﴿ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۝﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت سے میدانوں میں تمھاری مدد فرمائی اور حنین کی لڑائی والے دن بھی۔ جبکہ تمھیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا لیکن اس نے تمھیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہوئی پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے بھی اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے یوں وضاحت فرمائی: «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ» ''اے اللہ تیرے سوا (نیکی کرنے کی) طاقت نہیں اور تیرے بغیر (برائی سے بچنے کی) قوت نہیں۔'' اسی طرح آپ ﷺ فرماتے: «اَللّٰهُمَّ بِكَ أَجُولُ، وَبِكَ أَصُولُ، وَبِكَ أُقَاتِلُ» ''اے میرے اللہ! میں تیری ہی نصرت سے آتا جاتا ہوں، تیرے ہی بھروسے پر حملہ کرتا ہوں اور تیرے ہی سہارے جنگ کرتا ہوں۔''[2]

رسول اللہ ﷺ میدانِ جنگ میں بھی مسلمانوں کی اس طرح تربیت فرماتے رہتے تھے۔[3]

غزوۂ حنین کے موقع پر مسلمانوں کو غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنے کی بنا پر ابتدا میں شکست ہوئی۔ اکثریت میدان چھوڑ گئی، پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے کسی بھاگنے والے کو ڈانٹ نہ پلائی بلکہ جب بعض مسلمانوں نے مطالبہ کیا کہ نئے مسلمانوں اور اعراب کو قتل کرنے کی اجازت دیجیے کہ یہ معرکے سے بھاگے ہیں تو آپ ﷺ نے اس کی بھی موافقت نہ فرمائی۔[4]

تالیف قلبی بذریعہ غنائم

رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ آزاد کردہ لوگوں (فتح مکہ کے موقع پر جنھیں عام معافی ملتی

---

1 التوبة 9:25. 2 مسند أحمد: 333,332/3، وصحيح ابن حبان، رقم: 1975، وسنن الدارمي، رقم: 2485، وعمل اليوم والليلة للنسائي، رقم: 614. 3 المجتمع المدني في عهد النبوة للدكتور العمري، ص: 199. 4 المجتمع المدني في عهد النبوة للدكتور العمري، ص: 205,204.

تھی) اور بدوؤں کے دلوں کو اموالِ غنیمت سے اسلام کی طرف مائل کیوں نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے سردارانِ قریش و غطفان اور تمیم کو بڑے بڑے عطیات سے نوازا۔ ایک ایک کو سو سو اونٹ دیا گیا۔ ان میں ابوسفیان بن حرب، سہیل بن عمرو، حکیم بن حزام، صفوان بن امیہ، عیینہ بن حصن فزاری، اقرع بن حابس، معاویہ اور یزید بن ابوسفیان اور قیس بن عدی شامل تھے۔[1]

اس کرم نوازی کا بنیادی مقصد ان کے دلوں کو دنیا کی محبت سے ہٹا کر اسلام کی محبت کی طرف لانا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ کئی لوگ اسلام صرف دنیا کے حصول کی خاطر قبول کرتے مگر جب اسلام قبول کر لیتے تو وہ انھیں دنیا اور اس کی تمام موجودات سے زیادہ محبوب ہو جاتا۔[2]

صفوان بن امیہ اس معاملے کی یوں تعبیر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس سے پہلے میری نگاہ میں سب لوگوں سے زیادہ برے تھے۔ (نعوذ باللہ) پھر آپ نے مجھ پر اس قدر سخاوت کی کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ میری نگاہ میں محبوب بن گئے۔[3]

انصار سے اظہار محبت وعقیدت

انصار کے نوخیز جوان بہ تقاضائے بشریت تقسیم غنیمت سے متاثر ہوئے اور آپس میں چہ مگوئیاں ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار کے اس اعتراض کا پورا پورا لحاظ رکھا اور ان کی دلی کوفت کو دور کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی۔ ان کے سامنے اموال غنیمت کی اس طرح تقسیم کی حکمت واضح کی اور انصار کو ایسا ایمان افروز خطاب فرمایا کہ صدیاں بیت گئیں مگر آج بھی ایک مسلمان اسے بغیر آنسو بہائے نہیں پڑھ پاتا۔

[1] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 421. [2] صحيح مسلم، حديث: (58)-2312.
[3] صحيح مسلم، حديث: 2313.

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ نے مالِ فے (غنیمت) کی تقسیم میں جو طریقۂ کار اختیار فرمایا ہے اس پر انصار دل میں ناراض ہیں بقول ان کے آپ نے مالِ غنیمت اپنی قوم میں تقسیم فرمایا ہے۔ قبائل عرب کو بڑے بڑے عطیے دیے ہیں لیکن انصار کو کچھ نہیں دیا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَأَيْنَ أَنْتَ مِنْ ذٰلِكَ يَا سَعْدُ؟» ''سعد! اس بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟'' انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! میں بھی تو اپنی قوم ہی کا ایک فرد ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَاجْمَعْ لِي قَوْمَكَ فِي هٰذِهِ الْحَظِيرَةِ» ''اچھا! تو اپنی قوم کو اس حویلی میں جمع کرو۔'' کچھ مہاجرین بھی آ گئے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں داخل ہونے دیا۔ اسی دوران کچھ دوسرے لوگ بھی آ گئے تو انھیں واپس بھیج دیا۔ جب تمام انصار جمع ہو گئے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آ کر بتایا کہ انصار جمع ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، مَا قَالَةٌ بَلَغَتْنِي عَنْكُمْ، وَجِدَةٌ وَّجَدْتُّمُوهَا فِي أَنْفُسِكُمْ، أَلَمْ آتِكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِي، وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِي، وَأَعْدَاءً فَأَلَّفَ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ؟»

''اے انصار کے لوگو! تمھاری یہ کیا چہ میگوئیاں ہیں جو میرے علم میں آئی ہیں اور یہ کیا ناراضگی ہے جو جی ہی جی میں تم نے میری طرف سے محسوس کی ہے۔ کیا ایسا نہیں کہ میں تمھارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم گمراہ تھے، اللہ تعالیٰ نے تمھیں میری وجہ سے ہدایت دی اور تم اس وقت محتاج تھے، اللہ تعالیٰ نے تمھیں میری بدولت غنی بنا دیا اور تم باہم دشمن تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے سبب تمھارے دل جوڑ دیے؟''

لوگوں نے کہا: ''کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا بڑا فضل وکرم ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «أَلَا تُجِيبُونِي يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ؟!» ”انصار کے لوگو! مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟“ انصار نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! بھلا ہم کیا جواب دیں؟ ہم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا فضل وکرم ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا وَاللّٰهِ لَوْشِئْتُمْ، لَقُلْتُمْ، فَلَصَدَقْتُمْ، وَلَصُدِّقْتُمْ: أَتَيْتَنَا مُكَذَّباً، فَصَدَّقْنَاكَ، وَمَخْذُولًا فَنَصَرْنَاكَ، وَطَرِيداً فَآوَيْنَاكَ، وَعَائِلًا فَآسَيْنَاكَ، أَوَجَدْتُّمْ عَلَيَّ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! فِي أَنْفُسِكُمْ فِي لَعَاعَةٍ مِّنَ الدُّنْيَا تَأَلَّفْتُ بِهَا قَوْماً، لِيُسْلِمُوا، وَوَكَلْتُكُمْ إِلٰى إِسْلَامِكُمْ، أَلَا تَرْضَوْنَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاءِ، وَالْبَعِيرِ وَتَرْجِعُونَ بِرَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى رِحَالِكُمْ؟ فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ! لَمَا تَنْقَلِبُونَ بِهٖ خَيْرٌ مِّمَّا يَنْقَلِبُونَ بِهٖ. وَلَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِّنَ الْأَنْصَارِ، وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ شِعْباً وَّوَادِياً، وَّسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ شِعْباً وَّوَادِياً، لَّسَلَكْتُ شِعْبَ الْأَنْصَارِ وَوَادِيَهَا، اَلْأَنْصَارُ شِعَارٌ، وَّالنَّاسُ دِثَارٌ، اَللّٰهُمَّ! ارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَأَبْنَاءَ الْأَنْصَارِ، وَأَبْنَاءَ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ»

”دیکھو! اللہ کی قسم! اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور سچ ہی کہو گے اور تمھاری بات سچ ہی مانی جائے گی کہ آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپ کو جھٹلایا گیا تھا مگر ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ کو بے یار ومددگار چھوڑ دیا گیا تھا ہم نے آپ کی مدد کی۔ آپ کو دھتکار دیا گیا تھا ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا۔ آپ کو ضرورت تھی ہم نے آپ کی غمگساری کی۔ اے انصار کے لوگو! تم اپنے جی میں دنیا کی اس عارضی دولت کے لیے ناراض ہو گئے جس کے ذریعے میں نے لوگوں کا دل جوڑا ہے تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تمھیں میں نے تمھارے اسلام کے حوالے کر دیا

ہے۔ اے انصار! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے ڈیروں میں پلٹو؟

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! یقیناً جسے تم لے کر گھروں کو جاؤ گے وہ اس سے بہت بہتر ہے جسے دوسرے لوگ گھروں کو لے کر جائیں گے۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سارے لوگ ایک وادی یا گھاٹی میں چلیں اور انصار دوسری میں تو میں انصار ہی کی راہ پر چلوں گا۔ دوسرے لوگوں کی نسبت انصار کا میرے ساتھ خصوصی تعلق ہے۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما اور ان کے بیٹوں پر اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں (پوتوں) پر رحم فرما۔''

انصار آپ ﷺ کا خطاب سن کر اس قدر روئے کہ داڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے: ''ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے میں رسول اللہ ﷺ ہیں۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس چلے گئے اور لوگ بکھر گئے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: «إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً، فَاصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ» ''دیکھو! میرے بعد لوگوں کو تم پر ترجیح دی جائے گی، اس لیے صبر کرنا یہاں تک کہ تم مجھے حوضِ کوثر پر ملو۔''[2]

اس جگہ یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہ باتیں تمام انصار سے سرزد نہ ہوئی تھیں۔ بلکہ صرف ان کے کم سن افراد کی زبان پر آئی تھیں۔ اس کی تائید بخاری و مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنگ حنین میں اپنے پیغمبر کو ہوازن کے مال عطا فرمائے تو آپ ﷺ نے قریش کے بعض افراد کو سو سو اونٹ دینا شروع کیے۔ انصار کے کچھ لوگ کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ

[1] مسند أحمد: 3/ 76,77، ومجمع الزوائد: 10/ 32، وزاد المعاد: 3/ 474. [2] صحيح البخاري، حديث: 4330، وصحيح مسلم، حديث: 1061.

رسول اللہ ﷺ کو بخشے، آپ قریش کے لوگوں کو دے رہے ہیں اور ہمیں محروم کر رہے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے ابھی تک ان کا خون ٹپک رہا ہے۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو انصار کی یہ بات معلوم ہوگئی۔ آپ ﷺ نے انھیں بلا بھیجا اور انھیں چمڑے کے ایک خیمے میں جمع کیا۔ جب وہ تمام اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ تشریف لائے اور پوچھا: «مَا حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكُمْ؟» ''یہ کیا بات ہے جو مجھ کو تمھاری طرف سے پہنچی ہے؟'' انصار میں جو سمجھ دار لوگ تھے، انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ہم میں جو معتبر لوگ ہیں انھوں نے ایسا نہیں کہا۔ چند نوجوانوں نے ایسی باتیں کی ہیں۔ وہ کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو معاف فرمائے آپ قریش کو دیتے ہیں اور ہمیں چھوڑ رہے ہیں اور ابھی تک ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنِّي أُعْطِي رِجَالًا حَدِيثِي عَهْدٍ بِكُفْرٍ أَتَأَلَّفُهُمْ» ''میں تو ایسے لوگوں کو دیتا ہوں جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں، میں مال دے کر ان کے دل جوڑتا ہوں۔''[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ اس واقعے سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کبھی کبھی دشمنانِ اسلام کو اپنی طرف کھینچنے اور مسلمانوں سے ان کے شر کو دور کرنے کی خاطر امام پر ان کی تالیف قلبی ضروری ہو جاتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ امام، قیام دین اور مسلمان کے مصالح کا خیال کرنے میں مسلمانوں کا نائب ہوتا ہے۔ اگر اسلام کے دفاع اور اس کے دارالخلافہ کی حفاظت کے لیے دشمنانِ اسلام کے سرغنوں کو مائل کرنے کے لیے تالیف قلبی کی ضرورت محسوس ہو تو یہ اس کے لیے جائز ہی نہیں بلکہ لازمی ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ (ایک عرصے سے اسلام سے وابستہ لوگوں کو) محروم رکھنے میں ایک قسم کی خرابی ہے لیکن دشمن کی تالیف قلبی نہ کرنے میں اس سے بھی بڑی خرابی کا احتمال ہے، جبکہ شریعت کی بنیاد اس پر ہے کہ چھوٹی خرابی برداشت کر کے بڑی کو دور کیا جائے۔ اور دو مصلحتوں میں سے جو مصلحت

[1] صحيح البخاري، حديث:4331، وصحيح مسلم، حديث:1059.

زیادہ فائدے مند اور کامل ہے اسے حاصل کیا جائے، خواہ دوسری مصلحت رہ جائے بلکہ دین و دنیا کی تمام مصلحتوں کی بنیاد اسی اصول پر ہے۔''[1]

اس قسم کے لوگوں کی تالیف قلبی ابتدا میں ان کی حوصلہ افزائی اور اسلام کی طرف رغبت کے لیے ہوتی ہے تاکہ ایمان ان کے دلوں میں گھر کر جائے اور وہ اس کی مٹھاس سے لطف اندوز ہوں۔

شیخ محمد غزالی اس معاملے کی حقیقت کو ایک حسی مثال سے واضح کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دنیا میں بہت سارے لوگ ایسے ہیں جنھیں حق کی طرف پیٹ کے بل لایا جاتا ہے نہ کہ عقلوں کے ذریعے۔ جس طرح جانور کو گھاس دکھایا جاتا ہے تو وہ اس کی جانب اپنا منہ کرتا ہوا چلتا آتا ہے حتی کہ اطمینان سے اپنے باڑے میں داخل ہو جاتا ہے اسی طرح انسانوں کی یہ قسم بھی کئی ایک ترغیبات کی محتاج ہوتی ہے تاکہ وہ ایمان سے مانوس ہو جائیں اور اس کے لیے نرم پڑ جائیں۔[2]

نبی مکرم ﷺ نے انصار کے سامنے بڑی مؤثر صورت رکھی۔ کچھ ایسے لوگ ہیں جو ایمان سے خوش ہو جاتے ہیں۔ ان کے بالمقابل کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اونٹوں کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ ایک ایسی قوم ہے جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ رہتے ہیں اور ان کے بالمقابل ایسے لوگ بھی ہیں جو جانوروں کی صحبت میں رہتے ہیں۔ انصار کو ان تصاویر و مناظر نے بیدار کر دیا۔ انھوں نے محسوس کر لیا کہ وہ ایسی غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے ہیں جو ان جیسے لوگوں کو لائق نہ تھی۔ یہ سنتے ہی وہ رونے لگے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ زبانوں پر رضا مندی کا ترانہ آ گیا۔ اب تو ان کے دل خوش ہو گئے اور آپ ﷺ کی حکیمانہ سیاست کے باعث ان کے دل مطمئن ہو گئے۔[3]

---

[1] زاد المعاد: 486/3. [2] فقه السيرة للغزالي، ص: 427. [3] المجتمع المدني في عهد النبوة للدكتور العمري، ص: 219.

بدوؤں کی بدسلوکی پر صبر

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بار ہا بدوؤں کی بدسلوکی، اموال کے لالچ اور عہدوں کی حرص پر صبر کا اظہار ہوا۔ آپ ﷺ ایسے مربی کے لیے نمونہ تھے جو لوگوں کے حالات، ان کے ماحول کی تاثیر، ترشی اور انفرادیت پسندی کو سامنے رکھتا ہے۔ آپ ﷺ ان کے سامنے اپنا اخلاق پیش فرماتے۔ ان کی مصلحتوں پر انھیں مطمئن کرتے اور ان کی عقل کے مطابق گفتگو فرماتے۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ حد درجہ مشفق تھے۔ ان کے لیے مربی اور مصلح کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ کبھی ہم عصر حکمرانوں کا سا برتاؤ نہ کیا جن کے سامنے لوگ جھکتے، سجدہ کرتے اور ان کے سامنے اپنی عرض رکھنے کے لیے تعظیم و بزرگی کے ایسے القابات سے نوازتے جیسے ایک بندہ اپنے معبود کے سامنے پیش کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو ان میں انھی کے ایک فرد کی طرح تھے آپ سے وہ گفتگو بھی کر لیتے اور کبھی غصہ بھی اتار لیتے۔ آپ ﷺ کبھی بھی ان سے الگ تھلگ پردے میں نہ رہتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے سامنے آداب کا خیال رکھتے، آہستہ آواز سے بات کرتے، اپنے دلوں کو محبتِ رسول سے سرشار رکھتے، جبکہ سخت دل بدوؤں کو بے ادبی، سختی، آواز بلند کرنے اور رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے وقت انتہائی بے باکی اختیار کرنے پر ڈانٹ بھی پلائی جاتی۔[1]

یہ حالات و واقعات بدوؤں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے بہترین معاملے کی دلیل ہیں۔

دیہاتی جس نے خوشخبری کو ٹھکرا دیا: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا۔ آپ اس وقت جعرانہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اتنے میں ایک گنوار دیہاتی آپ ﷺ کے پاس آیا اور بولا: ''آپ میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کرتے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

---

1 المجتمع المدني في عهد النبوة للدكتور العمري، ص: 219.

«أَبْشِرْ» ”خوشخبری قبول کرو۔“ وہ بولا: ”آپ یہ «أَبْشِرْ» کا کلمہ بہت زیادہ دہرائے رہتے ہیں۔“ آپ ﷺ غصے کی حالت میں ابوموسیٰ اور بلال رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: «رَدَّ الْبُشْرٰی، فَاقْبِلَا أَنْتُمَا» ”اس نے خوشخبری کو ٹھکرا دیا ہے، لہٰذا تم دونوں اسے قبول کرلو۔“ ان دونوں نے عرض کیا: ”ہمیں قبول ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے ایک پیالہ پانی کا منگوایا اور دونوں ہاتھ اور چہرہ مبارک دھویا اور پیالے میں کلی کی پھر فرمایا: «اِشْرَبَا مِنْهُ وَأَفْرِغَا عَلٰى وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا وَأَبْشِرَا» ”اس پانی کو پی لو اور اپنے منہ اور سینے پر ڈالو اور خوش ہو جاؤ۔“ ان دونوں نے پیالہ لے کر ایسا ہی کیا۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انھیں پردے کی آڑ سے آواز دی: ”اپنی اماں جان کے لیے بھی کچھ بچاؤ۔“ تو انھوں نے ان کے لیے بھی پانی میں سے کچھ بچایا اور انھیں دیا۔[1]

ایک دیہاتی کی الزام تراشی: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے چند لوگوں کو غنیمت کا مال زیادہ دیا۔ اقرع بن حابس تمیمی کو ایک سو اونٹ دیے اور عیینہ کو بھی اتنے ہی اونٹ دیے اور چند رؤسائے عرب کو بھی نوازا اور انھیں بھی دوسرے لوگوں سے مقدم رکھا۔ اتنے میں ایک آدمی نے کہا: ”اللہ کی قسم! یہ تقسیم ایسی ہے کہ اس میں عدل نہیں ہوا اور نہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ملحوظ رکھی گئی ہے۔“ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ میں ضرور رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دوں گا۔ میں آپ ﷺ کے پاس گیا اور یہ بات بتا دی۔ (خبر سنتے ہی) آپ ﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا، پھر فرمایا: «فَمَنْ يَّعْدِلُ إِنْ لَّمْ يَعْدِلِ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ؟!» ”اگر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول عدل نہ کرے گا تو کون عدل کرے گا؟“ پھر فرمایا: «يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسٰى! قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ» ”اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ ان کو اس سے زیادہ ستایا گیا مگر انھوں نے صبر کیا۔“ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں

---

[1] صحيح البخاري، حديث:4328، وصحيح مسلم، حديث:2497.

تہیہ کرلیا کہ آج کے بعد میں آپ ﷺ کو ایسی کوئی خبر نہیں پہنچاؤں گا۔ [1]

ہوازن کے قبول اسلام پر رسول اللہ ﷺ کا ان سے برتاؤ

اسلام قبول کر لینے کے بعد ہوازن کا ایک گروہ جعرانہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملا اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ہم عرب کے اصلی باشندے ہیں اور قریش سے خاندانی تعلق بھی ہے۔ اور ہم پر جو مصیبت آئی ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں، لہٰذا ہم پر احسان فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔'' ان کا خطیب ابوصرد زہیر بن صرد کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: ''ان باڑوں میں آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں جو آپ کو دودھ پلاتی رہی ہیں۔ یہ وہ ہیں جنھوں نے آپ کی پرورش کی ہے۔ اگر ہم نے حارث بن ابوشمر یا نعمان بن منذر پر اس طرح کا احسان کیا ہوتا اور پھر ہم پر وہ مصیبت نازل ہوتی جو اب نازل ہوئی ہے تو ہم ان سے مہربانی کی امید رکھتے، جبکہ آپ تو اللہ کے رسول ہیں اور جن کی بھی پرورش ہوئی ان میں سے سب سے بہتر ہیں۔'' پھر اس نے شعر کہنے شروع کیے:

أُمْنُنْ عَلَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ! فِي كَرَمٍ
فَإِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوهُ وَنَنْتَظِرُ

''اے اللہ کے رسول! سخاوت کرتے ہوئے ہم پر احسان فرمایئے۔ آپ تو ایسے شخص ہیں جن سے ہم اُمید لگائے ہوئے منتظر بیٹھے ہیں۔''

پھر وہ اور بھی اشعار کہتا رہا اور آخر میں اس نے یہ شعر کہے:

أُمْنُنْ عَلٰى نِسْوَةٍ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهَا
إِذْ فُوكَ يَمْلَؤُهُ مِنْ مَّحْضِهَا دَرَرُ

''ان عورتوں پر احسان فرمایئے جن کا آپ دودھ پیتے رہے۔ جب ان کے وافر

[1] صحيح البخاري، حديث: 3150، وصحيح مسلم، حديث: 1062.

دودھ سے آپ کا منہ مبارک بھر جاتا تھا۔''

اُمْنُنْ عَلٰى نِسْوَةٍ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهَا
وَإِذْ يَزِينُكَ مَا تَأْتِي وَمَا تَذَرُ

''ان عورتوں پر احسان فرمائیے جن کا آپ دودھ نوش کرتے رہے۔ آپ جو (اچھا) عمل کریں گے اور جو (غیر محمود) فعل ترک کریں گے وہ آپ کے لیے (مزید) رونق افروز ہوگا۔''

اس طرح یہ ہوازن کے تمام چھوٹوں بڑوں کی رہائی کا سبب بن گیا۔ اور آپ ﷺ کی تمام مہربانیاں ان پر خوب برسیں۔[1]

وفد ہوازن کی گفتگو سن کر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: «نِسَائُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ أَحَبُّ إِلَيْكُمْ أَمْ أَمْوَالُكُمْ؟» ''تمھیں اپنے بچے اور عورتیں زیادہ پیارے ہیں یا اپنے اموال؟'' انھوں نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول! آپ نے ہمیں اموال یا عورتوں اور بچوں میں انتخاب کا اختیار دیا ہے تو ہمیں اپنے بیٹے (اولاد) اور عورتیں زیادہ پسند ہیں۔'' تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا مَا كَانَ لِي وَلِبَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكُمْ، وَإِذَا أَنَا صَلَّيْتُ بِالنَّاسِ فَقُومُوا، فَقُولُوا: إِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِلَى الْمُسْلِمِينَ وَبِالْمُسْلِمِينَ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي أَبْنَائِنَا وَنِسَائِنَا، فَإِنِّي سَأُعْطِيكُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ وَأَسْأَلُ لَكُمْ»

''دیکھو! میرے اور بنو عبدالمطلب کے حصے میں جو کچھ آئے گا وہ تو تمھارا ہو گیا۔ اور جب میں لوگوں کو (ظہر کی) نماز پڑھا لوں تو تم کھڑے ہو کر ان سے کہنا:

[1] البداية والنهاية: 352/4 و 364,363.

''ہم اپنے بچوں اور عورتوں کی رہائی کے سلسلے میں مسلمانوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کروانا چاہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے مسلمانوں سے سفارش کرانے کے آرزومند ہیں۔'' اس وقت میں تمھیں تمھارے قیدی دے سکوں گا اور تمھارے لیے سب سے کہہ سکوں گا۔''

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز پڑھا چکے تو بنو ہوازن نے کھڑے ہو کر وہی کہا جس کا مشورہ رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «أَمَّا مَا كَانَ لِي وَلِبَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكُمْ» ''میرے اور بنو عبدالمطلب کے حصے میں جو قیدی آئے وہ تمھارے ہیں۔'' اس پر مہاجرین نے کہا: ''ہمارے حصے میں جو قیدی آئے وہ رسول اللہ ﷺ کے ہیں۔'' انصار نے بھی یہ کہا: ''جو ہمارے حصے میں آئے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ہیں۔'' پھر اقرع بن حابس تمیمی نے کہا: ''میں اپنا اور بنو تمیم کا حصہ دینے کے لیے تیار نہیں۔'' اسی طرح عیینہ بن حصن فزاری نے کہا: ''میں اپنا اور بنو فزارہ کا حصہ دینے پر تیار نہیں۔'' عباس بن مرداس نے کہا: ''میں بھی اپنا اور بنو سلیم کا حصہ دینے کے لیے تیار نہیں۔'' بنو سلیم بول اٹھے: ''جو قیدی ہمارے حصے میں آئے وہ رسول اللہ ﷺ کے ہیں۔'' اس پر عباس بن مرداس نے بنو سلیم سے کہا: ''تم نے مجھے شرمندہ کیا ہے!'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَمْسَكَ مِنْكُمْ بِحَقِّهِ فَلَهُ بِكُلِّ إِنْسَانٍ سِتُّ فَرَائِضَ مِنْ أَوَّلِ فَيْءٍ نُصِيبُهُ فَرُدُّوا إِلَى النَّاسِ نِسَائَهُمْ وَأَبْنَائَهُمْ»

''تم میں سے جو اپنا حصہ بغیر کسی عوضانے کے واپس نہیں کرنا چاہتا تو اسے ہر انسان کے بدلے چھ چھ اونٹ دیے جائیں گے، یہ ہم اس پہلی غنیمت پر دیں گے جو ہمارے ہاتھ لگے گی، لہٰذا تم سب ہی ان کی عورتیں اور بچے واپس کر دو۔''

(لوگوں نے بنو ہوازن کی عورتیں اور بچے واپس کر دیے۔)[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا:

«إِنَّ إِخْوَانَكُمْ هٰؤُلَاءِ جَاؤُونَا تَائِبِينَ، وَإِنِّي أَرَدْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِم سَبْيَهُمْ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُّطَيِّبَ ذٰلِكَ، فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّكُونَ عَلٰى حَظِّهِ حَتّٰى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يَفِيءُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ»

''یہ تمھارے بھائی توبہ کر کے آ گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے قیدی واپس کر دوں، لہٰذا تم میں سے جو کوئی راضی خوشی پسند کرے تو قیدی واپس کر دے اور جو چاہتا ہے کہ اپنا حصہ محفوظ رکھے تو وہ بھی ایسا کر سکتا ہے ہم اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئندہ عطا ہونے والی پہلی غنیمت میں سے دے دیں گے۔''

لوگوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ہم دل کی خوشی سے قیدی واپس کرتے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ فِيهِ مِمَّنْ لَّمْ يَأْذَنْ فَارْجِعُوا حَتّٰى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاءُكُمْ أَمْرَكُمْ» ''(آپ کے اس جواب سے) ہم جان نہیں سکے کہ آپ میں سے کون راضی ہے اور کون نہیں۔ لہٰذا آپ لوگ واپس جائیں اور آپ کے زعماء آپ کے معاملے کو ہمارے سامنے پیش کریں۔'' لہٰذا تمام لوگ واپس چلے گئے اور پھر ان کے زعماء نے ان سے گفتگو کی، پھر واپس آ کر آپ ﷺ کو بتایا کہ ہم تمام قیدی بخوشی واپس کرتے ہیں۔[2]

بنو ہوازن کے قبول اسلام پر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان

---

1 مسند أحمد: 184/2، والمعجم الكبير للطبراني، رقم: 5304، ودلائل النبوة للبيهقي: 195,194/5، ومجمع الزوائد: 188,187/6، وتاريخ الطبري: 135/3، والبداية والنهاية: 353,352/4. 2 صحيح البخاري، حديث: 4319,4318، ودلائل النبوة للبيهقي: 192/5.

کے سردار مالک بن عوف نصری کے متعلق دریافت فرمایا تو انھوں نے بتایا کہ وہ ثقیف کے ساتھ طائف میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ میرے پاس مسلمان ہو کر آئے گا تو میں اس کے اہل وعیال واپس کر دوں گا اور ایک سو اونٹ بھی دوں گا، چنانچہ مالک بن عوف رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو کر آپ ﷺ سے آ ملے۔ آپ ﷺ نے ان کی بڑی تکریم فرمائی اور اسے اس کی قوم اور آس پاس کے دیگر قبائل کا امیر مقرر کر دیا۔ مالک بن عوف رسول اللہ ﷺ کے فیاضانہ سلوک پر بہت خوش ہوا اور اس نے فی البدیہہ یہ اشعار کہے:

مَا إِنْ رَأَيْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِمِثْلِهِ

فِي النَّاسِ كُلِّهِمْ بِمِثْلِ مُحَمَّدِ

”دنیا جہان کے تمام انسانوں میں محمد ﷺ جیسا آدمی نہ میں نے دیکھا، نہ سنا۔“

وَإِذَا الْكَتِيبَةُ عَرَّدَتْ أَنْيَابُهَا

بِالسَّمْهَرِيِّ وَضَرْبِ كُلِّ مُهَنَّدِ

”سمہری نیزوں اور ہندی تلواروں کی مار سے جب ان کے لشکر کے دانت خوب تیز ہو جاتے ہیں۔“

فَكَأَنَّهُ لَيْثٌ عَلَى أَشْبَالِهِ

وَسْطَ الْهَبَاءَةِ خَادِرٌ فِي مَرْصَدِ

”تو وہ غبارِ جنگ میں اس شیر کی طرح معلوم ہوتے ہیں جو اپنے بچوں کی نگرانی کے لیے دشمن کی گھات لگائے کچھار میں بیٹھا ہو۔“[1]

مد مقابل کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا برتاؤ حد درجے نرم تھا۔ اسی حکیمانہ سیاست کی

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 4/144.

بدولت آپ ﷺ نے بنو ہوازن اور ان کے حلیفوں کو اسلام کی صف میں لا کھڑا کیا۔ آپ ﷺ نے اس طاقتور قبیلے کو علاقے میں بت پرستی کی طاقتوں کو مٹانے کے لیے ہتھیار بنا لیا۔ اسلام نے طائف کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ ثقیف اب نہ ادھر ادھر آ جا ہی سکتے تھے اور نہ تجارت کرنے کی پوزیشن میں تھے۔ ان کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ جیسے لوگ اسلام کی طرف لپکے۔ اور اس سرعت سے کہ رسول اللہ ﷺ حنین کی غنیمت تقسیم کرنے کے بعد عمرہ کی ادائیگی سے فارغ ہو کر ابھی مدینہ بھی نہیں پہنچے تھے کہ وہ آپ سے راستے میں جا ملے اور اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور واپس طائف پہنچ گئے۔ ثقیف کے سرداروں میں سے یہ ان کے محبوب ترین سردار تھے۔ انھوں نے واپس آ کر انھیں اسلام کی دعوت دی اور اپنے مکان کی بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اذان کہنے لگے۔ اسی اثناء میں انھیں کسی نے تیر مار کر شہید کر دیا۔ انھوں نے مرتے وقت اپنی قوم سے کہا کہ مجھے محاصرۂ طائف کے دوران شہید ہونے والے مسلمانوں کے ساتھ دفن کیا جائے۔[1]

ایک عام آدمی رسول اللہ ﷺ کے عام لوگوں سے معاملات اور دین الٰہی کی مضبوطی کے لیے کی گئی کوششوں پر حیران ہوتا ہے کہ کس طرح آپ نے مکہ کے اردگرد سے بت پرستی کے مراکز ختم کیے، اسلامی قلمرو میں نئے شامل ہونے والے علاقوں کے تنظیمی معاملات درست فرمائے، مکہ پر عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کا مربی، رہنما اور معلم مقرر فرمایا۔[2] اسی طرح مالک بن عوف رضی اللہ عنہ کو ہوازن کا امیر بنا کر عمرہ کیا، پھر مدینہ پلٹ گئے۔

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 4/ 192. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 4/ 153.

اسباق، عبرتیں اور فوائد

غزوۂ حنین سے متعلق آیات کی تفسیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''یقیناً اللہ نے بہت سے مواقع پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جبکہ تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں ڈال دیا تھا تو وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے، پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی اور اس نے ایسے لشکر اتارے جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور جن لوگوں نے کفر کیا انھیں عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے، پھر اس کے بعد اللہ جس پر چاہے گا مہربانی فرمائے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

[1] التوبة 9:25-27.

ان آیات میں مسلمانوں کی حالت کی بڑی انوکھی تصویر پیش کی گئی ہے۔ سننے والے کو ایک صورت سے دوسری صورت کی جانب منتقل کیا گیا ہے۔ پہلے مسلمانوں کی ایسی صورت بیان کی جب وہ اپنی کثرت پر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے، پھر وہ صورت سامنے رکھی کہ ان کی کثرت ان کے کچھ کام نہ آئی اور وہ شکست سے دو چار ہوتے ہیں، پھر ان کے خوف کی تصویر سامنے لائی گئی ہے کہ زمین ان کے لیے تنگ ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چند لوگ باقی رہ گئے۔ غزوۂ حنین میں ابتدائی طور پر دشمن سے مڈھ بھیڑ کے وقت لاحق ہونے والے خوف و ہراس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی پہنچ گئی جسے اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○﴾

”پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت اپنے نبی پر اور مومنوں پر اتاری اور وہ لشکر بھیجے جنھیں تم دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی، اور کفار کا یہی بدلہ ہے۔“ [1]

السکینہ سے مراد اطمینان، رحمت اور امن و سکون ہے۔ [*]

مفسر قاسمی کہتے ہیں: سکینت سے مراد یہ ہے کہ جس سے تم سکون پاتے ہو اور ثابت قدم ہو جاتے ہو۔ اور فرار کے بعد دوبارہ حملہ کرنے پر مسلمانوں کے دلوں کا اطمینان بھی اس میں شامل ہے۔ ﴿عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی ان مومنوں پر بھی جو شکست کھا گئے تھے۔ حرف جر ﴿وَعَلٰى﴾ تنبیہ کے لیے دوبارہ لایا گیا تا کہ دونوں کے مختلف حالات میں ہونے پر دلالت کرے۔ یا وہ لوگ مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے اور بھاگے نہیں یا پھر اس سے مراد یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر سکینت و

[1] التوبة 26:9. [*] حديث القرآن عن غزوات الرسولﷺ لأبي بدر محمد بكر آل عابد: 598/2.

اطمینان نازل فرمایا اور یہی معنی موقع و محل کے مناسب ہیں۔[1]

اور امام طبری رحمہ اللہ ﴿جُنُوْدًا﴾ "لشکروں" سے مراد "فرشتے" لیتے ہیں۔[2]

﴿وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ "اور کافروں کو عذاب دیا" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفر اختیار کرنے والوں کو قتل اور قید و بند کی سزا دی۔ اور کافر جب تک ایمان کے مقابلے میں کفر کو اختیار کرتے رہیں گے اور اہل ایمان سے دشمنی رکھیں اور اہل اسلام سے لڑتے رہیں گے تو ان کا دنیا میں یہی بدلہ ہوگا۔"[3]

﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾[4]

اس فرمانِ باری تعالیٰ سے مراد یہ ہے کہ ان مشرکوں کو سزا سے دوچار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ جس کی چاہے توبہ قبول فرما لے گا۔ اور اس کی صورت یہ بنے گی کہ وہ انھیں اسلام کی توفیق عطا کر دے گا اور انھیں بخش دے گا۔ اس کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے۔[5]

سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "غلطی کرنے والے کے لیے بخشش و توبہ کا در ہمیشہ کھلا ہے۔ معرکہ حنین میں نتائج کے طور پر جس حقیقت سے پردہ کشائی کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ قوتوں کی اصل وہ ہے جس پر اعتقاد کی بنیاد ہے۔ کثرت تعداد تو کوئی چیز نہیں۔ اصل قوت تو وہ قلیل تعداد ہے جو حقیقت شناس، ثابت قدم اور عقیدے کے بندھن سے منسلک ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر عقیدہ پسندیدہ اور گنے چنے افراد کی وجہ سے قائم ہوتا ہے نہ کہ اس کثیر جھاگ کی وجہ سے جو خشک ہو کر ختم ہو جائے یا ان کثیر سوکھے تنکوں کے باعث جنھیں ہوائیں اڑاتی پھریں۔[6]

غزوۂ حنین کی شکست و ریخت کا تذکرہ قرآنِ مجید میں اس لیے موجود ہے تاکہ ہر

1 تفسير القاسمي: 151/8. 2 تفسير الطبري: 104,103/10. 3 تفسير المراغي: 87/4. 4 التوبة 27:9. 5 حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ لأبي بدر محمد بكر آل عابد: 599/2.
6 تفسير في ظلال القرآن لسيد قطب: 1618/3.

زمانے اور ہر جگہ کے لوگ عبرت حاصل کریں۔ قرآن کریم نے اس قصے میں جو ربانی منہج پیش کیا ہے اس کے چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

① قرآن کریم نے یہ بات واضح طور پر بیان کر دی تھی کہ مسلمان اپنی کثرتِ تعداد کی وجہ سے خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے مگر اس کثرت تعداد نے انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔[1]

② قرآنِ کریم نے واضح طور پر بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ اور چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر مسلمان شکست خوردہ ہو گئے اور راہِ فرار اختیار کر گئے۔

③ قرآن کریم نے وضاحت فرمائی ہے کہ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی مدد فرمائی اور آپ ﷺ کو اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکینت سے نوازا۔

④ قرآن کریم نے وضاحت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حنین میں اپنے نبی محمد ﷺ کو فرشتوں کے ذریعے سے امداد دی۔

⑤ یہ بات اللہ تعالیٰ نے بالتاکید ذکر فرمائی کہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے توبہ کی توفیق دیتا ہے۔[2]

اسباب شکست اور اسباب فتح

ابتدائی شکست کے کئی اسباب تھے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① مسلمانوں نے جب اپنی تعداد دیکھی تو ان کے دلوں میں خوش فہمی پیدا ہوئی۔ ایک نے کہا: آج ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے ہرگز شکست سے دوچار نہیں ہوں گے۔ اس کی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو انتہائی ناگوار گزری، چنانچہ شکست ہو گئی۔

② کچھ ایسے نوجوان بھی ساتھ ہو گئے جن کے پاس ہتھیار نہیں تھے اگر تھے بھی تو نامکمل۔ ان کے پاس صرف جذبہ اور جلد بازی تھی۔

---

[1] حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ لأبي بدر محمد بكر آل عابد: 603,602/2.

[2] المستفاد من قصص القرآن لعبدالكريم زيدان: 409/2.

③ مشرکوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ وہ مسلمانوں سے تعداد میں دو گنا سے بھی زیادہ تھے۔

④ مالک بن عوف حنین میں پہلے پہنچ گیا۔ اس نے وہاں مکمل تیاری کی۔ مورچے بنا لیے، وادی کی تنگ گھاٹیوں میں تیر انداز مقرر کر دیے۔ انھوں نے مسلمانوں پر اچانک تیر برسانے شروع کر دیے اور آناً فاناً حملہ کر دیا۔

⑤ اسلامی لشکر کے سامنے آنے کے بعد دشمن بالکل تیار، منظم اور لڑائی کے لیے مستعد تھا۔ مشرکوں نے بے مثال صف بندی کی تھی۔ گھوڑوں کی صف، پیادہ، جنگجوؤں کی صف، پیچھے عورتیں تھیں، پھر بکریاں اور دیگر جانور۔

⑥ اسلامی لشکر میں کچھ ایسے کمزور ایمان والے افراد بھی موجود تھے جو ابھی مکہ مکرمہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ وہ جب بھاگے تو آگے والے لوگ پیچھے آنے والوں پر پلٹ پڑے۔ نتیجتاً بدانتظامی کا مظاہرہ ہوا اور یہ لوگ دوسرے لوگوں کے لیے شکست کا ذریعہ بنے۔[1]

حنین میں فتح کے کئی اسباب تھے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① رسول اللہ ﷺ کا ثابت قدمی دکھانا اور واپسی اختیار نہ کرنا، جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام لشکر اپنے ثابت قدم قائد کی آواز پر پلٹ آیا اور میدان کارزار میں جم گیا۔

② سپہ سالار کی دلیری۔ رسول اللہ ﷺ جو لشکر کے قائد بھی تھے نہ صرف اپنی جگہ ثابت قدم رہے بلکہ اپنے خچر پر سوار دشمن کی جانب پیش قدمی کرتے رہے۔ لشکر پسپائی دکھاتا ہے اور آپ ﷺ خچر کو دشمن کی جانب ایڑ لگاتے ہیں۔ جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ لگام تھامے اسے آگے بڑھنے سے روک رہے ہیں۔

③ چند دیگر مسلمانوں کا بھی آپ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہنا، حتی کہ پیٹھ دکھانے

1 المستفاد من قصص القرآن لعبدالکریم زیدان: 409/2.

والے بھی پلٹ آئے اور انھوں نے فتح تک ثابت قدمی اور وفاداری کا ثبوت دیا۔

④ بھاگنے والوں کا جلد پلٹ آنا اور معرکہ آرائی میں شامل ہونا۔

⑤ مخالف لشکر کا ہلاکت خیز غلطی کر جانا۔ وہ غلطی یہ ہے کہ اسلامی لشکر کے منہ پھیرنے کے بعد ان کا پیچھا کر کے انھیں مزید نہ دھکیلنا، جس نے اسلامی لشکر کو سنہری موقع دیا کہ وہ اپنی کوتاہی کا تدارک کر سکیں اور میدان جنگ میں پھر سے پلٹ آئیں۔ تاکہ اپنے بہادر سپہ سالار رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں از سرنو جنگ شروع کریں۔

⑥ کنکریاں پھینکنا۔ نبی مکرم ﷺ نے ایک مٹھی کنکریاں لیں اور یہ کہتے ہوئے انھیں کفار کے چہروں پر پھینکا: «اِنْهَزَمُوا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ» ''رب محمد کی قسم! یہ شکست کھا چکے۔''[1]

⑦ اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت طلب کرنا۔ رسول اللہ ﷺ انتہائی الحاح وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا فرما رہے تھے۔

⑧ جنگ میں فرشتوں کا نزول اور شرکت، اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں فرشتوں کی اس شرکت کا تذکرہ فرمایا۔[2] ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ۝﴾

''اور وہ لشکر اتارے جنھیں تم دیکھ نہیں رہے تھے اور کافروں کو پوری سزا دی۔ اور کفار کا یہی بدلہ ہے۔''[3]

غزوۂ حنین اور طائف سے ماخوذ احکام و مسائل

لونڈیوں کی پاکیزگی کے بارے میں وضاحت: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1775. [2] السيرة النبوية لأبي فارس، ص: 423. [3] التوبة 26:9. السيرة النبوية لأبي فارس، ص:423.

﴿ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمٰنُكُمْ ﴾

''اور شادی شدہ عورتیں (بھی حرام ہیں) مگر جو تمھاری ملکیت میں آ جائیں۔'' [1]

یہ آیت مبارکہ اَوطاس کی شادی شدہ لونڈیوں کے متعلق اتری۔ غلامی اور قید نے ان کے اور ان کے خاوندوں میں تفریق ڈال دی تھی۔ اس آیت نے عدت گزرنے کے بعد ان سے استواریِ تعلقات کو درست قرار دیا۔ [2]

ہیجڑوں کی اجنبی عورتوں کے ہاں جانے کی ممانعت: اس سے پہلے ہیجڑوں کو عورتوں سے بے رغبتی کی بنا پر اجنبی خواتین کے پاس آنے جانے کی اجازت تھی۔ مگر بعد میں ہیجڑوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔ اس ممانعت کا سبب امام بخاری رحمہ اللہ نے بروایت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کیا ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ اس وقت میرے پاس ایک ہیجڑا بیٹھا تھا۔ میں نے اسے کہتے ہوئے سنا وہ عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے کہہ رہا تھا: ''اے عبداللہ! اگر کل اللہ تعالیٰ نے طائف فتح کر دیا تو تم غیلان کی بیٹی کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ وہ آ رہی ہو تو اس کے چار بَل نظر آتے ہیں اور واپس جا رہی ہو تو آٹھ بَل دکھائی دیتے ہیں۔'' یہ سن کر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لَا يَدْخُلَنَّ هٰؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ» ''یہ ہیجڑے آئندہ ہرگز تمھارے پاس نہ آئیں۔'' [3]

اس ممانعت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اسلامی معاشرے کو برے اخلاق سے محفوظ رکھنا تھا۔

بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور جنگ نہ کرنے والوں کو قتل کرنے کی ممانعت: امام ابن کثیر رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین کے دن ایک عورت کے پاس سے گزرے جسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا تھا۔ لوگوں نے وہاں مجمع لگا رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَا كَانَتْ هٰذِهِ لِتُقَاتِلَ» ''یہ کون سی جنگ کر رہی تھی؟''

---

[1] النسآء 24:4. [2] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 250/2. [3] صحيح البخاري، حديث: 4324.

اور قریب کھڑے ایک آدمی سے فرمایا: «اِلْحَقْ خَالِدًا، فَقُلْ لَّهُ: لَايَقْتُلَنَّ ذُرِّيَّةً وَّلَا عَسِيفاً» ''خالد سے ملو اور کہو کہ وہ کسی بچے اور مزدور کو قتل نہ کرے۔''

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوایا: «إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَنْهَاكَ أَنْ تَقْتُلَ وَلِيدًا، أَوِامْرَأَةً، أَوْ عَسِيفاً» ''رسول اللہ ﷺ آپ کو بچے، عورت اور مزدور کو قتل کرنے سے منع کرتے ہیں۔''[1]

جعرانہ کو میقات (احرام باندھنے کی جگہ) مقرر فرمانا: مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت رسول اللہ ﷺ نے عمرے کے لیے جعرانہ سے احرام باندھا۔ طائف اور اس کے آس پاس سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والوں کا یہی میقات ہے۔ لیکن اب عوام اور بے علم لوگ مکہ مکرمہ سے جعرانہ جاتے ہیں تاکہ عمرے کا احرام باندھ کر آئیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہرگز نہیں کیا تھا۔ اور نہ اہل علم میں سے کسی نے اس کو اچھا سمجھا ہے۔ ایسا کام صرف عامۃ الناس کرتے ہیں جو اپنے خیال کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ایسا کر رہے ہوتے ہیں، حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو جعرانہ سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہوئے احرام باندھا تھا۔ آپ ﷺ نے ایسا تو نہیں کیا تھا کہ مکہ مکرمہ سے جعرانہ اس لیے گئے ہوں کہ وہاں سے احرام باندھ کر مکہ آئیں۔[2]

عمرے میں خوشبو اور احرام کا حکم: حضرت یعلیٰ بن منیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جعرانہ میں تھے۔ وہاں آپ ﷺ کے پاس ایک شخص جبہ پہنے ہوئے آیا اس پر خوشبو لگی ہوئی تھی یا زرد رنگ کی خوشبو کا نشان تھا۔ اس نے سوال کیا کہ میں عمرے میں کیا کروں؟ آپ کا کیا حکم ہے؟ اتنے میں آپ ﷺ پر وحی اترنے لگی۔ آپ ﷺ نے کپڑا اوڑھ لیا۔

---

[1] سنن أبي داود، حديث:2669، وسنن ابن ماجه، حديث:2842، ومسند أحمد:488/3، وصحيح ابن حبان، رقم:4791، والسنن الكبرىٰ للنسائي، رقم:8571-8573. [2] زاد المعاد: 504/3.

یعلی بن منبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے آرزو تھی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی اترتے وقت دیکھوں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کپڑے کا ایک کنارہ اٹھا دیا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خراٹے کی آواز آ رہی ہے، پھر جب وحی مکمل ہوگئی تو فرمایا: «أَيْنَ السَّائِلُ عَنِ الْعُمْرَةِ؟ اِغْسِلْ عَنْكَ الصُّفْرَةَ۔ أَوْقَالَ۔ أَثَرَ الْخُلُوقِ وَاخْلَعْ عَنْكَ جُبَّتَكَ، وَاصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ مَا أَنْتَ صَانِعٌ فِي حَجَّتِكَ» ''عمرے کے متعلق پوچھنے والا کہاں ہے؟ زرد رنگ والی خوشبو کا نشان دھو ڈالو۔'' یا فرمایا: ''خوشبو کا نشان (دھو ڈالو) اور اپنا جبہ بھی اتار دو۔ اور عمرے میں وہی کرو جو تم حج میں کرتے ہو۔''[1]

کافر کا سامان اس کے مسلمان قاتل کے لیے: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حنین کے دن میں نے ایک مسلمان کو ایک مشرک سے لڑتے دیکھا، وہیں ایک دوسرا مشرک اس مسلمان کے پیچھے سے اسے قتل کرنے کی تاک میں تھا۔ میں تیزی سے اس تک جا پہنچا تو اس نے مجھے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ میں نے اس کے ہاتھ پر وار کیا اور اسے کاٹ دیا اس کے باوجود اس نے مجھے اتنا دبایا کہ مجھے اپنی موت نظر آنے لگی، پھر وہ بیٹھ گیا اور الگ ہوگیا۔ اس کا زور کم ہوگیا۔ میں نے اسے دھکیل کر قتل کر دیا۔ مسلمان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں بھی ان کے ساتھ بھاگ نکلا۔ دیکھتا ہوں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ڈٹے ہوئے لوگوں میں سے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا: ''یہ مسلمانوں کو کیا ہوگیا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''اللہ کی مرضی۔''

بعدازاں مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب واپس ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: «مَنْ أَقَامَ بَيِّنَةً عَلٰى قَتِيلٍ قَتَلَهُ، فَلَهُ سَلَبُهُ» ''جو شخص گواہی سے ثابت کر دے کہ اس نے فلاں کافر کو مارا ہے تو اس کا سامان وہی لے گا۔'' میں نے جس کافر کو مارا تھا اس پر گواہ ڈھونڈنے لگا مگر مجھے کوئی گواہ نہ ملا۔ آخر میں تھک ہار کر بیٹھ گیا، پھر میرے دل

1 صحيح البخاري، حديث: 1536، وصحيح مسلم، حديث: 1180.

میں خیال آیا تو میں نے یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ کے پاس بیٹھے لوگوں میں سے ایک شخص بولا: ''جس مقتول کے سامان کا یہ ذکر کر رہا ہے وہ میرے پاس ہے۔ آپ ابوقتادہ کو اپنی طرف سے راضی کر دیجیے۔'' اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا! پرندوں کی طرح عاجز ایک قریشی کو تو آپ نوازیں مگر اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حمایت میں لڑتا رہا اسے محروم کر دیں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور وہ سامان مجھ کو دلا دیا۔ میں نے اسے بیچ کر ایک باغ خریدا۔ وہ پہلی جائیداد تھی جو میں نے زمانۂ اسلام میں حاصل کی۔[1]

اس روایت سے ہم یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے مسلمان بھائی کی سلامتی کی پوری کوشش کی اور انتہائی کوشش کے بعد اس کافر کو قتل کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا موقف بھی حق دار کو حق دلانے اور اس کا دفاع کرنے کی پوری کوشش پر دلالت کرتا ہے۔[2]

خیانت کی ممانعت: حنین کے روز نبی مکرم ﷺ نے غنیمت کے اونٹ کے کوہان سے کچھ بال لیے اور انھیں اپنی دو انگلیوں میں دبا کر فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ لَا يَحِلُّ لِي مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ قَدْرَ هٰذِهِ إِلَّا الْخُمُسُ، وَالْخُمُسُ مَرْدُودٌ عَلَيْكُمْ، فَأَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمِخيَطَ. وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُولَ فَإِنَّ الْغُلُولَ عَارٌ، وَّ نَارٌ وَّ شَنَارٌ عَلٰى أَهْلِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»

''لوگو! تمھارے مال غنیمت میں سے بجز خمس کے میرے لیے اس قدر بھی حلال نہیں۔ اور یہ خمس بھی تمھیں واپس ہو جاتا ہے، اس لیے تم لوگ دھاگا اور سوئی تک

[1] صحيح البخاري، حديث: 4321، 4322، وصحيح مسلم، حديث: 1751. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 26/8.

جمع کرا دو کیونکہ مالِ غنیمت میں خیانت کرنا قیامت کے روز اور دنیا میں بھی بڑی عار، آگ اور شرم کا باعث ہوگا۔“ [1]

جب لوگوں نے اس کے متعلق اس قدر وعید سنی تو بہت زیادہ گھبرا گئے۔ اس کے بعد ایک انصاری بالوں کا ایک گچھا سا لے کر آئے اور عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! میں نے یہ گچھا لے لیا تھا۔ اس میں سے میں اپنے زخمی کوہان والے اونٹ کے لیے دری بُن رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَمَّا حَقِّي مِنْهَا وَمَا كَانَ لِبَنِي عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكَ» ”اس میں سے جو میرا اور بنو عبدالمطلب کا حصہ ہے وہ میں نے تمھیں دیا۔“ انصاری نے کہا: ”جب اس گچھے کو رکھنے کا جرم اس قدر ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں۔“ یہ کہہ کر اس نے وہ گچھا (مالِ غنیمت کے ڈھیر پر) پھینک دیا۔ [2]

ادھر عقیل بن ابو طالب جنگ حنین میں اپنی بیوی فاطمہ بنت شیبہ کے پاس گئے۔ اس وقت ان کی تلوار خون آلود تھی۔ اپنی بیوی سے کہنے لگے: ”یہ سوئی ہے اس سے اپنے کپڑے سی۔“ اور سوئی انھیں دے دی، پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منادی کرنے والے کو یہ کہتے سنا کہ جس نے جو چیز لی ہو واپس کر دے۔ سوئی اور دھاگا تک واپس کر دے۔ عقیل پلٹ کر گھر آئے اور بیوی سے سوئی واپس لے لی اور جا کر اسے اموالِ غنیمت میں شامل کر دیا۔ [3]

جاہلیت میں مانی ہوئی نذر کا پورا کرنا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب ہم حنین سے لوٹے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ”میں نے جاہلیت میں اعتکاف کی نذر مانی تھی؟“ رسول اللہ ﷺ نے انھیں پورا کرنے کا حکم دیا۔ [4]

[1] البداية والنهاية: 353/4. [2] سنن أبي داود، حديث: 2694، ومسند أحمد: 184/2، والسنن الكبرىٰ للنسائي: 264,263/6. [3] السيرة النبوية لابن هشام: 145/4. [4] صحيح البخاري، حديث: 4320، وصحيح مسلم، حديث: 1656.

بعض صحابہ کرام اور صحابیات کے کارہائے نمایاں

انس بن ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کی پہرے داری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے معرکے سے پہلے فرمایا: «مَنْ يَحْرُسُنَا اللَّيْلَةَ؟» ''آج رات ہماری حفاظت کون کرے گا؟'' جواب میں حضرت انس بن ابو مرثد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ کام آج میں کروں گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَارْكَبْ» ''سوار ہو کر آؤ۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم سنتے ہی انس رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِسْتَقْبِلْ هٰذَا الشِّعْبَ حَتّٰى تَكُونَ فِي أَعْلَاهُ وَلَا نُغَرَّنَّ مِنْ قِبَلِكَ اللَّيْلَةَ» ''رات بھر سامنے کی گھاٹی کا اوپر تک خاص خیال رکھنا تاکہ اُدھر سے کوئی اچانک ہم پر حملہ نہ کرنے پائے۔''

سہل بن حنظلیہ کہتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لائے، دو رکعات ادا کیں، پھر دریافت فرمایا: «هَلْ أَحْسَسْتُمْ فَارِسَكُمْ؟» ''کیا تم نے اپنے سوار کو دیکھا؟'' لوگوں نے کہا: ''نہیں۔''

اسی دوران نماز کے لیے اقامت کہی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھانی شروع کی اور ساتھ ساتھ مسلسل اس گھاٹی کی طرف بھی متوجہ رہے۔ نماز مکمل کر لی تو فرمایا: «أَبْشِرُوا فَقَدْ جَاءَ كُمْ فَارِسُكُمْ» ''خوش ہو جاؤ، تمھارا گھڑ سوار آ پہنچا ہے۔'' آپ درختوں کے اندر سے گھاٹی میں دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ سوار آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: ''مجھے آپ نے جہاں جانے کا حکم دیا تھا میں وہیں پر چلا گیا تھا۔ جب صبح ہوئی تو میں دونوں گھاٹیوں پر چڑھا مگر مجھے کوئی شخص نظر نہ آیا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: «هَلْ نَزَلْتَ اللَّيْلَةَ؟» ''تم رات کو سواری سے اترے تھے؟'' انس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''سوائے نماز ادا کرنے اور قضائے حاجت کے، لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں اترا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: «قَدْ أَوْجَبْتَ، فَلَا عَلَيْكَ أَنْ لَا تَعْمَلَ بَعْدَهَا» ''تم نے (جنت) واجب کر لی ہے اب کوئی بھی عمل نہ کرو تو تمھارا مواخذہ نہیں ہے۔''[1]

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو خصوصی اہمیت دیتے تھے۔ نماز میں اس کی طرف دیکھتے رہنا اور نماز کے بعد اس کی آمد کی لوگوں کو خوشخبری سنانا اسلامی معاشرے میں اس کی اہمیت جتلانے کے لیے تھا۔ وہاں لوگ مقصد کے بغیر جمع نہیں ہوتے تھے، نہ وہاں محض خانہ پری ہوتی تھی اور نہ ہی لوگ وہاں وقتی فائدہ اٹھانے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے بلکہ وہاں تو ایسا اقدام کیا جاتا تھا جو الٰہی منہج کی عملی تفسیر ہوتا تھا۔[2]

اس قصے سے ایک اور بات بھی سمجھ آتی ہے کہ دشمن کے حالات سے واقف رہنا، محتاط اقدام کرنا، حرکات کا جائزہ لینا، اس کی تعداد، قوت، اسلحہ اور جنگی چالوں سے باخبر رہنا نہ صرف منہج نبوی ہے بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوشش کرنے والے حکمرانوں کے لیے اہم سیاسی نکتہ بھی ہے۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے جو انس بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ کو آئندہ کوئی بھی عمل نہ کرنے کی صورت میں مواخذہ سے آزاد قرار دیا، اس سے مراد نوافل ہیں، یعنی ایسے اعمال جن سے گناہ معاف ہوتے اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انس بن ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے اتنا بڑا عمل کیا کہ مستقبل میں اگر کوئی کمی کوتاہی ہوگی تو یہ عمل کفایت کر جائے گا۔ اس کا یہ ہرگز مفہوم نہیں ہے کہ یہ عمل فرائض و واجبات کو بھی کافی ہو جائے گا۔[4]

حنین کے دن ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بہادری

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حنین کے دن ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس ایک خنجر تھا۔

---

1 سنن أبي داود، حديث: 2501، والسنن الكبرىٰ للنسائي، رقم: 8819. 2 من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 429. 3 محمد رسول اللهﷺ لصادق عرجون: 366/4. 4 التاريخ الإسلامي للحميدي: 14/8.

ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے وہ خنجر دیکھا تو عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ام سلیم کے پاس خنجر ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: «مَا هٰذَا الْخَنْجَرُ؟» ''یہ خنجر کیسا ہے؟'' کہنے لگیں: ''میں نے یہ خنجر اس لیے لیا ہے کہ اگر کوئی مشرک ہمارے قریب آئے تو میں اس کا پیٹ چاک کر دوں۔'' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے۔ ام سلیم بولیں: ''اے اللہ کے رسول! جو لوگ آپ کو چھوڑ کر پسپا ہوتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے ہیں انھیں قتل کر دیجیے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: «يَا أُمَّ سُلَيْمٍ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ كَفٰى وَ أَحْسَنَ» ''ام سلیم! دیکھیے اللہ تعالیٰ خود کافی ہو گیا ہے اور اس نے بڑا احسان فرما دیا ہے۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیماء بنت حارث رضی اللہ عنہا

مسلمانوں نے قیدیوں میں حضرت حلیمہ کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیماء بنت حارث کو بھی پیش کیا۔ انھوں نے بے خبری میں دیگر قیدیوں کے ہمراہ ان پر بھی سختی کی تو اس نے مسلمانوں سے کہا: ''تمھیں علم ہے کہ میں تمھارے ساتھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن ہوں!'' مگر انھوں نے یہ بات تسلیم نہ کی بلکہ اسے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ شیماء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے ہی عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: «مَا عَلَامَةُ ذٰلِكَ؟» ''اس کی کوئی نشانی بھی ہے؟'' شیماء نے عرض کیا: ''میری پشت پر دانت سے کاٹنے کا ایک نشان ہے۔ یہ آپ نے اس وقت کاٹا تھا جب میں آپ کو پشت پر اٹھائے ہوئے تھی۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علامت پہچان لی، چنانچہ شیماء کے لیے اپنی چادر بچھا دی اور فرمایا: «إِنْ أَحْبَبْتِ فَعِنْدِي مَحَبَّةٌ مَكْرَمَةٌ وَإِنْ أَحْبَبْتِ أَنْ أُمَتِّعَكِ وَتَرْجِعِي إِلٰى قَوْمِكِ فَعَلْتُ» ''اگر تم پسند کرو تو میرے پاس رہو تمھیں بڑی چاہت اور عزت دی

[1] صحيح مسلم، حديث: 1809.

جائے گی اور اگر تم پسند کرو کہ میں تمھیں سازوسامان دے دوں اور تم اپنی قوم میں واپس چلی جاؤ تو میں یہ بھی کر دوں گا۔'' شیماء نے کہا: ''بلکہ آپ مجھے کچھ سازوسامان دے دیجیے اور مجھے اپنی قوم میں واپس بھیج دیجیے۔'' رسول اللہ ﷺ نے انھیں بہترین سازوسامان سے نوازا اور واپس بھیج دیا، پھر وہ مسلمان ہوگئیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے انھیں تین غلام، ایک لونڈی کچھ اونٹ اور چند بکریاں عنایت فرمائیں۔[2]

مشہور شاعر کعب بن زہیر کا قبولِ اسلام

رسول اللہ ﷺ جب طائف سے واپس ہوئے تو شاعر ابن شاعر کعب بن زہیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی مذمت میں اشعار کہے تھے۔ پھر اس پر زمین تنگ ہوگئی اور اسے اپنے متعلق بھی ڈر محسوس ہوا۔ اس کے بھائی بجیر نے اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے پر آمادہ کیا۔ بصورت دیگر اسے برے انجام سے بھی باخبر کر دیا۔ اس نے اس موقع پر وہ مشہور قصیدہ کہا جس نے ''بانت سعاد'' کے نام سے بے مثال شہرت پائی۔ وہ مدینہ منورہ آیا۔ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھ چکے تھے۔ اس نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں دیا اور بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اسے نہیں جانتے تھے۔ وہ عرض کرنے لگا: ''اگر کعب بن زہیر آپ کے پاس توبہ تائب ہو کر آئے اور امان کا طالب ہو تو کیا آپ اسے امان دیں گے؟'' اتنے میں ایک انصاری اچھل کر آ گیا اور عرض کرنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے، میں اللہ کے اس دشمن کی گردن اڑا دوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «دَعْهُ عَنْكَ، فَقَدْ

---

1 البداية والنهاية: 463/4، والسيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 506/2. 2 السيرة النبوية لابن هشام: 101,100/4، ودلائل النبوة للبيهقي: 200,199/5، والمصنف لعبدالرزاق: 479/7، رقم: 13958، وتاريخ الطبري: 132,131/3، والسيرة النبوية للندوي، ص: 358.

جَاءَ تَائِباً نَّازِعاً» ''اسے جانے دو۔ یہ توبہ تائب ہو کر آیا ہے۔'' تب کعب نے اپنا مشہور قصیدہ لامیہ کہا۔

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِي الْيَوْمَ مَتْبُولُ
مُتَيَّمٌ إِثْرَهَا لَمْ يُفْدَ مَكْبُولُ

''سعاد مجھ سے جدا ہو گئی، اس لیے آج میرا دل اس کے عشق میں بیمار ہے۔ اس کے پیچھے ذلیل و رسوا ہے۔ بے پا بہ زنجیر اسیر ہے۔''

وَمَا سُعَادُ غَدَاةَ الطَّرْفِ إِذْ رَحَلُوا
إِلَّا أَغَنَّ قَرِيرُ الْعَيْنِ مَكْحُولُ

''سعاد کو جب کوچ کے وقت صبح بخیر کہا تو وہ گنگنا رہی تھی اور اس نے خوشی و رضا مندی کا سرمہ آنکھوں میں ڈالا ہوا تھا۔''

إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ يُّسْتَضَاءُ بِهِ
مُهَنَّدٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ مَسْلُولُ

''بلاشبہ رسول گرامی قدر ایک ایسا نور اور چراغ ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک بے نیام ہندی تلوار ہیں۔''

فِي عُصْبَةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ قَالَ قَائِلُهُمْ
بِبَطْنِ مَكَّةَ لَمَّا أَسْلَمُوا زُولُوا

''قریش کی جماعت میں سے کسی کہنے والے نے اس وقت کہا تھا جب وہ بطن مکہ میں مسلمان ہوئے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔''

شُمٌّ الْعَرَانِينِ أَبْطَالٌ لُبُوسُهُمْ
مِّنْ نَّسْجِ دَاوٗدَ فِي الْهَيْجَا سَرَابِيلُ

''وہ معزز و محترم اور بہادر لوگ ہیں۔ جنگ میں ان کا لباس حضرت داود علیہ السلام کی بنی ہوئی زرہیں ہوتی ہیں۔''[1]

مشہور یہی ہے کہ جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ اشعار پڑھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی مبارک چادر عنایت فرمائی۔ یہی چادر پھر خلفاء کے پاس بھی رہی۔[2]

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بڑا مشہور واقعہ ہے مگر یہ ان قابل اعتماد اور شہرت یافتہ کتب میں قابلِ اعتماد سند سے ثابت نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[3]

کہا جاتا ہے کہ یہ قصیدہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَوْلَا ذَكَرْتَ الْأَنْصَارَ بِخَيْرٍ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ لِذٰلِكَ أَهْلٌ» ''تم نے انصار کا بھی اچھے الفاظ میں تذکرہ کر دیا ہوتا تو (اچھا تھا) کیونکہ وہ بلاشبہ تعریف کے مستحق ہیں۔''

تو اس نے کہا:

مَنْ سَرَّهُ كَرَمُ الْحَيَاةِ فَلَا يَزَلْ
فِي مِقْنَبٍ مِّنْ صَالِحِي الْأَنْصَارِ

''جسے زندگی کی شرافت سے خوشی ہوتی ہے، اسے چاہیے کہ انصار کے نیک گروہ کے ساتھ رہے۔''

وَرِثُوا الْمَكَارِمَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ
إِنَّ الْخِيَارَ هُمْ بَنُو الْأَخْيَارِ

''انصار نسل در نسل بزرگی و شرافت کے وارث چلے آئے ہیں۔ واقعی بات یہی ہے کہ بہترین لوگ صرف انصار کی اولادیں ہیں۔''

---

1 المستدرك للحاكم:3/579-583، والمعجم الكبير للطبراني: 19/176-179، رقم: 403، ودلائل النبوة للبيهقي: 5/207-211، ومجمع الزوائد:9/393,394، والبداية والنهاية: 4/369-371. 2 السيرة النبوية لأبي شهبة:2/487. 3 البداية والنهاية:4/373.

الْمُكْرَهِينَ السَّمْهَرِيَّ بِأَذْرُعٍ
كَسَوَالِفِ الْهِنْدِيِّ غَيْرِ قِصَارِ

''وہ اپنے ہاتھوں سے مضبوط، سخت نیزوں کو جو لمبائی میں طویل ہندی تلواروں کے مانند ہیں، خوب چلاتے ہیں۔''

وَالنَّاظِرِينَ بِأَعْيُنٍ مُّحْمَرَّةٍ
كَالْجَمْرِ غَيْرَ كَلِيلَةِ الْأَبْصَارِ

''وہ انگارے کی طرح سرخ سرخ آنکھوں سے جو تھکی ہوئی ہرگز نہیں ہوتیں، دیکھتے ہیں۔''

وَالْبَائِعِينَ نُفُوسَهُمْ لِنَبِيِّهِمْ
لِلْمَوْتِ يَوْمَ تَعَانُقٍ وَّكِرَارِ

''یہ انصار اپنی جانیں اپنے پیغمبر کو موت کے عوض فروخت کر دینے والے ہیں، اس دن جب گھمسان کی جنگ ہو، جب تلواریں گردنوں سے معانقہ کریں اور بار بار حملہ ہو۔''

وَالْقَائِدِينَ النَّاسَ عَنْ أَدْيَانِهِمْ
بِالْمَشْرَفِيِّ وَبِالْقَنَا الْخَطَّارِ

''اور وہ لوگوں کو ان کے اپنے ادیان سے متحرک نیزوں اور تلواروں سے روکنے والے ہیں۔''

يَتَطَهَّرُونَ يَرَوْنَهُ نُسُكاً لَّهُمْ
بِدِمَاءِ مَنْ عَلِقُوا مِنَ الْكُفَّارِ

"انصار وہ لوگ ہیں جو ان کفار کے خون سے طہارت حاصل کرتے ہیں جو اپنے کفر کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں اور اسے انصار اپنے لیے عبادت سمجھتے ہیں۔"

حتی کہ کعب بن زہیر نے یہاں بات مکمل کی:

لَوْ يَعْلَمُ الْأَقْوَامُ عِلْمِي كُلَّهُ

فِيهِمْ لَصَدَّقَنِي الَّذِينَ أُمَارِي

"جو شخص مجھ سے ان کے متعلق جھگڑتے ہیں اگر ان لوگوں کو بھی وہ تمام معلومات حاصل ہو جائیں جو مجھ تک پہنچ چکی ہیں تو یقیناً وہ میری تصدیق کریں گے۔"

قَوْمٌ إِذَا خَوَتِ النُّجُومُ فَإِنَّهُمْ

لِلطَّارِقِينَ النَّازِلِينَ مَقَارِي

"یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ستارے گرنے لگتے ہیں (قحط پڑ جاتا ہے) تو یہ رات کو مہمان بن کر آنے والوں کے لیے بہترین مہمان نواز ثابت ہوتے ہیں۔"[1]

یہ بات ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ کعب رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے ساتھ ہی اسلامی دعوت کے مخالف شعراء کا باب بالکل بند ہو گیا۔ اب تک بڑے بڑے شعراء ضرار بن خطاب، عبداللہ بن زبعری، ابوسفیان بن حارث، حارث بن ہشام اور عباس بن مرداس اور دیگر شعراء اسلام قبول کر چکے تھے۔ یہ تمام شعراء ایمان و یقین کے ساتھ اسلامی صف میں شامل ہو چکے تھے۔ ان میں کئی ایک تو وہ تھے جنھوں نے اسلام کی حمایت میں اپنی زبان ہی نہیں تلوار بھی استعمال کی۔ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ فتح مکہ کی برکات تھیں۔[2]

غزوۂ حنین اور طائف کے نتائج

① مسلمانوں کا بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے قبائل پر غالب آنا۔

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 4/168,167. [2] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 431-433.

② حنین اور طائف مشرکین عرب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے آخری غزوات تھے۔

③ اموالِ غنیمت کے ذریعے اکثر اہل مکہ اور بدویوں کے قلوب میں اسلام کے لیے نرم گوشہ پیدا کیا گیا۔ انصار کو بڑا اعزاز ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے اور ان کے بیٹوں اور پوتوں کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ شرف بھی انصار ہی کو حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں واپس مدینہ پہنچے۔

④ اہل مکہ اور ہوازن کی صورت میں اسلام کو اعلیٰ پائے کی قیادت میسر آئی۔ وہ خود عرب میں بتوں، آستانوں اور دور جاہلیت کے بتکدوں کے خلاف کمربستہ ہو گئے۔ جیسا کہ اہل طائف پر دائرہ تنگ کرنے اور انھیں اسلام کے دامن میں لانے کے سلسلے میں قبیلہ بنو ہوازن کا نمایاں کردار تھا۔

⑤ اسلامی حکومت وسعت اختیار کر گئی اور اس کا عمل دخل مزید بڑھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مکہ مکرمہ اور بنو ہوازن پر امراء مقرر کیے گئے۔ یہ تمام مقامات حکومت کا حصہ بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہر طرف بلا خوف و خطر دعوتی قافلے بھیجنا ممکن ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ میں تسلسل سے اسلام قبول کرنے والے قافلوں اور گروہوں کا استقبال ہونے لگا۔ چھوٹی چھوٹی جماعتیں بآسانی بتوں اور آستانوں کا صفایا کر رہی تھیں۔ ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے قبائل سے زکاۃ جمع کرنے کا نظام بھی تشکیل دے دیا اور اس کے لیے بعض افراد کو ذمہ داریاں بھی سونپ دی گئیں۔ [1]

1 الأساس في السنة لسعيد حوّى: 961/2.

تبوک سے قبل اہم واقعات

صدقات وصول کرنے کا طریق کار

رسول اللہ ﷺ ذوالقعدہ کے آخر میں مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ اور اب حکومتی معاملات کو منظم فرمانے لگے۔ آپ ﷺ جب عمرے سے فارغ ہوئے تو مکہ مکرمہ پر عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرما دیا۔ قرآن پاک کی تعلیم دینے اور لوگوں کو دینی مسائل سمجھانے کے لیے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب بھی اور جہاں سے بھی کچھ قبائل اسلام میں داخل ہوتے آپ ﷺ ان کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام فرماتے اور وہاں اس کام کے لیے ایک شخص کو متعین کر دیتے۔ کیونکہ نئے لوگ صحیح اسلامی تصورات و عقائد کے خصوصی محتاج ہوتے ہیں، چنانچہ 9ھ کے شروع میں رسول گرامی ﷺ نے اپنے عمال مختلف مقامات کی طرف بھیجے۔ بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو اسلم اور غفار قبیلوں کی طرف، عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو سُلیم اور مزینہ قبیلوں کی طرف، رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ کو جہینہ قبیلے کی جانب، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو فزارہ قبیلے کی طرف، ضحاک بن شعبان کلابی رضی اللہ عنہ کو بنو کلاب قبیلے کی طرف، بسر بن سفیان کعبی رضی اللہ عنہ کو بنو کعب کی سمت اور ابن لتبیہ ازدی رضی اللہ عنہ کو بنو ذبیان کی طرف بھیجا۔ بنو سعد بن ہذیم کی طرف انھی میں سے ایک شخص کو بھیجا۔ مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو صنعاء کی طرف، زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ کو حضر موت کی طرف، زبرقان بن بدر اور قیس بن عاصم رضی اللہ عنہما کو

بنوسعد کی طرف، علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نجران کی طرف زکاۃ وصول کرنے اور جزیہ اکٹھا کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمال سے پورا پورا حساب لیتے۔ ان سے آمدن اور خرچ کا حساب کرتے۔ ایک عامل ابن لتبیّہ ازدی (جب واپس آئے تو) کہنے لگے: ''یہ آپ کا مال ہے اور یہ مال مجھے بطور تحفہ ملا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا:

«مَا بَالُ عَامِلٍ أَبْعَثُهُ، فَيَقُولُ: هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا أُهْدِيَ لِي، أَفَلَا قَعَدَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهِ حَتّٰى يَنْظُرَ أَيُهْدٰى إِلَيْهِ أَمْ لَا؟! وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ! لَا يَنَالُ أَحَدٌ مِّنْكُمْ شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلٰى عُنُقِهٖ، إِنْ كَانَ بَعِيرًا لَّهُ رُغَاءٌ، أَوْ بَقَرَةً لَّهَا خُوَارٌ أَوْ شَاةً تَيْعَرُ»

''اس عامل کا کیا حال ہے جس کو میں مقرر کرتا ہوں۔ (جب زکاۃ و صدقات جمع کرانے کا وقت آتا ہے) تو کہتا ہے: ''یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔'' وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا؟ پھر دیکھتا کہ اسے ہدیہ ملتا ہے یا نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! تم میں سے جو کوئی بھی ایسا مال لے گا وہ اسے قیامت کے روز اپنی گردن پر لاد کر لائے گا، اونٹ ہوگا تو وہ بلبلاتا ہوگا، گائے ہوگی تو وہ ڈکراتی ہوگی اور بکری ہوگی تو وہ منمناتی ہوگی۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے حتی کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ؟» ''اے اللہ! کیا میں نے تیرا حکم پہنچا نہیں دیا؟'' [2] یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار دُہرائی۔

[1] نضرة النعيم:384/1. [2] صحيح البخاري، حديث:6979، وصحيح مسلم، حديث:1832.

اسی طرح آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«أَيُّمَا عَامِلٍ اسْتَعْمَلْنَاهُ وَفَرَضْنَا لَهُ رِزْقًا فَمَا أَصَابَ بَعْدَ رِزْقِهِ فَهُوَ غُلُولٌ»

''کسی شخص کے ذمے ہم کام لگائیں اور اس پر معاوضہ بھی مقرر کر لیں تو وہ شخص اس مقرر کردہ معاوضے کے سوا کچھ بھی لے گا تو وہ خیانت ہوگا۔''[1]

''ذوالکفلین'' کی جانب طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی

رسول اللہ ﷺ جس وقت حنین میں قیام پذیر تھے اور ابھی طائف کی جانب نہ بڑھے تھے، آپ ﷺ نے طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو ''قبیلۂ دوس'' کا بت ''ذوالکفلین'' گرانے کے لیے روانہ فرمایا اور اسے حکم دیا کہ اپنی قوم کی کمک کے ہمراہ مجھے طائف میں آ ملو۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حکم کو بجا لاتے ہوئے ''ذوالکفلین'' کو گرا کر جلا دیا۔ اور پھر قوم کے چار سو آدمی بطور امداد اور ایک منجنیق ساتھ لیے رسول اللہ ﷺ کو طائف میں جا ملے۔ ابھی آپ ﷺ کو وہاں پہنچے صرف چار دن ہوئے تھے۔[2]

عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا سریہ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا فوجی دستہ ایک انصاری کی قیادت میں روانہ فرمایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ امیر کی اطاعت کریں۔ ایک بار ایسا ہوا کہ امیر کو غصہ آ گیا۔ وہ کہنے لگا: ''کیا رسول اللہ ﷺ نے تمھیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا؟'' لوگوں نے کہا: ''کیوں نہیں؟ دیا ہے۔'' اس نے لوگوں کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے لکڑیاں جمع کر دیں۔ اس نے کہا: ''آگ جلاؤ۔'' لوگوں

---

1 سنن أبي داود، حديث: 2943، والتراتيب الإدارية للكتاني: 265/1، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھیے: (صحيح سنن أبي داود، حديث: 2943.) 2 نضرة النعيم: 385/1.

نے آگ جلا دی۔ اس نے کہا: ''اب اس میں کود پڑو۔'' کچھ لوگوں نے ارادہ کیا کہ کود پڑیں مگر دوسرے افراد روکنے لگے اور کہنے لگے: ''ہم تو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس لیے آئے تھے کہ آگ سے بچیں۔'' یہی باتیں کر رہے تھے کہ آگ بجھ گئی اور امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ خبر آپ ﷺ کو پہنچی تو فرمایا: «لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، اَلطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ» ''اگر وہ اس آگ میں گھس جاتے تو قیامت تک کے لیے اس سے نہ نکلتے۔ امیر کی اطاعت صرف جائز کاموں میں ہے۔''[1]

''طے'' کے بت ''فُلس'' کو گرانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روانگی

ربیع الآخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں ''طے'' کا بت ''فُلس'' گرانے کے لیے لشکر روانہ ہوا جو ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل تھا۔ وہ تمام انصاری تھے۔ یہ لشکر ایک سو اونٹ، پچاس گھوڑوں، ایک بڑے سیاہ جھنڈے اور ایک سفید چھوٹے علَم کے ساتھ روانہ ہوا۔ انھوں نے فجر کے وقت محلّہ آل حاتم (اسی حاتم طائی سے منسوب محلّہ جو سخاوت میں ضرب المثل ہے۔) پر حملہ کیا۔ ''فُلس'' کو گرا کر برباد کر دیا۔ اور دیگر مال غنیمت اور قیدیوں میں عدی بن حاتم کی بہن بھی قید ہوئی، جبکہ عدی خود شام کی جانب بھاگ گیا۔[2]

ذوالخلصہ کی جانب جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا لشکر

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: «أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ؟» ''کیا تم ''ذوالخلصہ'' کو گرا کر مجھے راحت نہیں پہنچاتے؟'' میں نے عرض کیا: ''کیوں نہیں۔'' میں نے ایک سو پچاس ماہر گھڑ سوار ساتھ لیے مگر میں خود گھوڑے پر اچھی طرح بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ یہ بات میں نے رسول اللہ ﷺ

1. صحيح البخاري، حديث: 4340، وصحيح مسلم، حديث: 1840. 2 تاريخ الإسلام (المغازي) للذهبي، ص:624.

سے عرض کی تو آپ ﷺ نے میرے سینے پر اپنا ہاتھ رکھا یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی انگلیوں کا اثر اپنے سینے میں محسوس کیا۔ پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا» ''اے اللہ! اسے گھوڑے پر جم کر بیٹھنے کی ہمت عطا فرما اور اس کو راستہ دکھانے والا اور راستہ پانے والا بنا دے۔''

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اس کے بعد کبھی گھوڑے سے نہیں گرا۔

''ذوالخلصہ'' یمن میں خثعم اور بجیلہ قبائل کا بت خانہ تھا۔ اسے ''کعبہ یمانیہ'' بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے اسے گرا کر جلا ڈالا۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ یمن پہنچ گئے وہاں ایک شخص تیروں سے فال نکالا کرتا تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا: یہاں رسول اللہ ﷺ کا ایک ایلچی آیا ہوا ہے۔ اگر اس نے تجھے پالیا تو تیری گردن مار دے گا، پھر ایسا ہوا کہ وہ فال نکال رہا تھا کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے اور اس سے کہا: ''یہ فال کے تیر توڑ ڈال اور لا إلٰه إلا اللّٰه پڑھ لے، ورنہ میں ابھی تیری گردن ماردوں گا۔'' اس نے وہ تیر توڑ دیے اور اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی گواہی دی، پھر حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ ''اُحمس'' کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کو خوشخبری دینے کے لیے روانہ کیا۔ اس کی کنیت ''ابوارطاۃ'' تھی۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو اس نے یوں خبر دی: ''اے اللہ کے رسول! میں جب وہاں سے آیا تب تک ذوالخلصہ خارش زدہ اونٹ کی طرح بنا دیا گیا تھا۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے احمس کے گھوڑوں اور ان کے سواروں کے لیے پانچ بار برکت کی دعا فرمائی۔[1]

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ قید ہو کر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ بڑا

[1] صحيح البخاري، حديث: 4357، و صحيح مسلم، حديث: 2476، و سنن أبي داود، حديث: 2772، و مسند أحمد: 362/4، والسنن الكبرى للنسائي، رقم: 8245.

کریمانہ اور فیاضانہ سلوک کیا۔ یہ مسلمانوں کی قید میں بھی معزز و مکرم رہی، پھر رسول اکرم ﷺ نے اسے فاخرانہ لباس پہنا کر زادِ سفر دے کر اپنے بھائی کی تلاش میں روانہ فرما دیا۔ یہ شام میں اپنے بھائی عدی کے پاس پہنچی اور اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے پر آمادہ کیا تو وہ مدینہ آ گیا۔[1]

ابو عبیدہ بن حذیفہ کی زبانی عدی بن حاتم طائی کا قصۂ اسلام سنتے ہیں: حضرت ابو عبیدہ بن حذیفہ کا بیان ہے کہ میں بالواسطہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا قصہ بیان کیا کرتا تھا۔ ایک روز میں نے دل میں سوچا کہ کوفہ میں عدی رضی اللہ عنہ موجود ہیں کیوں نہ میں ان کے پاس جا کر ان کی زبانی وہ واقعہ سن لوں۔ میں ان کے پاس گیا اور عرض کیا: ''میں آپ کے قبول اسلام کا قصہ سناتا رہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں آپ سے بلاواسطہ وہ واقعہ سن لوں۔'' یہ گزارش سن کر انھوں نے یہ قصہ یوں بیان کرنا شروع کیا:

''جب اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا تو میں بھاگ کر روم میں اس جگہ چلا گیا جو مسلمانوں سے بہت دور تھی۔ میں نے اس جگہ رہنا پسند نہ کیا۔ اور یہ جگہ مجھے میری سابقہ جگہ سے بھی انتہائی معیوب معلوم ہونے لگی، لہٰذا میں نے سوچا کہ میں ضرور اس شخص (رسول اللہ ﷺ) کے پاس جاؤں گا۔ اگر وہ سچا ہے تو میں اس کی سنوں گا۔ لیکن اگر وہ جھوٹا ہے تو مجھے نقصان نہ پہنچا سکے گا، چنانچہ میں مدینہ آ گیا۔ لوگوں نے مجھے دیکھتے ہی شور مچا دیا: ''عدی بن حاتم، عدی بن حاتم۔'' یہ بات غالباً عدی رضی اللہ عنہ نے تین بار کہی۔ عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (کہ میں نبی ﷺ کے پاس پہنچا) تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: «يَا عَدِيُّ بْنَ حَاتِمٍ! أَسْلِمْ تَسْلَمْ» ''عدی! اسلام قبول کر لو بچ جاؤ گے۔''

عدی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''میں پہلے ہی ایک دین پر ہوں۔'' آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: «يَا عَدِيُّ بْنَ حَاتِمٍ! أَسْلِمْ تَسْلَمْ» ''اے عدی بن حاتم! اسلام قبول کر لو محفوظ رہو گے۔''

---

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 81/8.

میں نے جواباً عرض کیا: ''میں تو پہلے ہی ایک دین پر ہوں۔'' آپ ﷺ نے یہ بات تین دفعہ دُہرائی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنَا أَعْلَمُ بِدِينِكَ مِنْكَ» ''تیرے دین کو میں تجھ سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔''

میں نے تعجب سے دریافت کیا: ''آپ میرے دین کو مجھ سے بھی زیادہ جانتے ہیں؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ، أَلَسْتَ مِنَ الرَّكُوسِيَّةِ وَأَنْتَ تَأْكُلُ مِرْبَاعَ قَوْمِكَ؟» ''ہاں! کیا تم عیسائیوں اور صابیوں (بے دینوں) سے ملتے جلتے دین کو اختیار کرنے والوں میں سے نہیں ہو؟ اور تم اپنی قوم کے مالِ غنیمت میں سے چوتھائی سے فائدہ اٹھاتے ہو؟'' میں نے کہا: ''ہاں! کیوں نہیں؟'' نبی ﷺ نے فرمایا: «فَإِنَّ هٰذَا لَا يَحِلُّ لَكَ فِي دِينِكَ» ''یہ تمھارے دین میں تمھارے لیے حلال نہیں۔''

عدی کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے یہ بات کہی تو میں نے سرِ تسلیم خم کرلیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «وَإِنِّي قَدْ أَرٰى أَنَّ مِمَّا يَمْنَعُكَ خَصَاصَةً تَرَاهَا مِمَّنْ حَوْلِي. وَأَنَّ النَّاسَ عَلَيْنَا إِلْبًا وَّاحِدًا، هَلْ تَعْرِفُ مَكَانَ الْحِيرَةِ؟» ''میرا خیال ہے کہ میرے اردگرد کے لوگ دولتمند نہیں شاید تم اسی لیے اسلام قبول نہیں کر رہے۔ اور اس لیے بھی کہ تمام لوگ ہمارے خلاف متحد ہیں۔ مگر عدی کیا تم ''حیرہ'' شہر سے واقف ہو؟'' میں نے عرض کیا: ''سنا تو ہے مگر دیکھا نہیں۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: «لَتُوشِكَنَّ الظَّعِينَةُ أَنْ تَخْرُجَ مِنْهَا بِغَيْرِ جِوَارٍ حَتّٰى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ، وَلَتُوشِكَنَّ كُنُوزُ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ تُفْتَحُ» ''وہ وقت دور نہیں جب ایک عورت حیرہ سے چلے گی اور کسی سے پناہ لیے بغیر کعبے کا طواف کرے گی اور وہ وقت بھی دور نہیں کہ کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح ہوں گے۔'' عدی کہتے ہیں کہ میں نے (جلدی سے) کہا: ''کسریٰ بن ہرمز کے خزانے؟'' آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: «كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ - وَلَيُوشَكَنَّ أَنْ

يَبْتَغِي مَنْ يَّقْبَلُ مَالَهُ مِنْهُ صَدَقَةً فَلَا يَجِدْ» ”کسریٰ بن ہرمز......۔ اور وہ وقت بھی عنقریب آئے گا کہ ایک شخص صدقہ وصول کرنے والے کو تلاش کرے گا مگر کسی کو نہ پائے گا۔“ عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، دو پیش گوئیاں پوری ہوتی تو یقیناً میں نے دیکھ لی ہیں: ① میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک عورت حیرہ سے چل کر مکہ آئی اور اس نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ ② اور ان شاہسواروں میں میں خود شریک رہا ہوں جنھوں نے مدائن پر حملہ کیا تھا۔ اور تیسری بات بھی اللہ کی قسم پوری ہو کر رہے گی کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے (کوئی عام بات نہیں۔)[1]

ایک روایت میں ہے کہ میں چل پڑا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام کیا تو فرمایا: «مَنِ الرَّجُلُ؟» ”تم کون ہو؟“ میں نے کہا: ”عدی بن حاتم۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور مجھے اپنے گھر کی طرف لے گئے۔ اللہ کی قسم! وہ مجھے گھر لیے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بوڑھی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی۔ وہ اپنی ضرورتوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتی رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دیر تک اس کے لیے کھڑے رہے۔ عدی کہتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا: ”اللہ کی قسم! یہ بادشاہ نہیں۔“ بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر مجھے ساتھ لے چلے۔ گھر کے اندر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا ایک تکیہ، جو کھجور کے درخت کی چھال سے بھرا ہوا تھا، میری طرف کیا اور فرمایا: «اِجْلِسْ عَلٰى هٰذِهٖ» ”اس پر بیٹھو۔“ میں نے عرض کیا: ”نہیں آپ بیٹھیں۔“ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار کرتے ہوئے فرمایا: «بَلْ أَنْتَ» ”تم ہی بیٹھو۔“ تو میں اس پر بیٹھ گیا اور خود رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بیٹھ گئے۔ تو میں نے دل میں سوچا کہ اللہ کی قسم! یہ کام کسی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا۔“[2]

---

1 صحيح البخاري، حديث:3595، ومسند أحمد:4/257، و صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص:580. 2 السيرة النبوية لابن هشام:4/236.

اسباق، عبرتیں اور فوائد

① عدی رضی اللہ عنہ جب مدینہ کی طرف محوِ سفر تھے تو ان کے ذہن میں یہ شک تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہیں یا حکمران۔ لیکن جب بوڑھی عورت کی لمبی باتیں سنتے دیکھا تو حکمرانی والا شک ختم ہوگیا کیونکہ اتنی عاجزی اور تواضع صرف نبی ہی میں ہوسکتی ہے۔

② عدی رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے مذہب کے مطابق حلال وحرام تک کی معلومات رکھتے ہیں تو اسے یقین ہوگیا کہ یہ نبی ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد تمام لوگ ایسی معلومات سے ناواقف تھے اور یہ بات عدی رضی اللہ عنہ بخوبی جانتے تھے۔

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عدی رضی اللہ عنہ کی خاموشی دیکھی تو انھیں ان کی سوچ کے مطابق قبولِ اسلام میں جو موانع تھے وہ بتا دیے کہ یہ مت سوچو کہ مسلمان فقر و فاقہ کا شکار ہیں یا اسلامی حکومت محدود ہے۔ اسلامی حکومت کا دائرہ کار اور امن و امان کی صورت حال بھی واضح فرمائی اور فقر و فاقہ کے زوال اور کثرتِ اموال کا تذکرہ کردیا۔

④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبردست ماہرِ نفسیات تھے، ہر شخص کے دل کی بیماری سے واقف ہوکر اسے دعوت پیش کرتے اور ساتھ ساتھ بیماری کا علاج بھی کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر شخص سے سلوک اس کے علم اور سوچ کے مطابق ہوا کرتا تھا۔ آپ اسی کے احساسات اور خیالات و شعور کو پرکھ کر اسے دعوت دیتے۔ یہ بات بڑے بڑے سرداروں کو شدید متاثر کرتی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔[1]

⑤ عدی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت اور صفات سے سچی و صادق نبوت دیکھ لی تھی۔ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اور طرزِ تکلم میں بھی نبوت جھلکتی نظر آرہی تھی۔ اسی بنا پر عدی رضی اللہ عنہ مال و دولت کے خوبصورت پردوں اور رنگینیوں سے باہر آگئے اور اپنے آپ کو اسلام کے سپرد کردیا۔ نبوی پیش گوئیوں کی تعبیر جب انھوں نے اپنی آنکھوں سے

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي:86,85/8.

دیکھی تو یہ ان کے مزید یقین، اسلام اور استحکام کا سبب بنا۔[1]

8 ھ کے دیگر واقعات

ابن کثیر رحمہ اللہ واقدی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی سال عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جیفر بن جلندیٰ اور عمرو بن جلندیٰ کی طرف قبیلۂ ازد میں بھیجا۔ جزیرۃ العرب اور اردگرد کے اعرابیوں سے جزیہ لیا گیا۔ اسی سال رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ بنت ضحاک بن سفیان کلابی سے ذوالقعدہ میں عقد فرمایا مگر اس نے آپ سے پناہ چاہی تو اسے الگ کر دیا۔ اس سال ذوالحجہ میں ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے۔[2]

8 ھ کو ہی رسول اللہ ﷺ کی بڑی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں۔ یہ ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ یہ نبوت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ ان کے بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی اس صاحبزادی سے بڑی محبت رکھتے تھے، یہ شروع ہی میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ پھر خاوند کے قبول اسلام سے 6 سال قبل ہجرت کی۔

ہجرت کے موقع پر انھیں زخمی کر دیا گیا، زخم سے خون نہ تھم سکا۔ بیماری آہستہ آہستہ بڑھتی گئی حتی کہ آپ فوت ہوگئیں۔ فوت ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

«اِغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا»

"اسے طاق غسل دینا، خواہ تین بار یا پانچ مرتبہ ہو اور آخری مرتبہ (غسل کے پانی میں) کافور ملا لینا۔"[3]

---

[1] فقه السيرة للبوطي، ص: 321. [2] البداية والنهاية: 374/4. [3] صحيح البخاري، حديث: 1258، و صحيح مسلم، حديث: 939(40).

حصہ 19

غزوۂ تبوک 9ھ

باب : 1 تاریخ و اسباب اور نام و تیاری

باب : 2 سفرِ تبوک اور اہم واقعات

باب : 3 غزوۂ تبوک سے واپسی

باب : 4 نصائح، فوائد، عبرتیں اور حکمتیں

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ
مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

''یقیناً اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں آپ کی پیروی کی، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل بہک جانے کو تھے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

(التوبة 9: 117)

باب 1

تاریخ واسباب اور نام و تیاری

غزوۂ تبوک کی تاریخ

محاصرۂ طائف سے مدینہ پلٹنے کے تقریباً چھ ماہ بعد رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے رجب 9 ہجری میں روانہ ہوئے۔[1]

مختلف نام اور ان کی وجہ تسمیہ

یہ جنگ اس چشمے کی بدولت تبوک کے نام سے مشہور ہے جہاں مسلمان لشکر پہنچا تھا۔ یہ وجہ تسمیہ صحیح مسلم میں ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«سَتَأْتُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ـ عَيْنَ تَبُوكَ وَ إِنَّكُمْ لَنْ تَأْتُوهَا حَتّٰى يَضْحَى النَّهَارُ، فَمَنْ جَاءَ هَا مِنْكُمْ فَلَا يَمَسَّ مِنْ مَّائِهَا شَيْئًا حَتّٰى آتِيَ»

''ان شاء اللہ تم کل تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے۔ تم وہاں دن چڑھے ہی پہنچ پاؤ گے، لہٰذا تم میں سے جو کوئی بھی وہاں جائے میرے پہنچنے تک پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔''[2]

[1] فتح الباري: 237/16، وتفسير الطبري: 542-540/14، والسيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 614. [2] صحيح مسلم، حديث: [5947]-706.

اس غزوے کا دوسرا نام ''غزوۃ العسرہ'' ہے۔ قرآن مجید نے سورۂ توبہ میں اس غزوے کا ذکر اسی نام سے کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

''یقیناً اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں آپ کی پیروی کی، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل بہک جانے کو تھے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ مجھے میری قوم والوں نے، جو ''جیش العسرہ'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے والے تھے، سواریاں مانگنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور یہی غزوۂ تبوک تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: «بَابُ غَزْوَةِ تَبُوكَ وَهِيَ غَزْوَةُ الْعُسْرَةِ» ''غزوۂ تبوک کا باب اور یہی غزوۃ العسرہ ہے۔''[2]

چونکہ اس میں مسلمانوں کو انتہائی دشواری کا سامنا کرنا پڑا، اس لیے اس لشکر کا نام ہی ''جیش العسرہ'' رکھا گیا، مثلاً: اس وقت انتہائی گرمی تھی۔ سفرِ دور کا تھا۔ اور مزید یہ کہ میدان جنگ تک پہنچنے کے لیے سواریوں کی قلت کی بنا پر اور زیادہ مشقت ہو گئی علاوہ ازیں پانی کی بھی قلت تھی، اس کے ساتھ ساتھ لشکر کی تیاری اور آنے جانے کے اخراجات کی کمی بھی پائی جاتی تھی۔[3]

[1] التوبة 9: 117. [2] صحيح البخاري، قبل الحديث: 4415. [3] الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 83.

تفسیر عبدالرزاق میں معمر، ابن عقیل سے بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواریوں کی قلت اور سخت گرمی میں نکلے۔ قلت آب کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اونٹ ذبح کر کے اس کے معدے کا پانی پینے کے لیے استعمال کرتے تھے۔[1]

مسلمانوں کو اس جنگ میں کس قدر پیاس کا سامنا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی سنتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سخت گرمی میں تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ دورانِ سفر ہم ایک جگہ اترے، وہاں ہمیں انتہائی پیاس لگی۔ ہم نے یقین کر لیا کہ ہم یہیں ختم ہو جائیں گے۔ ہم میں سے اگر کوئی قضائے حاجت کے لیے باہر چلا جاتا تو اسے یوں معلوم ہوتا کہ واپس آتے آتے اس کی جان نکل جائے گی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ اونٹ ذبح کرنے والا اس کی اوجھڑی نچوڑ کر پی لیتا اور بقایا اپنے جگر کے پاس باندھ کر لٹکا لیتا۔[2]

زرقانی نے اپنی کتاب شرح المواھب اللدنیہ میں اس غزوے کے تیسرے نام ''الفاضحہ'' کا بھی ذکر کیا ہے۔[3]

یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ اس غزوے نے منافقین کی قلعی کھول دی، ان کے پردے چاک کر دیے اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف ان کی مکارانہ چالیں واضح کر دیں۔[4]

تبوک شمالی حجاز میں واقع ہے اور موجودہ راستے کے مطابق مدینہ منورہ سے 778 میل پر ہے۔ اس وقت یہ علاقہ ''دیارِ قضاعہ'' میں شمار ہوتا تھا۔ اور رومی حکومت کے ماتحت تھا۔[5]

---

1 فتح الباري، شرح الحديث: 4415. 2 مجمع الزوائد: 194/6، ومسند البزار، رقم: 1841.
3 شرح المواهب اللدنية للزرقاني: 62/3. 4 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 84.
5 المجتمع الإسلامي للدكتور العمري، ص: 229.

غزوۂ تبوک کے اسباب

مورخین نے غزوۂ تبوک کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو شام سے مدینہ منورہ تیل لانے والے عجمی تاجروں کے ذریعے خبر پہنچی کہ رومیوں نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے اور عرب طرف داروں لخم اور جذام وغیرہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور ان کے لشکر کا پہلا حصہ بلقاء تک پہنچ گیا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ بجائے اس کے کہ وہ ہم سے لڑنے یہاں آئیں ہم خود ہی وہاں پہنچ جاتے ہیں۔[1]

ابن کثیر رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ اس غزوے کا سبب، فریضہ جہاد کے تقاضوں کو پورا کرنا تھا۔ روم چونکہ دیگر لوگوں کی نسبت زیادہ قریب تھے، اس لیے رومی دعوت کے زیادہ حق دار تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان سے جنگ کا ارادہ فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان کافروں سے لڑو جو تمھارے قرب و جوار میں ہیں اور چاہیے کہ وہ تمھارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ یقیناً اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔''[2]

ابن کثیر کی رائے زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔

مورخین کا یہ ذکر کرنا کہ تبوک کی جانب پیش قدمی کا اصل سبب رومیوں کا مسلمانوں کے دارالحکومت پر حملہ کرنے کا ارادہ تھا، بعید از قیاس نہیں ہے۔ مسلمانوں کو شام کی طرف سے غسانیوں کے حملہ آور ہونے کا خدشہ رہتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آنے والے واقعے سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

[1] الطبقات الكبرٰى:165/2. [2] التوبة 9:123. البداية والنهاية:3/5.

رسول اللہ ﷺ نے ازواجِ مطہرات سے ایک ماہ الگ رہنے کی قسم اٹھائی تھی۔ صحیح بخاری میں بیان کردہ تفصیلی واقعے کا کچھ حصہ یوں ہے: ''ہم میں یہ چرچا ہوتا تھا کہ غسان کا بادشاہ ہم سے لڑنے کے لیے اپنے گھوڑوں کے پاؤں میں آہنی حلقے لگوا رہا ہے۔'' چنانچہ ایک دن میرا انصاری ساتھی زیریں مدینہ گیا، پھر وہ عشاء کے وقت ہمارے پاس آیا اور یہ کہتے ہوئے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا: ''تعجب ہے کہ یہ سویا ہوا ہے؟'' میں گھبرا گیا اور باہر نکلا۔ اس نے کہا: ''غضب ہو گیا۔'' میں نے کہا: ''کیا ہوا، غسانی آ گئے ہیں؟'' اس نے کہا: ''نہیں، اس سے بھی افسوسناک خبر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔''[1]

انفاق کا جذبہ اور جہاد کا شوق

اس غزوے میں خرچ کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو شوق دلایا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انفاق کرنے والوں کے لیے بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا، لہٰذا ہر کسی نے اپنی اپنی ہمت کے مطابق خرچ کیا۔ اس جنگ میں خرچ کرنے کے حوالے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سب سے بازی لے گئے۔[2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انفاق کا واقعہ عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ جیش العسرہ کے متعلق خرچ کرنے کی ترغیب دلا رہے تھے میں اس وقت حاضر تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں ایک سو اونٹوں کا مع ساز و سامان ذمہ لیتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے پھر ترغیب دلائی تو عثمان رضی اللہ عنہ دوبارہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں ساز و سامان سمیت دو سو اونٹوں کا ذمہ لیتا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے لشکر کے لیے ترغیب دلائی تو پھر حضرت

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 5191، و صحيح مسلم، حديث: (31)-1479. [2] السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 615.

عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں تین سو اونٹوں کا ساز وسامان سمیت ذمہ لیتا ہوں۔'' راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر کی سیڑھی سے اترتے ہوئے فرما رہے تھے: «مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ! مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ» ''عثمان! آج کے بعد جو بھی کرے اس پر کوئی گرفت نہیں۔ عثمان! آج کے بعد جو چاہے کرے اس پر کوئی گرفت نہیں۔''[1]

عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جیش العسرہ کی تیاری کے وقت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی چادر میں ایک ہزار دینار لے کر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں الٹنے پلٹنے لگے اور فرمانے لگے: «مَا ضَرَّ ابْنَ عَفَّانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ» ''آج کے بعد عثمان جو کام بھی چاہے کرے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات بار بار دہرا رہے تھے۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال صدقہ کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح (آج) وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سارا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اتفاقاً اس وقت میرے پاس کافی مال تھا۔ میں نے دل میں کہا: ''اگر ابوبکر سے سبقت لینا ممکن ہے تو آج سبقت لے سکتا ہوں۔'' میں اپنا آدھا مال لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: «مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟» ''اپنے عیال کے لیے کس قدر باقی رکھا ہے؟'' میں نے بتایا کہ جتنا لایا ہوں اتنا ہی۔ ادھر ابوبکر رضی اللہ عنہ سارا مال لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: «مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟» ''تم نے اپنے عیال کے لیے کیا چھوڑا؟'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑے ہیں۔'' (عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ سن کر) میں نے کہا: ''ابوبکر! میں آپ سے کسی چیز میں بھی آگے نہ بڑھ سکوں گا۔''[3]

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 3700، و مسند أحمد: 75/4. [2] جامع الترمذي، حديث: 3701، ومسند أحمد: 63/5. [3] سنن أبي داود، حديث: 1678، و جامع الترمذي، حديث: 3675.

بیان کیا گیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جیش العسرہ کے لیے اپنا آدھا مال دو ہزار درہم دے دیا۔[1] اسی طرح عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، طلحہ بن عبیداللہ، محمد بن مسلمہ اور عاصم بن عدی رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ نے بھی گراں قدر عطیات دیے۔[2]

مسلمان یہ بات اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ مال جنگ کے لیے ایک اہم وسیلہ ہے اور مالدار صحابہ نے یہ ثابت کر دکھایا کہ ان کا مال خدمتِ دین کے لیے (وقف) ہے جسے وہ خوشی اور چاہت سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹاتے ہیں۔ اور دولتمند مسلمانوں کی تاریخ روشن ہے۔ یہ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ وہ لوگ مال کے پجاری نہیں تھے اور مال کی چاہت ان پر مسلط نہیں تھی بلکہ مال ان کے قبضے میں تھا۔[3]

دولت مند صحابہ کا انفاق میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا مومنوں کے دلوں پر ایمان کے اثر انداز ہونے کی دلیل ہے۔ یہ دلیل ہے نیکی کی جانب بڑھنے اور خواہشاتِ نفس اور اس کے میلانات کا مقابلہ کرنے کی۔ دشمن پر برتری کی یہی تو ضمانت ہے۔[4]

اس موقع پر غریب مسلمانوں نے اپنی محنت سے کمایا ہوا مال شرماتے شرماتے دیا۔ اس لیے انھیں منافقین کی طعنہ زنی سے بھی واسطہ پڑا۔ حضرت ابوعقیل رضی اللہ عنہ آدھا صاع کھجور لائے۔ ایک اور صحابی اس سے کچھ زیادہ لائے تو منافقین نے پہلے صحابی پر یہ کہتے ہوئے طعنہ زنی کی: ''اللہ تعالیٰ اس کے صدقے سے بے پروا ہے۔'' اور دوسرے صحابی کے متعلق یہ کہنے لگے: ''اس نے تو صرف دکھلاوے کے لیے دیا ہے۔'' تب فرمانِ باری تعالیٰ نازل ہوا:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾

[1] السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 616. [2] المغازي للواقدي: 391/3. [3] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 449. [4] السيرة النبوية للسباعي، ص: 161.

''جو لوگ عیب جوئی کرتے ہیں کھلے دل سے خیرات کرنے والے مومنوں پر، (ان کے) صدقات کی بابت اور ان پر بھی جو اپنی (تھوڑی سی) محنت مزدوری کے سوا کچھ نہیں رکھتے، تو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ بھی ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''[1]

نادار مسلمان جہاد کے لیے نفقہ نہ ہونے پر انتہائی غمگین تھے، مثلاً: حضرت علبہ بن زید رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے ہیں جو رات نماز پڑھتے پڑھتے رو پڑے اور انھوں نے عرض گزاری: ''اے اللہ! تو نے جہاد کا حکم دیا، مجھے اس کی چاہت ہے مگر تو نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کے اخراجات کی طاقت سے محروم رکھا ہے، لہٰذا جس کسی مسلمان نے بھی میری عزت اور جسم پر زیادتی کی ہے میں اسے معاف کرتا ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بھی معاف کر دیا ہے۔[2]

اس موقع پر اترنے والی آیات میں اخلاص، اللہ تعالیٰ کے دین اور جہاد کی محبت اور اسے چہار سو پھیلانے کی امنگ کا تذکرہ ملتا ہے۔[3]

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کا قصہ

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب غزوۂ تبوک کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا تو میں اپنے گھر والوں کی جانب گیا۔ اس وقت صحابہ کا پہلا گروہ غزوے کے لیے آگے نکل چکا تھا۔ میں نے مدینہ میں باآواز بلند کہنا شروع کیا: ''ہے کوئی بندۂ خدا جو مجھے سواری فراہم کرے۔ اس غزوے میں مجھے جو بھی حصہ ملے گا اس کا ہو گا۔'' اچانک ایک عمر رسیدہ انصاری شخص سامنے آئے اور کہنے لگے: ''ٹھیک ہے۔ مگر تمھارا کھانا پینا ہمارے ساتھ ہوگا اور ہم سواری پر باری باری سوار ہوں گے۔'' میں نے کہا:

---

[1] التوبة 79:9، السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص:617,616. [2] المجتمع المدني للدكتور العمري، ص:235. [3] محمد رسول الله ﷺ لصادق عرجون:443/4.

''مجھے قبول ہے۔'' انھوں نے کہا: ''تو پھر اللہ کا نام لو اور اس کی برکت سے چلو۔'' میں اس اچھے ہمسفر کے ساتھ ہو لیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مالِ فے سے نوازا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس جنگ میں چند اونٹ بطور غنیمت ملے۔ میں نے وہ تمام اونٹ ساتھ لیے اور ان انصاری کے پاس چلا گیا۔ وہ باہر نکل کر اپنے اونٹ کے ایک تھیلے پر بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہنے لگے: ''انھیں چند قدم آگے لے جاؤ۔'' پھر کہنے لگے: ''انھیں میری طرف ہانک کر لاؤ۔'' جب وہ ان سواریوں کو آگے پیچھے سے دیکھ چکے تو کہنے لگے: ''تیرے اونٹ بہت اچھے ہیں۔'' میں نے کہا: ''مگر یہ تو وہ مالِ غنیمت ہے جس کی میں نے آپ کے ساتھ شرط لگائی تھی۔'' تو وہ انصاری کہنے لگے: ''میرے بھتیجے! اپنے اونٹ لے جاؤ، ہمارا مقصد تمھارا حصہ لینا نہیں بلکہ کچھ اور تھا۔''[1]

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ اخروی ثواب کے لیے اپنے حقِ غنیمت سے دستبردار ہو گئے اور اسی طرح انصاری صحابی نے بھی اپنی راحت کی قربانی دیتے ہوئے اتنے لمبے سفر میں انھیں اپنی سواری پر سوار کر لیا۔ اور کھانے پینے کے سامان میں بھی انھیں برابر شریک رکھا۔ یہ سب کچھ اجر و ثواب کے لیے تھا۔ ایسے تصورات و خیالات صرف کتاب اللہ اور سنتِ نبوی کی روشنی میں تربیت پانے والے افراد ہی کے ہو سکتے ہیں۔ یہ معاشرہ کتاب و سنت کے نور کا حامل تھا۔[2]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اشعری قبیلے کے لوگ حاضر ہوئے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمیں جہاد کے لیے سواریاں دی جائیں۔ تیاری کرتے ہوئے خاصا عرصہ گزر گیا مگر کوئی سواری میسر نہ آ سکی بالآخر تین تین کو ایک ایک سواری دی گئی۔[3]

---

1 سنن أبي داود، حديث: 2676، وجامع الأصول، رقم: 6188، ومن معين السيرة لصالح الشامي، ص: 453. 2 من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 453. 3 صحيح البخاري، حديث: 4415، والمجتمع المدني للدكتور العمري، ص: 236.

کمزور یا بیمار یا زاد راہ نہ ہونے کے باعث پیچھے رہ جانے والے افراد احساس گناہ سے انتہائی گریہ وزاری تک جا پہنچے حتی کہ ان کے متعلق قرآن نازل ہوا:

﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾

''ضعیفوں اور بیماروں پر اور جو لوگ کوئی چیز نہیں پاتے کہ وہ خرچ کریں، ان پر (پیچھے رہنے میں) کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کرتے ہیں۔ نیکی کرنے والوں پر (گرفت کی) کوئی راہ نہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور (اے نبی!) نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انھیں (سفر جہاد کے لیے) سواری دیں (اور) آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں تو وہ اس حال میں لوٹ گئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی تھیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جہاد کی رغبت و چاہت کی یہ بہترین تصویر ہے۔ اس میں یہ بھی وضاحت ہے کہ سچا ایمان رکھنے والے مادی ساز و سامان میسر نہ ہونے کی وجہ سے پیچھے رہ جانے پر تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ یہ مجبور طبقہ اور دیگر معذور یا بیمار افراد دلی طور پر مجاہدین کے ہمسفر تھے۔[2]

یہی وہ قابل قدر افراد ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں مجاہدین کی

[1] التوبة 9:91، 92. [2] السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص: 618.

معیت کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا: «إِنَّ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا، مَّا سِرْتُمْ مَّسِيرًا وَّلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ» ”مدینہ میں بعض افراد ایسے ہیں کہ ہر راستے اور ہر وادی و منزل پر تمھارے ساتھ ساتھ تھے۔“ لوگوں نے پوچھا: ”اے اللہ کے رسول! مدینہ میں ہو کر بھی؟“ فرمایا: «وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ» ”ہاں! وہ مدینہ میں کسی عذر کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں۔“[1]

غزوۂ تبوک اور منافقین کا کردار

رسول اللہ ﷺ نے جب غزوۂ تبوک کے لیے روانگی اور اس کے لیے انفاق کا اعلان فرمایا تو منافقین مسلمانوں کی ہمتیں پست کرنے کی سعی نامشکور میں لگ گئے۔ وہ مسلمانوں سے کہتے: ”دیکھو (اس قدر) گرمی میں مت نکلو۔“ اللہ تعالیٰ نے ان سے متعلق قرآن پاک نازل فرمایا:

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾

”جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے وہ رسول اللہ کے پیچھے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے اور انھوں نے ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انھوں نے (اوروں سے) کہا کہ گرمی میں کوچ نہ کرو۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: جہنم کی آگ (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ یہ بات سمجھتے۔ چنانچہ انھیں چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے۔“[2]

1 صحيح البخاري، حديث: 4423، وسنن أبي داود، حديث: 2508، وسنن ابن ماجه، حديث: 2764، ومسند أحمد: 103/3، وصحيح ابن حبان، رقم: 4731. 2 التوبة 9: 81، 82.

رسول اللہ ﷺ جب تیاری میں مصروف تھے تو آپ نے جد بن قیس سے کہا: «يَا جَدُّ! هَلْ لَّكَ الْعَامُ فِي جِلَادِ بَنِي الْأَصْفَرِ؟» ''اے جد! کیا رومی لوگوں سے جنگ کی غرض سے تمھارے لیے یہ سال مناسب ہے؟'' اس نے جواباً کہا: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ یہ کر سکتے ہیں کہ مجھے اجازت دے دیں اور فتنے میں نہ ڈالیں؟ کیونکہ اللہ کی قسم! میری قوم کو معلوم ہے کہ مجھ سے زیادہ عورتوں پر فریفتہ ہونے والا کوئی نہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے رومیوں کی عورتوں کو دیکھ لیا تو برداشت نہ کر سکوں گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس سے اعراض کر لیا اور فرمایا: «قَدْ أَذِنْتُ لَكَ» ''میری طرف سے تمھیں اجازت ہے۔''[1] پھر اس کے متعلق یہ آیت اتری:

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۚ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۗ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

''اور ان میں سے کوئی آپ سے کہتا ہے کہ مجھے اجازت دے دیں اور فتنے میں نہ ڈالیں۔ سن لو! وہ فتنے میں تو پڑ چکے ہیں۔ اور بے شک جہنم یقیناً کافروں کو گھیرنے والا ہے۔''[2]

اسی طرح دیگر کئی لوگ بھی آپ ﷺ کے پاس جھوٹے عذر لائے تاکہ انھیں پیچھے رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا:

﴿ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ ﴾

''(اے نبی!) اللہ نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے ان (منافقین) کو اجازت کیوں دی؟ (آپ اجازت نہ دیتے) یہاں تک کہ آپ پر ظاہر ہو جاتے سچے

---

1 تفسیر الطبري: 10/148،149، و دلائل النبوة للبیهقي: 5/213،214، والمعجم الکبیر للطبراني، رقم: 2154 و 12654، ومجمع الزوائد: 7/30. 2 التوبة 9:49.

لوگ اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ کچھ لوگ سویلم یہودی کے گھر میں جمع ہو رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف لوگوں کو ورغلا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ادھر کچھ آدمی روانہ فرمائے کہ سویلم کا گھر لوگوں سمیت جلا ڈالا جائے۔[2]

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان منافقین اور یہود کا گہری نگاہ سے جائزہ لیتے رہتے اور ان کے حالات کی مکمل معرفت رکھتے تھے۔ مسلمانوں کی نگاہیں بڑی بیداری سے یہود اور منافقین کی حرکات، اجتماعات اور سازش گاہوں کو دیکھ رہی تھیں۔ بلکہ مسلمان ان کے رازوں اور پوشیدہ اجتماعات سے بھی باخبر تھے اور ان میں جو جو رائے طے ہوتی اور جنگ کے لیے نہ نکلنے والوں کو جو نت نئے بہانے سمجھائے جاتے وہ تمام کے تمام مسلمانوں کے علم میں تھے۔

فتنہ پروروں کی سازش گاہ کا رسول اللہ ﷺ نے دانشمندانہ علاج تجویز فرمایا۔ آپ ﷺ نے اس سازش گاہ کو سازشی گروہ سمیت جلانے کا حکم صادر فرمایا اور ساتھ ہی اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے صحابہ کو روانہ کیا اور نصیحت کی گئی کہ بڑی احتیاط سے ایسا کر گزرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ قرآنِ پاک نے منافقین کے جنگ سے پہلے، دورانِ جنگ اور جنگ سے بعد کے موقف کا تذکرہ کیا ہے۔ غزوے سے پہلے قرآن پاک نے ان کے اجازت طلب کرنے اور جنگ کے لیے نکلنے سے کنارہ کشی اور پیچھے رہنے کا تذکرہ کیا ہے۔ عبداللہ بن ابی بھی پیچھے رہنے والوں میں شامل تھا، لہٰذا ان منافقین کے متعلق قرآنِ پاک کا یہ بیان ہے:

﴿ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ○ ﴾

1 التوبة 9:43. 2 السيرة النبوية لابن هشام: 4/160.

''اگر مال (غنیمت) قریب الحصول اور سفر درمیانہ ہوتا تو وہ (منافق) آپ کے ساتھ ضرور چلتے اور لیکن کٹھن منزل ان پر دور ہوگئی اور عنقریب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو تمھارے ساتھ ضرور نکلتے۔ وہ خود کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ ان کے پیچھے رہنے کا سبب سفر کی دوری اور دشواری ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ انھیں سامانِ دنیا اور نعمت و دولت کی طرف بلاتے اور سفر بھی آسان ہوتا تو وہ ضرور آپ کے ساتھ چلتے، مگر چونکہ ایسا نہ تھا، اسی لیے یہ نکلے ہی نہیں اور پیچھے رہ گئے۔ آیت مبارکہ نے پہلے تو ان کے جنگ کے لیے نہ نکلنے اور اس کے سبب کو واضح کیا، پھر اس کا بیان کیا جو وہ مسلمانوں کی واپسی پر کہیں گے۔

یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے تبوک سے لوٹنے سے پہلے ہی اتر چکی تھی۔

آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ منافقین یہ کہتے ہوئے جھوٹ موٹ کی قسمیں کھائیں گے کہ اے مسلمانو! اگر ہم میں تبوک جانے کی طاقت ہوتی تو ہم تمھارے ساتھ ضرور جاتے، مگر ہم تو مجبوری کی حالت میں پیچھے رہے ہیں، ہمارے معقول عذر تھے جنھوں نے ہمیں پیچھے رکھا۔[2]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝﴾

''وہ خود کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں۔''[3]

ابن عاشور کہتے ہیں: ''اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہوئے قسمیں کھاتے ہیں۔ لفظ «هلك» فنا اور موت پر بولا جاتا ہے۔''

[1] التوبة 42:9. [2] حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ لأبي بدر محمد بكر آل عابد: 647/2. [3] التوبة 42:9

اس لفظ کا اطلاق جسمانی نقصانات و تکالیف پر (بھی) ہوتا ہے اور اسی جگہ یہی مناسب ہے، یعنی یہ لوگ جھوٹی قسموں کی بنا پر اپنا نقصان کر رہے ہیں، یعنی دنیا کا نقصان اور آخرت کا عذاب۔ آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جھوٹی قسم ہلاکت تک لے جاتی ہے۔[1]

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے (ہمارے محبوب) نبی مکرم ﷺ سے توبیخ آمیز لہجے میں فرمایا:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝﴾

"(اے نبی!) اللہ نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے ان (منافقین) کو اجازت کیوں دی؟ (آپ اجازت نہ دیتے) یہاں تک کہ آپ پر ظاہر ہو جاتے سچے لوگ اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے۔"[2]

مجاہد کہتے ہیں: "یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری جن لوگوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرو اگر اجازت مل جائے تو اچھا اور اگر اجازت نہ بھی دیں تو بیٹھے رہو۔"[3] یہ منافقین کا ایک ٹولہ تھا جن میں عبداللہ بن ابی، جد بن قیس، رفاعہ بن تابوت وغیرہ شامل تھے۔ یہ کل انتالیس افراد تھے جنھوں نے جھوٹے عذر پیش کیے تھے۔[4]

اس آیت کریمہ میں لطیف وخبیر کی جانب سے اولیٰ کو ترک کرنے پر اپنے حبیب ﷺ کی بڑے لطیفانہ و کریمانہ انداز میں توبیخ کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کو معاملہ واضح ہونے اور حقیقتِ حال کھل جانے تک اجازت دینے میں توقف اختیار کرنا چاہیے تھا۔[5] بعد ازاں فرمایا:

---

1 التحرير والتنوير لابن عاشور: 209/10. 2 التوبة 43:9. 3 تفسير ابن كثير: 360/2
4 التحرير والتنوير: 210/10. 5 حديث القرآن عن غزوات الرسولﷺ لأبي بدر محمد بكر آل عابد:647/2.

﴿لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ○ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ○﴾

''(اے نبی!) جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اجازت نہیں مانگتے اس سے کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ آپ سے اجازت تو صرف وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں، لہٰذا وہ اپنے شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں۔''[1]

جہاد کے ذریعے سے مومنوں اور منافقوں میں تمیز کرنے والی یہ پہلی نازل ہونے والی آیات ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کی یہ عادت ہی نہیں کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کرنے کے لیے رخصت طلب کریں۔ یہ تو منافقین کی صفت ہے جو بلا عذر ہی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس وصف کو اور ان کے دل میں شک کی صورت کو بیان فرمایا، یعنی انھیں آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر شک ہے اور اسی کی وجہ سے وہ حیران و سرگرداں ہیں کبھی پاؤں آگے کرتے ہیں کبھی پیچھے۔ انھیں کسی چیز میں پختگی حاصل ہی نہیں۔[3]

غزوۂ تبوک کو اپنی ابتدا ہی میں مومنین اور منافقین میں تمیز اور فرق کر دینے سے خاص مناسبت ہے۔ دونوں جانب میں پوشیدہ فرق اور پردے گر گئے، منافقین کے لیے خوش معاملگی، میانہ روی اور چھپنے کا کوئی موقع ہی نہ رہا۔ تبوک کے لیے اعلانِ عام کے بعد

[1] التوبة 9:44، 45. [2] تفسير المراغي: 127/4. [3] تفسير ابن كثير: 361/2.

مسلمانوں کو روکنے اور رسول اللہ ﷺ کی صریح مخالفت سے ان کی اسلام دشمنی واضح ہوگئی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ منافقین کے نفاق کو بے نقاب کرنا اور انھیں لگام دینا ایک شرعی فریضہ ٹھہرا۔[1]

کوچ کا اعلان اور لشکر کی تیاری

غزوۂ تبوک میں جانے کے لیے اعلانِ عام ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک کی جانب جانے والوں کی تعداد تیس ہزار کو پہنچ گئی۔ قرآنِ پاک نے اس میں سستی کرنے والوں کو ان الفاظ میں ڈانٹ پلائی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ ﴾

”اے ایمان والو! تمھیں کیا ہوگیا ہے، جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی پر ریجھ گئے ہو؟ چنانچہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت (کے مقابلے) میں بہت ہی حقیر ہے۔“[2]

قرآنِ پاک نے، نوجوانوں، بوڑھوں، اغنیاء اور فقراء سب ہی سے اپنے اس فرمان کے ذریعے جنگ کے لیے نکلنے کا حکم فرمایا:

﴿ انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ ﴾

”تم ہلکے (بھی) نکلو اور بوجھل (بھی) اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔“[3]

[1] نضرة النعيم:389/1. [2] التوبة 38:9. [3] التوبة 41:9.

رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار، اہل مکہ اور دیگر عربی قبائل سے تیس ہزار مجاہد تیار کر لیے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ دشمن پر اچانک حملہ کرنے اور لشکر کی آمد و رفت کو پوشیدہ رکھنے کے لیے کبھی بھی اپنا مطلوبہ دشمن اور راستہ صراحتاً نہ بتاتے بلکہ عموماً توریہ کرتے۔ مگر اس موقع پر آپ ﷺ نے صراحتاً اعلان فرمایا کہ میں رومیوں سے جنگ کا ارادہ رکھتا ہوں۔[2] آپ ﷺ نے عادت مبارکہ سے ہٹ کر اس غزوے میں جس جانب جانا چاہتے تھے اس کی صراحت فرما دی اور اس معاملے کو مسلمانوں کے سامنے کھول دیا جس کے کئی ایک اسباب تھے، چند ایک یہ ہیں۔

① سفر کی طوالت: رسول اللہ ﷺ کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ روم کے علاقے کی طرف جانا مشکل کام سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ (اکثر) سفر ایسے راستے سے ہوگا جو دور دور تک صحرائی ہے۔ پانی کی قلت ہے۔ گھاس کی بھی کمی ہے۔ اس کے پیشِ نظر تمام ضروریات کا بندوبست اور مجاہدین کے آنے جانے کے لوازمات لشکر کے روانہ ہونے سے پہلے مکمل کر لینے ضروری تھے۔ تا کہ ان میں کمی اصل مقاصد کے حصول میں رکاوٹ نہ بنے۔

② رومیوں کی کثرتِ تعداد: رومیوں سے جنگ آزما ہونے کے لیے خصوصی تیاری کی ضرورت تھی۔ یہ دشمن ہر اعتبار سے ان دشمنوں سے جداگانہ تھا جن کے ساتھ اب تک مقابلہ ہو چکا تھا، مثلاً: ان کے پاس وافر اسلحہ، گہرا جنگی تجربہ اور لڑنے کی اعلیٰ صلاحیت تھی۔[3]

③ موسمی شدت و تمازت: تا کہ ہر کوئی اپنا اپنا بندوبست کرے اور انتہائی لمبے سفر کے لیے

[1] الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 97. [2] الرسول القائد ﷺ لمحمود شيت خطاب، ص: 398. [3] الرسول القائد ﷺ لمحمود شيت خطاب، ص: 398.

اپنا ضروری سامان تیار کرلے اور پیچھے اہل وعیال کا بھی بندوبست کرے۔

④ اس وقت اسے چھپانے کا کوئی مقصد ہی نہ تھا کیونکہ جزیرۃ العرب میں آپ ﷺ کے مدمقابل کوئی ایسی طاقت تھی ہی نہیں کہ اس کے لیے اس قدر بڑا لشکر اکٹھا کیا جائے۔ اب تو صرف رومی تھے اور وہ عرب عیسائی جو ان کے ساتھ ملحق علاقہ تبوک، دومۃ الجندل اور عقبہ وغیرہ میں رہائش پذیر تھے۔[1]

جب مسلمانوں کو مقامِ جنگ معلوم ہوگیا تو انھوں نے فوراً تیاری شروع کر دی اور رسول اللہ ﷺ نے اسی کے لیے یہ کہتے ہوئے انفاق پر ابھارا: «مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ» ”جس نے لشکرِ تبوک کی تیاری میں حصہ ڈالا اس کے لیے جنت ہے۔“[2]

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور اپنے گھر والوں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نگران چھوڑا۔ منافقین نے یہ خبر اُڑا دی کہ انھیں تو رسول اللہ ﷺ نے خواہ مخواہ کا بوجھ سمجھتے ہوئے پیچھے رہنے دیا ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلحہ لیا اور آپ ﷺ سے جا ملے۔ اس وقت ابھی آپ ﷺ ”جرف“ میں رُکے ہوئے تھے۔[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! منافقوں نے افواہ پھیلا رکھی ہے کہ مجھے آپ نے بوجھ سمجھتے ہوئے وزن ہلکا کرنے کو پیچھے چھوڑا ہے۔“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«كَذَبُوا وَلٰكِنِّي خَلَّفْتُكَ لِمَا تَرَكْتُ وَرَائِي، فَارْجِعْ فَاخْلُفْنِي فِي أَهْلِي وَأَهْلِكَ، أَفَلَا تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسٰى؟ إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي»

”انھوں نے جھوٹ بولا ہے لیکن میں نے تو تمھیں ان کی نگرانی کے لیے رہنے دیا

1 غزوة تبوك لمحمد أحمد باشميل، ص: 57. 2 صحيح البخاري، قبل الحديث: 3695، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 167/6، وسنن الدارقطني، رقم: 4401. 3 زاد المعاد: 529/3.

تھا جنھیں میں پیچھے چھوڑے جا رہا ہوں، لہٰذا تم جاؤ اور میرے اور اپنے گھر والوں کا خیال رکھو۔ کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ میرے ہاں تمھارا وہ درجہ ہو جو حضرت موسیٰ کے ہاں حضرت ہارون کا تھا؟ صرف اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی دوسرا پیغمبر نہیں۔''[1] اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس مدینہ آ گئے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر والوں پر نائب قرار دینا اس بنا پر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول گرامی قدر صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بھی ہیں اور چچازاد بھی۔ گویا ان کی نیابت خاص مقصد کے لیے تھی اور وہ تھا اہل خانہ کا خیال کرنا۔ جبکہ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بھی اس غزوے میں پیچھے رکھا گیا جن کے سپرد عام نیابت تھی۔ بعض لوگ اس سے خیال کر بیٹھے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی کو نائب بنانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کی جانب اشارہ تھا۔ یہ بات قطعاً درست نہیں کیونکہ ان کی نیابت صرف اہل خانہ تک محدود تھی۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں عام لوگ ثنیۃ الوداع میں جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائدین اور علم برداروں کا تعین فرمایا۔ سب سے بڑا علم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تھمایا اور نشانِ لشکر کا جھنڈا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو دیا۔ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور خزرج کا ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو تھمایا اور پھر ہر انصاری خاندان کو اپنا اپنا جھنڈا بنانے کا حکم دیا۔[4]

میدان تبوک میں پہنچنے کے دن سے واپسی تک تبوک کی حفاظت و نگرانی عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی، وہ اپنے ساتھیوں سمیت معسکر کی نگرانی میں مصروف رہتے۔[5]

1 صحيح البخاري، حديث: 4416، و صحيح مسلم، حديث:(32,31)-2404، و صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 589. 2 زادالمعاد: 530/3. 3 صور و عبر من الجهاد النبوي في المدينة للدكتور فوزي فيض الله، ص:467,466. 4 المغازي للواقدي: 996/3، والطبقات الكبرٰى لابن سعد: 166/2. 5 سبل الهدٰى والرشاد للصالحي: 652/5، و الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 99.

اس غزوے میں رہبری کا فریضہ علقمہ بن فغواء خزاعی کے سپرد تھا، تبوک کے رستے کی انھیں خاصی معلومات تھیں۔[1]

لشکر کے جھنڈوں کی تقسیم اور راستے کے متعلق ساری معلومات سیرت نگار واقدی ہی کی بیان کردہ ہیں اور وہ ''متروک'' ہے۔ لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ اس کے پاس سیرت کی معلومات بڑی وافر مقدار میں ہیں اور پھر اس سے اس قسم کی معلومات لینے میں (اس وقت) کوئی مضائقہ بھی نہیں (جب تک کوئی اس کے مخالف بات نہ کرے)۔[2]

ایک محقق اس جنگ کا جائزہ لے سکتا ہے کہ کس طرح جنگجوؤں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور خصوصی طور پر گھڑسواروں کی بڑھوتری کتنی تیزی سے ہوئی۔ تاریخ اسلام، اسلامی حکومت کی بنیادوں اور اسلامی لشکر کی جنگی قوت کا مطالعہ کرنے والا یہ ضرور محسوس کرے گا کہ قوت کے میدان میں مسلمانوں کی انتہائی تیزی سے ترقی ہوئی۔ مسلمان جنگِ بدر میں 313، احد میں 700 اور جنگ احزاب میں تین ہزار تھے۔ پھر یہ تعداد فتح مکہ میں دس ہزار اور حنین میں بارہ ہزار تک جا پہنچی اور آخر میں تبوک کے موقع پر مجاہدین کی تعداد تیس ہزار یا اس سے بھی زیادہ تھی۔ اسی طرح جنگ بدر میں دو شہ سوار اور بعض روایات کے مطابق احد میں بھی دو ہی تھے مگر چھ سال بعد یہ تعداد بڑھتی ہوئی دس ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ اور یہ سب کچھ اسلام کے پھیلاؤ کا نتیجہ ہی ہے خصوصاً دیہاتوں میں، کیونکہ اہل دیہات شہر والوں کی نسبت گھوڑے پالنے اور سدھانے کا اہتمام کثرت سے کرتے ہیں۔[3]

---

[1] إمتاع الأسماع للمقريزي: 451/1، وشرح المواهب اللدنية للزرقاني: 72/3. [2] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 532/2. [3] الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 100.

باب 2

سفرِ تبوک اور اہم واقعات

لشکر کی مکمل تیاری اور ذمہ داریوں اور جھنڈوں کی تقسیم کے بعد لشکر اسلامی رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں تبوک کی جانب روانہ ہوا۔ پیچھے رہنے والے کسی فرد کا انتظار نہ کیا گیا، اگرچہ چند نیک مسلمان پیچھے رہ گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جب بھی کسی پیچھے رہنے والے شخص کا نام لیا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے: «دَعُوهُ، إِنْ يَكُ فِيهِ خَيْرٌ فَسَيُلْحِقُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِكُمْ وَ إِنْ يَكُ غَيْرَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَرَاحَكُمُ اللّٰهُ مِنْهُ» ''اسے چھوڑو۔ اگر اس میں کچھ خیر ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے تمھارے ساتھ ملا دے گا اگر ایسا نہیں تو (پھر کیا ہوا؟) اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس سے محفوظ کر دیا ہے۔''[1]

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا قصہ

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ چلتے گئے۔ ایک شخص پیچھے رہنے لگا تو لوگوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ایک آدمی پیچھے رہ گیا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے چھوڑو۔'' اگر اس میں کوئی بھلائی ہوگی تو اللہ تعالیٰ عنقریب اسے تم لوگوں کے ساتھ ملا دے گا اگر ایسا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس سے نجات دے دی ہے۔'' یہاں تک کہ کہا گیا: ''اے اللہ کے رسول! ابوذر پیچھے رہ گئے اور انھیں ان کے اونٹ نے پیچھے چھوڑ دیا ہے۔'' تب بھی رسول اللہ ﷺ نے پہلے جیسی بات کہی۔ ابوذر رضی اللہ عنہ آہستہ آہستہ اونٹ پر سوار چلے آرہے تھے مگر جب وہ خاصے پیچھے رہ گئے تو انھوں نے اپنا سامان اپنی

[1] المستدرك للحاكم: 50/3، والاكتفاء للكلاعي: 276/2.

پشت پر لادا اور رسول اللہ ﷺ کے نشانِ قدم پر پیدل چلنے لگے۔ آپ ﷺ نے ایک منزل پر قیام کیا تو کسی دیکھنے والے نے دیکھ کر کہا: ''اے اللہ کے رسول! ایک شخص راستے پر بالکل تنہا چل (کر ہماری طرف آ) رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «كُنْ أَبَا ذَرٍّ!» ''ابوذر ہی ہو۔'' پھر جب لوگوں نے ذرا غور سے دیکھا تو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! وہ تو ابوذر ہی ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: «رَحِمَ اللّٰهُ أَبَا ذَرٍّ، يَمْشِي وَحْدَهُ، وَيَمُوتُ وَحْدَهُ، وَيُبْعَثُ وَحْدَهُ» ''ابوذر پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، یہ تنہا چلے گا، اکیلا مرے گا اور حشر کے دن تنہا اٹھایا جائے گا۔''[1]

وقت گزرتا رہا حتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آ گیا، پھر کچھ ایسے حالات ہو گئے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ''ربذہ'' بھیج دیا گیا۔ جب ان کی موت کا وقت آیا تو انھوں نے اپنی بیوی اور غلام کو وصیت کی کہ میں جب فوت ہو جاؤں تو مجھے غسل دینا اور کفنانا اور پھر عام راستے پر رکھ دینا، پھر پہلی جماعت جو تمھارے پاس سے گزرے، اس سے کہنا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھی ابوذر ہے۔

چنانچہ ان کے فوت ہونے پر انھوں نے ایسا ہی کیا۔ ادھر ایک قافلہ آیا، انھیں میت کا علم ہی نہ تھا۔ قریب تھا کہ ان کی سواریاں جنازے کو روند ڈالتیں۔ اسی گروہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھوں نے پوچھا: ''یہ کیا ماجرا ہے؟'' انھیں بتایا گیا کہ یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا جنازہ ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور بولے کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا:

''اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے، یہ تنہا چلے گا، اکیلا مرے گا اور اکیلا حشر کے روز اٹھایا جائے گا۔''[2]

اس قصے میں کئی ایک اسباق اور عبرتیں ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 4/178. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 4/178.

① حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو شدید مشکلات و مصائب سے واسطہ پڑا مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں اس مشکل امتحان میں کامیاب ٹھہرایا اور صبر کی توفیق بخشی۔ انھوں نے اپنا سامان پیٹھ پر لادے پیدل چلتے ہوئے پرمشقت سفر طے کیا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے جا ملے تاکہ جہاد فی سبیل اللہ سے مشرف ہوسکیں۔[1]

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مستقبل کی خبر دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔ کیونکہ ایسے اُمور کے متعلق خبر دینا جو مستقبل میں واقع ہونے تھے اور تا حال واقع نہیں ہوئے تھے، معجزہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازش ہے۔[2]

③ اس قصے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قوت حافظہ کی دلیل بھی ملتی ہے۔ کتنے برسوں بعد بھی ان کے ذہن میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے آخری ایام سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی محفوظ تھی۔[3]

حضرت ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ کا قصہ اور اسباق و حکمتیں

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے کئی روز بعد ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ ایک گرم دن میں اپنے اہل و عیال کی طرف آئے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کی دونوں بیویاں ان کے باغ میں چھپر بنائے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے چھپر میں چھڑکاؤ کیا ہوا ہے اور اس میں ٹھنڈا پانی بھی ہے اور کھانا بھی تیار ہے۔ جب وہ آئے تو چھپر کے دروازے پر رک گئے۔

پھر ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی دونوں بیویوں کو اور ان کے تیار کردہ کھانے کو دیکھا تو کہنے لگے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دھوپ، گرم ہوا اور گرمی میں ہوں، جبکہ ابوخیثمہ ٹھنڈے سایے

1. الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 129، والتاريخ الإسلامي للحميدي: 114/8.
2. الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 129. ◉ التاريخ الإسلامي للحميدي: 114/8.

تلے، تیار کھانے اور خوب صورت بیویوں کے ساتھ اپنے گھر میں مقیم ہو، یہ انصاف نہیں۔ اللہ کی قسم! میں تم دونوں میں سے کسی کے چھپر میں داخل نہ ہوں گا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے جاملوں۔ تم دونوں میرا زاد راہ تیار کرو۔'' انھوں نے تیار کر دیا، پھر ان کا اونٹ لایا گیا تو انھوں نے اس پر کجاوہ کسا، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکل گئے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ تبوک میں اترے تو وہ آپ ﷺ کو جا ملے۔

ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ کے تبوک پہنچنے سے قبل دورانِ سفر ایسا ہوا کہ راستے میں عمیر بن وہب جمحی رضی اللہ عنہ ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ سے ملے۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے نکلے ہوئے تھے، چنانچہ وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ جب وہ تبوک کے قریب پہنچے تو ابو خیثمہ نے عمیر بن وہب سے کہا: ''میں نے ایک گناہ کا کام کیا ہے، رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے تک تم مجھ سے پیچھے رہ جاؤ (تاکہ میں اکیلا ان کے پاس پہنچوں)''۔ اس نے ایسے ہی کیا۔ جب ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچے تو آپ تبوک میں پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ لوگوں نے کہا: ''ایک سوار آرہا ہے۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «كُنْ أَبَا خَيْثَمَةَ» ''ابو خیثمہ ہی ہو۔'' جب قریب پہنچے تو صحابہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! وہ ابو خیثمہ ہی ہے۔'' وہ اونٹ بٹھا چکے تو آکر رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: «أَوْلٰى لَكَ يَا أَبَا خَيْثَمَةَ» ''ابو خیثمہ تیرے لیے یہی بہتر تھا'' پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو سارے حالات کہہ سنائے تو آپ ﷺ نے ان کے لیے بھلائی کی دعا فرمائی۔[1]

ابن ہشام کا بیان ہے کہ اس واقعے سے متعلق ابو خیثمہ مالک بن قیس رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار بھی کہے تھے:

[1] المعجم الكبير للطبراني، رقم: 5419، و دلائل النبوة للبيهقي: 223,222/5، ومجمع الزوائد: 193,192/6، والبداية والنهاية: 8/5.

لَمَّا رَأَيْتُ النَّاسَ فِي الدِّينِ نَافَقُوا
أَتَيْتُ الَّتِي كَانَتْ أَعَفَّ وَأَكْرَمَا

''جب میں نے لوگوں کو دین میں منافقت کرتے دیکھا تو میں نے وہ کام کیا جو بہت پاکیزہ اور بزرگی والا تھا۔''

وَبَايَعْتُ بِالْيُمْنَى يَدِي لِمُحَمَّدٍ
فَلَمْ أَكْتَسِبْ إِثْمًا وَّلَمْ أَغْشَ مَحْرَمَا

''اور میں نے دائیں ہاتھ سے محمد ﷺ کی بیعت کی، پس میں نے نہ تو کوئی گناہ کیا اور نہ کسی حرام کا ارتکاب کیا۔''

تَرَكْتُ خَضِيبًا فِي الْعَرِيشِ وَصِرْمَةً
صَفَايَا كِرَامًا بُسْرُهَا قَدْ تَحَمَّمَا

''میں نے شامیانے میں سیاہ زلفوں والی خوبصورت بیوی اور بہت اچھے پھل والے کھجور کے درخت چھوڑے جن کی (پکی) گدّر کھجوریں سیاہ ہوگئی تھیں۔''

وَكُنْتُ إِذَا شَكَّ الْمُنَافِقُ أَسْمَحَتْ
إِلَى الدِّينِ نَفْسِي شَطْرَهُ حَيْثُ يَمَّمَا

''اور جب منافق شک کرتا تو میں وہ شخص تھا کہ میرا دل ایمان کی طرف جھک کر اس کا مطیع و منقاد ہوگیا اور جس طرف دین چلنے کا قصد کرتا، میرا دل بھی اسی طرف چلتا۔''[1]

اس قصے میں کئی ایک اسباق و نصائح ہیں جن میں چند ایک درج ذیل ہیں:

① مسلمان زندہ ضمیر ہوتا ہے: حضرت ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ جب تازہ کھانا، ٹھنڈا پانی،

[1] البداية والنهاية: 8/5.

ٹھنڈی چھاؤں، بہتر رہائش اور خوبصورت بیویوں کے ساتھ پُرسکون اور خوشحال زندگی کا رسول اللہ ﷺ کے سفر، دھوپ، گرمی اور تکلیفوں سے موازنہ کرتے ہیں تو ضمیر جاگ اٹھتا ہے۔ اہل تقویٰ پر اگر بسا اوقات کمزوری چھا بھی جائے تو کوتاہی کے احساس پر مضبوط ایمان سے متصف ہو جاتے ہیں۔ یہی چیز اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ ﴾

"بے شک جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا جب انھیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آلیتا ہے تو وہ چونک پڑتے ہیں، پھر وہ یکایک سوجھ بوجھ والے ہو جاتے ہیں۔"[1]

حضرت ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو جیسے ہی یاد آیا فوراً نکل پڑے، اپنی کوتاہی کا تدارک کیا اور تبوک میں نبی ﷺ سے جا ملے اور آپ ﷺ کی رضا اور خوشنودی حاصل کر لی۔[2]

② **پہچان میں مہارت اور خوبیوں سے واقفیت:** رسول اللہ ﷺ کا ابو ذر رضی اللہ عنہ یا ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو پہچان لینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کی عادات و خصائل سے خوب واقف تھے۔ آپ ﷺ اس بات کو جانتے تھے کہ کون پیچھے رہنے اور پھسلنے کے بعد جلدی توبہ تائب ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کو اپنے ساتھیوں کے بارے میں وسیع معلومات تھیں۔ یہ دلیل ہے کہ آپ ان کے انتہائی قریب تھے، گھل مل جاتے تھے، ان کی باتیں سنتے سناتے تھے اور وہ آپ ﷺ کے سفر و حضر کے ساتھی اور ایک جھنڈے تلے جہاد کرنے والے تھے۔[3]

③ **حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کا صبر اور پختہ عزم:** حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کا اکیلا سفر کر کے

---

[1] الأعراف 7:201. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 112,111/8. [3] الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 133.

رسول اللہ ﷺ سے جا ملنے کا فیصلہ غور طلب ہے۔ یہ خوف و رجا سے پُر، قلّتِ آب اور جھلسانے والی گرمی پر مشتمل صحرا کا سفر تھا۔ انھوں نے یہ بہت اچھا فیصلہ کیا اور اس پر بڑی عمدگی سے عمل پیرا ہوئے۔ یہ ان کے پختہ عزم، پختہ ارادے، بہادری اور صبر کی علامت ہے۔[1]

تبوک آمد

جب رسول اللہ ﷺ تبوک پہنچ گئے تو وہاں عربی قبائل یا رومی لشکر کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ اسلامی لشکر میدان تبوک میں بیس رات مقیم رہا۔ رومی قیادت نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے متعلق سوچا ہی نہ تھا۔ حتی کہ عرب عیسائی قبائل نے بھی صلح اور امن وسکون کو ترجیح دی۔ شام کے آس پاس شہروں کے حکّام نے صلح اور ادائے جزیہ قبول کرنے میں عافیت سمجھی۔ ''ایلہ'' کے حکمران نے رسول اللہ ﷺ کو ایک سفید خچر اور کچھ چادریں ہدیہ ارسال کیں اور جزیہ پر صلح کر لی۔ آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس شاہسواروں کے ہمراہ دومۃ الجندل روانہ کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہاں کے حاکم اُکیدِر بن عبدالملک کندی کو شکار کرتے ہوئے قیدی بنا لیا۔[2] اس سے بھی آپ ﷺ نے جزیہ پر صلح کر لی۔

مسلمان اکیدر کی قبا کو دیکھ کر تعجب کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَتَعْجَبُونَ مِنْ هٰذَا؟ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَمَنَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا» ''کیا تم اس پر تعجب کر رہے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔''[3]

---

1 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 134,133. 2 الإصابة: 1/412-415، والسيرة النبوية لابن هشام: 4/180. 3 صحيح البخاري، حديث: 3802، و صحيح مسلم، حديث: 2468، ومسند أحمد: 3/238، والسيرة النبوية لابن هشام: 4/180.

بحیرۂ روم
القدس (یروشلم)
بلقاء
مؤتہ
وادی السرحان
رومی لشکر کی واپسی
بحیرات مرّہ
اذرح
معان
قلزم
عقبہ
ایلہ
دومۃ الجندل
سیناء
جبل موسیٰ
(کوہ طور)
تبوک
اسلامی عساکر کی پیش قدمی
مویلح
ضبا
تیماء
مصر
مدائن صالح
الوجہ
خیبر
مدینہ منورہ
ینبع
بحیرۂ احمر
0
100
200
300
400
500
کلومیٹر
غزوۂ تبوک (غزوۃ العُسرۃ) (رجب 9ھ)
﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ...﴾ ”تحقیق توجہ فرمائی اللہ نے اوپر نبی اور مہاجرین اور انصار کے، وہ (مہاجرین وانصار) جنہوں نے اتباع کیا آپ کا تنگی کی گھڑی میں“ (التوبة 117:9)
﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ ”اور (توجہ فرمائی اللہ نے) اوپر ان تین شخصوں کے، جو چھوڑ دیے گئے تھے (حکم الٰہی کے انتظار میں)“ (التوبة 118:9)
﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ ”وہ لوٹے جبکہ ان کی آنکھیں بہتی تھیں آنسوؤں سے، اس غم سے کہ نہیں پاتے وہ جو وہ خرچ کریں“ (التوبة 92:9)

یہ ذکر بھی آیا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اُکیدر سے آٹھ سو قیدی، ایک ہزار اونٹ، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے بطور غنیمت ہاتھ لگے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جرباء اور اَذرح والوں اور مقنا کے باسیوں کے لیے معاہدات لکھے۔[2]

ان معاہدات کے پیش نظر اہل عرب کے تمام عیسائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جزیہ دیں گے اور مسلمان حکومت کے تابع ہوں گے۔

جزیرۃ العرب کے شمال میں واقع چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ معاہدے کیے اور اس کے ساتھ ہی اسلامی حکومت کی شمالی سرحدیں محفوظ ہو گئیں۔[3]

ان معاہدوں کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں کے پر کاٹ دیے۔ یہ تمام قبائل رومی حکومت کے تابع تھے اور عیسائیت اختیار کر چکے تھے۔ ان میں سے جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کی یا جزیہ دینے کا معاہدہ کیا گویا اس نے سابقہ تعلقات ختم کر ڈالے۔ اور یہ معاہدے روم سے ان کے تعلقات کو کالعدم قرار دینے کے مترادف تھے۔ دوسرے لفظوں میں عوام کو ان قوتوں سے آزادی دلوانا بھی مقصود تھا جو انھیں رومی حکمرانوں کے آگے ذلیل و رسوا کرتے اور اس کا تابع فرمان رکھتے تاکہ یہ ان کے بچے کھچے ٹکڑے کھانے پر اکتفا کریں اور رومیوں کی زبردست قوت سے مرعوب رہیں۔ انھوں نے صلح کا معاہدہ پورا کیا اور جزیہ مسلسل ادا کرتے رہے۔[4]

حکومت تشکیل دینے کے لیے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکیمانہ اندازِ سیاست تھا اور یہ تھا اللہ تعالیٰ کے دین کی جانب دعوت دینے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان کچھ ایسی حکومتیں قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جو مسلمانوں کے

---

1 البداية والنهاية: 17/5. 2 المغازي للواقدي: 1032/1، والوثائق السياسية في عهد النبوة والخلافة الراشدة للدكتور حميد الله، ص: 119-124. 3 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 217. 4 محمد رسول الله ﷺ لصادق عرجون: 479/4.

تابع فرمان تھیں۔ آگے چل کر خلفاء کے زمانے میں یہی حکومتیں تھیں جن سے اسلامی فتوحات آسان ہوگئیں۔ انھی کی بنا پر اسلامی سلطنت شمال کی جانب پھیلتی چلی گئی۔ [1]

حجر میں ثمود کے مساکن سے گزرتے وقت رسول اللہ ﷺ کی لشکر کو وصیتیں

ابو کبشہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں دورانِ سفر لوگ اہل حجر کی طرف جانے میں جلدی کرنے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے لوگوں کو جمع کرنے کے لیے اعلان کروایا۔ ابو کبشہ کا بیان ہے کہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ اپنے اونٹ کی لگام تھامے ہوئے فرما رہے تھے: «مَا تَدْخُلُونَ عَلٰی قَوْمٍ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ» ''تم ان لوگوں کے پاس جا کر کیا کرو گے جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔'' ایک شخص نے اونچی آواز سے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ان سے عبرت حاصل کریں گے۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَفَلَا أُنْذِرُكُمْ بِأَعْجَبَ مِنْ ذٰلِكَ؟ رَجُلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كَانَ قَبْلَكُمْ وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ، فَاسْتَقِيمُوا وَسَدِّدُوا، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَعْبَأُ بِعَذَابِكُمْ شَيْئًا، وَسَيَأْتِي قَوْمٌ لَّا يَدْفَعُونَ عَنْ أَنْفُسِهِمْ شَيْئًا»

''کیا میں تمھیں اس سے بھی زیادہ تعجب خیز چیز سے مطلع نہیں کر رہا، تمھی میں سے ایک شخص تم کو پہلے اور بعد کے واقعات کی اطلاع دیتا ہے۔ پس سیدھے ہو جاؤ اور درستگی اختیار کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دینے کے بارے میں کسی چیز کی پروا نہیں کرے گا۔ اور عنقریب ایک قوم ہوگی جو اپنے آپ سے کسی چیز کو ہٹا نہیں سکے گی۔'' [2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ لوگ جب تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو حجر میں ثمود کے گھروں کے پاس اترے۔ اور ان کے کنوؤں سے پانی پیا اور آٹا

[1] الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص:221. [2] مسند أحمد:231/4، ومجمع الزوائد:194/6.

گوندھا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جنھوں نے ان کنووں سے پانی لیا ہے اسے انڈیل دیں اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دیں اور انھیں حکم دیا کہ اس کنویں سے پئیں جس سے اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ، إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ حَذَرًا أَنْ يُّصِيبَكُمْ مِّثْلُ مَا أَصَابَهُمْ» ''ان لوگوں کے مساکن (گھروں) میں داخل نہ ہونا جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا مگر روتے ہوئے جاؤ کہ تمھیں وہ عذاب نہ آلے جس نے انھیں آلیا تھا۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنی سواری کو ڈانٹا اور جلدی چلایا یہاں تک کہ حجر پیچھے رہ گیا۔[1]

دیارِ ثمود سے عبرت ونصیحت کے لیے یہ ایک خاص منہج ہے کہ ان مقامات سے بے خبر یا غافل انداز میں نہ گزریں بلکہ رونے جیسی صورت بنا کر جلدی جلدی وہاں سے نکل جائیں۔ اگر غضب شدہ قوموں کے چشموں یا کنووں سے استفادہ کیا گیا ہے تو پانی بہادیں اور دوسری چیزیں جانوروں کو کھلا دیں۔ اور عذاب الٰہی کی تاثیر محسوس کرتے ہوئے دل میں نرمی کا سامان پیدا کر کے نصیحت وعبرت حاصل کریں۔ اللہ کی ناراضگی کا خوف بڑھنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں سے گزرتے ہوئے اپنے اوپر چادر اوڑھ لی۔ اور سواری کو تیز کر دیا۔[2]

حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی وفات اور دروس وحکمتیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ نصف شب کو بیدار ہوا تو لشکر کے ایک کنارے پر آگ جلتی ہوئی دیکھی۔ میں اس

[1] صحيح البخاري، حديث: 3378-3381. قبل الحديث: 3346، و صحيح مسلم، حديث:(39)-2980. [2] صور و عبر من الجهاد النبوي في المدينة للدكتور فوزي فيض الله، ص:480.

آگ کی جانب چلا کہ دیکھوں کیا ماجرا ہے۔ وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ وہاں موجود ہیں اور عبداللہ ذوالبجادین مزنی رضی اللہ عنہ وفات پا چکے ہیں۔ ان لوگوں نے ان کے لیے قبر کھودی اور رسول اللہ ﷺ اس قبر کے اندر کھڑے تھے۔ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما انھیں آپ ﷺ کی طرف نیچے اتار رہے تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: «أَدْنِيَا إِلَيَّ أَخَاكُمَا» ”اپنے بھائی کو میری طرف (اتارو) قریب کرو۔“ تو ان دونوں نے ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کو اتار دیا، پھر جب آپ ﷺ نے انھیں پہلو پر لٹایا تو دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَمْسَيْتُ رَاضِيًا عَنْهُ، فَارْضَ عَنْهُ»

”اے اللہ! میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے خوش ہو جا۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

«يَا لَيْتَنِي كُنْتُ صَاحِبَ الْحُفْرَةِ»

”کاش میں اس قبر میں دفن ہوتا۔“[1]

ابن ہشام کہتے ہیں کہ ان کا نام ذوالبجادین، اس لیے رکھا گیا کہ یہ اپنی قوم کے لوگوں سے اسلام کے لیے جھگڑتے رہتے تھے اور اسی لیے انھوں نے ان کی زندگی تنگ کر رکھی تھی۔ ان کی حالت یہ تھی کہ انھوں نے جسم پر صرف ایک موٹی چادر رہنے دی، اس کے علاوہ ان کے جسم پر کچھ نہ تھا۔ آخر یہ بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے۔ جب یہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوئے تو انھوں نے چادر پھاڑ کر دو ٹکڑے کر لیے، ایک ٹکڑے کو تہ بند اور دوسرے کو اوڑھنے والی چادر بنا لیا، پھر (اس حالت میں) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس بنا پر انھیں ”ذوالبجادین“ (دو چادروں والا) کہا گیا۔[2]

---

1 مسند البزار، رقم: 2736، و دلائل النبوة لأبي نعيم: 2/524-526، و مجمع الزوائد: 9/369، وصحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 598. 2 السيرة النبوية لابن هشام: 4/182.

اس قصے میں اسباق، عبرتیں اور دانائی کی باتیں ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① **نبی کریم ﷺ کی جانب سے صحابہ کی تکریم:** رسول اللہ ﷺ کا فوت شدہ صحابی کے ساتھ یہ حسن سلوک اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کی تکریم فرماتے تھے۔ زندگی تو زندگی رہی بعد از وفات بھی آپ ﷺ ان کی عزت افزائی فرماتے۔ کیونکہ انھوں نے بھی تو ہر گراں سے گراں چیز کو پیچھے چھوڑتے ہوئے اپنے آپ کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے پیش کر دیا تھا۔ آپ ﷺ کا فوت شدہ صحابی سے یہ سلوک دنیا میں ان کی عزت و تکریم کا بین ثبوت تھا۔ یہ عزت افزائی دیگر افراد کو میدانِ جہاد میں آگے بڑھنے اور فدا ہونے کی رغبت دلاتی ہے۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلم سپہ سالار رسول اللہ ﷺ کا لشکر کے افراد سے یہ سلوک ایسی خوبی ہے جسے دنیاوی قوانین نے اسلام کے چمکنے کے صدیوں بعد پہچانا اور اپنایا ہے۔[1]

② **رات کو دفن کرنا اور اچھائی پر رشک کرنا صحیح ہے:** رسول اللہ ﷺ نے ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کو رات میں دفن کیا۔ سنت یہی ہے کہ میت کو دفن کرنے میں جلدی کی جائے۔ اچھائی پر رشک درست ہے یعنی جس طرح دیگر بھائیوں کو خیر و خوبی حاصل ہے ایسی ہی بھلائی کی تمنا و آرزو کرنا درست ہے۔ لیکن یاد رہے یہ حسد کے بالکل الٹ ہے کیونکہ حسد میں دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا کارفرما ہوتی ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ حسد شر ہی شر ہے۔ رہا رشک تو وہ صرف اچھے معاملات ہی میں ہوتا ہے۔[2]

غزوۂ تبوک میں رونما ہونے والے چند معجزات

غزوۂ تبوک میں کئی معجزات ظاہر ہوئے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1 المدخل إلى العقيدة والاستراتيجية العسكرية لمحمد جمال الدين، ص: 299. 2 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 164,163.

بارانِ رحمت کی دعا: نبی اکرم ﷺ جب حجر ثمود سے آگے گزرے تو لوگوں کے پاس پانی بالکل نہیں تھا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتائی۔ آپ ﷺ نے دعا کی اور اپنے ساتھیوں کے لیے بارش طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیج دیا۔ اس سے خوب بارش ہوئی۔ لوگ سیراب ہو گئے اور اپنی ضروریات کے لیے بھی پانی محفوظ کر لیا۔ سیرت نگار ابن اسحاق نے اس شخص سے بیان کیا ہے جس نے محمود بن لبید سے پوچھا: ''کیا لوگ منافقین کے نفاق کو جانتے تھے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہاں ہاں، آدمی اپنے بھائی، اپنے باپ، اپنے چچا اور اپنے خاندان کے لوگوں میں نفاق جانتا تھا مگر یہ لوگ ایک دوسرے سے بیان کرنے میں اشتباہ پیدا کر دیتے تھے۔'' اس کے بعد محمود نے بیان کیا کہ مجھے میری قوم کے کچھ آدمیوں نے ایک منافق کا حال سنایا جس کا نفاق معلوم ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جہاں جاتے وہ آپ کے ساتھ جایا کرتا۔ مقام حجر میں پانی کی ضرورت پیش آئی تو رسول اللہ ﷺ کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج دیا، اس سے بارش ہوئی اور لوگ پانی پی پی کر خوب سیراب ہو گئے تو ہم اس منافق کی طرف متوجہ ہوئے اور ہم نے اس سے کہا: ''تیرا برا ہو کیا اس کے بعد بھی کوئی چیز باقی رہ گئی؟'' اس منافق نے کہا: ''یہ بادل تو گزر ہی رہا تھا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کا واقعہ: رسول اللہ ﷺ تبوک کی جانب جا رہے تھے کہ راستے میں اونٹنی گم ہو گئی۔ آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تلاش میں نکلے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ تھے وہ بیعتِ عقبہ اور غزوۂ بدر میں شامل تھے اور بنو عمرو بن حزم کے چچا تھے۔ ان کی اقامت گاہ میں زید بن لصیت قینقاعی بھی تھا جو منافق تھا۔

زید بن لصیت عمارہ رضی اللہ عنہ کی اقامت گاہ میں بیٹھا کہنے لگا: ''کیا محمد ﷺ کا خیال یہ

---

1 السيرة النبوية لابن هشام: 176/4، وصور و عبر من الجهاد النبوي في المدينة للدكتور فوزي فيض الله، ص: 473.

نہیں کہ وہ نبی ہیں اور تم لوگوں کو آسمان کی خبریں سناتے ہیں، پھر بھی انھیں یہ معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟''

ادھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جبکہ عمارہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس تھے: «إِنَّ رَجُلًا قَالَ: هٰذَا مُحَمَّدٌ يُخْبِرُكُمْ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَيَزْعَمُ أَنَّهُ يُخْبِرُكُمْ بِأَمْرِ السَّمَاءِ، وَهُوَ لَا يَدْرِي أَيْنَ نَاقَتُهُ؟ وَإِنِّي وَاللّٰهِ مَا أَعْلَمُ إِلَّا مَا عَلَّمَنِي اللّٰهُ وَقَدْ دَلَّنِي اللّٰهُ عَلَيْهَا وَهِيَ فِي هٰذَا الْوَادِي، فِي شِعْبِ كَذَا وَكَذَا، قَدْ حَبَسَتْهَا شَجَرَةٌ بِزِمَامِهَا فَانْطَلِقُوا حَتّٰى تَأْتُونِي بِهَا» ''ایک آدمی نے کہا ہے: ''یہ محمد (ﷺ) کہتے ہیں کہ وہ رسول ہیں اور تمھیں آسمان کی خبریں بتاتے ہیں، حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے۔ میرا حال یہ ہے کہ اللہ کی قسم! اللہ نے مجھے جو علم دیا ہے اس کے سوا مجھے کسی چیز کا علم نہیں اور اب اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا ہے کہ اونٹنی کہاں ہے۔ وہ اس وادی میں ہے۔ فلاں گھاٹی میں مہار الجھنے کی وجہ سے ایک درخت نے اسے روک لیا ہے، تم لوگ جاؤ اور اسے لے کر آؤ۔'' چنانچہ لوگ وہاں گئے اور اسے لے آئے، پھر عمارہ رضی اللہ عنہ اپنی اقامت گاہ میں واپس آئے اور بتایا کہ اللہ کی قسم! ایک چیز بڑی حیرت انگیز ہے جو ابھی ابھی رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کے سامنے بیان کی ہے۔ اور وہ کسی شخص کی یہ یہ گفتگو ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو باخبر کر دیا ہے۔ یہ سن کر عمارہ رضی اللہ عنہ کی اقامت گاہ میں جو لوگ موجود تھے ان میں سے ایک شخص نے، جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر نہ تھا، کہنا شروع کر دیا کہ اللہ کی قسم! یہ تو وہی بات ہے جو زید بن لصیت نے تمھارے آنے سے پہلے کہی تھی۔ حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر زید پر پل پڑے۔ اس کی گردن پر مارتے جاتے اور کہتے جاتے: ''لوگو! ادھر دیکھو! میری اقامت گاہ میں ایک بہت بڑی آفت ہے جسے میں نہیں جانتا تھا۔ ارے اللہ کے دشمن! یہاں سے نکل اور میرے ساتھ نہ بیٹھ۔''[1]

[1] تاريخ الطبري: 145/3، والأنساب الأشراف للبلاذري: 85/1، و دلائل النبوة للبيهقي: 232/5، والسيرة النبوية لابن هشام: 177/4، و إعلام النبوة للماوردي، ص: 100.

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ زید بن لصیت نے اس کے بعد توبہ کر لی اور بعض نے کہا کہ وہ مرتے دم تک نفاق میں مبتلا رہا۔[1]

سخت ہوا چلنے کی خبر اور اس سے احتیاط: تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو انتباہ فرمایا کہ عنقریب سخت ہوا چلے گی، لہٰذا خود بھی محتاط رہو اور جانوروں کا بھی خیال رکھو۔ ادھر ادھر باہر نہ جاؤ۔ جانوروں کو رسیوں سے باندھ رکھو، چنانچہ آپ ﷺ کی اطلاع کے مطابق تیز آندھی چلی۔ جو بھی کھڑا تھا اسے اس نے دور پھینک دیا۔[2]

ابو حمید بیان کرتے ہیں کہ ہم تبوک تک چلتے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «سَتَهُبُّ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَةَ رِيحٌ شَدِيدَةٌ، فَلَا يَقُمْ فِيهَا أَحَدٌ مِّنْكُمْ، فَمَنْ كَانَ لَهٗ بَعِيرٌ فَلْيَشُدَّ عِقَالَهٗ» ”آج شب تیز ہوا چل سکتی ہے، لہٰذا اس میں تم میں سے کوئی آدمی کھڑا نہ رہے اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کو رسی کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دے۔“ چنانچہ رات کو تیز ہوا چلی جس میں ایک آدمی کھڑا ہو گیا تو اسے ہوا نے اٹھا کر طَے کے پہاڑ پر پھینک دیا۔[3]

چشمۂ تبوک: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّكُمْ سَتَأْتُونَ غَدًا۔ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔ عَيْنَ تَبُوكَ، وَإِنَّكُمْ لَنْ تَأْتُوهَا حَتّٰى يَضْحَى النَّهَارُ، فَمَنْ جَاءَ هَا مِنْكُمْ فَلَا يَمَسَّ مِنْ مَّائِهَا شَيْئًا حَتّٰى آتِيَ» ”تم کل ان شاء اللہ تبوک کے چشمے پر پہنچو گے۔ اور تم دن چڑھے ہی وہاں پہنچ سکو گے، لہٰذا تم میں سے جو کوئی وہاں جائے اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے حتی کہ میں آجاؤں۔“ ہم اس چشمے پر پہنچے تو ہم سے پہلے وہاں دو آدمی پہنچ چکے تھے۔ پانی اس قدر کم تھا کہ جوتی کے تسمے کے برابر ہوگا وہ بھی آہستہ آہستہ بہہ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں

1 السيرة النبوية لابن هشام: 4/177. 2 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس ص: 141.
3 صحيح البخاري، حديث: 1481، و صحيح مسلم، حديث: [5948]-1392.

آدمیوں سے پوچھا: «هَلْ مَسَسْتُمَا مِن مَّائِهَا شَيْئًا؟» ''کیا تم نے اس کے پانی کو چھوا؟'' انھوں نے کہا: ہم ایسا کر بیٹھے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی سرزنش کی، پھر لوگوں نے چلو بھر بھر کر تھوڑا تھوڑا پانی کر کے ایک برتن میں جمع کیا تو کچھ پانی اکٹھا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اور چہرہ مبارک اسی برتن میں سے دھویا، پھر وہ پانی اس چشمے میں ڈال دیا۔

وہ چشمہ جوش مار کر ابلنے لگا حتی کہ تمام لوگوں نے اپنے جانوروں کو پانی پلا لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «يُوشِكُ يَا مُعَاذُ! إِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ أَنْ تَرٰى مَا هَاهُنَا قَدْ مُلِئَ جِنَانًا» ''اے معاذ! اگر تیری زندگی دراز ہوئی تو تو دیکھے گا کہ ساری جگہ باغوں سے بھر جائے گی۔''[1]

پانی کی قلت کی بنا پر تبوک اور یہ وادی جس میں یہ چشمہ تھا بالکل بنجر تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے دست مبارک پر پانی میں برکت ڈال دی اور وہ چشمہ جوش مارنے لگا۔ اور یہ صرف اسی لشکر کی ضرورت پوری کرنے کی حد تک نہ تھا بلکہ آپ ﷺ نے بتایا کہ یہ اب جاری و ساری رہے گا اور مستقبل میں اسی جگہ پھل دار درختوں کے باغات بھی ہوں گے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد آپ ﷺ کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی۔ اس وقت سے آج تک تبوک اپنے باغات، کھجور اور دیگر درختوں کی وجہ سے مشہور ہے جو رسول گرامی قدر کی سچی نبوت کی منہ بولتی گواہی ہے۔[2]

کھانے میں کئی گنا اضافہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب غزوۂ تبوک میں لوگوں کو سخت بھوک لگی، انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹوں کو ذبح کر لیں تاکہ ہم انھیں کھا بھی لیں اور چربی بھی حاصل

---

[1] صحيح مسلم، حديث: [5947](10)-706، وسنن أبي داود، حديث: 1260، و جامع الترمذي، حديث: 553، و سنن ابن ماجه، حديث: 1070، ومسند أحمد: 237/5، 238، والسنن الكبرىٰ للنسائي:285/1. [2] الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص:142.

کرلیں۔'' (تندرست و توانا ہو جائیں) آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اگر انھوں نے ایسا کیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی۔ سب لوگوں کو بلائیے کہ اپنا اپنا بچا ہوا توشہ لے کر آئیں، پھر آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ اس میں برکت ڈال دے۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت پیدا کر دے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے ایک دستر خوان بچھوایا، پھر سب کا بچا ہوا توشہ منگوایا گیا تو کوئی مٹھی بھر جوار لایا، کوئی مٹھی بھر کھجور، کوئی روٹی کا ٹکڑا، یہاں تک کہ دستر خوان پر تھوڑا سا کھانا اکٹھا ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے برکت کی دعا کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا: «خُذُوا فِي أَوْعِيَتِكُمْ» ''اسے اپنے برتنوں میں بھر لو۔'' سب نے اپنے اپنے برتن بھر لیے، لشکر کا کوئی برتن نہ چھوڑا گیا جس کو نہ بھرا ہو، پھر سب نے کھانا شروع کیا اور سیر ہو گئے۔ اور اس میں سے کچھ بچ بھی گیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فَتُحْجَبَ عَنْهُ الْجَنَّةُ» ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو شخص ان دونوں باتوں پر یقین کر کے اللہ تعالیٰ سے ملے گا وہ جنت سے محروم نہیں ہو گا۔''[1]

غزوۂ تبوک کے دوران منافقین کے کردار پر قرآن پاک کا تبصرہ

غزوۂ تبوک کے دوران ایک منافق نے مجلس میں بیٹھے کہا: ''ہمارے یہ قاری لوگ بڑے شکم دار، زبان کے جھوٹے اور جنگ میں بزدلی دکھانے والے ہیں۔'' وہاں بیٹھے ایک شخص نے اسے جواب دیا: ''تو جھوٹ بکتا ہے تو منافق ہے۔ میں یہ گفتگو ضرور رسول اللہ ﷺ کو بتاؤں گا۔'' چنانچہ یہ خبر آپ ﷺ تک بھی پہنچ گئی اور اس سے متعلق قرآن پاک نازل

1 صحیح مسلم، حدیث: 27، ومسند أحمد: 11/3، ودلائل النبوة للبیهقي: 229/5، 230، وصحیح ابن حبان، رقم: 6530، ومسند أبي یعلی، رقم: 1199.

ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے اسے دیکھا، رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی پیٹی (وہ بیلٹ جس سے کجاوہ بندھا ہوتا ہے) سے چمٹا ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور پتھر اسے زخمی کر رہے تھے وہ کہتا جارہا تھا: ''اے اللہ کے رسول! ہم تو یونہی وقت گزاری کے لیے ہنس رہے تھے۔'' رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے:

﴿ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾

''کیا تم اللہ تعالیٰ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟''[1]

قتادہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ جب تبوک کی جانب رواں دواں تھے تو آگے آگے کچھ منافقین چل رہے تھے اور آپ ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے: ''یہ شخص شام کے محلات اور قلعے فتح کر لینا چاہتا ہے، یہ بالکل ناممکن ہے!'' ادھر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات سے نبی مکرم ﷺ کو باخبر کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «اِحْبِسُوا عَلَيَّ هٰؤُلَاءِ الرَّكْبَ» ''اس گروہ کو میرے پہنچنے تک ذرا روکو۔'' آپ ﷺ نے آکر پوچھا کہ تم نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں؟'' تو انھوں نے قسم اٹھالی کہ ہم صرف ہنسی مذاق کر رہے تھے۔[2]

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِءُوْٓا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾

''منافقین (اس بات سے) ڈرتے ہیں کہ ان (مسلمانوں) پر کوئی سورت نازل کردی جائے جو انھیں (ہر بات) بتادے، جو ان (منافقوں) کے دلوں میں

[1] تفسير الطبري: 172/10، والدرالمنثور للسيوطي: 230/4. [2] تفسير الطبري: 172/10، والدرالمنثور للسيوطي: 230/4.

ہے۔ کہہ دیجیے: تم مذاق کرتے رہو، بے شک اللہ وہ باتیں ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو اور البتہ اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف شغل کے طور پر باتیں اور دل لگی کرتے تھے۔ کہہ دیجیے: کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے؟''[1]

آیت کا مفہوم یوں ہو گا: ''اے محمد! زجر و توبیخ کرتے ہوئے ان سے پوچھیے کہ کیا تمھیں اندھیروں سے روشنی میں لانے والے تمھاری ہدایت کے لیے اللہ کے بھیجے ہوئے رسول اور اللہ کے احکام و فرائض مذاق کے لیے ملے ہیں اور کوئی چیز نہیں ملی۔ تمھارا یہ عمل کفر ہے۔'' ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۚ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً ۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ ﴾

''(اب) بہانے مت بناؤ، یقیناً تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے، اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو دوسرے گروہ کو اس وجہ سے عذاب دیں گے کہ وہ مجرم تھے۔''[2]

مطلب یہ ہے کہ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے ہو۔ اگر تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر بھی کر لیں تو کچھ لوگوں کو ان کے سنگین جرم کی سزا بھی دیں گے۔ آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ اس جرم کو مٹانے کے لیے یہ عذر مت کرو۔ کیونکہ کھیل کود کے لیے بھی کفریہ کردار قطعاً درست نہیں، گویا تمھارا یہ عذر لنگ اعترافِ جرم ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''عذرِ گناہ بدتر از گناہ۔''

اور اسی طرح اگر ہم مُخَشِّن بن حُمَیِّر جیسے توبہ اور رجوع کرنے والوں سے درگزر کر بھی لیں تو کئی دیگر مجرموں اور اس گناہ پر اصرار کرنے والوں کو سزا بھی دیں گے۔[3]

1 التوبة 9:64,65. 2 التوبة 9:66. 3 تفسیر المراغي: 4/153.

رسول اللہ ﷺ پر اچانک حملے کا پروگرام

منافقین کے متعلق یہ فرمان الٰہی بھی نازل ہوا:

﴿ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ ﴾

''وہ (منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے (کوئی بات) نہیں کہی، حالانکہ انھوں نے یقیناً کلمۂ کفر کہا تھا اور وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ اور انھوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جو وہ نہ کر سکے۔ اور انھوں نے غصہ نہیں نکالا، مگر اس بات پر کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انھیں غنی کر دیا، پھر اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہو گا اور اگر وہ پھر جائیں تو اللہ انھیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور ان کا زمین میں کوئی حمایتی اور کوئی مددگار نہ ہو گا۔''[1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ضحاک کہتے ہیں: غزوۂ تبوک میں ایک رات دس سے کچھ زیادہ منافقین نے رسول اللہ ﷺ پر اچانک حملہ کرنا چاہا۔ انھی کے متعلق یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔[2]

ضحاک سے واحدی کی روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں منافق بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ وہ جب بھی آپس میں اکٹھے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازیبا الفاظ کہتے اور دین میں بھی عیب لگاتے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے

1 التوبۃ9:74. 2 تفسیر ابن کثیر:372/2.

رسول اللہ ﷺ کو ان کی یہ گفتگو بتلا دی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: «يَا أَهْلَ النِّفَاقِ! مَا هٰذَا الَّذِي بَلَغَنِي عَنْكُمْ؟!» ''اے نفاق والو! یہ مجھے تمھارے متعلق کیسی خبریں پہنچ رہی ہیں؟'' انھوں نے جھٹ سے قسم کھالی کہ اس قسم کی کوئی بات سرے سے ہوئی ہی نہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے انھیں جھوٹا کرنے کو مذکورہ آیت نازل فرمائی۔[1]

اس آیت مذکور میں ﴿ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ﴾ ''اور انھوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جو وہ نہ کر سکے۔'' (التوبة 74:9) سے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب تبوک سے واپسی پر آپ ﷺ گھاٹی میں پہنچے اور منافقین نے اچانک حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بیہقی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھا اور عمار رضی اللہ عنہ اونٹنی کو پیچھے سے ہانک رہے تھے یا میں پیچھے سے ہانک رہا تھا اور عمار رضی اللہ عنہ اسے آگے سے کھینچ رہے تھے۔ جب ہم گھاٹی میں پہنچے تو بارہ گھڑ سوار سامنے سے آدھمکے میں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے انھیں للکارا۔ وہ پشت پھیر کر بھاگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے پوچھا: «هَلْ عَرَفْتُمُ الْقَوْمَ؟» ''تم نے ان لوگوں کو پہچان لیا ہے؟'' ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول وہ چہروں پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے۔ ہم انھیں نہیں پہچان سکے لیکن ہم نے ان کی سواریوں کو پہچان لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «هٰؤُلَاءِ الْمُنَافِقُونَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهَلْ تَدْرُونَ مَا أَرَادُوا؟» ''یہ لوگ قیامت تک منافق رہیں گے۔ اور کیا تم جانتے ہو ان کا ارادہ کیا تھا؟'' ہم نے عرض کیا: ''نہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «أَرَادُوا أَنْ يَزَاحَمُوا رَسُولَ اللّٰهِ فِي الْعَقَبَةِ» ''انھوں نے گھاٹی میں اللہ کے رسول ﷺ سے ٹکرانے اور وہاں گھاٹی میں رسول اللہ ﷺ کو گرانے کا ارادہ کیا تھا۔''[2]

---

1 أسباب النزول للواحدي، ص:251. 2 دلائل النبوة للبيهقي:260/5، 261، والدر المنثور للسيوطي:244/4.

باب 3

غزوۂ تبوک سے واپسی

پیچھے رہ جانے والوں اور مسجد ضرار پر قرآن کا تبصرہ

تبوک میں بیس دن قیام کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔[1] واپس پہنچتے ہی آپ ﷺ نے منافقین کی بنائی ہوئی مسجد ''ضرار'' کو گرانے کا حکم صادر فرما دیا۔

آپ ﷺ جب ثنیۃ الوداع کے قریب آگئے تو مدینہ منورہ کے بچے استقبال کے لیے نکلے۔ آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے۔ مسجد نبوی میں دو رکعات نفلی نماز ادا کی، پھر لوگوں کی ضروریات و مسائل کے لیے مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے والے اپنے اپنے عذر پیش کرنے آگئے، پیچھے رہنے والے چار قسم کے لوگ تھے۔

کچھ تو شرعی عذر کی وجہ سے معذور تھے اور ان کا عذر اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول تھا۔ کچھ کے پاس کوئی شرعی عذر تو نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرما دیا تھا، ان میں سے کچھ مدینہ کے منافقین تھے اور کچھ مدینہ منورہ کی مضافاتی بستیوں کے منافقین تھے۔

شرعی عذر کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والے افراد: ان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص:603.

﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ○ ﴾

’’ضعیفوں اور بیماروں پر اور جو لوگ کوئی چیز نہیں پاتے کہ وہ خرچ کریں، ان پر (پیچھے رہنے میں) کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کرتے ہوں۔ نیکی کرنے والوں پر (گرفت کی) کوئی راہ نہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور (اے نبی!) نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انھیں (سفر جہاد کے لیے) سواری دیں (اور) آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں تو وہ اس حال میں لوٹ گئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں۔‘‘[1]

ان آیات کریمہ نے شرعی عذر کے حامل پیچھے رہنے والوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے پیچھے رہنے کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ اور حرج نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے پاس شرعی عذر تھا جس کی بنا پر وہ ساتھ نہ جا سکے۔ اس جگہ ضعفاء سے انتہائی بوڑھے افراد مراد ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ بچے مراد ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد پاگل اور دیوانے ہیں۔ ان کی عقل کمزور ہونے کے سبب انھیں ضعیف کہا گیا۔ یہ دونوں قول ماوردی نے بیان کیے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں اپاہج، نابینے، عمر رسیدہ اور جسمانی طور پر انتہائی لاغر افراد مراد ہیں۔ اور ’’بیمار‘‘ سے مراد ایسے لوگ ہیں جن پر ایسا مرض لاحق ہے جو جنگ کے لیے نکلنے سے مانع ہو۔[2]

1 التوبة 9:91، 92. 2 زاد المسير 4/485.

اور ان لوگوں پر بھی کوئی حرج نہیں جن کے پاس غزوے میں جانے کے لیے زادراہ نہیں ہے اور ان آیات سے یہ بھی واضح ہے کہ یہ رفع حرج تب ہے کہ جب وہ حق کی شناخت رکھیں اور حق پرستوں سے محبت اور باطل کے پرستاروں سے عداوت رکھیں۔ [1]

طبری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: ''جس شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ جانے کے باوجود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیرخواہی کی ہے، پیچھے رہنے میں اس کے پاس معقول عذر بھی تھا، اس شخص کا کوئی گناہ ایسا نہیں جس پر اسے سزا دی جائے اور ان آیات میں یہ بھی وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والا ہے۔ ان پر عفو ودرگزر کے دہانے کھول دیتا ہے اور انتہائی مشفق ہے۔ [2]

امام قرطبی کہتے ہیں: ''یہ آیت عاجز شخص پر سے تکالیف شرعیہ کے سقوط کے لیے اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ عجز خواہ قوت واستطاعت نہ ہونے کی بنا پر ہو یا مال نہ ہونے کی بنا پر۔'' [3]

اور ان آیات میں یہ بھی وضاحت ہے کہ وہ لوگ جو مالی طور پر کمزور ہونے کے باعث رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور ساتھ جانے کے لیے سواریوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ ایسے لوگ دوسروں سے الگ تھلگ اور اعلیٰ قسم کے لوگ ہیں باوجودیکہ یہ جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ یہاں ان کی تعریف بھی کی گئی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ان کے لیے سواریوں کا کوئی بندوبست نہ کر سکے تو وہ اس غزوے میں عدم شرکت کی بنا پر شدت غم سے رونے لگے۔ [4]

شرعی عذر نہ ہونے کے باوجود توبہ قبول ہونا: وہ پیچھے رہ جانے والے لوگ جن کا عذر شرعی تو نہیں تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1 تفسیر القرطبي:226/8. 2 تفسیر الطبري: 211/10. 3 تفسیر القرطبي:226/8. 4 حدیث القرآن عن غزوات الرسولﷺ لأبي بدر محمد بكر آل عابد:673,672/2.

﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صٰلِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، انھوں نے ملا جلا عمل کیا، ایک اچھا اور دوسرا برا، امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ جو بلا عذر غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اب اس پر ندامت کا اظہار کر رہے ہیں۔ منافقین کی طرح یہ بھی جھوٹے بہانے گھڑ کر نہیں لائے بلکہ توبہ کی اور اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید بھی رکھی ہے۔ ان کے اچھے یا نیک عمل سے مراد ہے ان کا اسلام قبول کرنا اور احکام شرعی پر عمل درآمد اور پھر ہر جنگ میں ساتھ دینا۔

برے عمل سے مراد ان کا اس غزوے میں پیچھے رہ جانا ہے اور پھر انھوں نے اس گناہ کے بعد نیک عمل، یعنی کوتاہی کا اعتراف اور توبہ بھی کی ہے۔

اعتراف جرم کی اصل یہ ہے کہ اپنے جرم کا اقرار کیا جائے۔ مگر توبہ تب ہی قابل قبول ہوگی جب گناہ پر ندامت اور مستقبل میں اسے چھوڑنے کا عزم شامل ہو۔ اور ان لوگوں نے ایسا ہی طرز عمل اختیار کیا۔ ''خلط'' کے معنی ہیں کہ انھوں نے گناہ اور توبہ میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا ہے۔ جس طرح کہتے ہیں: میں نے پانی کو دودھ میں اور دودھ کو پانی میں ملا دیا ہے۔ اس آیت میں یہ بھی وضاحت ہے کہ اعتراف گناہ کے ساتھ ساتھ ان کی طرف سے ایسی صورت کا بھی اظہار ہوا ہے جو قبولیت توبہ میں مفید ہو۔ اور وہ ہے ''اعتراف'' اور اعتراف (بسا اوقات) توبہ کے قائم مقام بھی ہو جاتا ہے۔

[1] التوبة 9:102.

اور حرفِ امید ''عسٰی'' یہاں پر یقین کا مفہوم دے رہا ہے کیونکہ اللہ کی طرف امید کا اظہار کسی کام کے یقینی وقوع پذیر ہونے کے مترادف ہوتا ہے اور وہی گناہ بخشتا اور اپنے بندوں پر مزید فضل بھی کرتا ہے۔[1]

توبہ کے امیدوار: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

''اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک مؤخر کر دیا گیا ہے، یا تو وہ انھیں سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کرلے گا اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔''[2]

اس آیت میں مذکورہ افراد سے مراد وہ ہیں جن کا معاملہ ملتوی ہو گیا تھا، یعنی ہلال بن امیہ، کعب بن مالک اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم۔ یہ لوگ بغیر کسی وجہ یا عذر کے رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ آپ ﷺ کو راستے میں جا ملیں گے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ یہ لوگ انتہائی مخلص تھے اور نفاق کے سبب پیچھے نہ رہے تھے۔ جب رسول گرامی ﷺ غزوے سے واپس تشریف لائے اور پیچھے رہ جانے والوں کا معاملہ پیش آیا تو ان تینوں نے کہا: ''ہمارے پاس کوتاہی کے سوا کوئی عذر ہی نہیں ہے۔'' انھوں نے جھوٹے بہانے بھی پیش نہ کیے اور نہ گناہ کے اعتراف میں مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ لینے والوں کی طرح اپنے آپ کو باندھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے بائیکاٹ کا حکم صادر فرمایا۔ اور ان پر معاملے میں انتہائی سختی کی جیسا کہ آگے پورا قصہ آ رہا ہے۔ ان کا معاملہ پچاس راتوں تک معلق رہا۔ انھیں معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان سے کیا سلوک فرمائیں گے۔[3]

ان تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعے میں چونکہ متعدد حکمتیں، دروس اور عبرتیں ہیں، اس

[1] فتح القدير للشوكاني: 399/2. [2] التوبة 9:106. [3] تفسير الآلوسي: 17/11.

لیے ہم چند صفحات کے بعد ذرا تفصیل سے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

مدینہ منورہ اور گردو پیش کے دیہاتیوں میں سے پیچھے رہنے والے منافق: بدوی منافقین کے متعلق درج ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی:

﴿ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾

''اور دیہاتیوں میں سے بہانے باز آئے کہ انھیں اجازت دی جائے اور وہ لوگ بیٹھ رہے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا، ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انھیں جلد ہی دردناک عذاب آ پکڑے گا۔''[1]

آیت مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ بدویوں کے کچھ افراد سچے جھوٹے عذر لے کر حاضر ہو گئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے غزوے سے پیچھے رہنے کا عذر قبول کریں۔ مگر ان میں سے ایک گروہ نے عذر بھی پیش نہیں کیا۔ بلکہ وہ جنگ میں گئے بھی نہیں اور ان کے پاس کوئی معقول عذر بھی نہیں تھا۔ بدویوں میں سے یہی لوگ منافق ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی ہے۔ بعدازاں اللہ تعالیٰ نے ان بدویوں میں سے جنھوں نے جھوٹے بہانے گھڑے ہیں انھیں اور جو عذر پیش کرنے بھی نہیں آئے بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرنے والے ہیں انھیں ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا کہ ان کے لیے بہت تکلیف دہ عذاب ہے۔ اس سے دنیا و آخرت دونوں کا عذاب مراد ہے۔[2]

ان اعرابیوں اور بدویوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خبر دی ہے کہ اے مومنو! تمھارے شہر مدینہ کے اردگرد منافق بدویوں کی ایک قوم آباد ہے ان سے بچ کر رہنا۔[3]

ارشاد ربانی ہے:

---

[1] التوبة 9:90. [2] فتح القدير للشوكاني: 391/2. [3] حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ لأبي بدر محمد بكر آل عابد: 681/2.

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ○ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ○﴾

''جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے وہ رسول اللہ کے پیچھے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے اور انھوں نے ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انھوں نے (اوروں سے) کہا کہ گرمی میں کوچ نہ کرو۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: جہنم کی آگ (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ یہ بات سمجھتے۔ چنانچہ انھیں چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے۔ (اے نبی!) پھر اگر اللہ آپ کو واپس لے آئے ان (منافقین) میں سے کسی گروہ کی طرف، پھر وہ آپ سے (جہاد پر) نکلنے کی اجازت مانگیں تو کہہ دیجیے: تم اب میرے ساتھ کبھی بھی (جہاد پر) نہیں نکلو گے اور نہ کبھی میرے ساتھ (مل کر) دشمن سے لڑو گے، یقیناً تم پہلی بار (پیچھے) بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے تھے تو (اب بھی) پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔''[1]

گزشتہ آیات کی تفسیر یہ ہے: ﴿الْمُخَلَّفُوْنَ﴾ اسم مفعول ہے جو کہ «خَلَّفَ فُلَانٌ فُلَانًا وَّرَاءَهُ» سے لیا گیا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو پیچھے چھوڑ دے۔ ''المخلّف'' پیچھے چھوڑا ہوا شخص ہوتا ہے۔[2]

﴿بِمَقْعَدِهِمْ﴾ اپنے بیٹھنے کے سبب۔

1 التوبة 9:81-83. 2 زاد المسیر:3/478.

﴿خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ علامہ فخر الدین رازی کہتے ہیں: ''اس کے بارے میں دو قول ہیں:

① اس کا مفہوم ہے رسول اللہ ﷺ کے بعد۔

② رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں، یعنی وہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں بیٹھے رہے۔''[1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے تھے اور آپ ﷺ کے چلے جانے کے بعد بیٹھے رہنے پر خوش تھے۔ ﴿وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا﴾ یعنی آپ ﷺ کے ساتھ جہاد پر جانے کو ناپسند کرتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ اتنی گرمی میں باہر نہ نکلو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ ان سے کہیں: ''جہنم کی آگ جس کی طرف تم رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں جا رہے ہو، اس گرمی سے زیادہ سخت ہے جس سے اب تم راہ فرار اختیار کر چکے ہو۔'' کاش! تم عقل کے ناخن لیتے۔''[2]

ان آیات میں یہ بھی وضاحت ہے کہ یہ لوگ دنیا میں ساری عمر ہنستے اور اتراتے رہے ہیں مگر یہ ہنسنا ان کے آخرت میں رونے کے مقابلے میں انتہائی کم ہے کیونکہ دنیا فانی اور آخرت ہمیشہ ہمیش کے لیے ہے۔

اس طرح ان آیات میں موجود لفظ ﴿طَآئِفَةٍ﴾ سے مراد منافقین کا وہ ٹولہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لیے نہیں نکلا تھا۔

اور ﴿الْخٰلِفِيْنَ﴾ کی تفسیر میں بقول امام رازی کئی توجیہات ذکر کی گئی ہیں:

① خالفون جمع ہے جس کا واحد خالف ہے۔ اس سے مراد وہ شخص جو قوم میں پیچھے رہے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ تم پیچھے رہ جانے والے لوگوں میں رہو جو ہمیشہ گھروں ہی میں دبکے

[1] تفسير الرازي: 151/15. [2] تفسير ابن كثير: 376/2.

رہتے ہیں۔

② خالفین کا معنی مخالفین کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اس کی اس کے اہلِ خانہ کے بارے میں مخالفت کی ہے جب وہ شخص ان کا مخالف ہو۔ ایک مراد یہ بھی ہے کہ دوسرے لوگوں سے بہت زیادہ اختلاف کرنے والے۔

③ برے آدمی کو بھی ''خالف'' کہا جاتا ہے۔ اصمعی کہتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر بھلائی سے پیچھے رہتا ہے۔'' یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص برا ہو جائے یا بدتر ہو جائے۔ یہ ''فَسَدَ اللَّبَنُ'' کے محاورے سے ماخوذ ہے۔ اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب دودھ خراب ہو جائے۔

ان تمام توجیہات سے پتا چلتا ہے کہ اس لفظ کی ان میں سے کوئی بھی توجیہ ممکن ہے کیونکہ منافقین میں یہ سب قباحتیں پائی جاتی تھیں۔[1]

یہ واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیاست منافقین کے ساتھ معاملات نپٹانے میں باوجود ان کے بہانے تراشنے کے اور تھی اور مسلمانوں کے ساتھ اور تھی۔ آپ ﷺ نے منافقین کے ساتھ نرمی اور پہلو تہی برتی، جبکہ سچے مسلمانوں کے لیے سختی اور سزا کا پہلو اختیار کیا۔ بلاشبہ مسلمانوں سے سختی اور شدت عزت افزائی اور تکریم کی مظہر تھی، جبکہ منافقین اس کے اہل نہ تھے۔ دنیا میں یہ لوگ جن کرتوتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں انھیں اس کی بدولت آخرت میں مہلک ترین جگہ ''جہنم کی سب سے نچلی جگہ'' سے کوئی نہیں چھڑا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے حال پر چھوڑنے اور دنیاوی احکام ان کے ظاہر کے مطابق جاری کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا ان کے بہانوں اور عذر کی حقیقت اور اصل کس لیے دیکھی جائے یا ان کے اقوال کی حقیقت کا جائزہ کیوں لیا جائے۔ اور دنیا میں انھیں ان کے جھوٹ کی سزا کیونکر دی جائے!؟ ہم تو انھیں ان کے ظاہر کی بنا پر ان احکام کا مستحق

[1] تفسير الرازي: 151/15.

قرار دیتے ہیں جس طرح یہ خود بھی ہم کو اپنے عقائد کا ظاہر ہی پیش کرتے ہیں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے جرائم پر سزا اور مواخذے کے سلسلے میں ایسے ہی کرتے ہیں، چنانچہ وہ اپنے محبوب بندۂ مومن کو معمولی لغزش اور کوتاہی پر ہی عتاب و سزا سے دو چار کر دیتے ہیں تاکہ وہ بیدار اور محتاط رہے۔ اور وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل تکریم و ستائش بھی ہوتا ہے۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں گھٹیا ہو اور اس کے ہاں بے قدرا ہو تو اللہ تعالیٰ اس شخص اور اس کے گناہوں سے ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ وہ مزید گناہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے مزید نعمت سے نوازتے ہیں (مگر اس کی آخرت نہایت بری ہوتی ہے۔)''[1]

مسجد ضرار: مسجد ضرار کے حوالے سے تبوک سے مدینہ واپسی پر درج ذیل آیات نازل ہوئیں:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَي التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○ ﴾

''اور وہ لوگ جنھوں نے ایک مسجد بنائی تاکہ (مسلمانوں کو) ضرر پہنچائیں اور کفر پھیلائیں اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالیں اور اس شخص کے لیے گھات لگائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہے۔ اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ تو نیک ہی تھا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں۔ (اے نبی!) آپ اس مسجد (ضرار) میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں، البتہ

[1] زاد المعاد: 3/578.

وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز ہی سے تقوے پر رکھی گئی ہے اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو (اس بات کو) پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں اور اللہ پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' [1]

ان آیاتِ مبارکہ کا سبب نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں خزرج قبیلے کا ایک شخص ابو عامر راہب تھا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ نصرانی بن گیا تھا۔ اس نے اہل کتاب کا علم بھی سیکھا تھا۔ جاہلیت میں بڑا عبادت گزار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قبیلہ خزرج اس کی بزرگی کا قائل تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، آپ ﷺ کے پاس مسلمان جمع ہونے لگے، اسلام کو قوت ملنے لگی اور مسلمانوں کی شہرت ہونے لگی۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بدر کے دن غالب کر دیا تو ابو عامر ملعون جل بھن گیا۔ کھلم کھلا عداوت کرنے لگا۔ یہاں سے بھاگ کر کفار مکہ سے جاملا اور انھیں رسول اللہ سے جنگ پر اکسانے لگا۔ اور اپنے ساتھ دیگر بہت سے عربی قبائل کو اکٹھا کر کے اُحد کی جنگ کے لیے گیا۔ اس لڑائی میں مسلمان جن حالات سے دوچار ہوئے وہ تو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا پورا پورا امتحان لیا۔ انجام کار مومنوں ہی کے حق میں ہوا۔ ابو عامر فاسق نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان بہت سے گڑھے کھود رکھے تھے۔ ایک گڑھے میں رسول اللہ ﷺ گر پڑے۔ آپ ﷺ کو انتہائی تکلیف پہنچی اور زخمی بھی ہوگئے۔ سامنے والے نچلے دو دانتوں کے ساتھ والا دایاں دانت ٹوٹ گیا اور آپ ﷺ کا سر مبارک بھی زخمی ہو گیا۔

لڑائی شروع ہوتے ہی ابو عامر اپنی قوم انصار کے پاس گیا۔ ان سے مخاطب ہوا اور انھیں مسلمانوں کی مخالفت پر اکسایا۔ انھوں نے جب اس کی آواز پہچانی تو کہنے لگے: ''ارے فاسق! اے اللہ کے دشمن! اللہ تعالیٰ تیری آنکھیں ٹھنڈی نہ کرے۔'' انھوں نے

[1] التوبة 9:107،108.

جب اسے برا بھلا کہا اور بے عزتی کی تو وہ یہ کہتے ہوئے واپس ہوا کہ میری قوم تو میرے بعد خراب ہوگئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسے بہت سمجھایا تھا۔ قرآن پڑھ کر نصیحت کی تھی۔ اسلام کی دعوت دی گئی مگر اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مزید بگڑ گیا تو آپ ﷺ نے اس کے لیے بددعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے ذلت و حقارت کی موت دے۔ یہی بددعا اسے لگ گئی۔ جب لوگ جنگ احد سے فارغ ہوئے اور اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ شہرت و غلبہ پا رہا ہے تو وہ بھاگا اور شاہ روم ہرقل کے پاس پہنچا۔ اسے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا۔ اس نے وعدہ کر لیا۔ اس نے ہرقل کے پاس قیام پذیر ہو کر انصار میں سے اپنے ہم خیال منافقین کو، جو ابھی تک منافقانہ رویہ اپنائے ہوئے تھے، لکھا اور ان سے وعدہ کیا کہ لشکر لاؤں گا جس کے ذریعے رسول اللہ ﷺ سے جنگ آزما ہو کر غالب آؤں گا اور انھیں ان نظریات و خیالات سے ہٹا دوں گا۔

مزید یہ کہ اپنے ہاں ایک ایسی جگہ تعمیر کرو جس میں یہاں سے آنے والے قاصد ٹھہریں اور میں بھی آ کر اس سے فائدہ اٹھا سکوں۔ انھوں نے مسجد قباء کے نزدیک ایک مسجد بنانی شروع کر دی اور تبوک کی لڑائی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی روانگی سے پہلے ہی اسے خوب مضبوط اور پختہ بنا لیا اور آ کر رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے کہ آپ ہماری مسجد میں تشریف لائیں اور نماز ادا کریں تاکہ اس مسجد کے جواز کا ثبوت مل جائے اور ہم وہاں نماز شروع کر دیں۔ اور کہنے لگے کہ سردی کی راتوں میں کمزور، ضعیف اور بیماروں کے لیے ہم نے یہ مسجد بنائی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس میں نماز ادا کرنے سے بچا لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّا عَلٰى سَفَرٍ وَّلٰكِنْ إِذَا رَجَعْنَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

”اس وقت تو ہم سفر پر ہیں لیکن ان شاء اللہ واپسی پر دیکھیں گے۔“

جب آپ ﷺ تبوک سے مدینہ منورہ لوٹ رہے تھے ابھی ایک دن یا کچھ کم فاصلے پر تھے کہ جبرائیل امین وحی لے کر آ گئے اور مسجد ضرار کی حقیقت واضح کر دی گئی کہ اس کے بانیوں نے مسجد بناتے وقت مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈالنے اور کفر کے بیج بونے کی نیت کی تھی۔ اور وہاں کی مسجد قباء کے بارے میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ اس کی بنیاد پہلے روز ہی سے تقوے پر رکھی گئی تھی اور وہاں نماز پڑھنے کا حکم صادر ہوا۔ آپ ﷺ نے وہیں سے کچھ مسلمانوں کو بھیج دیا کہ جاؤ میرے پہنچنے سے پہلے مسجد ضِرار کو گرا دو۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں خبر دی ہے کہ منافقین نے چار اغراض کے پیشِ نظر مسجد بنائی تھی:

① مسلمانوں کو تکلیف دینے کے لیے اور یہ ارادہ انتہائی تکلیف دہ تھا۔

② اللہ کا انکار کرنے اور اسلام کے خلاف فخر وغرور کا اظہار کرنے کے لیے کیونکہ اس سے ان کا ارادہ اہلِ نفاق کو مضبوط کرنے کا تھا۔

③ مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کے لیے کیونکہ ان کا ارادہ مسجد قباء میں نہ جانے کا تھا اس طرح مسلمان جماعت کی تعداد قباء میں تھوڑی ہوگی اور ان کا اور مسجد قباء والوں کا اختلاف بھی ہوگا اور اس طرح محبت ختم ہوگی۔

④ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کے لیے جگہ مہیا کرنا، یعنی ہر اس شخص کو موقع فراہم کرنا جو اللہ اور اس کے رسول سے نبرد آزما ہے۔ [2]

اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں کو نامراد اور ان کی تدبیروں کو باطل کرتے ہوئے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اسے گرا کر ختم کر دیا جائے۔

اللہ کے اسی فرمان میں: ﴿وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى﴾ ''اور وہ ضرور قسمیں

---

1 تفسير الطبري: 23/11، ودلائل النبوة للبيهقي:263,262/5، والسيرة النبوية لابن هشام: 174,173/4، وتفسير ابن كثير:388/2. 2 فتح القدير للشوكاني:403/2.

کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ تو نیک ہی تھا۔'' ان کی جھوٹی گفتگو اور قسموں پر ان کی مذمت کی گئی ہے، اس لیے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ ''اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور دیگر مسلمانوں کو بھی اس میں نماز پڑھنے سے قطعاً منع کر دیا۔ ابن عاشور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا﴾ ''(اے نبی!) آپ اس مسجد میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔'' میں کھڑے ہونے سے مراد نماز ہے۔ اس میں نماز پڑھنے سے اس لیے روکا گیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے سے اس میں برکت ہو جائے گی اور مسلمان مسجد قباء کو اس پر کسی برتری اور خوبی والی نہ سمجھیں گے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے عمار بن یاسر اور مالک بن دخشم کے ساتھ چند دیگر ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس مسجد کو جلا دو اور گرا دو تو انھوں نے ایسا ہی کیا۔[1]

ان آیات میں مسجد قباء کے حوالے سے یہ بھی وضاحت ہے کہ یہی مسجد پہلے دن سے تقویٰ کی بنیاد پر تعمیر کی گئی ہے، اسی لیے اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا وہ اس میں نماز پڑھیں چہ جائیکہ ان کی مسجد میں جائیں یا بصورتِ دیگر نماز چھوڑ کر شیطان کو خوش نہ کریں بلکہ مسجد نبوی یا مسجد قباء میں نماز ادا کریں۔[2]

اسی طرح اس میں منافقین کے امکانی پروپیگنڈے کو بھی دور کیا گیا ہے کہ وہ ایسا نہ کہیں کہ دیکھو نبی مکرم کو نماز کی دعوت دی گئی مگر انھوں نے ایسا نہ کیا۔ لفظ ﴿اَحَقُّ﴾ اگرچہ اسم تفضیل ہے مگر یہاں پر فضیلت کے معنی مقابلتاً نہیں ہیں بلکہ مسجد ضرار میں تو نماز کی ادائیگی اور جواز ہی کو سرے سے ختم کر دیا گیا ہے۔ شاید یہاں اسم تفضیل لانے سے یہ مقصود ہو کہ منافقین کو ندامت دلائی جائے اور انھیں نبی ﷺ کو نماز پڑھنے کی دعوت دینے کا جواب اسی انداز میں ملنا چاہیے تھا کہ مسجد قباء ہی ایسے شرف کی حقدار ہے کیونکہ

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 184/4. [2] حديث القرآن لأبي بدر محمد بكر آل عابد: 661/2.

اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی اور مسجد ضرار کی بنیاد وہ نہیں۔ [1]

ابن عاشور نے یہ بھی کہا ہے کہ ''تقویٰ کی بنیاد پر قائم کی گئی مسجد'' سے مراد ہر وہ مسجد ہے جو تقویٰ کی بنیاد پر بنائی جائے اور یہاں مخصوص کوئی ایک مسجد مراد نہیں لیکن یہ خوبی اس وقت مسجد نبوی اور مسجد قباء دونوں ہی میں پائی جاتی تھی۔ [2]

ان آیات میں انصار کی پاکیزگی کے حوالے سے تعریف بھی کی گئی ہے۔ ابن ماجہ میں روایت ہے کہ جب یہ آیات اتریں تو رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا: «يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ أَثْنٰى عَلَيْكُمْ فِي الطُّهُورِ، فَمَا طُهُورُكُمْ؟» ''اے انصار کی جماعت! یہ کون سی طہارت ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے تمھاری تعریف فرمائی ہے؟'' انھوں نے کہا: ''ہم نماز کے لیے وضو، جنابت پر غسل اور قضائے حاجت پر پانی سے استنجا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَهُوَ ذَاكَ، فَعَلَيْكُمُوهُ» ''بس یہی وہ طہارت ہے۔تم اسے ضرور اختیار کیے رکھو۔'' [3]

حکمتیں اور اسباق: مسجد ضرار کے قصے سے چند اسباق درج ذیل ہیں۔

① **سارا کفر ایک ہی ملت ہے:** ابو عامر فاسق کے کردار سے یہ بات واضح ہے کہ اسے بدر میں مشرکین کی شکست کا انتہائی افسوس ہوا۔ وہ مکہ جا بسا اور کافروں کو مسلمانوں سے لڑنے پر ابھارتا رہا حتی کہ احد میں خود بھی ان کے ساتھ آ دھمکا اور مسلمانوں کی جمعیت کو بکھیرنے کی اس نے ناکام کوشش بھی کی۔ [4] اللہ نے سچ فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ ﴾

''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔(اے

---

1 التحرير والتنوير لابن عاشور: 31/11. 2 التحرير والتنوير لابن عاشور: 31/11. 3 سنن ابن ماجه، حديث: 355. 4 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 179.

مسلمانو!) اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد مچے گا۔''[1]

② **معاملے کو مسلمانوں سے چھپانے کی کوشش:** منافقین نے کوشش کی کہ اس عمارت کو شرعی جواز مہیا کیا جائے۔ اس کے لیے انھوں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھنے کی دعوت بھی دی تا کہ اس سے برکت بھی حاصل ہو اور شرعی طور پر مسجد کا درجہ بھی مل جائے لیکن ان کے ارادے تو کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ نبی ﷺ کے نماز پڑھ لینے اور مسجد کو شرعی حیثیت دے دینے کے بعد تو ان کے اصل مقاصد کی ابتدا ہونی تھی جنھیں انھوں نے مسلمانوں سے چھپایا ہوا تھا۔[2]

③ **حفاظت الٰہی:** ایک محقق اس واقعے میں یہ دیکھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی کس طرح حفاظت فرمائی اور منافقین کے بھید اور خفیہ ارادے کس طرح واضح کر دیے۔ اگر آپ ﷺ کو ان کے ارادوں کا پتا نہ چلتا تو وہاں نماز ادا کر کے مسجد کو اتھارٹی دے دیتے جس کی وجہ سے مدینہ ہی میں مسلمانوں کے خلاف ایک محاذ کھلتا اور عام مسلمان بھی ان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوتے۔[3]

④ **فیصلہ کن علاج:** رسول اللہ ﷺ نے مسجد ضرار کو جو گرانے کا حکم دیا تھا یہی اس کا بہترین علاج تھا۔ یہ سربراہان امت کے لیے نمونہ اور اسوہ بھی ہے کہ ہر وہ چیز جس سے وحدتِ امت کو پارہ پارہ کرنے یا نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے تو اس کا علاج یہی ہے کہ اس کی جڑ کاٹ دی جائے تا کہ وہ کسی دوسری صورت میں بھی سامنے نہ آئے۔ اس علاج کے نتیجے میں اس معاشرے سے نفاق کے اثرات ختم ہونے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو ان منافقین کی تعداد انتہائی قلیل تھی اور انھوں نے دوبارہ اس طرح کے اقدام کی کوشش بھی نہیں کی کیونکہ انھیں یقین تھا کہ حقیقت حال کھل جائے گی

1 الأنفال 73:8. 2 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 181. 3 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 179.

اور اسی طرح کا سلوک کیا جائے گا۔[1]

⑤ **مسجد ضرار کے حکم سے ملحق احکام و مسائل:** مفسرین نے مسجد ضرار کے حکم سے ملتے جلتے مسائل بھی بیان کیے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(ا) زمخشری کہتے ہیں کہ جو بھی مسجد فخر و غرور دکھلاوے، ریا کاری یا رضائے الٰہی کی نیت کے علاوہ کسی بھی غرض سے بنائی جائے یا حرام مال سے تعمیر کی جائے تو اس کا حکم مسجدِ ضرار والا ہے۔[2]

عبدالکریم زیدان امام زمخشری کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا اس مسجد کو مسجد ضرار کی طرح گرا دیا جائے گا؟ میں یہ نہیں سمجھتا کہ ایسا ہو بلکہ صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسجد تقویٰ اور اخلاص کی بنیاد پر نہیں بنائی گی۔[3]

(ب) امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہمارے علماء (شافعی) کا کہنا ہے کہ ہر وہ مسجد جو تکلیف رسانی، ریا کاری اور دکھلاوے کے لیے بنائی گئی وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے اور اس میں نماز ادا کرنا درست نہیں۔[4]

سید قطب رقمطراز ہیں: ''اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بنائی جانے والی مسجد ضرار جیسی مسجدیں مختلف ادوار میں بنتی چلی آئی ہیں۔ بظاہر تو یہ اسلام کی سربلندی کے لیے بنائی جاتی ہیں مگر درپردہ اسلام کی بیخ کنی اور اس کی شکل بگاڑنا مقصود ہوتا ہے اور اس کے لیے اسلام کے نام کو بطور ڈھال استعمال کرتے ہیں اور ایسے علمی مباحثے ہوتے ہیں جن سے اسلام کو مٹانے اور ختم کرنے والے لوگوں کو سکون فراہم کرتے ہیں اور انھیں باور کراتے رہتے ہیں کہ انھیں اسلام سے کوئی خطرہ نہیں۔''[5]

⑥ **مسجد ضرار جیسے دیگر مقامات کا حکم:** عبدالکریم زیدان کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جسے

---

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 130/8. [2] تفسير الزمخشري: 310/2. [3] المستفاد من قصص القرآن لعبدالكريم زيدان: 304/1. [4] تفسير القرطبي: 254/8. [5] تفسير في ظلال القرآن لسيد قطب: 1710/3، 1711.

بظاہر شرعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے بنایا گیا ہو مگر بنانے والے غیر شرعی مقصد پورا کرنا چاہتے ہوں تو بھی مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔ اس قاعدے کے متعلق ہم اختصار سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کا ظاہر تو شرعی طور پر درست ہو مگر اس کو اختیار کرنے والے، مومنوں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہوں تو وہ مسجد ضرار ہی کے حکم میں شامل ہے۔[1] اس قاعدے کی رو سے وہ امور بھی مسجد ضرار کے حکم میں شامل ہیں جنھیں امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، مثلاً: شرک کے اڈے، گناہ اور نافرمانی کے گڑھ، مثلاً: شراب خانے، نشے کے اڈے اور دیگر بے حیائی کے مقامات وغیرہ۔ یہ قبیح مقامات ظاہراً و باطناً دونوں صورتوں میں غلط ہیں اور انھیں مٹانا ضروری ہے۔[2]

⑦ **مسلم ممالک میں مساجد ضرار کا وجود اور حکم:** ہمیشہ سے منافقین، ملحدین، عیسائی اور کفار فاتحین عبادت کے نام پر ایسے معبد تعمیر کرتے چلے آئے ہیں جن کا مقصد اسلام میں طعن و تشنیع اور مسلمانوں کے عقائد و عبادات میں شبہات پیدا کرنا ہوتا ہے، اسی طرح تعلیم و تربیت کے نام پر سکول بنا کر بچوں کے ذہن میں زہر انڈیلنا، ثقافت کے نام پر ادبی مجالس قائم کر کے اخلاقی اقدار کو متزلزل کرنا اور ہسپتال وغیرہ بنا کر انسانی خدمت کے نام پر بیماروں اور کمزوروں پر اثر انداز ہو کر انھیں دین سے پھیرنا مقصود ہوتا ہے۔ افریقی ممالک میں وہ یہ تجربہ کر کے اثر انداز ہو چکے ہیں۔[3]

مسجد ضرار اسلامی معاشرے میں ہونے والا ایسا حادثہ اور واقعہ نہیں جو ہوا اور مٹ گیا بلکہ یہ ایک دائمی سوچ اور فلسفے کا نام ہے جس کے لیے گہرے مقاصد سامنے رکھ کر زبردست منصوبہ بندی کی جاتی ہے اور مؤثر ترین وسائل استعمال میں لائے جاتے ہیں اور پھر انھیں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق کیے گئے دیگر منصوبہ جات سے ہم آہنگ کر کے

1 المستفاد من قصص القرآن لعبدالكريم زيدان: 506/2. 2 المستفاد من قصص القرآن لعبدالكريم زيدان: 506/3. 3 السيرة النبوية لأبي شهبة: 508/2.

اسلام میں شکوک و شبہات پیدا کیے جاتے ہیں اور اس کی ایسی قبیح صورت حال بنا کر پیش کی جاتی ہے تاکہ لوگ دین سے متنفر ہو جائیں اور ایسے کاموں میں مشغول ہوں جس سے ان کا اخروی گھر تباہ و برباد ہو جائے۔[1]

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا قصہ اور اسباق و فوائد

حضرت کعب، ہلال اور مرارہ رضی اللہ عنہم کا واقعہ کئی کتبِ تفسیر، حدیث اور سیرت میں سے ملتے جلتے الفاظ سے مروی ہے۔ اس کی تشریح و تعلیم کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں دیگر کتب کی بہ نسبت زیادہ تفصیل اور احتیاط سے بیان ہوا ہے۔[2]

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہی کی زبانی یہ واقعہ سنتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں غزوۂ تبوک کے سوا کسی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہ رہا تھا۔ ہاں غزوۂ بدر میں پیچھے رہ گیا تھا مگر اس میں پیچھے رہنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کوئی تعرض نہ کیا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قریش کے قافلے کی جستجو میں نکلے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں اور قریش کو بغیر کسی پروگرام کے اکٹھا کر دیا۔ میں بیعتِ عقبہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا۔ جب ہم نے اسلام کی مدد کرنے کی بیعت کی تھی۔ میں نہیں چاہتا اس کے بدلے میں جنگ بدر میں شریک ہوتا، اگرچہ لوگوں میں جنگ بدر بیعت عقبہ سے زیادہ مشہور ہے۔ غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے کا میرا قصہ یہ ہے کہ میں کبھی اتنا آسودہ حال اور طاقتور نہ تھا جتنا اس وقت تھا۔ اللہ کی قسم! میرے پاس کبھی اکٹھی دو اونٹنیاں جمع نہ ہوئی تھیں مگر اس غزوے میں دو اونٹنیاں میرے پاس تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی جنگ کا ارادہ فرماتے تو توریے کے طور پر کسی اور جگہ کا نام لیتے۔ مگر یہ جنگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید گرمی میں لڑی۔ دور دراز کا سفر کیا، کئی میدان و جنگل طے کیے۔ دشمن کی بڑی تعداد سے واسطہ پڑنا تھا، لہٰذا

---

[1] الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 182. [2] الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 187.

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو محاذ جنگ کے متعلق واضح طور پر بتا دیا تا کہ وہ اس کے لیے بھرپور تیاری کریں۔ آپ ﷺ جس جانب جانا چاہتے تھے اس کے متعلق بھی بتا دیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کی کثیر تعداد تھی جسے کسی رجسٹر میں محفوظ نہیں کیا گیا تھا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی شخص غائب رہنا چاہتا تو اسے خیال آتا کہ وہ نزول وحی تک ہی پوشیدہ رہے گا اور نزولِ وحی کے بعد اس کا بھید کھل جائے گا۔ یہ جنگ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت لڑی جب پھل تیار ہو چکے تھے اور سایے بھی خوب تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے جنگ کی تیاری کی۔ میں بھی ان کے ساتھ تیاری کرنے لگا مگر میں خود کوئی قطعی فیصلہ نہ کر پایا۔ اپنے دل میں کہتا کہ میں تو غزوے میں شمولیت پر قادر ہوں۔ اس طرح میں سستی کرتا رہا۔ لوگ بھرپور تیاری کرنے لگے۔

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے ساتھ چل پڑے مگر میں نے کوئی فیصلہ نہ کیا اور سوچا ایک دو دن میں تیار ہو جاؤں گا، پھر ان کے ساتھ جا ملوں گا۔ ان کے جانے کے بعد تیاری کے لیے گیا اور واپس آیا، پھر بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکا، پھر گیا اور واپس آ گیا مگر کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

میری مسلسل یہی کیفیت رہی یہاں تک کہ مجاہدین تیزی سے چلتے گئے اور جنگ کا وقت جاتا رہا۔ میں نے سفر کر کے ان سے جا ملنے کا ارادہ کیا اور کاش کہ میں ایسا کر لیتا۔ مگر میرے مقدر میں نہ ہو سکا۔ اور جب رسول اللہ ﷺ کے چلے جانے کے بعد میں لوگوں میں گھوما پھرا تو مجھے اس بات نے غمگین کر دیا کہ میں صرف ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو نفاق زدہ ہیں یا معذور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی مجھے تبوک پہنچ ہی کر یاد کیا۔ آپ ﷺ نے تبوک میں لوگوں کے اندر بیٹھے دریافت فرمایا: «مَا فَعَلَ كَعْبٌ؟» ''کعب کا کیا بنا؟'' تو بنوسلمہ کے ایک آدمی نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! اس کے کپڑوں اور اس کے تکبر و غرور نے اسے روک دیا ہے۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تو نے بہت بری بات کہی ہے۔ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ہم نے تو اسے اچھا پایا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو سفید کپڑے پہنے ہوئے آ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(اللہ کرے) ابوخیثمہ ہو۔'' تو وہ ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ یہی وہ شخص تھا جس نے ایک صاع کھجور صدقہ دی تو منافقین نے اسے طعنہ دیا تھا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مجھے خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس روانہ ہو گئے ہیں تو میرا رنج بڑھ گیا۔ میں نے جھوٹے بہانے بنانا شروع کیے کہ کون سی بات کیسے کہوں جس سے کل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصے سے بچ جاؤں۔ اس کے لیے میں اپنے گھر کے ہر صاحب رائے سے مدد لے رہا تھا۔ مگر جب مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریب آ پہنچے ہیں تو سارا جھوٹ کافور ہو گیا اور میں سمجھ گیا کہ اب کوئی جھوٹا بہانہ پیش کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچ نہیں سکتا تو میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سفر سے آتے پہلے مسجد میں جاتے، دو رکعات ادا کرتے اور پھر لوگوں سے ملنے کے لیے بیٹھ جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب فارغ ہو چکے تو جنگ سے پیچھے رہ جانے والے عذر بہانے پیش کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ تعداد میں اسی (80) سے کچھ اوپر لوگ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر کو مان لیا اور ان سے بیعت کی اور ان کے لیے دعائے مغفرت فرما دی اور ان کے دل کی بات اللہ تعالیٰ کے سپرد کی۔ ادھر میں بھی آ گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کی حالت جیسا تبسم فرمایا، پھر فرمایا: «تَعَالَ» ''آگے آ جاؤ۔'' میں چلتا ہوا آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ فرمایا: «مَا خَلَّفَكَ؟ أَلَمْ تَكُنْ قَدِ ابْتَعْتَ ظَهْرَكَ؟» ''تو پیچھے کیوں رہ گیا؟ تو نے سواری خرید لی تھی نا؟'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اگر میں آپ کے سوا

اہلِ دنیا میں سے کسی اور شخص کے سامنے بیٹھتا تو میں کوئی عذر کر کے اس کے عتاب سے نکل جاتا کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے فصاحت و بلاغت دی ہے لیکن اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ اگر میں جھوٹ بات آپ سے کہہ دوں گا اور آپ خوش بھی ہو جائیں گے تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے اور اگر میں آپ سے سچ سچ کہوں تو آپ ضرور غصے ہوں گے لیکن مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا انجام بخیر فرمائے گا۔ (تو بات یہ ہے کہ) اللہ کی قسم! میں کبھی نہ اتنا طاقت والا تھا اور نہ اتنا مالدار تھا جتنا اس وقت تھا جب آپ سے پیچھے رہ گیا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَمَّا هٰذَا فَقَدْ صَدَقَ، فَقُمْ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ فِيكَ» ''اس نے سچ کہا ہے، اچھا تم یہاں سے چلے جاؤ حتی کہ اللہ تعالیٰ تمھارا فیصلہ فرما دے۔'' چنانچہ میں اٹھ کھڑا ہوا اور بنو سلمہ کے چند لوگ دوڑ کر میرے پیچھے ہوئے اور کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! ہمیں نہیں معلوم کہ تم نے اس سے پہلے کوئی غلطی کی ہو تو تم کیوں عاجز ہو گئے کہ کوئی عذر اس طرح کا تم بھی پیش کر دو جس طرح دیگر پیچھے رہنے والوں نے کیا ہے۔ تمھارا گناہ ختم ہونے کے لیے رسول اللہ ﷺ کا استغفار کافی تھا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تو بخدا وہ لوگ برابر مجھے ملامت کرتے ہی رہے یہاں تک کہ میں نے ارادہ کر لیا کہ پھر واپس جا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے آپ کو (پہلی بات میں) جھوٹا کہوں (اور کوئی بہانہ پیش کر دوں) مگر پھر میں نے ان سے دریافت کیا کہ میرے جیسا سلوک کسی اور سے بھی ہوا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں دو شخص اور بھی ہیں۔ انھوں نے بھی وہی کہا جو تم نے کہا تو انھیں بھی وہی جواب ملا جو تمھیں ملا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: ''وہ دو شخص کون سے ہیں؟'' انھوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما۔ ان لوگوں نے ایسے دو شخصوں کا نام لیا جو واقعی نیک تھے اور بدر کی جنگ میں حاضر تھے۔ اور دونوں بہترین نمونہ تھے۔ تو جب انھوں نے ان دونوں کا نام لیا تو میں چل

دیا۔ میں نے سابقہ بات پر پکا رہنا پسند کیا اور اپنی بات سے رجوع کا فیصلہ ترک کر دیا۔
رسول اللہ ﷺ نے پیچھے رہنے والوں میں سے ہم تینوں سے عام مسلمانوں کو گفتگو کرنے سے منع فرما دیا۔ لوگ ہم سے اجتناب کرنے لگے اور بالکل ہی بدل گئے حتی کہ زمین بھی گویا ہمارے لیے بدل گئی۔ مجھے ایسا لگا جیسے یہ وہ زمین ہی نہیں جسے میں پہچانتا تھا۔

ہم پچاس راتیں اس حالت پر رہے۔ میرے دونوں ساتھی تو عاجز ہو گئے اور روتے روتے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے مگر میں ان کی نسبت زیادہ جوان اور طاقتور تھا۔ میں نکلتا، نماز میں حاضر ہوتا، بازاروں میں بھی پھرتا مگر مجھ سے کوئی آدمی گفتگو نہ کرتا۔ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے بعد اپنی جگہ تشریف فرما ہوتے تو میں آتا اور سلام کہتا اور دل میں کہتا کہ کیا آپ ﷺ نے اپنے لب مبارک سلام کا جواب دینے کے لیے ہلائے ہیں یا نہیں، پھر میں آپ ﷺ کے قریب نماز پڑھتا اور کنکھیوں سے آپ کو چوری چوری دیکھتا۔ جب میں نماز میں ہوتا تو آپ ﷺ میری طرف دیکھتے اور جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپ ﷺ چہرہ پھیر لیتے۔

مسلمانوں کے اس طرز عمل کو خاصے دن گزر گئے تو میں اپنے چچا زاد ابوقتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا اور اندر چلا گیا، ویسے بھی میرا ان سے بہت گہرا تعلق تھا۔ میں نے انھیں سلام کیا تو اللہ کی قسم! انھوں نے میرے سلام کا جواب بھی نہ دیا۔ میں نے ان سے پوچھا: ''اے ابوقتادہ! میں آپ کو قسم دیتا ہوں! کیا آپ نہیں جانتے کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔'' مگر وہ خاموش رہے۔ میں نے پھر پوچھا اور قسم دے کر پوچھا مگر وہ خاموش رہے۔ تیسری بار میں نے پھر قسم دے کر پوچھا تو کہنے لگے: ''اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔'' یہ سن کر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، پھر میں واپس پلٹا، دیوار پر چڑھا اور باہر نکل آیا۔

کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ شام سے مدینہ منورہ اناج

لانے والا ایک تاجر کہہ رہا تھا: ''کوئی مجھے کعب کا پتا دے گا؟'' لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو میرے پاس آ کر اس نے مجھے غسان کے حاکم کا ایک خط دیا۔ میں نے پڑھا تو خط میں لکھا تھا: ''ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آپ کے ساتھی نے آپ پر زیادتی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذلت میں رہنے کے لیے پیدا کیا ہے اور نہ اس لیے کہ سب آپ سے رخ موڑ لیں، لہٰذا آپ ہمارے ہاں آ جائیں۔ ہم آپ کے ساتھ بہتر سے بہتر معاملہ کریں گے۔''

میں نے خط پڑھا تو سوچا یہ ایک اور آزمائش ہے۔ میں نے اسے تنور میں جلا دیا۔ جب چالیس راتیں گزر گئیں اور وحی نہ آئی تو آپ ﷺ کی طرف سے پیغام لانے والا میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ''رسول اللہ ﷺ تمھیں حکم دیتے ہیں کہ اپنی بیوی سے الگ رہو۔'' میں نے پوچھا: ''کیا اسے طلاق دے دوں یا پھر کیا کروں؟'' اس نے کہا: ''طلاق نہیں بلکہ اس سے الگ رہو اور اس کے پاس مت جاؤ۔'' ادھر میرے دیگر دونوں ساتھیوں کو بھی اسی طرح کا پیغام بھیجا گیا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی سے کہا: ''تم میکے چلی جاؤ اور وہیں رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملے کا فیصلہ فرما دیں۔''

ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ہلال بن امیہ عمر رسیدہ ہیں۔ ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں۔ میں ان کی خدمت کروں تو کیا آپ ناپسند تو نہیں فرمائیں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا وَلٰكِنْ لَّا يُقَرِّبَنَّكِ» ''نہیں! میں خدمت کو ناپسند نہیں سمجھتا لیکن وہ تیرے قریب نہ جائے۔'' وہ بولی: ''اللہ کی قسم! انھیں تو اب ایسی کوئی حاجت نہیں رہی۔ اور اللہ کی قسم! جب سے یہ واقعہ ہوا ہے اس دن سے آج تک وہ مسلسل روئے جا رہے ہیں۔''

میرے گھر والوں میں سے کسی نے کہا: ''تم بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اپنی بیوی کے متعلق اجازت کیوں نہیں لے لیتے؟ آپ ﷺ نے ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی

کو بھی تو خدمت کی اجازت دے دی ہے۔“ میں نے کہا: ”نہیں! میں تو اجازت نہ لوں گا۔ میں جوان ہوں اور معلوم نہیں کہ آپ ﷺ کیا جواب دیں۔“

مزید دس راتیں اسی حال میں گزر گئیں اور پچاس راتیں پوری ہو گئیں۔ میں صبح اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا تھا اور حالت وہی تھی جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمائی ہے کہ زمین کشادہ ہونے کے باوجود مجھ پر تنگ ہو چکی تھی۔ اتنے میں میں نے سلع پہاڑی پر سے کسی پکارنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا: ”اے کعب بن مالک! تمھیں مبارک ہو۔“ یہ سنتے ہی میں سجدے میں گر گیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ مشکل گھڑیاں ختم ہو چکی ہیں۔ دراصل رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد لوگوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں معاف فرما دیا ہے۔ لوگ ہمیں خوش خبری دینے کے لیے دوڑے۔ میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی خوشخبری دینے والے گئے۔ ایک شخص نے میری طرف گھوڑا دوڑایا۔ ادھر اسلم قبیلے سے ایک دوڑنے والا میری طرف دوڑا، اس کی آواز مجھے گھوڑے والے سے پہلے پہنچ گئی۔ جس شخص کی آواز پہاڑی سے مجھ تک پہنچی تھی جب وہ میرے پاس پہنچا تو میں نے اسے اپنے پہنے ہوئے کپڑے خوشخبری دینے کی خوشی میں دیے۔ اللہ کی قسم! اس وقت میرے پاس وہی دو کپڑے تھے، (کوئی اضافی سوٹ نہیں تھا) میں نے دو کپڑے ادھار لے کر پہنے۔ اور وہ اسے دے دیے، پھر میں رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑا۔ لوگ گروہ در گروہ مجھے ملتے اور معافی پر مبارک باد دیتے رہے۔ وہ کہتے: ”تمھیں اللہ تعالیٰ کے توبہ قبول کرنے پر مبارک باد ہو۔“ یہاں تک کہ میں مسجد میں جا پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ لوگ آپ کے ارد گرد بیٹھے تھے۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے انھوں نے میری طرف دوڑ کر مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی۔ اللہ کی قسم! مہاجرین میں سے ان کے سوا کوئی شخص کھڑا نہ ہوا۔ کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ احسان میں کبھی نہ بھولوں گا۔

جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا تو آپ کا چہرۂ انور خوشی سے چمک دمک رہا تھا۔

آپ ﷺ فرما رہے تھے: «أَبْشِرْ بِخَيْرِ يَوْمٍ مَرَّ عَلَيْكَ مُنْذُ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ» ''تجھے پیدائش کے بعد سب سے بہتر دن کی مبارک ہو۔'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ معافی آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا بَلْ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ» ''نہیں! بلکہ اللہ کی طرف سے ہے۔'' رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک چاند کی طرح چمکتا تھا۔ اور ہم اس کیفیت کو بخوبی پہچان لیتے تھے۔ جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا تو میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میری توبہ کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنا سارا مال بطور صدقہ اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کر دوں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: «أَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ» ''تمھارے لیے بہتر یہ ہے کہ کچھ مال اپنے پاس رکھ لو۔'' میں نے عرض کیا: ''میں اپنا خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھ لوں گا۔'' میں نے پھر عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آخر اللہ تعالیٰ نے سچائی ہی کی وجہ سے نجات دی۔ اب میں اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندہ ہوں ہمیشہ سچ ہی بولوں گا۔'' کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کے سچ بولنے پر اس قدر احسان کیا ہو جس قدر مجھ پر کر دیا۔ اور اللہ کی قسم! جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے عہد کیا تھا اس وقت سے آج تک کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا۔ اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے جھوٹ سے بچائے گا۔'' حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کی تھیں:

﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○ ﴾

''یقیناً اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں آپ کی پیروی کی، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل بہک جانے کو تھے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور ان تین افراد پر بھی (مہربانی فرمائی) جنھیں (حکمِ الٰہی کے انتظار میں) چھوڑ دیا گیا تھا، حتی کہ جب زمین فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں (بھی) ان پر تنگ ہوگئیں اور انھوں نے سمجھا کہ اللہ (کے غضب) سے خود اس کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں، پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی تا کہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔'' [1]

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اسلام قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑا مجھ پر کوئی انعام نہیں کیا جتنا بڑا احسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سچ بولنے کے نتیجے میں مجھ پر کیا۔ میں نے اگر جھوٹ بول دیا ہوتا تو دیگر ہلاک شدگان کی طرح میں بھی ہلاک ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے جب وحی اتاری تو جھوٹ بولنے والوں کی بہت شدید سرزنش کی۔ ارشاد ہوا:

﴿ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِن تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ○ ﴾

[1] التوبة 9:117-119.

''عنقریب وہ تمھارے لیے اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹو گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو، چنانچہ تم ان سے درگزر (ہی) کرو۔ بلاشبہ وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، ان (کاموں) کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے۔ وہ تمھارے لیے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، سو اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو بھی اللہ ان (لوگوں) سے راضی نہیں ہوتا جو نافرمان ہیں۔''[1]

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ہم تینوں آدمی دیگر قسمیں کھانے والوں سے توبہ یا معافی کے معاملے میں پیچھے رکھے گئے۔ جن قسمیں کھانے والوں سے ان کی قسموں کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معذرت قبول کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیعت بھی کر لی اور ان کے لیے استغفار بھی کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارا معاملہ مؤخر کر دیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرماتے ہوئے کہا:

﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾

''اور ان تین افراد پر بھی (مہربانی فرمائی) جنھیں (حکم الٰہی کے انتظار میں) چھوڑ دیا گیا تھا، حتی کہ جب زمین فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں (بھی) ان پر تنگ ہو گئیں اور انھوں نے سمجھا کہ اللہ (کے غضب) سے خود اس کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں، پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی، تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے جو ہمارے پیچھے رہنے کا ذکر فرمایا ہے تو اس سے مراد ہمارا غزوے سے پیچھے رہنا نہیں بلکہ مراد ہے ہماری معافی کا معاملہ پیچھے رکھا گیا اور اسے مؤخر کر دیا گیا

[1] التوبة 9:95، 96۔ [2] التوبة 9:118۔

بہ نسبت ان کے جنھوں نے آپ ﷺ کے سامنے قسمیں کھا لیں اور معذرت کی تو آپ ﷺ نے اسے قبول کر لیا۔[1]

اس قصے میں کئی ایک اسباق، عبرتیں اور فوائد ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

عمدہ انداز، دلکش اسلوبِ بیان اور اعلیٰ ادبی ذوق: یہ حدیث عمدہ اسلوبِ بیان، دلچسپ انداز اور اعلیٰ ادبی ذوق کی بہترین مثال ہے۔ یہ حدیث اور اسی اسلوبِ بیان سے ملتی جلتی صلح حدیبیہ اور واقعۂ افک کی احادیث عربی ادب کے بہترین نمونے ہیں۔ کاش! بچوں کی ادبی نشو ونما کرنے والے اور ان میں ادبی ملکہ پیدا کرنے کے آرزو مند افراد اور انھیں بلند و بالا ادبی ولغوی سرمایہ فراہم کرنے والے نصابی کتب تشکیل دیتے وقت ایسی اور ان جیسی دیگر احادیث کو بھی اپنے نصاب میں شامل کریں۔ اس حدیث میں مثال کے طور پر حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا یہ قول قابل ستائش ہے:

«فَلَمَّا قِيلَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ أَظَلَّ قَادِمًا زَاحَ عَنِّي الْبَاطِلُ وَعَرَفْتُ أَنِّي لَنْ أَخْرُجَ مِنْهُ أَبَدًا بِشَيْءٍ فِيهِ كَذِبٌ، فَأَجْمَعْتُ صِدْقَهُ»

"جب مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے قریب آ پہنچے ہیں تو میرا سارا جھوٹ کافور ہو گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ میں اس معاملے میں جھوٹ بول کر اپنے آپ کو کسی طرح محفوظ نہیں رکھ سکتا، چنانچہ میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔"[2]

سچائی سفینۂ نجات ہے: حضرت کعب، ہلال اور مرارہ رضی اللہ عنہم سمجھ گئے کہ جھوٹ کا انجام برا ہوگا۔ انھوں نے یہی سوچتے ہوئے سچائی اور سیدھی سادی بات کہنے کا عزم کیا۔ اگرچہ (وقتی طور پر) یہ ان کے لیے تنگی اور مشکلات ہی کا سبب بنا۔ لیکن انھیں اللہ تعالیٰ سے پوری

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 4418، وصحيح مسلم، حديث: 2769. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 138/8.

امید تھی کہ وہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور وہ پہلے سے بہتر جذبات کے ساتھ اسلامی صف میں شامل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی توبہ کا معاملہ کیسے بہتر انداز سے اختتام کو پہنچایا اور فرمایا:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ○ ﴾

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''[1]

قطع تعلقی کے ذریعے تربیت اور اس کا معاشرے پر اثر: مسلم معاشرے میں اچھائی کو پروان چڑھانے، برائی کا قلع قمع کرنے اور واجب کے ترک یا حرام کے ارتکاب سے بچنے کے لیے ''قطع تعلقی'' ایک بہترین ذریعہ تربیت ہے کیونکہ غیر شرعی کام کرنے والا جب یہ سوچے گا کہ سارا معاشرہ مجھے چھوڑ دے گا اور مجھے الگ تھلگ ہونا پڑے گا تو وہ ایسا نہیں کرے گا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس فیصلے کی عملی تطبیق اور کامیابی صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ جب معاشرہ نبوی معاشرے جیسا ہو۔ حکومتی گرفت مضبوط اور تمام افرادِ معاشرہ متحد ہوں اور جس شخص کے لیے قطع تعلقی کا فیصلہ کیا جائے اس کے فتنے میں پڑنے کا امکان بھی نہ ہو۔

ہمارے معاشرے میں بائیکاٹ کی ایک صورت موجود ہے جو صرف دنیاوی مقاصد کے لیے ہوتی ہے، اس میں اور حقیقی شرعی قطع تعلقی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ شرعی قطع تعلقی تو دین کے لیے ہوتی ہے اور اس پر ثواب بھی ملتا ہے مگر رائج قطع تعلقی ذاتی مفاد اور دنیاوی مفاد اور دنیاوی اغراض و مقاصد کے لیے ہوتی ہے، اس لیے یہ ناجائز ہے اور اگر یہ تین دن سے بڑھ جائے تو حرام ہے۔[2]

---

[1] التوبة 9:119. التاريخ الإسلامي للحميدي: 8/137. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 8/139.

ارشادِ نبوی ہے:

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ»

''کسی بھی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دنوں سے زیادہ قطع تعلق رہے۔ جب بھی ان کا آمنا سامنا ہوتا ہے دونوں ایک دوسرے سے منہ پھر لیتے ہیں۔ ان میں بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔''[1]

ایک اور ارشادِ گرامی ہے:

«مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهِ»

''جس نے اپنے بھائی سے ایک سال کے لیے قطع تعلقی کی گویا کہ اس نے اسے مار دیا۔''[2]

سارا اسلامی معاشرہ قائد کے احکام بجا لاتا ہے: عظیم قائد کی طرف سے سارے اسلامی معاشرے کو بائیکاٹ کا حکم صادر ہوا تو اس پر پورے اسلامی معاشرے نے لبیک کہا۔ تمام لوگوں ہی نے ان تینوں سے بات چیت بند کر دی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں۔ ''...... لوگ ہم سے کنارہ کشی کرنے لگے۔ وہ تو بالکل ہی بدل گئے، حتی کہ زمین بھی میرے لیے بدل گئی۔ یہ تو وہ زمین ہی نہ تھی جسے میں پہچانتا تھا۔ میرے دونوں ساتھی تو عاجز ہو گئے اور روتے ہوئے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔ مگر میں ان کی نسبت جوان اور طاقتور تھا، میں نکلتا، نماز میں حاضر ہوتا، بازاروں میں بھی پھرتا مگر کوئی بھی آدمی مجھ سے بات نہ کرتا۔''

1 صحيح البخاري، حديث: 6237، و صحيح مسلم، حديث: 2560. 2 مسند أحمد: 220/4، وسنن أبي داود، حديث: 4911، والآداب للبيهقي، رقم: 280، والمستدرك للحاكم: 163/4، والأدب المفرد للبخاري، رقم: 404.

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا زاد ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو سلام کیا تو انھوں نے بھی سلام کا جواب نہ دیا۔

انھیں بار بار قسمیں ڈالیں کیا تمھیں علم ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں مگر وہ خاموش رہے، حالانکہ وہ انھیں تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھے۔

اس مقام پر ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو ایک محبوب انسان، جو ان کے ہاں بڑا معزز تھا، اس سے تعلق اور قطع تعلقی میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا تھا لیکن ان کے ایمان نے انھیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بجا لانے پر آمادہ کیا۔[1]

قطع تعلقی کے نبوی حکم کی پاسداری اس وقت انتہا کو پہنچ گئی جب رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں اشخاص کو خدائی فیصلے کے انجام تک پہنچ جانے تک اپنی بیویوں سے بھی الگ ہونے کا حکم دیا۔ ہر ایک نے اس فیصلے کو اپنے اوپر لازم قرار دیا۔ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی خدمت کے لیے کوئی موجود نہ تھا، لہٰذا ان کی بیوی نے خدمت کی اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیتے ہوئے ان سے الگ رہنے کا حکم دیا جس کی پاسداری انھوں نے بھی کی۔[2]

مکمل تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے: صلیبی دشمن ایسے مواقع کا منتظر تھا تاکہ داخلی محاذ میں رخنہ اندازی پیدا کر سکے اور مسلمانوں کے درمیان فتنے کی آگ بھڑکا کر اس کی بنیاد کو کمزور کرے اور حکومت کو منہدم کر سکے۔ اسی لیے غسانی حاکم نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کی قطع تعلقی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تادیبی کارروائی کو غنیمت جانا اور سفیر کے ذریعے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو اپنا خصوصی خط بھیجا جس میں وہ انھیں اس سلوک کے خلاف برانگیختہ کر رہا تھا۔ شاہِ غسان کی اس بات پر غور کیجیے: ''ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ تمھارے ساتھی نے تم پر زیادتی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ہرگز ذلت میں رہنے کے

1 التاريخ الإسلامي للحميدي: 140/8. 2 الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص: 196.

لیے پیدا کیا ہے اور نہ اس لیے کہ لوگ تم سے رخ موڑتے رہیں۔ تم ہمارے ساتھ آ ملو، ہم تمھاری خاطر داری کریں گے۔''

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی اس خط سے متعلق رائے یہ تھی: ''یہ ایک اور آزمائش ہے، میں نے ایسی غلطی کر لی ہے کہ اب دشمن بھی مجھ سے آس لگائے بیٹھے ہیں!'' یہ کہتے ہوئے انھوں نے خط جلا دیا۔[1]

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا خط سے متعلق اظہار ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی دوستی و تعلق اور قوت ایمانی کے ساتھ ساتھ ان کی ذاتی عظمت کی بھی واضح دلیل ہے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ یہ ایک نئی آزمائش ہے۔ تو انھوں نے فوراً خط تنور میں ڈال کر جلا ڈالا۔ اس امتحان اور آزمائش میں وہ انتہائی پاکیزہ انداز میں کامیاب و کامران ٹھہرے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے نہ تو کہیں قدم ڈگمگائے اور نہ ہی وہ شاہِ غسان کے خط سے متاثر ہوئے۔[2]

قبولیت توبہ ایک مومن کی حقیقی دولت ہے: جب ان تینوں اشخاص کی قبولیت توبہ سے متعلق آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں تو وہ دن مسلمانوں کے لیے عظیم دن تھا۔ اس روز رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر خوشی کی لہر دوڑ گئی حتی کہ وہ چاند کی مانند چمک اٹھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں پر بھی خوشی نمایاں تھی۔ وہ انھیں گروہ در گروہ مبارک باد دے رہے تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک دمک رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«أَبْشِرْ بِخَيْرِ يَوْمٍ مَرَّ عَلَيْكَ مُنْذُ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ»

''تجھے پیدا ہونے کے بعد سب سے بہتر دن کی مبارک ہو۔''

---

1 المغازي للواقدي: 3/1051-1052. 2 السيرة النبوية لأبي شهبة: 2/517، وفقه السيرة للبوطي، ص:307.

اس سے توبہ کا مقام و مرتبہ واضح ہو جاتا ہے اور توبہ سے مراد بندے کا پھر سے اللہ کی رضامندی میں چلے جانا ہوتا ہے۔[1] یہی ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد اور متاعِ حیات ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور آخرت میں اس کی طرف سے عزت افزائی کا اہل بن جائے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی توبہ کی قبولیت ان کے لیے واقعی ایک عظیم تر خوشی تھی۔ انھوں نے اس خوشخبری دینے والے کو ایک جوڑا بطور ہدیہ دیا۔[2]

اور اسی طرح حضرت کعب کا مبارک باد دینے والے اور مصافحہ کرنے والے کو نہ بھولنا اور اسے اس کا عظیم احسان سمجھ کر ہمیشہ اچھے لفظوں سے یاد کرنا بھی اس خوشی میں اضافے کی بات ہے۔[3]

حضرت کعب کے دیگر دونوں ساتھیوں کی خوشی اسی طرح کی تھی مگر اس روایت میں انھوں نے صرف اپنا حال ذکر کیا ہے۔[4]

واقدی کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کو توبہ کی مبارک باد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے دی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ میں بنو واقف کی طرف گیا۔ انھیں خوش خبری دی تو وہ فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے گمان گزر رہا تھا کہ اسی حالت میں ان کی جان نکل جائے گی۔[5]

شکرانے کے لیے عبادات: کسی انعام پر اللہ تعالیٰ کا شکرانہ ادا کرنے کے لیے کئی قسم کی عبادات مشروع ہیں۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول فرمائی تو ان کی خوشی کی کوئی حد ہی نہ رہی۔ انھوں نے اس کا شکرانہ کئی قسم کی عبادات کر کے ادا کیا، مثلاً:

---

1 السيرة النبوية لأبي شهبة: 517/2. 2 التاريخ الإسلامي للحميدي: 142/8. 3 السيرة النبوية لأبي شهبة: 518/2. 4 التاريخ الإسلامي للحميدي: 142/8. 5 المغازي للواقدي: 1054/3.

❁ سجدہ شکر: قبولیتِ توبہ کی بشارت جونہی حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے کان میں پڑی وہ فوراً اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کی غرض سے سجدہ ریز ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی انھیں کوئی نعمت حاصل ہوتی یا کوئی سختی ٹل جاتی تو وہ سجدۂ شکر بجا لاتے۔ یہ طریقہ شکر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔[1]

❁ مبارک باد دینے والے کو انعام: حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جس شخص سے بشارت سنی اسے اپنے تن کے کپڑے اتار کر بطور ہدیہ دے دیے، جبکہ اس وقت ان کے پاس کپڑوں کا صرف یہی جوڑا تھا۔[2]

❁ سارا مال صدقہ کر دینا: حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے توبہ قبول ہونے پر سارا مال صدقہ کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا مال صدقے میں دے دینے کو قبول نہ فرمایا بلکہ کچھ مال اپنے پاس رکھنے کے لیے بھی کہا۔[3]

اسی سے فقہی اختلاف پیدا ہوا کہ اگر کوئی آدمی سارا مال صدقہ کرنے کی نذر مان لے تو کیا حکم ہے، جبکہ صدقہ کرنا مستحب اور نذر پوری کرنا واجب ہے۔

مگر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے نذر نہیں مانی تھی بلکہ سارا مال صدقہ کرنے کا مشورہ طلب کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ دیا کہ کچھ مال اپنے پاس رکھ لے۔

1 صوروعبرمن الجهاد النبوي للدكتور فوزي فيض الله، ص:493. 2 صور و عبر من الجهاد النبوي للدكتور فوزي فيض الله، ص:493، و الصراع مع الصليبيين لأبي فارس، ص:202.
3 صوروعبر من الجهاد النبوي للدكتور فوزي فيض الله، ص:493.

باب 4

نصائح، فوائد، عبرتیں اور حکمتیں

① غزوۂ تبوک کے متعلق قرآنی منہج

مسلمانوں کے دوسرے تمام غزوات اور جنگوں کی نسبت غزوۂ تبوک کی بابت سب سے زیادہ قرآن نازل ہوا۔ ان آیات میں مسیحی یلغار کے خلاف کمر بستہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بتا دیا گیا کہ دین کی حمایت اور پیغمبر ﷺ کی نصرت میں ذرہ بھر کوتاہی قبول نہیں کی جائے گی۔ رومیوں کے مقابل کسی بھی قسم کی پسپائی ارتداد اور نفاق شمار ہوگی۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ﴾

"اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے، جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی پر ریجھ گئے ہو؟ چنانچہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت (کے مقابلے) میں بہت ہی تھوڑا ہے۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو وہ (اللہ) تمھیں دردناک عذاب دے گا اور بدل کر تمھارے علاوہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو

[1] فقه السيرة للغزالي، ص:404.

گے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔‘‘[1]

سورۂ توبہ نے اس غزوے کا ذکر کرتے ہوئے مخصوص اسلوب اپنایا ہے، مثلاً:

(ا) اس غزوے کا دوسرے غزوات سے فرق کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ اس میں شرکت کے لیے قرآن نے خود لوگوں کو ابھارا ہے اور پیچھے رہنے والوں کو سخت ڈانٹ بھی پلائی گئی ہے۔ اس غزوے کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کے غزوات کا اختتام ہوا اور یوں یہ غزوہ اس نصِ قرآنی کی عملی تطبیق بھی تھا، ارشاد ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان کافروں سے لڑو جو تمھارے قرب و جوار میں ہیں اور چاہیے کہ وہ تمھارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ یقیناً اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔‘‘[2]

اس آیت مبارکہ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب کو فتح کر لیا اور آپ کے آس پاس جتنے کافر تھے سب آپ کے ماتحت تھے۔ یہ غزوہ تبوک چونکہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر تھا اس لیے یہ اس آیت کی عملی تفسیر بنا۔[3]

(ب) دیگر غزوات کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اسے ﴿سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ سے تعبیر کیا ہے اس لیے اس غزوے کو ’’غزوۃ العسرہ‘‘ کہا جاتا ہے۔

(ج) اس غزوے کو یہ بھی خصوصیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کمزور مسلمانوں کی عیب جوئی کرنے پر منافقین کی سرزنش فرمائی ہے، ارشاد ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ

---

1 التوبة9:39,38. 2 التوبة9:123. 3 حديث القرآن عن غزوات الرسولﷺ لأبي بدر محمد بكر آل عابد:702/2.

عَذَابٌ اَلِيْمٌ○﴾

''جو لوگ عیب جوئی کرتے ہیں کھلے دل سے خیرات کرنے والے مومنوں پر، (ان کے) صدقات کی بابت اور ان پر بھی جو اپنی (تھوڑی سی) محنت مزدوری کے سوا کچھ نہیں رکھتے، تو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ بھی ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''[1]

(د) اس غزوے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلنے والوں کے لیے اجر عظیم کا بھی وعدہ کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○﴾

''لیکن رسول (ﷺ) اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے، انھوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور بھلائیاں بھی انھی لوگوں کے لیے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''[2] مزید فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ○﴾

''یہ اس لیے کہ یہ بلاشبہ وہ (لوگ) ہیں کہ انھیں اللہ کی راہ میں جو بھی پیاس اور تھکاوٹ اور بھوک (کی تکلیف) پہنچتی ہے اور وہ جو بھی ایسی جگہ روندتے ہیں، جو کافروں کو سخت ناگوار ہو اور وہ دشمن سے جو بھی کامیابی حاصل کرتے ہیں، اس کے بدلے میں ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''[3]

1 التوبة 9:79. 2 التوبة 9:88. 3 التوبة 9:120.

اس جنگ میں شوریٰ کی عملی پاسداری

اس غزوے میں رسول اللہ ﷺ نے شوریٰ کا اہتمام فرمایا اور بعض کٹھن مراحل پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول بھی کیا۔ ان پیش آمدہ مشکلات میں سے چند ایک یہ ہیں:

لشکر کی پیاس اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مشورہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم سخت گرمی میں تبوک کی طرف نکلے۔ ایک جگہ راستے میں پڑاؤ ڈالا تو ہمیں سخت پیاس لگی۔ ہمیں یقین ہونے لگا کہ شاید ہم یہیں ختم ہو جائیں گے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگ پیاس بجھانے کے لیے اونٹ ذبح کر کے اس کی اوجھ نچوڑ کر پی لیتے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھ کر عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپ کی دعا کے نتیجے میں بھلائی ہی عطا فرمائی ہے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: «أَتُحِبُّ ذٰلِكَ؟» ''کیا تم پسند کرتے ہو کہ ایسا کروں؟'' عرض کیا: ''بالکل۔''

آپ ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ بلند فرمائے۔ ابھی ہاتھ نیچے نہ کیے تھے کہ موسم بدلنے لگا۔ بادل سایہ فگن ہوگئے اور بارش ہونے لگی۔ سب نے اپنے اپنے برتن بھر لیے۔ بعد ازاں ہم اِدھر اُدھر بارش کے نشانات دیکھنے لگے تو ہمیں لشکر سے آگے کہیں بارش کے اثرات نظر نہ آئے۔[1]

سواریوں کی قلت اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مشورہ: تبوک کی طرف جاتے ہوئے ایک موقع پر اونٹ ذبح کرنے کی نوبت آ گئی۔ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی گئی تو

1 دلائل النبوة للبيهقي: 231/5، والمستدرك للحاكم: 159/1، و مجمع الزوائد للهيثمي: 194/6، و صحيح ابن حبان، رقم: 1383، ومسند البزار، رقم: 1841.

آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوکر عرض کرنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! اگر لشکر کو اس کی اجازت دی گئی تو اس طویل ترین سفر میں سواریوں کی ضرورت پیش آئے گی تو مشکل کا سامنا ہوگا۔ اور ساتھ ہی اس مسئلے کا یہ حل پیش کیا کہ تمام لوگوں کے زاد راہ جمع کر کے برکت کی دعا کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مشورے پر عمل فرمایا، چنانچہ لوگ اس بابرکت کھانے کو سیر ہوکر کھانے لگے اور اس کے بعد وہ اپنے اپنے برتن بھی بھر کر لوٹے۔[1]

حدود شام سے واپسی کی بابت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ: رسول اللہ ﷺ جب تبوک پہنچے تو معلوم ہوا کہ رومی مسلمانوں کے ڈر سے بھاگ نکلے ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ نے شام کی سرحد عبور کرنے کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ لشکر سمیت واپس چلے جائیں، کیونکہ رومیوں کے پاس بہت سے لشکر ہیں اور یہاں مسلمان آبادی نہیں ہے۔ ان کا مشورہ مبارک مشورہ تھا۔ کیونکہ رومی شہروں کے اندر گھس کر لڑنا مشکل کام تھا۔ صحرا کی جنگ شہروں کی جنگ سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ مشکل بھی تھی کہ شام میں تقریباً اڑھائی لاکھ رومی تھے اور شہروں کے اندر اس قدر بڑی تعداد کا حلقہ بند ہوکر لڑنا اسلامی لشکر کے لیے خطرے کا باعث تھا۔[2]

عملی مشق

تبوک کی طرف نکلنے اور لمبا سفر کرنے سے کئی فوائد سامنے آتے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی رفاقت میں انتہائی گرم فضاء میں لمبا سفر کرادیا۔ معاشی مشکل کے ساتھ ساتھ بھرپور گرمی اور پانی کی قلت کا اس قدر سامنا تھا کہ

[1] صحيح مسلم، حديث:(45)-27. [2] غزوة تبوك لمحمد أحمد باشميل، ص:176-177.

جان بہ لب تھی، پھر سواریوں اور زاد راہ کی قلت میں یہ سفر ایک مشکل مشق اور انتہائی صبر آزما لمحات سے بھرپور تھا۔

اسی کے متعلق جنرل محمود شیت خطاب کہتے ہیں: ''زمانہ جدید میں لشکروں کی سخت ترین مشقوں اور دشوار گزار مواقع سے گزارنے کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ مختلف ماحول اور موسم میں طویل مسافت اور بسا اوقات کھانا و پانی سے محرومی کی مشق بھی کرائی جاتی ہے تاکہ پیش آمدہ مشکل اوقات کے لیے لشکر کو تیار کیا جاسکے۔ جیش العسرہ کی مشکلات اور مشقیں بھی ایک زبردست جنگی تجربہ تھا اور اس کا مقصود یہ تھا کہ اسلام کے پیغام کو آزادی سے جزیرہ نمائے عرب سے باہر پھیلانے کے لیے مسلمانوں کو تیار کیا جاسکے۔ یہ نبی ﷺ کا آخری غزوہ تھا۔ اس لیے رفیق اعلیٰ سے ملنے سے قبل اپنے لشکروں کی تیاری اور مطلوب قوت سے اطمینان بھی حاصل کرنا تھا جو اس غزوے میں عملی طور پر ثابت ہوگیا۔''[1]

غزوۂ تبوک کے نتائج

① جزیرہ نمائے عرب کے تمام لوگ خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ان کے دلوں سے روم کی ہیبت ختم ہوگئی۔ اس سے پہلے عرب کو خیال تھا کہ روم کا مقابلہ کرنا اور اسے شکست دینا محال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب روم سے جنگ کا نام لیا جاتا تو وہ گھبرا سے جاتے۔ علاوہ ازیں ''غزوۂ موتہ'' میں مسلمانوں کی عارضی پسپائی نے بھی اس خیال کو مزید پختہ کردیا جو زمانہ جاہلیت سے اہل عرب کے ذہن میں راسخ تھا کہ رومی ناقابل تسخیر ہیں، لہٰذا عام لشکر کشی کا اعلان کرکے عربوں کے ذہن سے اس نفسیاتی شکست کو ختم کرنا ضروری تھا۔

② اسلامی حکومت کا اس طور پر تعارف کہ جزیرہ نمائے عرب کی وہی ایک ایسی قوت ہے جو عالمی طور پر موجود کسی بھی قوت کو چیلنج کرسکتی ہے لیکن اس کے پیچھے نہ تو عصبیت ہے اور نہ حکومت حاصل کرنے کا لالچ۔ بلکہ اس کا محرک صرف اور صرف جذبہ آزادی ہے جس کی

---

1 الرسول القائد ﷺ لمحمود شیت خطاب، ص: 282,281.

دعوت ہے کہ انسانیت کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کر کے انسانوں کے پروردگار کی غلامی میں لایا جائے۔ رومیوں کے بھاگ نکلنے کے باوصف غزوۂ تبوک نے اپنا مقصد پالیا۔

رومیوں نے مسلمانوں کے لیے میدان خالی کر کے گویا بلا جنگ مسلمانوں کو فاتح بنا دیا۔ نتیجتاً روم کے حلیف دومۃ الجندل اور ایلہ کی عیسائی حکومتیں اسلام کے سامنے سرنگوں ہوگئیں۔ [1]

اسی طرح شام کے دیگر عرب قبائل بھی تبوک کے موقع پر اسلامی اثر و رسوخ دیکھ کر اسلامی سلطنت اور بازنطینی سلطنت میں تقابل کرنے لگے کہ انھیں کس کا ساتھ دینا زیادہ نفع مند ہے۔ تبوک میں جو کچھ ہوا یہ شامی علاقوں میں اسلامی فتوحات کا عملاً نقطۂ آغاز ثابت ہوا۔ [2]

غزوۂ تبوک سے پہلے بھی اس جانب کئی کارروائیاں ہوئی تھیں مگر سب سے زیادہ تاثیر اسی کی تھی۔ یہ غزوہ رومی علاقوں کو فتح کرنے کی بشارت کا آغاز بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے قبل اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی سرکردگی میں تیار لشکر کو اسی جانب روانہ فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے شامی و دیگر علاقوں کی فتوحات کے لیے خود تبوک جا کر قابل عمل مثال اور اساس فراہم کر دی۔ [3]

جزیرۃ العرب کا اتحاد اسلامی حکومت کے سایے میں

فتح مکہ، غزوۂ خیبر اور غزوۂ تبوک جیسے پر اثر واقعات نے عربی قبائل کو ایک حکومت کے ماتحت رہنے پر آمادہ کیا۔ جب اسلامی حکومت کی سرحدیں روم سے جا ملیں اور نجرانی عیسائی بھی جزیہ دینے لگے تو جزیرہ نمائے عرب کے تمام قبائل نے کوشش کی کہ وہ جلد از جلد اسلام کے سایے تلے نبوی قافلے میں شامل ہوجائیں۔ ان قبائل کے پاس اس کے

[1] دراسات في عهد النبوة للشجاع، ص: 209. [2] المسلمون والروم في عصر النبوة لعبدالرحمٰن أحمد، ص: 120. [3] دراسات في عهد النبوة للشجاع، ص: 209.

علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ غزوۂ تبوک کے بعد جزیرۃ العرب کے اطراف و جوانب سے اس قدر وفود آنے لگے کہ 9ھ کو "عام الوفود" کا نام دیا گیا۔

اسی بابرکت غزوے کے ساتھ غزوات رسول کا سلسلہ اختتام پذیر ہوتا ہے جن کی قیادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری عمر مبارک حکمتوں سے بھرپور ہے جن پر امت مسلمہ کی آئندہ نسلیں پروان چڑھ رہی ہیں۔[1]

[1] نضرۃ النعیم: 1/396,395.

حجۃ الوداع سے قبل تا وفاتِ نبوی

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ

نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلٰمَ دِيْنًا

"آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا۔"

(المائدة 3:5)

لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ،

إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ

"حاضر ہوں میں تیری خدمت میں، اے اللہ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ بیشک ہر قسم کی تعریف اور نعمت تیرے لیے ہے اور بادشاہت بھی تیری اور تیرا کوئی شریک نہیں۔"

(صحيح البخاري، حديث 1549، و صحيح مسلم، حديث 1184)

باب 1

غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع کے درمیانی اہم واقعات

وفد ثقیف کی آمد اور ان کا قبول اسلام

رسول اللہ ﷺ جب طائف سے واپس ہوئے تو عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے پیچھے چل دیے اور مدینہ پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں آپ ﷺ سے جا ملے۔ اسلام قبول کیا اور واپس اپنی قوم میں چلے گئے۔ قوم کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے ان پر تیروں کی بارش کر دی، جس سے وہ شہید ہو گئے۔

بعدازاں بنوثقیف نے باہم مشورہ کیا کہ انھیں مسلمانوں اور آس پاس کے عرب قبائل سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں۔ اس پر اتفاق ہوا کہ کچھ آدمیوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجیں، چنانچہ 9 ھ کو جب آپ ﷺ تبوک سے واپس ہوئے تو رمضان میں ان کے چھ آدمی آپ ﷺ کے پاس پہنچے۔[1]

وفد میں کل چھ سردار تھے۔ تین عبد یالیل سے اور تین ان کے حلیفوں سے۔ یہ تمام عبدیالیل بن عمرو کی سرپرستی میں تھے۔[2]

وفد کی یہ تشکیل ان کی گہری سیاسی دوراندیشی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ثقیف نے سوچا کہ بنوامیہ کے مہاجرین ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان واسطہ بنیں گے تو صلح یقینی ہوگی کیونکہ بنوامیہ کا حلیفوں سے قدیمی تعلق تھا۔[3]

[1] رسالة الأنبياء لعمر أحمد عمر، ص: 199. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 193/4. [3] رجال الإدارة في الدولة الإسلامية للدكتور حسين محمد، ص: 76.

صحابہ کرام جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ثقیف کے اسلام قبول کرنے کی شدید خواہش رکھتے ہیں، چنانچہ ثقیف کا وفد مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو حضرت ابوبکر اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ وفد کی آمد کی خوشخبری رسول اللہ ﷺ کو وہی دے۔ مگر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں پیچھے ہٹ گئے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے بڑی خوشی سے وفد کا استقبال فرمایا اور (مسجد کے قریب ہی) ان کے خیمے لگا دیے تاکہ وہ قرآن پاک سنیں اور لوگوں کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھیں۔ ان کی میزبانی خود رسول اللہ ﷺ کے ذمے تھی۔ یہ روزانہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے اور عثمان بن ابوالعاص کو پڑاؤ میں اپنے اونٹوں کے پاس ٹھہرا دیتے۔ عثمان کی عادت تھی کہ جب یہ لوگ واپس آتے اور دوپہر کا آرام کرنے کے لیے لیٹتے تو یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ جاتا، دین کے متعلق پوچھتا اور قرآنِ حکیم کی تعلیم حاصل کرتا۔ حتی کہ اس نے دین وعلم کے بارے میں کافی کچھ سیکھ لیا۔ وہ جب دیکھتا کہ رسول اللہ ﷺ سوئے ہوئے ہیں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ جاتا۔ اس نے اپنی یہ تعلیم اپنے ساتھیوں سے چھپانے کی کوشش کی۔ آپ ﷺ کو اس کی یہ عادت بڑی پسند آئی۔[2]

یہ وفد کئی دن تک نبی اکرم ﷺ کے پاس رہا۔ آپ ﷺ انھیں اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے۔ ایک دن عبد یالیل نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ”کیا آپ ہمارے ساتھ بات چیت کرتے ہیں تاکہ ہم اپنے گھر اور اپنی قوم کی طرف پلٹ سکیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ! إِنْ أَنْتُمْ أَقْرَرْتُمْ بِالْإِسْلَامِ، قَاضَيْتُكُمْ وَإِلَّا فَلَا قَضِيَّةَ وَلَا صُلْحَ بَيْنِي وَ بَيْنَكُمْ» ”ہاں! اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمھیں اقرار نامہ دے دیتا ہوں۔ بصورت دیگر میرے اور تمھارے درمیان کوئی فیصلہ یا معاہدہ نہیں۔“

عبد یالیل نے کہا: ”آپ کا زنا و بدکاری کے متعلق کیا خیال ہے؟ ہم دور دراز سفروں

1 السيرة النبوية لابن هشام: 153/4. 2 تاريخ الإسلام، (المغازي) للذهبي، ص: 670.

پر اکیلے جاتے ہیں اور عورتوں سے علیحدگی پر صبر مشکل ہے، لہٰذا یہ تو ہمارے لیے لازمی چیز ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: «وَهُوَ مِمَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا ۝ ﴾» "اسے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر حرام کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور تم زنا کے قریب مت جاؤ، یقیناً وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔"" [1]

اس نے پوچھا: "تو سود کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟" فرمایا: «اَلرِّبٰو حَرَامٌ» "سود حرام ہے۔" اس نے کہا: "ہمارے تو تمام اموال بھی سود پر ہیں۔"

فرمایا: «لَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾» "تمھارے لیے صرف تمھارا مال ہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے وہ چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔"" [2]

اس نے پوچھا: "شراب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیونکہ وہ تو ہمارے انگوروں کا نچوڑ ہے اور ہمارے لیے ضروری بھی ہے۔"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَهَا!» "اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دے دیا ہے۔" پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک شراب اور جوا، آستانے اور فال نکالنے کے تیر، سب گندے کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں، پس تم ان سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔"" [3]

[1] بني إسرآئيل 32:17. [2] البقرة 278:2. [3] المآئدة 90:5.

یہ سن کر وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک دوسرے سے الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے۔

عبد یالیل نے کہا: ''کیا ہم اپنی قوم کی طرف ان تینوں اشیاء کی حرمت کے ساتھ لوٹیں گے۔ اللہ کی قسم! ثقیف تو کبھی بھی شراب اور زنا سے باز نہ آسکیں گے۔''

سفیان بن عبداللہ نے کہا: ''ارے اگر اللہ تعالیٰ ثقیف سے خیر خواہی چاہتا ہے تو وہ ان امور سے باز آ جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے والے لوگ بھی تو اسی قسم کی کوتاہیوں میں مبتلا تھے۔ اب انھوں نے صبر سے کام لیا ہے اور سابقہ عادات چھوڑ چکے ہیں۔ ہاں دوسری بات یہ بھی ہے کہ ہم اس شخص سے خائف بھی ہیں جس نے ساری زمین کو روند ڈالا ہے۔ ہم ایک جانب قلعہ بند ہیں جبکہ ہمارے اردگرد اسلام پھیلا ہوا ہے۔ بخدا اگر اس نے ہمارے قلعے کا ایک ماہ تک محاصرہ کر لیا تو ہم بھوکوں مر جائیں گے۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ صرف اسلام ہی واحد راستہ ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اہل مکہ جیسا دن ہمیں بھی نہ دیکھنا پڑے۔''

رسول اللہ ﷺ اور اس وفد کے درمیان گفتگو خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے ذریعے کی جا رہی تھی۔ اس نے مکتوب بھی لکھا۔ رسول اللہ ﷺ انھیں کھانا بھیجتے مگر وہ اس وقت تک ہرگز نہ کھاتے جب تک آپ ﷺ بھی ساتھ نہ کھاتے۔ بالآخر انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔

انھوں نے پوچھا: ''لات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟'' نبی ﷺ نے فرمایا: «هَدْمَهَا» ''اسے منہدم کر دیا جائے گا۔''

کہنے لگے: ''یہ تو ممکن نہیں۔ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ ہم نے اسے گرانے کی کوشش کی ہے تو وہ ہمارے گھر بار تباہ کر ڈالے گا۔'' اس پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بولے:

''عبد یالیل! تیرا برا ہو، لات تو ایک پتھر ہے۔ اسے یہ معلوم نہیں اس کی کون عبادت کر رہا ہے اور کون نہیں!'' عبد یالیل نے کہا: ''عمر! ہم تیرے پاس تو نہیں آئے۔''

بہر حال وہ سب مسلمان ہو گئے، صلح ہو گئی اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے عہد نامہ تحریر کیا۔ جب صلح مکمل ہو گئی اور اسے لکھ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے: ''تین سال تک لات کو چھوڑ دیں اور گرائیں نہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا، پھر انھوں نے دو سال کا مطالبہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی نہ مانے۔ کہنے لگے: ''ایک سال'' مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی نہ مانے۔ وہ ایک ماہ پر آ گئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بھی مدت بطور مہلت دینے سے انکار فرمایا۔ وہ اسے منہدم نہ کر کے اپنی قوم کے بیوقوف لوگوں، عورتوں اور بچوں کی طرف سے مامون ہونا چاہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسے گرا کر اپنی قوم کو پریشانی میں مبتلا کریں۔ اب انھوں نے درخواست کی کہ خود ہمیں گرانے کا حکم نہ دیا جائے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مطالبہ منظور فرما لیا۔ انھوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ ہمیں نماز معاف فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لَا خَيْرَ فِي دِيْنٍ لَّا صَلَاةَ فِيهِ» ''اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں۔'' [2]

وفد ثقیف نے مطالبہ کیا کہ بعض فرائض کی ادائیگی میں ان سے درگزر کیا جائے اور کچھ محرمات ان کے لیے حلال کر دی جائیں مگر وہ اپنے مطالبات میں ناکام رہے اور حقیقت حال کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی انتہائی تکریم کی۔ آتے وقت بھی، پھر جب وہ رہائش پذیر رہے تب بھی اور جب وہ واپس جانے لگے تو بھی بہت اچھی ضیافت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر میں سب سے چھوٹے مگر قرآن کی تعلیم اور دین کی سمجھ بوجھ کے حامل جوان حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ کو طائف بھر کا امیر مقرر فرمایا۔ [4]

---

1 المغازي للواقدي: 968/3. 2 مسند أحمد: 218/4، وسنن أبي داود، حديث: 3026، و دلائل النبوة للبيهقي: 5/299-301، ومسند أبي داود الطيالسي، رقم: 939، والمغازي للواقدي: 968/3، والتاريخ الإسلامي للحميدي: 50/8. 3 المجتمع المدني في عهد النبوة للدكتور العمري، ص: 221-223. 4 السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 519/2.

وفدِ ثقیف رسول اللہ ﷺ کے حسن سلوک اور مسلمانوں سے میل ملاقات سے بہت متاثر ہوا، حتی کہ انھوں نے رمضان کے مہینے کے روزے بھی رکھے۔ وفد مدینہ منورہ میں پندرہ دن قیام کے بعد واپس طائف لوٹ گیا۔[1]

ان کے واپس جانے پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ[2] اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ[3] کی شراکت سے ایک چھوٹا سا لشکر تشکیل دیا اور ان کے پیچھے انھیں بھیج دیا۔[4]

جب وفد کی کوشش سے اہلِ ثقیف نے اسلام قبول کر لیا تو انھوں نے ''لات'' کے انجام سے بھی مطلع کر دیا۔ اتنے میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ دس سے کچھ اوپر آدمیوں کو لیے لات کو گرانے کے لیے پہنچ گئے۔[5]

''لات'' کو گرانے کا سارا کام حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی قوم ''بنومعتّب'' کے زیرنگرانی ہو رہا تھا جو وہیں کھڑے تھے۔ انھیں خطرہ تھا کہ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح ان پر بھی تیر نہ چلائے جائیں یا انھیں ویسے ہی زخمی نہ کر دیا جائے۔[6]

بنوثقیف کے تمام مرد، عورتیں اور بچے حتی کہ جوان لڑکیاں بھی وہاں سے نکل گئیں۔ یہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، لہٰذا ان کا خیال تھا کہ لات کو گرایا نہیں جا سکتا اور انھیں یقین تھا کہ اسے گرانے والوں کے ہاتھوں سے ضرور ہی بچا لیا جائے گا۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ ایک خوش طبع آدمی تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! میں تمھیں ہنساؤں گا۔'' انھوں نے کدال ماری اور گر کر ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ اہل طائف نے ایک نعرہ مارا اور خوش ہو کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ مغیرہ کو ہلاک کرے، لات نے اسے قتل کر دیا ہے۔[7]

---

1 السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 520,519/2. 2 السيرة النبوية لابن هشام: 195/4. 3 المجتمع المدني في عهد النبوة للدكتور العمري، ص:221-223. 4 دلائل النبوة للبيهقي: 304,303/5. 5 المغازي للواقدي: 671/3. 6 دلائل النبوة للبيهقي: 304/5. 7 السرايا والبعوث النبوية للدكتور بريك بن محمد بريك، ص:300.

اور اہل ثقیف لشکر والوں سے کہنے لگے کہ تم میں سے جو بھی اس کے نزدیک جانا چاہتا ہے وہ نزدیک چلا جائے اور اسے گرانے کی پوری کوشش کرے۔ بخدا یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ لات کو گرایا جائے۔ اتنی دیر میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اچھل پڑے اور کہا: ”اے ثقیف کے لوگو! تمھیں اللہ مارے۔ یہ تو صرف پتھر اور مٹی سے بنا ہوا گھٹیا بت ہے، تم اب اللہ تعالیٰ کی عافیت کو قبول کرو اور صرف اسی کی عبادت کیا کرو۔“ [1]

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس طاغوت کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔

”لات“ کا مجاور ایک جانب کھڑا لات کے تباہ ہونے کا منظر دیکھتا رہا۔ [2]

جب مسلمان اس کی بنیاد تک پہنچے تو وہ مجاور چیخ اٹھا کہ عنقریب جب یہ بنیاد تک پہنچیں گے تو انھیں دھنسا دیا جائے گا۔ [3]

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہ فضول بات سنی تو امیر لشکر سے کہنے لگے: ”آپ مجھے اس کی بنیاد کھودنے دیں۔“ انھوں نے بنیاد کو کھودا اور اس کی مٹی نکال دی اور اس میں چھپا زیور قابو کر لیا، ثقیف یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ [4]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بھیجا ہوا دستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہاں کے زیورات اور غلاف وغیرہ لے آیا جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز تقسیم کر دیا۔ وفد نے اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور اس کے رسول کی نصرت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ [5]

اس طرح جزیرۃ العرب کے دوسرے بڑے بت ”لات“ کا کام تمام ہوا اور اس کی جگہ خدا کا ایک گھر تعمیر ہو گیا۔ جس کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گورنر طائف حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ کو دیا تھا کہ جس جگہ ان کا بت تھا اس جگہ مسجد طائف بنا دو۔ [6]

---

1 دلائل النبوة للبيهقي:303/5. 2 السرايا والبعوث النبوية للدكتور بريك بن محمد بريك، ص:300. 3 المغازي للواقدي:972/3. 4 دلائل النبوة للبيهقي:303/5، و السرايا والبعوث النبوية للدكتور بريك بن محمد بريك، ص:301. 5 السرايا والبعوث النبوية للدكتور بريك بن محمد بريك، ص:300. 6 سنن أبي داود، حديث:450، وسنن ابن ماجه، حديث:743.

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی موت

شوال 9 ھ کی چند راتیں باقی تھیں کہ عبداللہ بن ابی بیمار ہوا اور ذوالقعدہ 9 ھ میں مر گیا۔[1]

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لیے گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

«قَدْ كُنْتُ أَنْهَاكَ عَنْ حُبِّ يَهُودَ»

''میں نے تجھے یہود کی محبت سے منع کیا تھا۔''

اس نے جواب دیا: ''سعد بن زرارہ (رضی اللہ عنہ) نے ان سے نفرت کی ہے۔'' یہ کہنا تھا کہ وہ مر گیا۔

ابن اُبی مر گیا تو اس کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: ''آپ مجھے اپنی قمیص دیں تاکہ میں اس میں اپنے باپ کو کفن دوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قمیص دے دی۔[2] اس نے عرض کیا: ''آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے، حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّمَا خَيَّرَنِي اللّٰهُ فَقَالَ:

﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾ وَسَأَزِيدُهُ عَلَى السَّبْعِينَ»

---

[1] تاريخ الإسلام (المغازي) للذهبي، ص:659. [2] سنن أبي داود، حديث:3094.

''میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے:''(اے نبی!) آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (برابر ہے۔) اگر آپ ان کے لیے ستر بار (بھی) بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ انھیں نہیں بخشے گا۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''[1] اور آج میں اس کے لیے ستر دفعہ سے بھی زیادہ مغفرت کی دعا کروں گا۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یہ تو منافق ہے۔'' مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ تب اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ ﴾

''اور (اے نبی!) ان میں سے جو مرجائے آپ اس کی نماز (جنازہ) ہرگز نہ پڑھیں اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ظاہراً مسلمان ہونے کو دیکھتے ہوئے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور یہ بھی کہ اس کا بیٹا عبداللہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھا۔ اس کی تکریم بھی مقصود تھی۔اس نے غزوۂ بنو مصطلق کے موقع پر اپنے باپ کی بدگوئی پر اسے قتل کرنے کی اجازت بھی چاہی تھی۔ اس میں اور بھی مصلحت تھی یعنی اس کی قوم اور دیگر طرف داروں کی تالیف قلبی بھی مقصود تھی۔ منافقین کا ایک بڑا گروہ اس کا طرفدار و حمایتی تھا۔ بہتر سلوک سے توقع تھی کہ وہ متاثر ہوں گے اور اپنے نفاق سے باز آ جائیں گے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممانعت سے پہلے ہی نماز جنازہ نہ پڑھتے اور اس کے بیٹے کی فرمائش قبول نہ کرتے تو یہ امر اس کے بیٹے اور قوم کے لیے عار کا باعث ہوتا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو امور میں سے بہتر کو اختیار کیا تا آنکہ صراحتاً اس سے روکا گیا تو رک گئے۔[3]

---

[1] التوبة 9:80. [2] التوبة 9:84، صحيح البخاري، حديث: 4670، وصحيح مسلم، حديث: 2400. [3] السيرة النبوية لأبي شهبة: 2/533-534.

قمیص کا معاملہ یہ تھا کہ اسے قمیص نہ دینا بخل کے زمرے میں آتا تھا، جبکہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ کسی بھی ضرورت مند کو کبھی بے مراد نہ لوٹاتے تھے۔ اسی طرح ابن ابی کے اس احسان کا بدلہ چکانا بھی مقصود تھا جو اس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بدر میں قیدی بن کر آتے وقت انھیں قمیص دے کر کیا تھا۔ آپ ﷺ اور جملہ اہل بیت کی عادت مبارکہ تھی کہ احسان کا بدلہ بہتر احسان سے دیتے تھے۔[1]

ابن ابی کی موت کے ساتھ ہی نفاق کی تحریک دم توڑ گئی۔

10 ھ میں منافقین کی کوئی واضح موجودگی نظر نہیں آتی، چند ایک غیر معروف افراد باقی رہ گئے تھے جن کا علم راز دار نبوت حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کو تھا۔[2]

بعدازاں جب کسی شخص کے حوالے سے صورت حال واضح نہ ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ صرف اس کا جنازہ پڑھتے جس کا جنازہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما پڑھتے۔[3]

9 ھ میں تو تحریک نفاق کا صفایا ہو گیا۔ اسلام کو استحکام حاصل ہوا اور اسلام پورے عرب پر غالب آ گیا۔[4]

امام ابن قیم نے منافقین کے متعلق ان الفاظ میں وضاحت فرمائی ہے: ''اسلام نے حکم دیا ہے کہ ان کے ظاہر کو قبول کیا جائے اور باطن اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ ان سے یقین اور حجت کے ساتھ جہاد کیا جائے، ان سے پہلو تہی برتتے ہوئے دلوں تک رسائی رکھنے والی نصیحت کی جائے، ان کے جنازے نہ پڑھے جائیں، دعائے مغفرت نہ کی جائے کیونکہ اللہ رب العزت انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔''[5]

منافقین کے متعلق اس طرح کے احکام سورۂ توبہ کی روشنی میں ہیں۔ سورۂ توبہ آدھی سے زیادہ منافقین کی عادات، حیلے بہانے، نظریات، اسلام دشمنی، جنگوں اور خصوصاً غزوۂ

---

1 صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص:622,621، والسيرة النبوية لأبي شهبة:534/2.
2 دراسات في عهد النبوة للشجاع، ص:221. 3 من معين السيرة لصالح الشامي، ص:464.
4 دراسات في عهد النبوة للشجاع، ص:269. 5 زادالمعاد:91/2.

تبوک سے پیچھے رہنے کے اسباب، غزوۂ تبوک سے پہلے اور بعد ان کا موقف اور اس کی حقیقت، اسلامی صفوں میں انتشار کی کوششیں، رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے کی کوشش اور دنیا و آخرت میں ان کے ہولناک انجام پر مشتمل ہے۔[1]

منافقین کا معاملہ اور احکام و مسائل

نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾

"اور (اے نبی!) ان میں سے جو مر جائے آپ اس کی نماز (جنازہ) ہرگز نہ پڑھیں اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ حالت فسق میں مرے۔ اور (اے نبی!) ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں۔ بے شک اللہ تو چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے انھیں دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں حالت کفر میں نکلیں۔"[2]

منافقین کی مسجد کو گرانا: اس سے مراد مسجد ضرار ہے جو منافقین نے تعمیر کی تھی۔

کفار کی طرح جنگ کرنے کا حکم: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾

"اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔"[3]

1 المنافقون لمحمد جميل غازي، ص: 93,92. 2 التوبة 9:84,85. 3 التحريم 9:66.

منافقین کے اعمال و عادات کی کھل کر وضاحت: جیسا کہ سورۂ توبہ میں بھی ذکر ہوا ہے کہ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے مسلمانوں کو جہاد میں نہ جانے کی ترغیب دی تھی اور یہی وہ لوگ تھے جو مسلمانوں کے صدقات پر عیب جوئی کرتے تھے۔ اور قول و فعل سے آپ ﷺ کو ایذا پہنچاتے تھے۔''[1]

9ھ میں منافقین اور تحریک نفاق سے سلوک کا یہ نبوی طریقہ کار تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا ازواج مطہرات کو اختیار دینا (نبوی گھرانوں سے سبق)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ ﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ (دنیوی) فائدہ دوں اور تمھیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو، تو اللہ نے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''[2]

صحیح احادیث سے پتا چلتا ہے کہ یہ دونوں آیات رسول اللہ ﷺ کے ازواج مطہرات سے الگ ہونے کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے قسم کھا لی تھی کہ ایک ماہ تک ازواج کے پاس نہ جائیں گے، چنانچہ آپ ﷺ ان سے بالا خانے میں الگ ہو گئے۔[3]

ان آیات کا سبب نزول ازواج مطہرات کا گھریلو نفقہ و اخراجات میں بڑھوتری کا مطالبہ بنا۔ امام مسلم رحمہ اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت

---

1 دراسات في عهد النبوة للشجاع، ص: 220. 2 الأحزاب 33:28,29. 3 قضايا نساء النبي والمؤمنات لحفصة بنت عثمان، ص: 51.

ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ سے حاضر ہونے کی اجازت چاہی، ادھر لوگوں کو دیکھا کہ آپ ﷺ کے دروازے پر جمع ہیں کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ ملی تھی۔ مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت مل گئی تو وہ اندر چلے گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اجازت چاہی۔ انھیں بھی اجازت مل گئی۔ انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ غمگین ہیں اور چپ چاپ تشریف فرما ہیں۔ ازواج مطہرات آپ ﷺ کے گرد بیٹھی ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دل میں کہا کہ میں ایسی بات کہوں گا کہ نبی ﷺ کو ہنسا دوں گا، لہٰذا انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کاش آپ اس وقت ہوتے جب خارجہ کی بیٹی (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ) نے مجھ سے خرچ طلب کیا تو میں نے کھڑے ہو کر اس کا گلا دبا دیا۔ (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ ہنس دیے اور گویا ہوئے: «هُنَّ حَوْلِي كَمَا تَرٰى يَسْأَلْنَنِي النَّفَقَةَ» ''یہ سب جو میرے گرد جمع ہیں تم دیکھ ہی رہے ہو، یہ مجھ سے خرچ مانگ رہی ہیں۔'' ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گلا دبانے لگے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر حفصہ کا گلا گھونٹنے لگے۔ دونوں اپنی اپنی بیٹیوں سے کہنے لگے: ''کیا تم رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز طلب کرتی ہو جو آپ کے پاس نہیں۔'' وہ کہنے لگیں: ''اللہ کی قسم! ہم کبھی رسول اللہ ﷺ سے ایسی چیز نہ مانگیں گی جو آپ کے پاس نہیں ہے۔'' رسول اللہ ﷺ ان سے ایک ماہ یا انتیس روز جدا رہے، پھر رسول اللہ ﷺ پر مذکورہ آیات نازل ہوئیں۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کے گھروں کی معاشی حالت ایک جیسی رہتی تھی۔ اگرچہ بعض اوقات فراوانی کے کافی امکانات موجود ہوتے تھے۔

ازواج مطہرات کے گھر انتہائی چھوٹے تھے۔ دکتور ابوشہبہ ان کی حالت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے اردگرد ہی گھر تعمیر کر رکھے تھے۔ وہ کوئی بادشاہوں، رومی و ایرانی حکمرانوں کے محلات کے مانند نہ تھے بلکہ دنیا اور اس کی زینت سے بالاتر

[1] صحيح مسلم، حديث: 1478، ومسند أحمد: 3/328.

رہنے والے اور آخرت کے متلاشی گھرانے تھے۔ یہ گھر مسجد نبوی کی طرح پتھر اور گارے کے بنے ہوئے تھے۔ جن کی چھتیں کھجور کے تنوں اور ٹہنیوں سے بنی ہوئی تھیں۔ بوسیدگی کے قریب تر، بہت تھوڑے بلند، بڑا بچہ ہاتھ لمبا کرے تو اونچائی کو پہنچ سکتا تھا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی خیرہ رضی اللہ عنہا کا ایک بیٹا تھا جو وہاں ان کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ازواج مطہرات کے حجروں میں سے جس کی چھت سب سے بلند تھی، میں اس کی چھت کو ہاتھ لگا سکتا تھا۔ ہر حجرے کے دو دو دروازے تھے ایک اندر کو مسجد کی جانب تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسانی سے مسجد میں تشریف لا سکیں اور ایک باہر کو۔[1]

رہی بات روشنی کی تو روشنی کے لیے وہاں چراغ تو تھا ہی نہیں۔ بخاری شریف کی یہ حدیث اسی بات پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (لیٹی) ہوتی اور میرے پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قبلے کی طرف ہوتے۔ جب آپ سجدہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو میرے پاؤں پر کچوکا مارتے اور میں پاؤں سمیٹ لیتی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے تو میں پاؤں پھیلا لیتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔[2]

نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم جس بستر پر آرام فرماتے تھے رسیوں پر مشتمل چٹائی تھی جس پر بچھانے کے لیے کوئی اور کپڑا نہ ہوتا تھا۔ اس سے آپ کے پہلوئے مبارک پر نشان پڑ جاتے۔ کھجور کی چھال سے بھرے تکیے سے آپ ٹیک لگاتے۔[3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر میدے کی پکی روٹی دیکھی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے مکمل بھونی ہوئی بکری دیکھی۔[4]

---

1 السيرة النبوية لأبي شهبة:36,35/2. 2 صحيح البخاري، حديث:382، و صحيح مسلم، حديث:(272)-512. 3 صحيح البخاري، حديث:6456، و صحيح مسلم، حديث:2082.
4 صحيح البخاري، حديث:6457.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ دو دو مہینے اس طرح گزرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں چولھا تک نہ جلتا۔ حضرت عروہ بن زبیر نے دریافت کیا: ''تو پھر آپ کیا کھاتے تھے؟'' فرمایا: ''کھجور اور پانی۔''[1]

یہ بات بھی ہے کہ جب خیبر فتح ہوا اور فتح مکہ اور غزوۂ تبوک بھی ہو چکے تو مال کی فراوانی ہو گئی تھی اور ازواج مطہرات کو تلاوتِ قرآنِ پاک سے یہ سمجھ بھی آ رہی تھی کہ فضول خرچی کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہونا کوئی گناہ نہیں ہے تو ان کے دلوں میں بھی اس فراوانی سے اپنا حصہ طلب کرنے کی چاہت پیدا ہوئی، مال اور فراوانی سے مستفید ہونے کے حوالے سے ارشاد ربانی ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝﴾

''اے بنی آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[2]

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رزق میں سے پاکیزہ اشیاء کھانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: جو زینت اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں، وہ کس نے حرام کی ہیں؟ کہہ دیجیے: یہ (پاکیزہ چیزیں) دنیا کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے بھی ہیں جو ایمان لائے، جبکہ

[1] صحيح البخاري، حديث:6459. [2] الأعراف7:31.

قیامت کے دن یہ خالص مومنوں ہی کے لیے ہوں گی، اسی طرح ہم آیات کو ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔'' [1]

اور اللہ تعالیٰ نے نفقہ وخرچ میں میانہ روی اور اعتدال اختیار کرنے کی رغبت دلاتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝ ﴾

''اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا نہ رکھ اور نہ اسے پوری طرح کھول دے کہ پھر ملامت زدہ، تھکا ہارا ہو کر بیٹھ رہے۔'' [2]

مگر دوسری طرف قرآن پاک میں رسول اللہ ﷺ سے متعلق اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کا ایک پہلو اور بھی ہے جس کی بنا پر آپ نے ان مباح چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ آپ ﷺ کو یہی ادبِ ربانی تھا۔ ارشاد ہے:

﴿ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ ﴾

''اور ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو جو مال ومتاع دیا ہے اس کی طرف آپ اپنی نظریں نہ اٹھائیں اور نہ ان (کی حالت) پر غم کھائیں اور اپنے (پُر شفقت) بازو مومنوں کے لیے جھکائے رکھیں۔'' [3]

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ ﴾

''اور (اے نبی!) ان چیزوں کی طرف آپ اپنی نگاہیں نہ اٹھائیں جو چیزیں

[1] الأعراف 7:32. [2] بني إسرائيل 17:29. [3] الحجر 15:88.

زندگانی دنیا کی آرائش کی ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہیں، تاکہ ہم انھیں ان کے ذریعے سے آزمائیں اور آپ کے رب کا رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔''[1]

اسی لیے تخییر کی آیات نازل ہوئیں تو ازواج مطہرات اس اختیار کے مسئلے میں بلاتردد اپنے مضبوط موقف پر قائم رہیں اور انھوں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت کو پسند کیا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے نفقہ بڑھانے کا مطالبہ کر رہی تھیں لیکن جب معاملہ دو میں سے ایک کے انتخاب تک پہنچا یعنی دنیا کی زینت اور یہی زندگانی یا اللہ تعالیٰ، اس کے رسول مقبول ﷺ اور آخرت کا گھر تو انھوں نے دوسری چیز اختیار کرنے میں لمحہ بھر تردد نہ کیا بلکہ سب نے بیک زبان کہا:

''ہم اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت کی خواہش مند ہیں۔''[2]

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ہوا کہ اپنی بیویوں کو اختیار دیں تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے مجھ سے پوچھا، آپ ﷺ فرمانے لگے: «إِنِّي ذَاكِرٌ لَّكِ أَمْرًا، فَلَا عَلَيْكِ أَلَّا تَعْجَلِي حَتّٰى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ» ''عائشہ! میں تجھ سے ایک بات کہنے والا ہوں تو اس کے بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کر لے۔ جلدی جواب دینا ضروری نہیں۔'' حالانکہ آپ ﷺ خوب جانتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ سے الگ ہونے کی رائے کبھی نہ دیں گے۔ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

1 طٰهٰ 20:131. 2 قضايا نساء النبي والمؤمنات لحفصة بنت عثمان، ص: 77.

”اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ (دنیوی) فائدہ دوں اور تمھیں اچھے طریقے سے رخصت کردوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو، تو اللہ نے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔“ [1]

میں نے کہا: ”بھلا اس کے بارے میں میں اپنے والدین سے رائے لوں گی۔ میں تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت کی طلبگار ہوں۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، پھر آپ ﷺ کی تمام بیویوں نے وہی جواب دیا جو میں نے دیا تھا۔ [2]

امہات المومنین کے اس موقف سے ان کی قوتِ ایمانی اور اللہ کے ساتھ اخلاص کی واضح عکاسی ہوگئی۔ آیات تخییر میں اس بات کا وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ دنیاوی زیب و زینت کی خواہاں ہیں تو وہ انھیں ان کی خواہش کے مطابق دے دی جائے گی اور اسی طرح ان آیات میں اجر کے حوالے سے وضاحت ہے کہ وہ نیکوکاروں کے لیے ہے اور یہ امہات المومنین کی نیکی کی ایک صورت ہی ہے کہ انھوں نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت کے دن کو ترجیح دی۔ اور اسی طرح ان کا ازواج رسول ہونا بھی اس اجر کے لیے کافی ہے۔ [3]

”اجر عظیم“ کا وعدہ دراصل ان کے دنیاوی زیب و زینت اور ساز و سامان کے مطالبے کو ترک کردینے کی طرف ترغیب ہے اور اجر میں عظمت کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ ہی لگا سکتے ہیں اور یہ دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی اور اچھائی کو شامل ہے۔ [4]

خلفائے راشدین نے ”قصۂ تخییر“ کو ایک مشفقانہ نبوی منہج خیال کیا ہے اور یہ وہ اعلیٰ نشان ہے جسے قائدین امت کو اپنانا چاہیے۔ تاریخ پر گہری نگاہ ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ ایک انتہائی لطیف پہلو ہے اور اس سے ”استقامت علی الھدایۃ“ سے قریب یا دور

---

1 الأحزاب 29,28:33. 2 صحیح البخاري، حدیث:4786، و صحیح مسلم، حدیث:1475.
3 قضایا نساء النبي والمؤمنات لحفصة بنت عثمان، ص:79. 4 تفسیر السعدي:148/5.

ہونے کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ تاریخ اسلامی جب مومن قائدین کی حامل تھی اس وقت اس منہج کا بخوبی خیال رکھا جاتا تھا۔ خلافت راشدہ میں اس کی عملی اور فعلی اس قدر مثالیں ہیں کہ تلاش کرنے والے کو کوئی دشواری نہ ہوگی۔ [1]

امت کی قیادت ایک ذمہ داری اور بوجھ ہے مفت ملنے والی چیز نہیں، جو لوگ اس منصب پر فائز ہوتے ہیں انھیں دنیاوی گھٹیا ساز و سامان کے مقابلے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور آخرت کا شوق رکھنا چاہیے۔ [2]

حج صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

زمانہ نبوی میں معاشرے کی تربیت اور تکمیل تمام پہلوؤں، مثلاً: عقیدہ، اقتصاد، اجتماعیت، سیاست، فوج وغیرہ میں جاری تھی، مگر فریضہ حج کسی خاص منہج پر نہ تھا۔ اور 8 ھ کا حج عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے اس طرح ادا کروایا جس طرح مشرکین مکہ کے دور میں ہوتا تھا۔ کوئی خاص جداگانہ طریقہ نہ تھا۔ [3]

جب اگلے سال حج کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے چاہا کہ میں حج کروں مگر پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ يَحْضُرُ الْبَيْتَ عُرَاةٌ مُّشْرِكُونَ يَطُوفُونَ بِالْبَيْتِ فَلَا أُحِبُّ أَنْ أَحُجَّ حَتّٰى لَا يَكُونَ ذٰلِكَ»

''مشرکین بھی آئیں گے اور بیت اللہ کا ننگے طواف کریں گے لہٰذا میں نہیں پسند کرتا کہ ایسی حالت میں حج کروں۔''

آپ ﷺ نے 9 ھ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کی

---

[1] البدايه والنهاية: 136/7. [2] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 475. [3] السيرة النبوية لأبي شهبة: 536/2، والدراسات في عهد النبوة للشجاع، ص: 222.

کثیر تعداد کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔[1] قربانی کے جانور بھی ساتھ تھے۔[2]

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حجاج کے قافلے سمیت روانہ ہو چکے تو سورۂ توبہ نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انھیں حکم دیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا ملو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی ''عضباء'' پر روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''امیر یا ماتحت۔'' کہا: ''ماتحت'' پھر وہ دونوں چلتے رہے۔ اس سال صحیح روایات کے مطابق حج ذوالحجہ ہی میں ہوا تھا نہ کہ ذوالقعدہ میں جیسا کہ یہ بات کہی جاتی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے 8 ذوالحج سے پہلے، عرفات کے دن، قربانی کے دن اور پھر گیارہ ذوالحج کو بھی خطبات دیے۔ وہ لوگوں کو بتاتے کہ حج کیسے کرنا ہے، کہاں کیسے ٹھہرنا ہے، واپس ہونے کے آداب کیا ہیں؟ اسی طرح قربانی، منیٰ سے واپسی اور کنکریاں مارنے کے آداب سمجھاتے۔

ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر جگہ لوگوں کے سامنے سورۂ توبہ (براءت) کی ابتدائی آیات تلاوت فرماتے اور پھر ان چار امور کا اعلان فرماتے: ''مومن کے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا اور نہ کوئی آئندہ برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے گا اور جس کسی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد ہے اس کی مدت تک اس کا عہد برقرار رہے گا۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔''[3]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ذمہ داری نبھانے کے لیے معاون بنا دیا۔[4]

---

[1] نضرة النعيم: 398/1، والطبقات الكبرىٰ: 168/2. [2] فتح الباري: 82/8. [3] جامع الترمذي، حديث: 871 و 3092، ومسند أحمد: 79/1، ومسند أبي يعلىٰ، رقم: 452. [4] السيرة النبوية لأبي شهبة: 537/2.

سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات میں شرک اور مشرکین کے ساتھ تعلقات کلیتاً ختم کر لینے کا اعلان ہے۔ اس طرح اس میں ان کے حج کرنے پر پابندی لگا دی گئی اور ان کے ساتھ اعلان جنگ کر دیا گیا ہے۔[1]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ○ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ ۚ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ ﴾

”(اے مسلمانو!) جن مشرکین سے تم نے عہد کر رکھا تھا، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان سے (اعلان) براءت ہے۔ چنانچہ (اے مشرکو!) تم زمین میں چار ماہ چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے لوگوں کے لیے اعلان ہے کہ بلاشبہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری ء الذمہ ہیں، لہٰذا (اے مشرکو!) اگر تم توبہ کر لو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے (حق سے) منہ موڑے رکھا تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اور (اے نبی!) آپ ان کافروں کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔“[2]

جن لوگوں سے معاہدے ہو چکے تھے انھیں مدت کے اختتام تک کی مہلت دی گئی۔

ارشاد ہے:

[1] نضرة النعيم: 399/1. [2] التوبة 9:1-3.

﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا وَّ لَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ ﴾

''لیکن جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا ہے، پھر انھوں نے تمھارے حق میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو ان سے (مقررہ) مدت تک ان کا عہد پورا کرو۔ بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔''[1]

اسی طرح جن مشرکین کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا انھیں حرمت والے مہینے گزرنے تک کی مہلت دی اور اس کے بعد ان کی حالت ایسے ہوگی جیسے وہ مسلمانوں کے ساتھ حالت جنگ میں ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ ﴾

''پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کر دو اور انھیں پکڑ لو اور ان کا محاصرہ کر لو اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھے رہو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

عرب کے عام رواج کے مطابق معاہدہ کرنے یا توڑنے کا کام سردار یا اس کا خاندانی رشتہ دار انجام دیتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سب مشرکوں تک معاہدات ختم کرنے کا اعلان پہنچانے کے لیے حج کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ عربوں کا یہ رواج چونکہ اسلام کے منافی نہ تھا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اسے باقی رکھا۔

[1] التوبة 4:9. [2] التوبة 5:9.

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سورۂ براءت (توبہ) کی ابتدائی آیات دے کر روانہ کرنے کا مقصد وہ نہ تھا جس کا رافضی لوگ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔ ڈاکٹر محمد ابوشہبہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کہنے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ بات کیسے بھول گئے جو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھی تھی کہ آپ امیر ہیں یا مامور۔ تو پھر مامور، امیر کی نسبت خلافت کا زیادہ حق دار کیسے ہو گیا؟ [1]

یہ حج حجۃ الوداع کے لیے مقدمے کی حیثیت رکھتا تھا۔ [2]

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت میں حج کے دوران یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ بتوں کا زمانہ بیت چکا ہے اور ایک نیا دور شروع ہو چکا ہے۔ لوگوں کے سامنے اب ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت پر لبیک کہیں۔ عربی قبائل نے یقین کر لیا کہ اسلام غالب ہو کر رہے گا۔ اور واقعی بت پرستی کا زمانہ گزر چکا ہے، چنانچہ قبائل قبولِ اسلام اور عقیدۂ توحید اختیار کرنے کے اعلان کے ساتھ اپنے اپنے وفود بارگاہِ رسالت میں بھیجنے لگے۔ [3]

9ھ وفود کا سال

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا اور تبوک سے فارغ ہوئے اور بنو ثقیف اسلام لے آئے اور بیعت کر لی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب کے لیے چار ماہ کی مدت مقرر فرما دی تاکہ وہ اسلامی حکومت کے حکم نافذ کرنے سے پہلے پہلے خود ہی اپنے لیے ایک راہ متعین کر لیں۔ اب عرب کے وفد اعلانِ ایمان اور حکومت اسلام سے منسلک ہونے کے لیے ہر جانب سے آنے لگے۔ [4]

1 السيرة النبوية لأبي شهبة: 540/2. 2 السيرة النبوية لأبي شهبة: 540/2. 3 قراءة سياسية للسيرة النبوية للدكتور قلعجي، ص: 283. 4 السيرة النبوية لأبي شهبة: 284.

وفود کی حتمی تاریخ اور تعداد میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض تاریخی مصادر سے اشارہ ملتا ہے کہ کچھ وفد 9ھ سے پہلے ہی مدینہ منورہ آئے تھے، اس لیے وفود کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کے بقول کل تعداد ساٹھ جبکہ دیگر مورخین کے ہاں یہ تعداد سو سے بھی زائد ہے۔ ممکن ہے بعض نے صرف مشہور وفود کا تذکرہ کیا ہو۔[1]

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور تبوک سے فارغ ہوئے، ثقیف اسلام لے آئے اور بیعت کر لی تو ہر طرف سے عربوں کے وفود آپ کے پاس آنے لگے۔[2]

ابن سعد نے وفود کے متعلق تمام معلومات جمع کی ہیں اور ان کی تفصیل بھی ذکر کی ہے، وفود میں شریک افراد کے حالات ذکر کیے ہیں اور ان میں سے جو شرف صحابیت سے مشرف ہوئے ان کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اور پھر وہ روایات جمع کی ہیں جو ان کے ذریعے موصول ہوئیں۔ ابن سعد کی روایات میں ثقات بھی ہیں مگر اسناد جرح وطعن سے محفوظ نہیں۔[3]

بلاشبہ مورخین کی ذکر کردہ روایات محدثین کے اندازِ تحقیق اور معیار صحت پر نہیں پہنچتیں۔ لیکن بایں ہمہ ان وفود کے متعلق خاصی تعداد میں روایات ثابت اور صحیح ہیں۔[4]

مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں وفدِ تمیم کی آمد کا ذکر کیا ہے اور اسی طرح دیگر وفود، عبدالقیس، بنوحنیفہ، نجران، اشعریین، اہل یمن اور وفد دوس کا تذکرہ کیا ہے۔[5]

کتبِ سیر و مغازی اور دیگر تاریخی مصادر میں ذکر آنے سے ان وفود کی معلومات میں مزید اضافہ ہوا اور ان کے متعلق یقین حاصل ہو گیا ہے۔[6]

یہ مسئلہ باقی رہ جاتا ہے کہ وفود سے متعلق تفصیلی روایات کی تاریخی حیثیت اور ان پر تنقید کا اہتمام کیا جائے۔[7]

---

1 نضرة النعيم: 396/1. 2 البداية والنهاية: 47,46/5. 3 نضرة النعيم: 397/1. 4 السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 542/2. 5 صحيح البخاري، حديث: 4365 و 4368 و 4372 و 4392. 6 ملاحظہ کیجیے: البداية والنهاية: 40/5-98. 7 السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 544/2.

وفود کے واقعات والی روایات میں تعلیم وتربیت، گہری سوجھ بوجھ، دلوں کو ایک مرکز پر اکٹھا کرنے، افراد کو جوڑنے اور اسلام سے وابستہ رکھنے والی سوچ اور فقہ کا گرانمایہ سرمایہ موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نجی، اجتماعی، اقتصادی، تنظیمی و دفتری، سیاسی و عسکری اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لیے وافی و شافی اصول وضوابط موجود ہیں جو انھیں دیگر باتوں سے مستغنی کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔[1]

بایں ہمہ 9ھ "وفودِ عرب کا سال" کے طور پر مشہور ہے۔ استقبال کی صورت یہ تھی کہ آنے والوں کی رہائش کے لیے مہمان خانہ تھا۔[2]

جس میں وفود اقامت کرتے۔ مسجد نبوی آنے والوں کے لیے کھلا صحن تھا۔ اور بعض آنے والوں کے لیے کچھ صحابہ کو رضا کارانہ اور کچھ کو حکماً مہمان نوازی کا فریضہ سونپا جاتا تھا۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے ان وفود کو بڑی اہمیت دی اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتہائی خیال رکھا۔ یہ وفود خود بھی اسلام کو سمجھنے، اس کی تعلیمات واحکام جاننے، زندگی میں انھیں اپنانے اور معلومات کو عملی شکل دینے کے انتہائی خواہش مند تھے۔ انھی اوصاف نے انھیں فضائل و حسنات کی زندہ مثالیں بنا دیا۔ ان میں سے اکثر کے حوالے سے ایسے سوالات منقول ہیں جو وہ اپنے ہاں کے معاملات سے متعلق دریافت کرتے تھے تاکہ حلال وحرام کو پہچان سکیں۔ اور رسول گرامی ﷺ تو ان کی دین میں سمجھ بوجھ کے انتہائی خواہش مند تھے تاکہ ان کے استفسارات کا جواب دیں۔ ان میں سے جس کے متعلق معلوم ہوتا کہ اسے قرآن پاک سیکھنے کی زیادہ خواہش ہے اور وہ قرآن پاک زیادہ یاد کرنا چاہتا ہے اسے آپ ﷺ اپنے قریب تر کر لیتے اور اپنے ساتھیوں سے بھی فرماتے: «فَقِّهُوا إِخْوَانَكُمْ» "اپنے بھائیوں کو دین سمجھاؤ۔"[4]

---

1 الأساس في السنة لسعيد حوّى: 1014/2. 2 المدينة النبوية وفجر الإسلام لمحمد شراب: 400/2. 3 دراسات في عهد النبوة للشجاع، ص: 221. 4 محمد رسول الله ﷺ لصادق عرجون: 520/4.

ان کے رؤساء میں سے جنھیں رسول اللہ ﷺ پہچانتے تھے اس کے متعلق پوچھتے رہتے۔ لہٰذا جب وہ اپنے علاقوں کو واپس جانے کی چاہت کا اظہار کرتے آپ ﷺ انھیں حق کا دامن پکڑے رکھنے کی تلقین کرتے۔ اور انھیں ابھارتے کہ صبر کا دامن تھامے رکھنا۔ پھر انھیں اچھے اچھے قیمتی تحائف و ہدایا سے نوازتے اور مساوات کا خیال فرماتے، چنانچہ یہ وفود اپنی اقوام کی طرف لوٹنے کے موقع پر ہدایت سے سرشار، دعوت کے جذبے سے لبریز اور نورِ ایمان سے منور دلوں کے حامل ہوتے۔ جو سیکھا ہوتا لوگوں کو سکھاتے اور جو سنا ہوتا بیان کرتے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق، حسنِ سلوک، شکل و شباہت اور روشن چہرے کا تذکرہ کرتے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپس میں بھائی چارہ، محبت اور غمخواری کا جو جو منظر دیکھا ہوتا اسے بیان کرتے تاکہ اسی طرح ان سامعین کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے ملاقات کا شوق پیدا ہو۔ اور ان کے دلوں میں ان کے اخلاق فاضلہ اور نمونہ واسوہ کی اقتدا کی چاہت بھی پیدا ہو۔[1]

بعض وفود نے عیسائیت پر باقی رہنا پسند کیا جیسا کہ نجران کے وفد نے عیسائیت پر رہتے ہوئے جزیہ دینے پر موافقت کر لی۔

ان وفود میں سے وفد عبدقیس، وفد بنوسعد بن بکر اور وفد نجران کے تذکرے میں کئی نصائح، عبرتیں اور سبق ہیں لہٰذا ہم ان کے متعلق علیحدہ علیحدہ بحث کرتے ہیں۔

وفد عبدالقیس

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے آنے سے متعلق بیان کرتے ہیں کہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «مَنِ الْوَفْدُ؟۔ أَوْ۔ مَنِ الْقَوْمُ؟» ''کون لوگ ہیں یا کون سا وفد ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: ''ہم بنوربیعہ سے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ۔ أَوْ بِالْوَفْدِ۔ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى»

1 محمد رسول اللہ ﷺ لصادق عرجون: 251/4.

''خوش آمدید! پریشانی یا شرمندگی کی کوئی بات نہیں۔'' وفد نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ہمارے اور مشرکین مضر کے درمیان چپقلش پائی جاتی ہے اور ہم آپ کے پاس بڑی مسافت طے کرکے آئے ہیں۔ ہم صرف حرمت کے مہینوں میں آپ کے پاس آ سکتے ہیں۔ آپ ہمیں فیصلہ کن بات بتا دیں جس کی خبر ہم پیچھے جو لوگ ہیں انھیں بھی دیں اور جنت میں داخل ہو سکیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں چار باتوں کا حکم دیا اور چار ہی باتوں سے منع فرمایا۔ انھیں اکیلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیا۔

فرمایا: «هَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللّٰهِ؟» ''کیا تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کیا ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَ إِقَامُ الصَّلَاةِ وَ إِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَ أَنْ تُؤَدُّوا خُمُسًا مِّنَ الْمَغْنَمِ» ''یہ شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں اور نماز ادا کرنا، زکاۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم غنیمت کا خمس ادا کرو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کدو کے برتن، تارکول چڑھے برتن، روغنی مٹکے یا لکڑی کرید کر بنائے گئے برتن کے استعمال سے منع فرمایا۔

اور فرمایا: «اِحْفَظُوهُنَّ وَ أَخْبِرُو بِهِنَّ مَنْ وَّرَاءَكُمْ» ''ان باتوں کو یاد رکھو اور ان لوگوں کو بھی خبر دو جو تمھارے پیچھے ہیں۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ اشج عبدالقیس (منذر بن عائذ) سواریوں کے پاس رہ گیا تھا۔ اس نے انھیں بٹھایا۔ تمام لوگوں کا سامان سمیٹا، پھر سکون سے چلتا ہوا آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑا اور اسے چوما۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ

[1] صحيح البخاري، حديث: 53، و صحيح مسلم، حديث: 17.

يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ» ''تجھ میں دو خصلتیں ایسی پائی جاتی ہیں جنھیں اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں۔'' اس نے سوال کیا: ''کیا وہ میری فطرت میں ہیں یا میں نے خود سے انھیں اختیار کیا ہوا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «بَلْ جَبْلٌ» ''بلکہ وہ تیری فطرت میں ہیں۔'' وہ کہنے لگا: ''اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ایسی فطرت پر پیدا کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پسند کرتے ہیں۔''[4]

ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا وفد

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ایک آدمی اونٹ پر آیا۔ اس نے اونٹ کو مسجد میں بٹھا کر باندھ دیا، پھر پوچھنے لگا: ''تم میں محمد ﷺ کون ہیں؟'' اس وقت رسول گرامی ﷺ صحابہ کے جلو میں ٹیک لگائے تشریف فرما تھے۔ ہم نے کہا: ''وہ ٹیک لگائے ہوئے سفید رنگ کے شخص۔''

وہ شخص اب آپ ﷺ سے مخاطب ہوا: ''آپ ابن عبدالمطلب ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا ہی ہے۔'' اس شخص نے آپ سے کہا: ''میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں اور میرا سوال کرنے کا انداز درشت ہوگا۔ آپ اپنے دل میں ان کا رنج بالکل نہ کرنا اور مجھ پر غصے نہ ہونا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «سَلْ عَمَّا بَدَا لَكَ» ''جو دل میں آئے پوچھو۔''

تو اس نے کہا: ''میں آپ کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جو آپ کا پروردگار ہے اور آپ سے پہلے جو لوگ گزر چکے ان کا معبود بھی ہے۔ کیا اس اللہ نے آپ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟''

آپ ﷺ نے جواب دیا: «اَللّٰهُمَّ نَعَمْ!» ''ہاں، اللہ کی قسم!''

اس نے پھر کہا: ''میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے

[4] سنن ابن ماجه، حديث: 4187، ومسند أحمد: 206/4، و الأدب المفرد للبخاري، رقم: 584.

حکم دیا ہے کہ رات دن میں پانچ نمازیں پڑھا کرو؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ نَعَمْ!» ''ہاں! اللہ کی قسم!''

اس نے کہا: ''میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم سال میں اس ماہ کے روزے رکھا کریں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ نَعَمْ!» ''ہاں، اللہ کی قسم!''

اس نے دریافت کیا: ''آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہمارے اغنیاء سے صدقات لے کر ہمارے فقراء میں تقسیم کر دیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ نَعَمْ!» ''ہاں، اللہ کی قسم!''

تب وہ آدمی کہنے لگا: ''میں ہر اس بات پر ایمان لاتا ہوں جو آپ لے کر آئے ہیں۔ اور میں اپنی قوم کا ایلچی ہوں۔ میں ضمام بن ثعلبہ ہوں اور میرا تعلق بنو سعد بن بکر سے ہے۔''[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ جب وہ (سوالات و جوابات سے) فارغ ہوا تو کہنے لگا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ میں یہ فرائض ضرور ادا کروں گا اور جس سے آپ نے منع کیا ہے اس سے اجتناب کروں گا، پھر میں اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا۔''

اس کے بعد وہ اپنے اونٹ کی طرف لوٹا۔ جب وہ واپس ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنْ يَّصْدُقْ ذُو الْعَقِيصَتَيْنِ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ» ''اگر بالوں کی دولٹوں والے نے صدقِ دل سے یہ بات کہی ہے تو جنت میں داخل ہوگا۔'' پھر وہ اپنے اونٹ کے پاس آیا، اسے کھولا اور اپنی قوم کے پاس چلا گیا۔ قوم کے تمام لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے۔ اس نے سب سے پہلے یہ بات کہی کہ لات وعزیٰ کتنے برے ہیں؟ اس پر قوم کے لوگ بولے:

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 63، وسنن أبي داود، حديث: 486، وسنن ابن ماجه، حديث: 1402، ومسند أحمد: 168/3، والسنن الكبرٰى للنسائي: 122/4.

”ضمام باز آجاؤ! برص ہونے سے ڈرو، جذام سے ڈرو، جنون سے ڈرو۔“

ضمام نے جواب دیا: ”تمھارا برا ہو، اللہ کی قسم! یہ دونوں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک رسول بھیجا ہے اور اس پر ایک کتاب نازل فرمائی ہے۔ جس کے ذریعے اس نے تمھیں اس سے نکالا جس میں تم پڑے ہوئے تھے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ اور میں تمھارے لیے ان کے پاس سے وہ باتیں لایا ہوں جن کا انھوں نے تمھیں حکم دیا ہے اور وہ باتیں بھی لایا ہوں جن سے انھوں نے تمھیں منع کیا ہے۔“

راوی کہتا ہے: ”اللہ کی قسم! اس روز قبیلے کے مردوں اور عورتوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو شام ہونے سے پہلے پہلے مسلمان نہ ہو گیا ہو۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم نے کسی قوم کے آنے والے کو ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ جیسا افضل نہیں پایا۔[1]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قبائل عرب میں اسلام کی تعلیمات کس قدر پھیل چکی تھیں۔ ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ اسلام کے متعلق دریافت کرنے نہیں آئے تھے۔ صرف تصدیق کے لیے آئے تھے اور یکے بعد دیگرے سوال پوچھتے گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے پاس آنے سے پہلے ہی انھیں ان تمام امور سے متعلق وافر معلومات حاصل تھیں۔[2]

نجرانی عیسائیوں کا وفد

رسول اللہ ﷺ نے نجران[3] کی طرف ایک خط ارسال فرمایا، اس میں تحریر کیا:

[1] مسند أحمد: 264/1، وسنن أبي داود، حديث: 487، وسنن الدارمي، رقم: 656، وصحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 630. [2] السيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله أحمد، ص: 650. [3] نجران: یمن کی جانب مکہ مکرمہ سے سات منازل پر ایک بڑا شہر ہے۔

عام الوفود 9ھ
فارس
شیراز
بوشہر
بندر عباس
خلیج فارس
خلیج عمان
عمان
صحار
دبا
ابلہ
دارین
دلمون
بحرین
عبدقیس
یمامہ
بنو حنیفہ
نجد
ربع الخالی
جزیرہ عرب
مہرہ
حضر موت
مآرب
صنعاء
یمن
کہف خبان
عدن
تعز
مخا
خلیج عدن
افریقہ
کلومیٹر
1000
800
600
400
200
مدینہ منورہ
خیبر
تیماء
تبوک
مدائن صالح
ینبع
جدہ
مکہ
طائف
معان
دومتہ الجندل
صحرائے نفود کبریٰ
ایلہ
عقبہ
قلزم
سیناء
فسطاط
مصر
دریائے نیل
نوبیہ (سودان)
اسد
طے
بکر
باہلہ
بنو ثعلبہ
فزارہ
بنو ہلال
بنو بکر
بنو محارب
ازد و استرہ
کندہ
مراد
بنو حارث بن کعب
وائل بن حجر بن ربیعہ

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي أَدْعُوكُمْ إِلٰى عِبَادَةِ اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ وَ أَدْعُوكُمْ إِلٰى وِلَايَةِ اللّٰهِ مِنْ وِّلَايَةِ الْعِبَادِ، فَإِنْ أَبَيْتُمْ، فَالْجِزْيَةُ فَإِنْ أَبَيْتُمْ آذَنْتُكُمْ بِحَرْبٍ وَّالسَّلَامُ»

''اما بعد، میں تمھیں بندوں کی عبادت سے اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں اور بندوں کی بالادستی سے اللہ کی بالادستی کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ پس اگر تم نے انکار کیا تو تم پر ادائے جزیہ لازم ہوگا اور اگر تم نے اس سے بھی انکار کیا تو میں تم سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ والسلام۔''[1]

آپ ﷺ کا نامۂ مبارک جب اسقف کے پاس آیا اس نے تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے خط پڑھا۔ اور اس کے متعلق رائے طلب کی۔ انھوں نے طے کیا کہ آپ ﷺ کی طرف چودہ بڑے بڑے سرداروں کا وفد بھیجا جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ساٹھ سواروں کا وفد تھا۔ ان میں تین شخص اہل حل وعقد تھے:

عاقب: یہ ان کا امیر اور صاحب الرائے تھا۔ اس کی رائے حتمی خیال کی جاتی تھی۔

السید: ان کے سفروں کا لیڈر تھا۔

ابو الحارث: ان کا اسقف، عالم اور ان کی تعلیم گاہ کا رئیس و ذمہ دار تھا۔

یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو مسجد میں داخلے کے وقت ان کے بدن پر اعلیٰ یمنی چادریں اور ریشم کی آستینوں سے مزین کپڑے تھے۔ یہ ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں پہنے ہوئے تھے۔ یہ لوگ مسجد میں کھڑے ہو کر مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «دَعُوهُمْ» ''انھیں چھوڑ دو۔'' بعد ازاں وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا اور گفتگو نہ فرمائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں توجہ دلائی کہ تمھارے اسی (فاخرانہ) لباس کی وجہ سے یہ سلوک ہوا

[1] البداية والنهاية:48/5.

ہے، چنانچہ وہ اس دن واپس چلے گئے، صبح راہبانہ لباس میں آئے۔ سلام پیش کیا تو آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور انھیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ ہم پہلے سے مسلمان چلے آ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «يَمْنَعُكُمْ مِّنَ الْإِسْلَامِ ثَلَاثٌ: عِبَادَتُكُمُ الصَّلِيبَ وَ أَكْلُكُمْ لَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَزَعْمُكُمْ أَنَّ لِلّٰهِ وَلَدًا» ”تمھارے لیے تین چیزیں قبول اسلام سے مانع ہیں:

① تمھارا صلیب کی عبادت کرنا۔

② خنزیر کا گوشت کھانا۔

③ اور تمھارا یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ اور ان کے درمیان بحث و مباحثہ طویل ہوتا گیا۔ آپ قرآن پاک سے دلائل اخذ کرتے اور اس کی تلاوت فرماتے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو جو کچھ کہا اس میں یہ بھی تھا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا بھلا کہتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کا بندہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَجَلْ إِنَّهُ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ الْعَذْرَاءِ الْبَتُولِ» ”ہاں، بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول تھا اور اللہ کا کلمہ تھا جسے اس نے پاکباز اور عفت مآب مریم کی جانب ڈالا۔“ انھوں نے کہا: ”کبھی آپ نے باپ کے بغیر بھی کوئی انسان دیکھا ہے؟ اگر آپ سچے ہیں تو ہمیں اس جیسا کوئی اور دکھائیں؟“ تب اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کے لیے قرآن پاک اتار دیا:

﴿ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ ﴾

”بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے، اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ ہو جا، تو وہ ہو گیا۔ (یہ) آپ کے رب کی طرف سے

[1] السيرة النبوية لأبي شهبة: 547/2.

حق ہے، لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔"[1]

یہ دلیل ان کی کھوپڑی توڑ دینے والی تھی۔ اس میں باعث تعجب (بغیر باپ کے) تخلیق کو اس سے بھی زیادہ باعث تعجب (بغیر ماں باپ کے) تخلیق سے مشابہت دی گئی تھی۔[2]

مگر جس وقت حکمت و دانائی سے بحث مباحثہ اور بہتر طریقے پر نصیحت کارگر نہ ہوئی تو (آپ نے) انھیں اس فرمانِ خداوندی کی عملی صورت کے لیے مباہلے کی دعوت دی۔[3]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝﴾

"پھر علم آ جانے کے بعد جو کوئی عیسیٰ کے متعلق آپ سے جھگڑا کرے تو آپ کہہ دیں: آؤ ہم اور تم اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو بلا لیں اور خود بھی (حاضر ہوں) پھر گڑ گڑا کر اللہ سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔"[4]

رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سمیت آئے اور فرمایا: «وَإِذَا أَنَا دَعَوْتُ فَأَمِّنُوا» "جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔"[5]

اب انھوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ وہ چونکہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ برحق ہیں اس لیے وہ تباہ و برباد ہونے سے ڈر گئے۔ اور یہ کہ جس کسی قوم نے بھی کسی پیغمبر سے مباہلہ کیا ہے وہ ہلاک ہو گئی، چنانچہ انھوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے: "ہمارے متعلق وہی فیصلہ کیجیے جو آپ کو پسند ہو۔" آپ ﷺ نے ان سے کپڑے کے دو ہزار جوڑوں، ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں لینے پر مصالحت کر لی۔[6]

---

1 آل عمرٰن 60,59:3. 2 زاد المعاد: 633/3، والسيرة النبوية لأبي شهبة: 547/2. 3 السيرة النبوية لأبي شهبة: 547/2. 4 آل عمرٰن 61:3. 5 السيرة النبوية لأبي شهبة: 547/2. 6 السيرة النبوية لأبي شهبة: 547/2.

انھوں نے جب واپسی کا ارادہ کیا تو نبی مکرم ﷺ سے کہنے لگے: ''آپ ہمارے ساتھ کوئی امانت دار شخص روانہ کریں تاکہ ہم سے وہ مال وصول کرے جس پر صلح ہوئی ہے۔'' آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: «لَأَبْعَثَنَّ مَعَكُمْ رَجُلًا أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ» ''میں تمھارے ساتھ نہایت امانت دار شخص ہی کو بھیجوں گا۔'' اس شرف کو حاصل کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منتظر رہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «قُمْ يَا أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ» ''اے ابوعبیدہ بن جراح! کھڑے ہو جاؤ۔'' وہ جب کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «هٰذَا أَمِينُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ» ''یہ اس امت کے امین ہیں۔''[1]

اسلام سکھانے کے لیے جماعتیں تشکیل دینا اور حکومتی و مالی معاملات کی ترتیب

لوگ اسلام قبول کرنے اور اسلامی حکومت و سیادت کا سایہ حاصل کرنے کے لیے گروہ در گروہ چلے آ رہے تھے۔ تمام لوگ چاہتے تھے کہ اپنے اپنے علاقوں کو لوٹنے سے پہلے مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے دینی تعلیم حاصل کر لیں۔ ادھر رسول اللہ ﷺ دین سکھلانے کے لیے معلم بھی ان کے ساتھ بھیجتے تھے۔ آپ ﷺ نے کئی علاقوں کی طرف اپنے داعی روانہ کیے۔ خاص طور پر جزیرہ نمائے عرب کی جنوبی جانب جہاں یمنی قبائل آباد تھے تاکہ انھیں اسلام کے ابتدائی احکام و تعلیمات سے روشناس کرایا جائے۔ جزیرہ نمائے عرب اور اس کے اردگرد اسلام کی شہرت عام ہو چکی تھی۔ اور لوگوں کے سامنے اسلام کی حقیقت کھول کر رکھنے کے لیے اساتذہ اور داعیوں کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ تاکہ لوگوں کے دل پاک صاف ہو سکیں اور وہ جاہلیت کے امراض سے شفایاب ہوں۔

بنوحارث بن کعب کا قبیلہ اسلام میں داخل ہونے سے انکار کر گیا تو آپ ﷺ نے ان کی طرف حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ہمراہی میں ایک سریہ ارسال فرمایا۔[2]

1 صحیح البخاري، حدیث: 4382، وجامع الترمذي، حدیث: 3791، وسنن ابن ماجه، حدیث: 155,154، ومسند أحمد: 184/3. 2 فقه السیرة للبوطي، ص: 322.

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی بنو حارث بن کعب کی طرف روانگی (10ھ)

بنو حارث بن کعب نجران میں رہتے تھے۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ 10ھ میں بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ جنگ سے پیشتر تین دن تک اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ قبول کرلیں تو تم بھی مان لینا اور اگر وہ تمھاری دعوت پر لبیک نہ کہیں تو ان سے جنگ کرنا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے اور اپنے گھڑ سواروں کو ہر طرف پھیلا دیا جو انھیں اسلام کی دعوت دینے لگے۔ لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہاں مقیم رہے۔ انھیں اسلام اور کتاب اللہ کی تعلیم دیتے رہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا۔ پھر حضرت خالد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خط بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ یہ لوگ اسلام لے آئے ہیں اور میں ان میں مقیم ہوں۔ یہیں رہوں گا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا (دوسرا) حکم پہنچ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوابی خط حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو پہنچا کہ مدینہ آ جاؤ اور ان کا ایک وفد بھی ساتھ آنا چاہیے۔ حضرت خالد نے حکم کی تعمیل کی۔ جب یہ لوگ آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن حصین رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرما دیا۔

ان کے چلے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بنو حارث کی طرف بھیج دیا کہ وہاں جا کر ان میں دین اور سنتِ رسول کی تعلیم دیں۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا تھا۔ وہ جب ہمدان کے قبائل میں پہنچے اور ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پڑھا تو تمام ہمدانیوں نے اسلام قبول کرلیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط کے ذریعے ان کے قبولِ اسلام کی اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خط پڑھتے ہی سجدہ ریز

[1] السیرة النبویة لابن هشام: 250/4.

ہو گئے، پھر فرمایا:

«اَلسَّلَامُ عَلٰی هَمْدَانَ، اَلسَّلَامُ عَلٰی هَمْدَانَ»

''ہمدان پر سلامتی ہو، ہمدان پر سلامتی ہو۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی یہ شدید خواہش تھی کہ اسلامی حکومت کی جنوبی سمت تابع ہو جائے اور یمنی قبائل اسلام میں داخل ہو جائیں۔

اس سمت پر آپ ﷺ کی خصوصی توجہ و اہتمام کا نتیجہ دعوت کی اثر انگیزی کی صورت میں سامنے آنے لگا۔ یمن کے اطراف و اکناف سے قافلے مدینہ منورہ آ رہے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یمن کی جانب مبعوثین کی دعوت یمن سے متصل اور دور دراز علاقوں تک پہنچ چکی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے سراپا دعوت کی اس پر امن تحریک کو قوت فراہم کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اور پھر حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو اس غرض سے بھیجا تھا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے یمنی قبائل اور حضر موت کے قبائل سے کافی تعداد میں معاہدے کر رکھے تھے جنھیں ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مجموعة الوثائق السياسية'' میں جمع کیا ہے۔[3]

سیدنا معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کی یمن روانگی

رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی جانب قاضی، مسائل بتانے والا، صدقات اکٹھا کرنے والا اور امیر و گورنر بنا کر روانہ فرمایا۔ یہ حلال و حرام کے بارے میں سب سے زیادہ جانتے تھے۔ انھیں یمن کے دو حصوں میں سے بالائی یمن پر مقرر فرمایا۔

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 396/5. [2] الفقه السياسي لخالد الفهداوي، ص: 231. [3] الوثائق السياسية للدكتور حميد الله، رقم: 111، ص: 230.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب روانہ ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوداع کہتے اور وصیت کرتے ہوئے ساتھ ساتھ چلے۔ اس دوران حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سوار تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ڈھیر ساری وصیتیں کیں اور دعوت کا ایک عظیم منہج وطریقہ انھیں سمجھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّكَ سَتَأْتِي قَوْمًا مِّنْ أَهْلِ كِتَابٍ، فَإِذَا جِئْتَهُمْ فَادْعُهُمْ إِلٰى أَنْ يَّشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ بِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ»

"تمھیں ایسے لوگوں کے پاس جانا ہے جو اہل کتاب ہیں۔ جب ان کے پاس پہنچو تو انھیں ایک اللہ کی طرف دعوت دینا جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ یہ مان لیں تب ان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ یہ بھی مان لیں تو ان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالداروں پر زکاۃ فرض کی ہے جو ان سے لے کر انھی کے محتاجوں کو دی جائے گی۔ اگر وہ یہ بھی مان لیں تو ایسا کرنا کہ ان کا عمدہ عمدہ مال مت لینا اور دیکھو مظلوم کی بد دعا سے بچتے رہنا، مظلوم کی بددعا سیدھی پروردگار تک پہنچتی ہے۔"[1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 1458، و صحيح مسلم، حديث: 19.

اس حدیث میں نبی مکرم ﷺ کی جانب سے دعوت الی اللہ کا کام کرنے والوں کے لیے رہنمائی ہے کہ دعوت درجہ بدرجہ دینی چاہیے۔ پہلے سب سے اہم، پھر اس سے کم تر، چنانچہ پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمانِ محکم کی دعوت دینی چاہیے۔ ایسا ایمان جو دلوں میں راسخ ہو جائے اور خیالات و کردار پر غالب ہو۔ بعد ازاں ارکانِ اسلام کی عملی تطبیق کی دعوت دینی چاہیے جو اس ایمان کو پختہ کر دے اور مزید بڑھا دے۔ پھر اس کے بعد واجبات اور محرمات سے بچنے کا کہنا چاہیے۔ تو اس طرح لوگ اسلام کے ان احکامات کو بھی قبول کر لیں گے جو بسا اوقات ان کے نفس کی خواہش کے خلاف ہی ہوں کیونکہ اس وقت ان کے دل ایمان و یقین سے سرشار ہو چکے ہوں گے۔ [1]

یہ وہ نبوی طریقہ کار ہے جو آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے اور ہر اس شخص کے لیے مقرر فرمایا ہے جو صحابۂ کرام کی سیرت پر چلنا چاہتا ہے۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو دعوت الی اللہ کے سپرد کر رکھا ہے وہ اس ہدایت نبوی کو اپنانے کے کس قدر مستحق ہیں۔ انھیں چاہیے کہ اس کی قدم بقدم اتباع کریں۔ سمجھنے، یاد کرنے اور عملی تطبیق کے طور پر اس کا احاطہ کرنے کے شدید ضرورت مند ہیں۔ تب ان کے قدم واقعی صحیح راہ پر ہوں گے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ جب معاذ رضی اللہ عنہ کو وصیت کر چکے تو فرمایا: «يَا مُعَاذُ! إِنَّكَ عَسٰى أَلَّا تَلْقَانِي بَعْدَ عَامِي هٰذَا وَلَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِي هٰذَا، وَ قَبْرِي»

''اے معاذ! اس بات کا امکان ہے کہ تم مجھے اس سال کے بعد نہ مل سکو۔ اور شاید تم میری اسی مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو۔'' [3]

تو (یہ سن کر) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ غم کے مارے رو پڑے۔ آپ ﷺ نے جیسا اشارہ

1 التاريخ الإسلامي للحميدي: 187/8. 2 من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 486.

3 صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 654.

فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن میں ہی رہے اور پھر وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد واپس لوٹے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کے زیریں علاقے کا قاضی بنا کر، دین سمجھانے، صدقات اکٹھے کرنے اور گورنر کے طور پر بھیجا۔ انھیں اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اکٹھی وصیت فرمائی:

«يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا»

''آسانی کرنا، دشواری اور سختی مت کرنا۔ خوشخبری دینا اور نفرت مت دلانا اور اتفاق سے کام کرنا، پھوٹ مت پیدا کرنا۔''[2]

یہ نبوی کریمانہ منہج ہے جس کی جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کی رہنمائی فرمائی کہ لوگوں سے نرمی اختیار کریں، انھیں لوگوں پر سختی سے منع فرمایا۔ دونوں کو خوشخبری دینے کا حکم دیا اور نفرت دلانے سے روکا۔[3]

حکومتی اور مالی امور کی ترتیب

نظام اس دین کا ایک حصہ ہے اور اس کے تمام امور میں داخل ہے۔ کیونکہ نظام مختلف امور کو اکٹھا کر کے اہداف و نتائج یقینی بناتا ہے۔ نظام ابتدا ہی سے اسلام کا ایک خاص وصف اور امتیاز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جاتے تو وہاں کے معاملات نپٹانے کے لیے کسی نہ کسی کو ضرور متعین فرماتے۔ اس طرح جب بھی کوئی علاقہ فتح کرتے تو اس پر امیر ونگران مقرر کر دیتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد آتے تو آپ ان پر اپنی طرف سے ایک امیر مقرر فرماتے، پھر دین سمجھانے کے لیے کسی کا تعین ان پر چھوڑ دیتے۔ اور اسی طرح صدقات جمع کرنے

1 السيرة النبوية لأبي شهبة: 559/2. 2 صحيح البخاري، حديث: 4342،4341، وصحيح مسلم، حديث: 1733. 3 التاريخ الإسلامي للحميدي: 186/8.

والا بھی ان کی طرف روانہ کرتے۔[1]

رسول اللہ ﷺ ایسے عاملین منتخب کرتے جو نیک، اہل علم اور دیندار ہوں اور جنھیں ان قبائل میں اثر و رسوخ حاصل ہو اور عرب میں وہ قابلِ لحاظ بھی ہوں۔

مکہ مکرمہ پر رسول اللہ ﷺ کے عامل عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ اور طائف پر عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کی جانب روانہ کیا۔ بعض حالات میں آپ ﷺ نے ان امراء اور حکمرانوں کو بحال رکھا جو اسلام لے آئے تھے یا جن سے جزیہ قبول کیا گیا تھا۔ ان میں سے بہرام کی اولاد سے باذان بن ساسان ہے جسے اسلام قبول کر لینے پر آپ ﷺ نے یمن پر بحال رکھا۔ اور جب آپ ﷺ کو اس کی موت کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے اس کی ذمہ داریوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت میں تقسیم کر دیا۔ صنعاء پر شہر بن باذان کو مقرر کیا۔ مأرب پر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اور جند پر یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کو اور ہمدان پر عامر بن شہر ہمدانی کو۔ نجران اور زمع اور زبید کے درمیانی علاقوں پر خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو، نجران پر عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو اور حضر موت کے شہروں پر زیاد بن لبید بیاضی کو، سکاسک اور سکون پر عکاشہ بن ثور رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔[2]

رسول اللہ ﷺ عمال سے پورا حساب لیتے۔ آمدن اور خرچ کا پورا حساب ہوتا تھا۔ بعض عہدہ داروں کے وظائف مقرر کیے جن میں سے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ گورنر مکہ تھے انھیں ایک درہم یومیہ ملتا۔[3]

اور جب قیس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ان کی اپنی قوم ہمدان پر عامل بنایا تو ان کے لیے زمین کا ایک حصہ الگ کر دیا کہ اس کی آمدنی تم لے سکتے ہو۔ عمال کے وظائف حالات کے موافق بدلتے رہتے تھے وہ معین نہ تھے۔[4]

1 دراسات في عهد النبوة للشجاع، ص: 221. 2 العبر وديوان المبتدأ والخبر لابن خلدون: 59/2. 3 السيرة النبوية لابن هشام: 153/4. 4 الدولة العربية الإسلامية لمنصور حرابي، ص: 44.

رسول اللہ ﷺ کا اعلان تھا۔ جو ہمارے کام پر مقرر ہوا ہے اگر اس کے پاس گھر نہیں گھر بنا لے، اگر بیوی نہیں وہ شادی کر لے اگر اس کے پاس سواری کے لیے جانور نہیں تو وہ بھی خرید لے۔[1]

اس وقت ایک حکمران کو انھی چیزوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے ان کی اجازت دے دی تا کہ رشوت لینے سے روکا جا سکے۔ موجودہ زمانے کے قوانین سے کہیں پہلے یہ وہ قاعدہ اور قانون ہے جو اسلام نے بیان کیا تھا، یعنی یہ کہ ”حاکم کو ہدیہ دینا صراحتاً رشوت ہے۔“[2]

[1] مسند أحمد: 229/4، وسنن أبي داود، حديث: 2945، و صحيح ابن خزيمة، حديث: 2370. [2] الدولة العربية الإسلامية لمنصور الحرابي، ص: 44.

حجۃ الوداع 10ھ

حج اسلام کے پانچ ارکانوں میں سے ایک ہے جو دس ہجری میں فرض کیا گیا۔ یہ رائے امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اختیار کی ہے۔ اس کی ایک بڑی قوی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کبھی فریضے کو مؤخر نہ کرتے تھے۔ [1]

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾

"اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔" [2]

یہ آیت 9 ہجری کے آخر میں عام الوفود میں نازل ہوئی۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ سے تشریف لا کر صرف 10ھ کا ہی حج کیا تھا۔ یہ حج حجۃ الاسلام، حجۃ البلاغ اور حجۃ الوداع کے ناموں سے مشہور و معروف ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس میں لوگوں کو الوداع کہا اور اس کے بعد کوئی اور حج نہ کیا۔

حجۃ البلاغ: کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حج کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی شریعت عملاً اور قولاً پہنچا دی تھی۔ اسلام کے قواعد وضوابط کی ہر ہر چیز آپ ﷺ نے اس موقع پر بتا دی۔ جب آپ ﷺ نے حج کا مکمل طریقہ بیان کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیت نازل فرمائی اس وقت آپ ﷺ میدانِ عرفات میں کھڑے ہوئے تھے:

---

[1] زادالمعاد: 3/595. [2] آل عمرٰن 3:97. [3] زادالمعاد: 3/595، والسيرة النبوية للدكتور مهدي رزق الله، ص:680.

﴿ اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا ؕ ﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا۔''[1]

جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض صحابہ رونے لگے۔ جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ گویا وہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب آنے کا اشارہ سمجھ گئے تھے۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کیا بات رُلاتی ہے؟ تو انھوں نے کہا: ''کسی چیز کی تکمیل کے بعد پھر اس میں صرف کمی و نقصان ہی ہوا کرتا ہے۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرنے کا ارادہ فرمایا تو ساتھ ہی لوگوں کو بھی بتا دیا کہ میں حج کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ذوالقعدہ 10ھ کی بات ہے۔ لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ راستے میں اتنے لوگ ساتھ ہو گئے کہ شمار سے باہر تھے۔ دائیں بائیں، آگے پیچھے تا حدِ نگاہ لوگ ہی لوگ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم 25 ذوالقعدہ، بروز ہفتہ ظہر کی چار رکعات ادا کرنے کے بعد دوپہر ہی کو مدینہ سے روانہ ہوئے۔[3]

اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خطبہ دے کر احرام کا طریقہ اور ضروری امور بتائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ کہتے ہوئے چل پڑے۔ آپ کہہ رہے تھے:

«لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَاشَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ»

---

1 المآئدة 5:3. صحيح البخاري، حديث:4407، و صحيح مسلم، حديث: 3017. 2 السيرة النبوية لأبي شهبة: 575. 3 صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص:664، والسيرة النبوية للندوي، ص:386.

حجۃ الوداع کا سفر
10 ہجری
مدینہ منورہ
بواط
جہینہ کے پہاڑ
جبل رضوی
ذوالحلیفہ (اہل مدینہ اور اس طرف سے آنے والوں کی میقات)
وادی عقیق
صفراء
حمراء الاسد
بدر
بئر صالح
حرۃ رہط
ابواء
رابغ
وادی ستارہ
حرۂ بنی سلیم
بحیرۂ احمر (بحر قلزم)
جحفہ
مر یسیع
قدید
ذات عرق
(عراق کی طرف سے آنے والوں کی میقات)
آمج
عسفان
قرن المنازل
(نجد کی طرف سے آنے والوں کی میقات)
جبل عرفات
جدہ
حدیبیہ
مکہ مکرمہ
نقشہ: 24

''حاضر ہوں میں تیری خدمت میں، اے اللہ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ بیشک ہر قسم کی تعریف اور نعمت تیرے لیے ہے اور بادشاہت بھی تیری اور تیرا کوئی شریک نہیں۔''[1]

لوگ آپ ﷺ کے ساتھ کبھی گھٹتے اور کبھی بڑھتے رہے اور آپ ﷺ مسلسل تلبیہ کہتے ہوئے ''عرج'' پہنچ گئے، پھر ''ابواء'' سے چلے تو سرف مقام میں ''وادی عسفان'' جا پہنچے۔ وہاں سے چلے تو ''ذی طوی'' میں جا کر اتوار کی رات آرام فرمایا۔ ذوالحج کی چار تاریخ ہو چکی تھی۔ وہیں صبح کی نماز پڑھی اور غسل فرمایا اور دن چڑھے بالائی مکہ سے مکہ میں داخل ہوئے۔ اور مسجد الحرام میں چاشت کے وقت پہنچے۔[2]

پھر تین چکروں میں رمل (چھوٹے چھوٹے قدم، شانے اچھال اچھال کر تیز چلنا) کیا اور چار چکر عام عادت کے مطابق لگائے۔ مقام ابراہیم کی طرف بڑھے تو تلاوت فرمائی:

﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَّاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝﴾

''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے بار بار لوٹ کر آنے کی اور امن کی جگہ بنایا اور (حکم دیا کہ) تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ اور ہم نے حکم دیا ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ تم دونوں میرا گھر پاک کرو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔''[3]

اب آپ ﷺ نے مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا۔ آپ ﷺ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ ان میں ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کی

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 1549، و صحيح مسلم، حديث: 1184. [2] السيرة النبوية للندوي، ص: 387. [3] البقرة 2:125.

تلاوت فرمائی۔ پھر حجر اسود کی طرف لوٹ آئے۔ اسے بوسہ دیا۔ دروازے سے صفا کی جانب نکلے۔ جب اس کے قریب ہوئے تو پڑھا:

﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

”بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے اور جو شخص خوشی سے کوئی نیکی کرے تو بے شک اللہ قدر کرنے والا، خوب جاننے والا ہے۔“[1]

اور صفا سے سعی شروع کی، صفا پر چڑھے یہاں تک کہ جب بیت اللہ کو دیکھا تو قبلہ رخ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی توحید و کبریائی بیان کی اور کہا:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

”اللہ کے سوا کوئی معبود عبادت کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے ہر قسم کی تعریف ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے نے لشکروں کو شکست دی۔“

اس دوران دیگر دعائیں بھی کیں۔ آپ ﷺ نے یہ کلمات تین بار دوہرائے، پھر مروہ کی جانب اترے۔ میدان کے درمیان میں اترے تو دوڑے۔ یہاں تک کہ جب اوپر چڑھنے لگے تو چلنے لگے۔ پھر مروہ آئے تو اس پر بھی صفا پر ٹھہرنے کی طرح ہی کیا۔ جب مروہ پر آخری چکر تھا تو فرمایا: «لَوْ أَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ أَسُقْ

1 البقرة 2: 158.

الْهَدْيَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً، فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيَحِلَّ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً» ''جو کام بعد میں معلوم ہوا اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا اور اس احرام کو عمرے کا احرام بنا لیتا۔ لٰہذا تم میں سے جس کے پاس قربانی نہیں ہے وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ ٹھہرا لے۔''[1]

پھر سراقہ بن مالک بن جعشم کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ حج کو عمرہ کر ڈالنا ہمارے اس سال کے لیے خاص ہے یا ہمیشہ کے لیے اس کی اجازت ہے۔'' تو آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے میں ڈالیں اور فرمایا: «دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ» ''عمرہ حج میں داخل ہو چکا ہے۔'' یہ آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا، پھر فرمایا: «لَا بَلْ لِأَبَدِ أَبَدٍ» ''نہیں بلکہ یہ ہمیشہ کے لیے داخل ہو چکا ہے۔'' آپ ﷺ چار دن، اتوار پیر، منگل اور بدھ کو مکہ مکرمہ میں رہے جمعرات کے روز جب چاشت کا وقت ہوا، تمام مسلمانوں کو اپنے ساتھ لیے منٰی کی جانب روانہ ہوئے۔ وہیں جا پڑاؤ ڈالا۔ وہیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا کیں۔ اب تھوڑی دیر ٹھہرے کہ سورج طلوع ہو گیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ بالوں کے بنے خیمے کو ''نمرہ'' میں لگا دیا جائے۔ یہ عرفات کے قریب ہے مگر عرفات میں شامل نہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ چلے اور قریش کو یقین تھا کہ آپ ﷺ ''مشعر الحرام'' میں رک جائیں گے۔ جیسا کہ جاہلیت کے زمانے میں سب قریش کرتے تھے۔ مگر آپ ﷺ آگے گزر گئے۔ عرفات پہنچے۔ آپ ﷺ نے دیکھا خیمہ نمرہ میں لگایا جا چکا ہے تو آپ ﷺ یہاں اترے۔

حجۃ الوداع کے خطبات

جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ نے قصواء (نامی اپنی اونٹنی) منگوائی۔ وہ لائی گئی تو آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر وادی کے درمیان پہنچ گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا:

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1218.

«إِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَ أَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَّ إِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي سَعْدٍ، فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، وَّرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَّأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا، رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ.

فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ واسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَلَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَّلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ، وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ.

وَقَدْ تَّرَكْتُ فِيكُمْ مَّا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابَ اللّٰهِ، وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟»

”تمھارے خون اور اموال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کا دن حرمت کے اس مہینے اور اس شہر میں محترم ہے۔ زمانہ جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روندی گئی ہے۔ زمانہ جاہلیت کے کیے گئے قتل معاف کیے جاتے ہیں۔ پہلا خون جو میں معاف کرتا ہوں ابن ربیعہ کا خون ہے جو بنو سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اسے قتل کر دیا تھا۔ اور اسی طرح زمانہ جاہلیت کا تمام سود بھی ختم کر دیا گیا ہے اور پہلا سود جو ہم ختم کرتے ہیں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سب معاف کر دیا گیا ہے۔

تم سب لوگ عورتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تم نے انھیں اللہ کی ضمانت پر حاصل کیا ہے اور ان کی شرمگاہ کو تم نے اللہ تعالیٰ کے کلمے سے حلال کیا ہے۔ اور تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمھارے گھر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کا آنا تمھیں ناگوار ہو۔ پھر اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسا مارو کہ سخت چوٹ نہ لگے اور ان کا تمھارے اوپر یہ حق ہے کہ انھیں لباس اور کھانا عام دستور کے مطابق مہیا کرو۔

اور میں تمھارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ (وہ ہے) اللہ تعالیٰ کی کتاب۔ تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو کیا کہو گے؟''

ان سب نے عرض کیا: ''ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا، رسالت کا حق ادا کر دیا اور امت کی خیر خواہی کی۔'' پھر آپ ﷺ نے انگشتِ شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ آپ ﷺ اسے آسمان کی طرف اٹھاتے اور لوگوں کی طرف جھکاتے اور فرماتے تھے: «اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ» ''اے اللہ گواہ رہنا۔'' اے اللہ گواہ رہنا۔ تین بار یہی فرمایا اور یونہی اشارہ کیا۔

پھر اذان ہوئی۔ تکبیر ہوئی اور ظہر کی نماز ہوئی۔ پھر اقامت ہوئی اور عصر کی نماز ادا کی۔ ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی (نفلی) نماز نہ پڑھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ سوار ہوئے اور موقف کی جگہ تشریف لائے۔ اونٹنی کا پیٹ جبلِ رحمت کی نچلی طرف پتھروں کی جانب کیا، جبل المشاۃ کو اپنے آگے کر کے غروب آفتاب تک قبلہ رخ کھڑے رہے۔ سورج کی زردی تھوڑی تھوڑی جاتی رہی اور سورج کی ٹکیا ڈوب گئی۔

ابوالحسن ندوی نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی اور غروب آفتاب تک عاجزی، تضرع اور دعا میں مصروف رہے۔ آپ ﷺ سینۂ مبارک تک ہاتھ اٹھائے مسکین

کے کھانا طلب کرنے کے مانند دعا کر رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِي وَتَرَىٰ مَكَانِي، وَتَعْلَمُ سِرِّي وَعَلَانِيَتِي لَا يَخْفَىٰ عَلَيْكَ شَيْءٌ مِّنْ أَمْرِي، أَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيرُ، الْمُسْتَغِيثُ الْمُسْتَجِيرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذُنُوبِي، أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمِسْكِينِ، وَأَبْتَهِلُ إِلَيْكَ ابْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيلِ، وَأَدْعُوكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيرِ، مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رُقْبَتُهُ، وَفَاضَتْ لَكَ عَيْنَاهُ، وَذَلَّ جَسَدُهُ، وَرَغِمَ أَنْفُهُ لَكَ، اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِي لِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا، وَّكُنْ بِي رَؤُوفًا رَّحِيمًا، يَا خَيْرَ الْمَسْؤُولِينَ! وَ يَا خَيْرَ الْمُعْطِينَ!»

''اے اللہ! تو میری بات سنتا ہے اور جہاں میں ہوں اسے بھی دیکھتا ہے، میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، میں مصیبت زدہ، محتاج، فریادی اور پناہ کا خواستگار ہوں، پریشان و ہراساں اور اپنے گناہوں کا اقرار اور اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے بے کسوں جیسا سوال کرتا ہوں، گنہگار، کمزور اور حقیر سے شخص کی طرح گڑ گڑاتا ہوں، خوف رسیدہ اور آفت زدہ کے جیسے طلب کرتا ہوں اور اس شخص کی طرح مانگتا ہوں جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو، آنسو بہہ رہے ہوں، تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کیے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو، اے میرے رب! میں دعا کر رہا ہوں تو مجھے محروم نہ کرنا اور میرے حق میں بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہو جا، اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر اور سب دینے والوں سے اچھے!''[1]

وہیں آپ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی:

1 السيرة النبوية للندوي، ص:389.

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلٰمَ دِيْنًا ۭ ﴾

"آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔"[1]

جب سورج غروب ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ عرفات سے لوٹے، اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور چل پڑے۔ "قصواء" کی مہار اس قدر کھینچی ہوئی تھی کہ اس کا سر آپ کے کجاوے کی اگلی لکڑی سے لگ رہا تھا (مورک وہ جگہ جہاں سوار تھک کر اپنے پاؤں اس کے اوپر رکھ لیتا ہے) اور ساتھ ساتھ آپ فرما رہے تھے: «أَيُّهَا النَّاسُ! عَلَيْكُمُ السَّكِينَةَ» "اے لوگو! آرام سے چلو۔"[2]

رسول اللہ ﷺ دوران سفر تلبیہ پکار رہے تھے اور مزدلفہ تک تلبیہ نہ چھوڑا۔ وہاں پہنچ کر اونٹوں سے سامان اتارنے اور انھیں بٹھانے سے پہلے ہی آپ ﷺ نے اذان کا حکم دیا تو اذان ہوئی پھر اقامت ہوئی اور آپ ﷺ نے نماز مغرب پڑھائی۔ پھر جب سامان اتار لیا تو اقامت کا حکم دیا اور عشاء کی نماز ادا کی۔ پھر صبح تک محو آرام رہے۔ فجر کی نماز طلوع فجر پر اول وقت میں ادا کی۔ پھر سوار ہو کر "مشعر حرام" آئے، قبلہ رخ ہو کر دعا اور الحاح و زاری شروع کی۔ روشنی پھیل جانے تک تکبیر و تحمید و تہلیل اور ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ ابھی سورج طلوع نہ ہوا تھا۔ یہاں سے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو پیچھے سوار کر کے تلبیہ پکارتے ہوئے چل دیے۔

آپ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سات کنکریاں چننے کو کہا۔ یہاں تک کہ جب آپ "وادیٔ محسر" میں پہنچے تو اونٹنی کو ذرا حرکت دی اور تیز چلے۔[3] کیونکہ وہاں ہاتھی والوں کو

[1] المآئدة 5:3. [2] صحيح مسلم، حديث: 1218، صحيح السيرة النبوية، ص:662. [3] صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص:662، والسيرة النبوية للندوي، ص:389.

عذاب پہنچا تھا۔ یہاں تک کہ منیٰ پہنچ گئے۔ تو ''جمرۃ العقبہ'' کے پاس آئے۔ سواری پر بیٹھے ہی سات کنکریاں ماریں۔ اور سورج طلوع ہونے کے بعد تلبیہ پکارنا بند کر دیا۔[1]

پھر منیٰ لوٹ آئے اور لوگوں کو بڑا فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں آپ ﷺ نے انھیں قربانی کے دن کی عزت و حرمت، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی فضیلت اور ساری دنیا پر مکہ مکرمہ کی حرمت بتائی۔ لوگوں کو بتایا کہ جو بھی کتاب اللہ کی روشنی میں ان کی قیادت کرے اس کی اطاعت کریں۔ ان سے کہا کہ حج کے اعمال مجھ سے سیکھ لو۔ انھیں یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد اسلام چھوڑ کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنا شروع کر دینا اور میرے احکام و اقوال دوسروں تک بھی پہنچا دینا۔[2]

اس خطبے میں آپ ﷺ نے فرمایا: «أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟» ''کیا تمھیں معلوم ہے یہ کونسا دن ہے؟'' صحابہ نے کہا: ''اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔'' آپ خاموش ہو گئے، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا: «أَلَيْسَ ذَالْحَجَّةِ؟» ''کیا یہ ذوالحج نہیں؟'' ہم نے عرض کیا: ''کیوں نہیں!'' پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟» ''یہ کون سا شہر ہے؟'' ہم نے عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔'' آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ اس کا سابقہ نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ؟» ''کیا یہ حرمت والا شہر نہیں؟'' ہم نے عرض کیا: ''کیوں نہیں!'' آپ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، إِلٰى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ» ''تمھارے خون اور مال (ایک روایت میں ہے اور تمھاری عزتیں) تم پر ایسے ہی قابل احترام ہیں جیسے تمھارا یہ دن

[1] السيرة النبوية للندوي، ص:389. [2] السيرة النبوية للندوي، ص:89.

تمھارے لیے تمھارے اس ماہ میں، تمھارے اس شہر میں محترم ہے۔‘‘ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟» ’’بتاؤ! کیا میں نے (پیغام الٰہی) پہنچا دیا ہے؟‘‘ صحابہ نے جواباً عرض کیا: ’’جی ہاں۔‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ، فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»

’’اے میرے اللہ گواہ رہنا۔ یہاں موجود آدمی کو چاہیے کہ غیر حاضر شخص تک یہ پیغام پہنچا دے۔ بسا اوقات جسے بات پہنچائی جائے وہ سننے والے سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہوتا ہے۔ (دیکھو) میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔‘‘[1]

قربانی اور بقیہ امور

پھر آپ ﷺ منٰی میں قربان گاہ کی طرف گئے۔ وہاں اپنے ہاتھ سے تریسٹھ اونٹ ذبح کیے، یہ تعداد آپ ﷺ کی عمر مبارک کے برسوں جتنی تھی۔ بعد ازاں آپ ﷺ رک گئے اور باقی قربانیوں کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ جب مکمل قربانیاں ذبح ہو گئیں تو حجام کو بلایا، سر منڈایا اور بال موجود لوگوں میں تقسیم فرما دیے۔ پھر سوار ہو کر مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لائے اور طوافِ افاضہ کیا۔

مکہ مکرمہ میں نماز ظہر ادا کی، پھر بنو عبدالمطلب کے پاس آئے جو لوگوں کو زمزم پلا رہے تھے۔ ان سے فرمایا: «اِنْزِعُوا بَنِي عَبْدِالْمُطَّلِبِ، فَلَوْلَا أَنْ يَّغْلِبَكُمُ النَّاسُ

[1] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري، ص: 550/2، والسيرة النبوية لأبي شهبة، ص: 578/2.

عَلٰی سِقَایَتِکُمْ لَنَزَعْتُ مَعَکُمْ» ''اے بنوعبدالمطلب! پانی نکالو، اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ لوگ بھیڑ کر کے تمھیں پانی نہ پلانے دیں گے تو میں بھی تمھارے ساتھ شریک ہو کر پانی نکالتا۔'' پھر ان لوگوں نے آپ ﷺ کو ایک ڈول پیش کیا جس سے آپ ﷺ نے پانی پیا۔

پھر آپ ﷺ اس روز منیٰ واپس چلے گئے۔ وہیں رات گزاری۔ صبح ہوئی تو زوالِ شمس کا انتظار فرمایا۔ زوال کے بعد کنکریاں مارنے چلے تو پہلے جمرۂ اولیٰ، پھر وسطیٰ اور پھر جمرۂ ثالثہ کو کنکریاں ماریں۔ یہی تیسرا ''جمرہ عقبہ'' ہے۔

آپ ﷺ نے منیٰ میں دو بار خطبہ ارشاد فرمایا۔ پہلا یومِ نحر کو اور دوسرا یوم نحر کے اگلے دن۔[1]

یہی ''نفر اوّل'' سفر کا پہلا دن ہے۔ تیسرے خطبے میں آپ ﷺ نے پہلے دونوں خطبات، یعنی خطبہ عرفہ اور خطبہ منیٰ ہی کے بعض امور کی تاکید فرمائی تھی۔[2]

مدینہ منورہ کی طرف واپسی

اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ تینوں ایام تشریق میں کنکریاں مارنے تک وہیں منی میں رہے پھر مکہ مکرمہ آئے اور فجر کے وقت طواف وداع کیا۔ اور لوگوں کو سفر کا حکم دیا اور مدینہ منورہ کا رخ کیا۔[3]

حجۃ الوداع سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے جحفہ میں ''غدیر خم'' کے قریب اٹھارہ ذوالحج کو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ! فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبَ، وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ، أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدٰى

1 السيرة النبوية للندوي، ص:390. 2 المستفاد من قصص القرآن لعبدالكريم زيدان: 2/515.
3 السيرة النبوية للندوي، ص:390.

وَالنُّورُ، فَخُذُوا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ»

''اما بعد! لوگو اچھی طرح سنو، میں بھی ایک انسان ہوں، ممکن ہے میرے پاس بھی میرے اللہ کا فرشتہ پہنچ جائے اور میں اس کی بات مان لوں۔ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک تو کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے تم کتاب اللہ کو خوب تھام کر رکھو۔''

آپ ﷺ نے کتاب اللہ سے متعلق لوگوں کو خوب ابھارا اور اس کی رغبت دلائی، پھر ارشاد فرمایا: «وَأَهْلُ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي» ''اور میرے گھر والے، میں تم کو اپنے اہل بیت سے متعلق یاد دہانی کرا رہا ہوں، میں تمھیں اپنے اہل بیت سے متعلق اللہ تعالیٰ یاد کراتا ہوں، میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ (کی نصیحت) یاد دلاتا ہوں۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: «مَنْ كُنْتُ وَلِيَّهُ، فَهٰذَا وَلِيُّهُ، اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ» ''جس کا میں دوست ہوں یہ اس کا دوست ہے، اے اللہ! جو اس سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے اس سے تو بھی دشمنی رکھ۔''[2]

ایک روایت ہے: «مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ» ''جس کا میں دوست ہوں اس کا علی بھی دوست ہے۔''[3]

اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے آئے تھے اور حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے تھے۔[4] لشکر (یمن) میں شریک کچھ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شکوہ کیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نائب نے کچھ کپڑے تقسیم کیے تھے

---

1 صحيح مسلم، حديث:2408، ومسند أحمد:14/3 و 17. 2 مسند أحمد:118/1. 3 جامع الترمذي، حديث:37/3، ومسند أحمد:368/4. 4 البداية والنهاية:209/5.

جنھیں انھوں نے واپس کرا لیا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ''غدیر خم'' کے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ واضح فرمایا تاکہ لوگ ان کی شکایت کرنے سے باز رہیں۔[1]

اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ درست موقف پر تھے۔ انھوں نے نائب کے دیے ہوئے مال کو واپس کیا کیونکہ وہ اموال صدقات اور خمس کے تھے۔[2]

آپ ﷺ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو وہاں رات گزاری۔ مدینہ منورہ پر نگاہ پڑی تو تین مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہا اور دعا پڑھی:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سٰجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی بادشاہی ہے اور حمد بھی اسی کی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، سجدے کرنے والے، اور اپنے رب کی حمد و ثنا کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا ہے، اپنے بندے کی مدد کی ہے اور اس اکیلے نے لشکروں کو شکست دے دی ہے۔''

پھر آپ دن کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔[3]

حکمتیں، اسباق اور فوائد

استحکامِ امت

10ھ کو امت اسلامیہ ترقی و استحکام کے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکی تھی۔ لہٰذا یہ ترقی چند ایک

1 السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 551/2. 2 السيرة النبوية لأبي شهبة: 581/2.
3 صحيح البخاري، حديث: 1797، و صحيح مسلم، حديث: 1344.

اہم امور کی متقاضی تھی۔ لہٰذا سفر حج اور وفود کے استقبال کی صورت میں آپ ﷺ نے 10,9 ھ کو براہِ راست حصول دین کا دائرہ وسیع تر کر دیا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اس بات کا اہتمام کیا کہ آپ کی دعوت آپ سے براہ راست لی جائے۔ اسلام کی سر بلندی اور اسے تا قیامت باقی رکھنے کا یہ موثر ترین ذریعہ تھا۔[1]

اس طرح حجۃ الوداع میں افراد اور پورے معاشرے کی کتاب و سنت پر تربیت کا معاملہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔

جاہلیت سے کنارہ کش رہنے اور گناہوں سے دور رہنے کی تربیت

(ا) آپ ﷺ نے ایک مسلمان کے سامنے عہد جاہلیت کے امور مثلاً بت، جاہلی خلفشار یا سود خوری وغیرہ سے اظہار لاتعلقی کی اہمیت کو خوب اجاگر کیا۔ اور یہ کوئی زبانی دعویٰ اور محض وصیت نہ تھی بلکہ ایک قرارداد تھی جس کا اظہار آپ ﷺ نے اپنے آس پاس کے تمام لوگوں کے سامنے کیا اور بعد میں آنے والوں کو بھی یہی پیغام دیا۔ اس قرارداد کے الفاظ یہ تھے: ''خبردار زمانہ جاہلیت کی ہر چیز میرے دونوں قدموں کے نیچے رکھ دی گئی ہے۔ زمانہ جاہلیت کے خونوں کا بدلہ نہیں لیا جائے گا ...... زمانہ جاہلیت کا تمام سود ختم کر دیا گیا ہے۔''[2]

کیونکہ وہ نئی زندگی جس کے مطابق ایک مسلمان اسلام لانے کے بعد زندگی گزارے وہ ایسی ہونی چاہیے کہ اس کا ماضی کی نجاستوں اور میل کچیل سے کوئی تعلق نہ رہے۔[3]

(ب) آپ ﷺ نے گناہوں، غلطیوں اور کوتاہیوں سے، خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ تنبیہ کرتے ہوئے ڈرایا کیونکہ گناہ اور غلطیاں ایک انسان پر ایسے منفی اثرات چھوڑتی

[1] الأساس في السنة لسعيد حوّى: 1054/2. [2] فقه السيرة للبوطي، ص: 331. [3] قراءة سياسية للسيرة النبوية للدكتور قلعجي، ص: 303.

ہیں کہ دشمن بھی یہ کام نہیں کر سکتا۔ دنیا میں انسان کے مصائب کا یہی بنیادی سبب ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَصٰبَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾

''تمھیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کی کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرما دیتا ہے۔''[1]

اس طرح یہ گناہ اور غلطیاں بالآخر انسان کو آخرت میں جہنم رسید کر دیں گی۔ معاشرے میں گناہوں کا ایسا منفی اثر سامنے آتا ہے جو تلوار سے بھی نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ نے واضح کیا کہ میری مراد گناہوں سے بت پرستی نہیں کیونکہ جن عقلوں میں توحید کھلے دل داخل ہوئی ہے اور انھوں نے انشراح سے توحید کو قبول کر لیا ہے وہ اس ظاہر اور جلی شرک کی طرف نہیں لوٹ سکتیں لیکن شیطان اس سے ناامید ہرگز نہیں ہوا کہ وہ اس بت پرستی تک گناہوں اور غلطیوں کے سوراخوں سے لے آئے۔ حتی کہ ان کے مرتکب کو بالآخر ہلاکت خیز گڑھوں میں ڈال دے۔[2]

تربیتِ معاشرہ کی اساس

(ا) اسلامی بھائی چارہ ہی ایک مضبوط کڑا اور اساس ہے جو تمام مسلمانوں کو باہم منسلک رکھ سکتا ہے۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾

''(یاد رکھو!) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔''[3]

آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''اے لوگو! میری بات سنو اور اسے اچھی طرح سمجھو یہ خوب

[1] الشوریٰ 30:42. [2] قراءة سياسية للسيرة النبوية للدكتور قلعجي، ص:303. [3] الحجرات 10:49.

جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور تمام مسلمان بھی آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا کسی بھی شخص کے لیے اس کے بھائی سے صرف اسی قدر حلال و جائز ہے جو وہ اپنے دل کی خوشی سے دے دے، لہٰذا اپنے اوپر ظلم و زیادتی نہ کیا کرو۔"

مزید ارشاد فرمایا: "تمھارے خون اور تمھارے اموال اور تمھاری عزتیں آپس میں تم پر ایسے ہی محترم ہیں جیسی حرمت تمھارے اس دن کی، تمھارے اس شہر میں ہے اور یہ حرمتیں اس وقت تک ہیں جب تک تم اپنے پروردگار سے جا ملو تو وہ تم سے تمھارے اعمال کے متعلق پوچھے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔"[1]

(ب) کمزوروں اور ناداروں کا خیال رکھنا تا کہ ان کی کمزوری معاشرے کی عمارت میں رخنہ ثابت نہ ہو۔ لہٰذا آپ ﷺ نے کمزور افراد میں بطور نمونہ عورت اور غلام کا ذکر فرمایا اور ان کے متعلق خیر خواہی کی وصیت فرمائی۔[2]

آپ ﷺ نے عورتوں سے بہتر سلوک کی وصیت کی۔ اور انتہائی مختصر مگر جامع گفتگو میں زمانہ جاہلیت کے عورت پر ہونے والے بدترین مظالم کا خاتمہ کرنے کو کہا اور تاکیداً احکام شریعت میں پائے جانے والے عورت کے حقوق و عزت و اکرام کا بار بار حکم دیا۔[3]

(ج) اسلامی احکام کے نفاذ کے لیے حکومت اسلامیہ سے تعاون اور شریعتِ الٰہی کی پاسداری کا حکم، خواہ حاکم ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس میں دنیا و آخرت کی فلاح و سعادت پنہاں ہے۔[4]

آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ حاکم اور محکوم کا باہمی تعلق سمع و طاعت کا ہے جب

---

1 صحیح مسلم، حدیث: 1218. 2 قراءة سياسية للسيرة النبوية للدكتور قلعجي، ص: 304.
3 فقة السيرة للبوطي، ص: 332. 4 دولة الرسول من التكوين إلى التمكين للدكتور كامل سلامة، ص: 576.

تک حاکم کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق فیصلہ کرتا رہے۔ اور جب ان دونوں سے پھر جائے تو اس کی سمع و اطاعت نہیں ہے، گویا حاکم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تنفیذ و اجرا کے لیے مسلمانوں کی طرف سے ایک امین کی حیثیت رکھتا ہے۔[1]

مساوات

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى أَعْجَمِيٍّ، وَلَا لِأَعْجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَبْيَضَ عَلٰى أَسْوَدَ، وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَبْيَضَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى، النَّاسُ مِنْ آدَمَ، وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ» ''کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر ہے اور نہ کسی سفید کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو سفید پر برتری حاصل ہے مگر تقویٰ کی بدولت۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے ہیں۔''[2]

آپ ﷺ نے وضاحت کر دی کہ برتری کی بنیاد جنس، رنگ، وطن اور قومیت پر نہیں ہے۔ برتری و فضیلت کی بنیاد صرف بلند تر اخلاقی وصف ہے جو انسان کو انتہائی بلند تر مقامات تک لے جاتے ہیں۔[3]

شریعت کے بنیادی مآخذ کی حد بندی

رسول اللہ ﷺ نے احکامِ شریعت لینے اور مسلمانوں کی مشکلات کے حل کی اعلیٰ و افضل اساس کی تحدید و تعیین فرما دی۔ تمام مشکلات کا حل صرف کتاب و سنت کی طرف رجوع میں پنہاں ہے اس کے ساتھ کوئی تیسری چیز نہیں ہے اور پھر آپ ﷺ نے ان دونوں کو مضبوطی سے تھام لینے کی صورت میں ہر گمراہی اور شقاوت سے محفوظ رہنے کی ضمانت دی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے تھام رکھنے کا

1 فقه السيرة للبوطي، ص: 333. 2 مسند أحمد: 411/3. 3 الموسوعة في سماحة الإسلام لصادق عرجون: 876/2.

عہد لیا ہے اور اسی پر ثابت قدم رہنے پر آنے والی تمام نسلوں کو ہدایت کی ضمانت دی ہے تاکہ یہ بھی واضح فرمادیں کہ ان دونوں دلیلوں کو تھام لینے کی ضرورت کسی ایک زمانے پر موقوف نہیں، اور کسی بھی معاشرتی ترقی یا کسی زمانے کا عرف ان دونوں پر برتری اور غلبے کا حق نہیں رکھتا۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ نے مرض اور اس کے علاج کو واضح کر دیا ہے اور تمام تر مشکلات کا حل صرف کتاب اللہ اور سنت رسول سے مکمل وابستگی کو قرار دیا، چنانچہ فرمایا: «تَرَكْتُ فِيكُمْ مَّا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَبَدًا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِي» ''میں تم میں وہ کچھ چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے تھام رکھا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری سنت ہے۔'' یہ ہے مستقل دائمی علاج۔ آپ ﷺ نے ہر زمان و مکان کے لوگوں کو بار بار یہی دعوت دی ہے کہ پیش آمدہ تمام مشکلات کا حل کتاب و سنت سے رہنمائی لینے میں ہے، کیونکہ ان دونوں کے ساتھ گہری وابستگی سے لوگ گمراہی سے بچ سکتے ہیں۔ اور کتاب و سنت ہی حال یا استقبال میں سیدھی راہ پر گامزن کرنے کے ضامن ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور ہدایات جزیرۃ العرب سے باہر پہنچ گئیں۔ ان تعلیمات نے زمان و مکان کی تمام تر حدود کو برطرف کر دیا۔ اس کی صدا و پکار آج تک سنائی دے رہی ہے بلکہ یہ قیامت تک یوں ہی قائم دائم رہے گی کیونکہ آپ ﷺ کبھی اپنے سامعین کو اس طرح مخاطب نہ ہوتے تھے کہ «أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ، أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ، أَيُّهَا الْحُجَّاجُ» ''اے مومنو!''، ''اے مسلمانو!''، ''اے حاجیو!'' بلکہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: «أَيُّهَا النَّاسُ» ''اے لوگو!'' آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جہانوں کے لیے رحمت اور دنیا بھر کے تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اکثر مواقع پر اپنی پکار میں خاص جنس، زمانے، جگہ یا رنگ کے لوگوں کے بجائے عام

[1] فقه السيرة للبوطي، ص:333.

اور تمام لوگوں کو پکارا ہے۔[1]

حجۃ الوداع کے خطبات میں تعلیمی اسالیب

① **جس کی تعلیم دینا مقصود ہو اس کی عملی و فعلی تعلیم:** رسول اللہ ﷺ نے اپنے معزز ساتھیوں کو اعمال حج عملی صورت میں سکھائے، وہ اس طرح کہ آپ ﷺ نے صرف زبانی طور پر سکھانے پر اکتفاء کے بجائے عملاً خود کر کے دکھا دیا، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: «خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ» ''اپنے اعمالِ حج مجھ سے لے لو۔''[2]

لہٰذا داعی حضرات جب لوگوں کو مفاہیم اسلام سکھاتے ہیں تو انھیں چاہیے کہ یہ تمام اعمال اور احکامِ شرعیہ یا کم از کم ان میں سے کچھ ہی، مثلاً: وضو، نماز اور قرآن پاک کی تعلیم بہتر طریقے سے عملی طور پر سکھائیں۔[3]

② **متعدد بار خطبات دینا:** ہم مطالعہ کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کئی مرتبہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ ﷺ نے عرفہ میں خطبہ دیا، پھر منیٰ میں دو مرتبہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اسی طرح ان میں موجود بعض مسائل کا بار بار ذکر کیا۔ دعاۃ کو بھی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کریں خطبات کو دہرائیں اور پھر ضرورت والے مسائل کو بار بار بیان کریں یہاں تک کہ سامعین انھیں اچھی طرح ازبر اور یاد کر لیں۔ کیونکہ خطیب کے خطبے کا مقصد سامعین کو بات سمجھانا ہوتا ہے اور جب خطبہ یا بعض مسائل دہرائی کے ذریعے ہی سمجھ آنے والے ہوں تو ان کا اعادہ ضروری ہو جاتا ہے اور داعی کو چاہیے کہ انھیں دہرا دے۔ خطیب جب تک محسوس کرے کہ خاص مفاہیم سامعین کے ذہن نشین کرانا ضروری ہیں تو خطبے میں نئی گفتگو لانے کی خواہش نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ داعی اور

[1] الجانب السياسي في حياة الرسول ﷺ لمحمد أحمد باشميل، ص: 131. [2] صحيح مسلم، حديث: 1297، والسيرة النبوية الصحيحة: 2/549. [3] المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان: 2/518.

خطیب کا اصل کام اور ارادہ یہ ہوتا ہے کہ سامعین کو فائدہ پہنچائے۔ اس کا یہ مقصد ہی نہیں کہ خطبات میں اپنی خوبی کا اظہار کرتا جائے۔ نئے سے نئے مسائل بلا غور وفکر ذکر کرتا جائے اور سامعین کی ضرورت کا کوئی خیال ہی نہ ہو۔ اور ان کے سمجھنے اور مسائل پر احاطہ کر لینے کے متعلق سوچے ہی نہ![1]

③ **موجود شخص کو چاہیے کہ غیر حاضر تک بھی یہ پیغام پہنچا دے:** اس میں رسول اللہ ﷺ کی اعلیٰ رہنمائی پائی جارہی ہے کہ حتی الامکان زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ حاصل ہوسکے۔ یہ بھلائی و نیکی پر تعاون کے باب میں آتا ہے۔ کیونکہ جو شخص ایسی مجلس میں نہیں آسکا بسا اوقات وہ سننے والے کی نسبت زیادہ علم وفہم اور ادراک رکھنے والا ہوتا ہے، لہٰذا داعیانِ دین اور علمائے کرام کو چاہیے کہ کوئی بھی محاضرہ یا درس دینے کے بعد سامعین سے کہیں کہ تم میں سے حاضر شخص کو چاہیے کہ اس نے جو کچھ سنا ہے اسے غیر موجود لوگوں تک پہنچا دے۔

④ **دورانِ تقریر حاضرین کو بیدار و چوکس رکھنے کا تقاضا:** رسول اللہ ﷺ نے سامعین سے اس دن، مہینے اور شہر کی بابت پوچھا، حالانکہ وہ انھیں جانتے تھے۔ دراصل اس انداز سے سامعین کو بیدار ہونے کا کہا جارہا تھا کہ وہ ہونے والی بات کی طرف بھرپور توجہ کریں کہ ممکن ہے آپ کا ان سوالات سے ارادہ کچھ اور ہو۔

امام قرطبی کہتے ہیں: ”نبی مکرم ﷺ کا دن، ماہ اور شہر کے متعلق سوال کرنا اور پھر ہر سوال کے بعد خاموشی اختیار کرنا ان کی حاضر دماغی کے لیے تھا اور اس لیے بھی کہ وہ اس بات کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہوں اور جو بات ان سے کہی جانے والی ہے اس کی عظمت کا خیال رکھیں۔ لہٰذا علماء و داعیانِ دین کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی کہی جانے والی گفتگو سے پہلے ایسی صورت حال پیدا کریں جو سامعین کی بیداری کا موجب بنے اور

1 المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان: 2/518,517.

انھیں متکلم کے کلام کی جانب بھرپور راغب کر دے۔''[1]

حجۃ الوداع سے سمجھے جانے والے چند فقہی احکام

حجۃ الوداع میں بہت سے شرعی احکام پائے جاتے ہیں۔ خاص طور پر جن کا تعلق حج اور وصیتوں سے اور ان احکام سے ہے جو عرفات کے خطبے میں آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے حجۃ الوداع کو بڑی اہمیت دی اور اس سے حج و قربانی کے بہت سے احکام کا استنباط کیا ہے۔ جن سے فقہ اور حدیث کی تشریح والی کتب بھری پڑی ہیں۔ بعض نے تو صرف حجۃ الوداع ہی پر مستقل کتب تالیف کی ہیں۔[2]

ہم ان میں سے بعض احکام کی طرف انتہائی اختصار سے اشارہ کر رہے ہیں:

عرفہ کے دن حاجیوں کے لیے روزہ رکھنا مسنون نہیں: ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ یوم عرفہ کے متعلق لوگوں نے شک کیا کہ کیا آپ ﷺ کا روزہ ہے یا نہیں، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کی طرف دودھ کا برتن بھیجا، آپ اس وقت ''موقف'' (میدان عرفات) میں کھڑے تھے تو آپ ﷺ نے وہ دودھ پیا اس دوران تمام لوگ آپ ﷺ کو دیکھ رہے تھے۔[3]

احرام میں کوئی فوت ہو جائے تو......؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عرفات میں کھڑا تھا کہ اپنی اونٹنی پر سے گر پڑا تو اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا: «اِغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ وَّكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْنِ وَلَا تُحَنِّطُوهُ، وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ، فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا» ''اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور اسے دو کپڑوں

---

1 المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان: 518/2. 2 السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 549/2. 3 صحيح البخاري، حديث: 1989، و صحيح مسلم، حديث: 1123-(110).

میں کفن دے دو۔ اس کے سر کو نہ ڈھانپو اور نہ ہی خوشبو لگاؤ پس یہ قیامت کے روز لبیک پکارتا ہوا اٹھایا جائے گا۔"[1]

کسی اور کی طرف سے حج : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما اونٹنی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے۔ اس وقت قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی۔ وہ فضل کی طرف دیکھنے لگی اور فضل اس کی طرف دیکھنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل کا چہرہ دوسری طرف پھیرنے لگے۔ اس عورت نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے جب اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے میرے باپ پر بھی اس وقت فرض ہوا ہے۔ مگر وہ بوڑھے ہیں اور سواری پر سوار بھی نہیں ہو سکتے۔ تو کیا میں ان کی طرف سے حج کروں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ!» "ہاں۔" اور یہ حجۃ الوداع کا موقع تھا۔[2]

حج میں آسانی پیدا کرنا: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر کھڑے ہوئے تو لوگ آپ سے مسائل پوچھنے لگے۔ ایک شخص نے کہا: "اے اللہ کے رسول! مجھے علم ہی نہ تھا کی رمی قربانی سے پہلے ہے مگر میں نے رمی سے پہلے قربانی کر لی ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِرْمِ وَلَا حَرَجَ» "اب رمی کرو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔" دوسرے نے عرض کیا: "مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ قربانی حلق سے پہلے کرنا ضروری ہے، لہٰذا میں نے قربانی سے پہلے ہی سر منڈا لیا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِنْحَرْ وَلَا حَرَجَ» "اب قربانی کر لو، کوئی مضائقہ نہیں۔" راوی کہتا ہے: میں نے سنا کہ جس شخص نے بھی اس دن ایسے کام سے متعلق پوچھا جسے انسان بھول کر آگے پیچھے کر لیتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا: «اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ» "اب کر لو، کوئی حرج نہیں۔"[3]

[1] صحيح مسلم، حديث: 1206، وسنن ابن ماجه، حديث: 3084، ومسند أحمد: 215/1، والسنن الكبرٰى للنسائي: 195/5. [2] صحيح البخاري، حديث: 1513، و صحيح مسلم، حديث: 1334. [3] صحيح البخاري، حديث: 83، وصحيح مسلم، حديث: 1306.

حج کے مختلف دنوں کے مختلف نام رکھنے کا فائدہ

سات ذوالحج کو ''یوم الزینہ'' کہا جاتا تھا کیونکہ اس دن قربانی کیے جانے والے جانوروں کو سجایا جاتا تھا۔

آٹھ ذوالحج کو ''یوم الترویہ'' کہتے ہیں کیونکہ اس دن وہ لوگ اپنے اونٹوں کو خوب پانی پلا لیتے اور عرفات اور اس کے بعد کے دنوں کے لیے خود بھی پانی لے لیتے تھے۔ کیونکہ ان مقامات میں ان دنوں نہ کنویں تھے اور نہ چشمے، اگر چہ اب تو بحمد اللہ وہاں پانی کی کوئی کمی نہیں۔

نویں ذوالحج کو ''یوم عرفہ'' اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس دن لوگ میدانِ عرفات میں ٹھہرتے تھے۔

دسویں دن کو ''یوم النحر، یوم الاضحیٰ اور یوم الحج الاکبر'' کہتے ہیں۔

گیارھویں دن کو ''یوم القرّ'' اس لیے کہ اس روز وہ ادھر ادھر آنے جانے سے رک جاتے تھے۔ اسے یوم الرؤوس بھی کہتے کیونکہ اس روز قربانیوں کی سریاں کھاتے تھے۔ اور یہی ایام تشریق کا پہلا دن تھا۔

تشریق کے دوسرے دن کو ''یوم النفر الاوّل'' کہتے۔ کیونکہ جسے جلدی ہو اس کے لیے اس دن مکہ مکرمہ کی جانب چلے آنا جائز ہوتا ہے۔

ایام تشریق کے تیسرے دن کو ''یوم النفر الثانی'' کہتے۔ [1] ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۚ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ ﴾

1 السيرة النبوية لأبي شهبة:2/579.

”اور گنتی کے چند دنوں میں تم اللہ کو یاد کرو، پھر جس نے دو دنوں (منیٰ سے مکے کی طرف واپسی) میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے (ایک دن کی) تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (بشرطیکہ) وہ تقویٰ اختیار کرے اور تم اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک تمھیں اسی کے حضور اکٹھا کیا جائے گا۔“ [1]

1 البقرۃ 2:203.

رسول اللہ ﷺ کا مرض اور وفات

بعض آیات نے آپ ﷺ کے بشر ہونے کی حقیقت کو تاکید کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کا تذکرہ کیا ہے کہ آپ ﷺ بھی انسان ہونے کے اعتبار سے موت اور اس کے مقدمات سے دو چار ہوں گے جیسا کہ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام (عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ) نے بھی موت کو گلے لگایا۔ رسول اللہ ﷺ بعض آیات سے قرب موت کو سمجھ چکے تھے۔ بعض صحیح احادیث میں آپ ﷺ کی وفات کے قریب آنے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ کچھ احادیث تو ایسی ہیں جو وفات پر صراحتاً دلالت کرنے والی ہیں اور کچھ صریح نہیں جنھیں چند بزرگ صحابہ جیسے ابوبکر، عباس اور معاذ رضی اللہ عنہم کے سوا اکثر صحابہ نہ سمجھ سکے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی وفات سے متعلق آیات واحادیث درج ذیل ہیں:

قرآنی آیات میں وفاتِ نبوی کا اشارہ

① ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾

”اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں

[1] مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص:33.

کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔‘‘ [1]

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قوموں میں ہمیشہ نہیں رہتے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خواہ وفات یا شہادت کی صورت میں چلے جائیں تب بھی ہر صورت ان کی تعلیمات کو مضبوطی سے اپنائے رکھنا ضروری ہے۔

② ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○ ﴾

’’(اے نبی!) بلاشبہ آپ بھی وفات سے ہمکنار ہونے والے ہیں اور وہ (کافر) بھی یقیناً مرنے والے ہیں۔‘‘ [2]

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ان میں سے ایک ہے جن سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی دلیل سمجھا حتی کہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین کر لیا۔ [3]

③ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ○ ﴾

’’اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی، پھر اگر آپ مر جائیں تو کیا وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟‘‘ [4]

پھر اس کے بعد ذکر کیا کہ موت ایک لازمی چیز اور طے شدہ بات ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○ ﴾

’’ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے۔ اور ہم تمھیں پرکھنے کے لیے برائی اور بھلائی سے

[1] آل عمران 3:144. [2] الزمر 39:30. [3] تفسیر ابن کثیر: 4/53. [4] الأنبیاء 21:34.

آزماتے ہیں اور آخرکار تمھیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے۔"[1]

یہ آیات صریح اور آپ ﷺ کی وفات پر نص ہیں۔ بعض آیات ایسی بھی ہیں جن میں صراحت تو نہیں مگر اشارات موجود ہیں، مثلاً:

① ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ○ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○﴾

"اور یقیناً آپ کے لیے آخرت، دنیا سے بہت بہتر ہے۔ اور جلد آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔"[2]

② ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ○ ﴾

"ہر چیز، جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والی ہے۔ اور آپ کے رب کا چہرہ باقی رہے گا جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔"[3]

③ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ ﴾

"اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، اسی کی حاکمیت و فرمانروائی ہے اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"[4]

یہ آیات وضاحت کر رہی ہیں کہ تمام اہل زمین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا اس سے کوئی بھی کبھی بھی محفوظ نہ رہے گا۔

④ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلٰمَ دِيْنًا ۚ ﴾

1 الأنبياء 35:21. 2 الضحى 5,4:93. 3 الرحمٰن 27,26:55. 4 القصص 88:28.

"آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔"[1]

جب یہ آیت اتری تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو کیا بات رلاتی ہے؟" تو کہا: "کمال کے بعد صرف کمی و کوتاہی ہوتی ہے۔" گویا انھوں نے اس آیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو محسوس کر لیا تھا۔[2]

⑤ ارشاد ہے:

﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝ ﴾

"(اے نبی!) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے۔ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں۔ تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے، بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔"[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سورت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: تو انھوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اشارہ ہے۔ جس کی اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "میں بھی وہی سمجھتا ہوں جو تم نے (اس سے) سمجھا تھا۔"[4]

طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "جب یہ آیت اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی اطلاع دی گئی۔"[5]

احادیثِ مبارکہ میں وفاتِ نبوی کی طرف اشارہ

وہ احادیث جو وفات النبی کی جانب اشارہ کرتی ہیں، درج ذیل ہیں:

---

1 المآئدة 5:3. 2 البداية والنهاية: 189/5. 3 النصر 110: 1-3. 4 صحيح البخاري، حديث: 4430. 5 المعجم الكبير للطبراني، رقم: 2676، ومجمع الزوائد: 27,26/9، والموضوعات لابن الجوزي: 295/1-301.

① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم سب بیویاں رسول اللہ ﷺ کے پاس اکٹھی تھیں۔ اتنے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں۔ اللہ کی قسم! ان کی چال رسول اللہ ﷺ کی چال سے بالکل مشابہ تھی۔ جب آپ ﷺ نے انھیں دیکھا تو فرمایا: «مَرْحَبًا بِابْنَتِي» ''میری بیٹی خوش آمدید!'' پھر انھیں اپنے دائیں یا بائیں بٹھالیا۔ اس کے بعد ان کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں۔ پھر دوبارہ سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ میں نے فاطمہ سے کہا: ''رسول اللہ ﷺ نے سب کو چھوڑ کر آپ سے راز کی بات کی ہے اور آپ رو رہی ہیں؟'' جب وہ کھڑی ہوئیں تو میں نے ان سے پوچھا: ''بتائیں تو سہی، رسول اللہ ﷺ نے تم سے آہستہ آہستہ کیا فرمایا تھا؟'' انھوں نے کہا: ''میں رسول اللہ ﷺ کی راز کی بات افشا نہ کروں گی۔'' جب آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اس وقت میں نے ان سے کہا:

''آپ پر میرا جو حق ہے اس حوالے سے میں پوچھتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس روز تم سے کیا فرمایا تھا؟'' انھوں نے کہا: ''اب اس کے بیان کرنے میں کوئی (حرج) نہیں، پھر کہنے لگیں: جب آپ ﷺ نے پہلی بار میرے کان میں بات کی تھی تو یہ فرمایا تھا: «إِنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُنِي فِي الْقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ مَّرَّةً وَّقَدْ عَارَضَنِي فِي هٰذَا الْعَامِ مَرَّتَيْنِ وَلَا أَرٰى ذٰلِكَ إِلَّا عِنْدَ اقْتِرَابِ أَجَلِي، فَاتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِي، فَنِعْمَ السَّلَفُ أَنَا لَكِ!» ''جبرئیل علیہ السلام ہر سال مجھ سے قرآن پاک کا ایک بار دور کیا کرتے تھے اس سال انھوں نے دوبار دور کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ میری موت قریب ہے۔ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرنا۔ میں تمھارے لیے آخرت میں اچھا پیش خیمہ ہوں گا۔'' یہ سن کر میں رونے لگی۔ آپ ﷺ نے پھر مجھ سے سرگوشی کی اور فرمایا: «أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنَاتِ أَوْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ» ''اے فاطمہ! کیا تم اس سے خوش نہیں کہ تم سب مسلمانوں کی عورتوں یا یوں فرمایا کہ اس

امت کی عورتوں کی سردار ہوگی؟" تو میں ہنسنے لگی۔[1]

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی قرب وفات کا واضح اشارہ اور قطعی دلیل موجود ہے کہ جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ آپ ﷺ نے یہ صرف اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا۔ دیگر مسلمانوں کو اس کا آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہی پتا چلا۔[2]

② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کو "یوم النحر" سوار حالت ہی میں کنکریاں مارتے دیکھا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے: «لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هٰذِهِ» "مجھ سے اپنے حج کے مناسک سیکھ لو کیونکہ میں نہیں جانتا! شاید اس حج کے بعد پھر حج نہ کرسکوں۔"[3]

③ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ» "اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ دنیا رکھ لو یا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اسے اختیار کرلو تو اس بندے نے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اسے پسند کرلیا۔" راوی کہتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے۔ تو ہم نے ان کے رونے پر تعجب کیا کہ اس میں رونے کی کونسی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی بندے کو اختیار دیے جانے کا تذکرہ ہی تو کیا ہے۔ ہمیں بعد میں پتا چلا کہ جسے اختیار دیا گیا تھا وہ رسول اللہ ﷺ ہی تھے اور واقعی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ صاحبِ علم تھے۔[4]

④ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا زمین مضبوط رسیوں کے ساتھ آسمان کی جانب کھینچی جا رہی ہے۔ میں نے یہ خواب

[1] صحیح البخاري، حدیث: 6286,6285، و صحیح مسلم، حدیث: (99,98)-2450 و المعجم الکبیر للطبراني: 275/16. [2] مرض النبي ﷺ و وفاته لخالد أبي صالح، ص: 35. [3] صحیح مسلم، حدیث: 1297. [4] صحیح البخاري، حدیث: 466، و صحیح مسلم، حدیث: 2382.

آپ ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «ذَاكَ وَفَاةُ ابْنِ أَخِيكَ» ”یہ تو تمھارے بھتیجے کی موت (کا اشارہ) ہے۔“[1]

اس حدیث میں بھی آپ ﷺ کی وفات کے قریب آنے کی خبر ہے اور یہ بھی کہ مومن کا خواب سچا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہ بعض صحابہ کو آپ ﷺ کی وفات کا حال معلوم کرا دیا گیا تھا۔[2]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں جب یمن کی جانب بھیجا تو وہ سوار ہو کر مدینہ منورہ سے نکلے، جبکہ نبی مکرم ﷺ ان کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «يَا مُعَاذُ! إِنَّكَ عَسٰى أَلَّا تَلْقَانِي بَعْدَ عَامِي هٰذَا فَتَمُرَّ بِقَبْرِي وَمَسْجِدِي» ”اے معاذ! ممکن ہے تم اس سال کے بعد مجھ سے نہ مل سکو اور تم میری قبر اور مسجد کے پاس سے گزرو۔“ (یہ سن کر) معاذ رضی اللہ عنہ (فراق کی اس خبر پر) رو پڑے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا تَبْكِ يَا مُعَاذُ فَإِنَّ الْبُكَاءَ مِنَ الشَّيْطٰنِ» ”معاذ مت رو، رونا (چیخنا، چلانا) تو شیطان کی جانب سے ہوتا ہے۔“[3]

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی وفات کے قریب آنے کی اطلاع دی ہے کہ عین ممکن ہے تم مجھے اس سال کے بعد نہ مل سکو۔ اس سے آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کی والہانہ محبت کا بھی پتا چلتا ہے کہ جب ان کے سامنے آپ کے فراق کا تذکرہ ہوتا تو وہ (بے اختیار) رو پڑتے۔[4]

---

1 مسند البزار، رقم: 844، و مجمع الزوائد للهيثمي: 24,23/9. 2 مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص: 37. 3 مسند أحمد: 235/5، والمعجم الكبير للطبراني: 121/2، ومجمع الزوائد للهيثمي: 22/9، وصحيح ابن حبان، رقم: 647. 4 مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص: 38.

رسولِ گرامی ﷺ کا مرض

لشکرِ اسامہ کی روانگی اور مرض کی ابتداء

رسول اللہ ﷺ ذوالحج میں حجۃ الوداع سے واپس لوٹے اور اس کے بعد 10 ھ کا بقیہ ذوالحج کا مہینہ اور محرم اور صفر میں مدینہ منورہ ہی میں اقامت گزیں رہے۔

حج سے واپسی پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر تیار کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر بنا کر حکم دیا کہ فلسطین اور بلقاء کی طرف پیش قدمی کرو۔ لوگ تیار ہو گئے۔ ان میں عام مہاجرین و انصار اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت صرف اٹھارہ سال تھی۔ بعض لوگوں نے اعتراض بھی کیا کہ اس لشکر میں بڑے بڑے انصار و مہاجرین موجود ہیں تو اس چھوٹی عمر کے اور آزاد کردہ غلام (کے بیٹے) کو امیر کیونکر بنایا جا رہا ہے؟ مگر رسول اللہ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے متعلق کسی بھی قسم کے اعتراض کو قبول نہ کیا۔[1] اور فرمایا:

«إِنْ تَطْعَنُوا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ، وَايْمُ اللّٰهِ! إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلْإِمَارَةِ، وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ، وَإِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ»

"اگر تم اسامہ کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو تم نے اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا۔ اور اللہ کی قسم! وہ امارت کے لائق تھا اور وہ سب لوگوں

[1] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 552/2.

کوہ نیبو
القدس
بحیرۂ روم
غزہ
العریش
بئر السبع
بلقاء
اردن
وادی سرحان
قلزم
بتراء
معان
ایلہ
عقبہ
سیناء
عرب
تبوک
مصر
تیماء
مدائن صالح
العلا
الوجہ
خیبر
ینبع
مدینہ منورہ
حجاز
جیشِ اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما
(حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں)
صفر 11ھ
نقشہ: 25
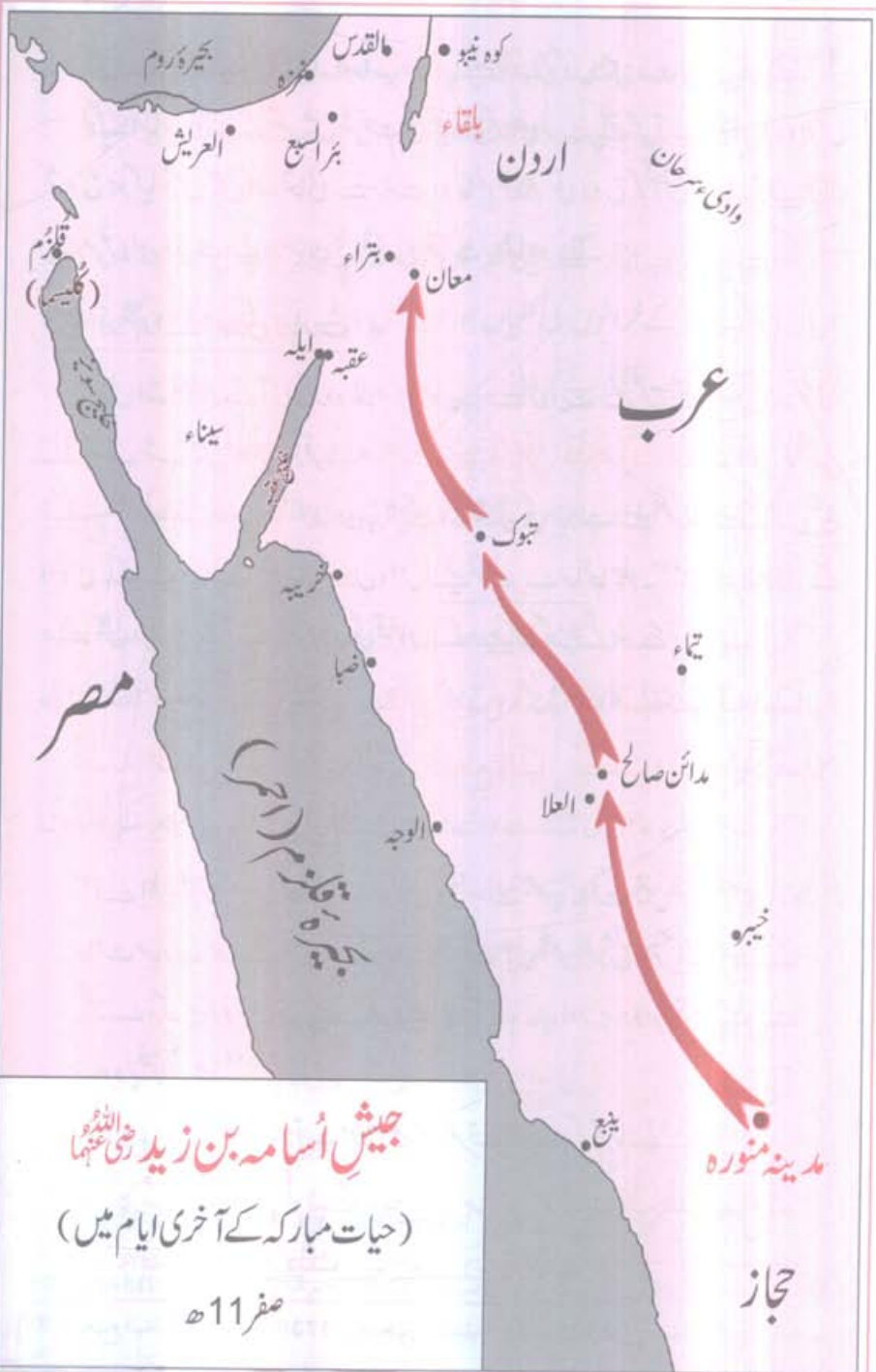
میں سے مجھے زیادہ پیارا تھا۔ اور اب اسامہ مجھے سب لوگوں میں سے زیادہ پیارا ہے۔"[1]

لوگ اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شرکت کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مرض شروع ہو گیا جس میں اللہ تعالیٰ نے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو قبض کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض اور وفات کے درمیان کئی ایک واقعات رونما ہوئے۔

بقیع اور شہدائے احد کی زیارت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابو مویہبہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف شب میں بلوایا اور فرمایا: «يَا أَبَا مُوَيْهِبَةَ! إِنِّي قَدْ أُمِرْتُ أَنْ أَسْتَغْفِرَ لِأَهْلِ الْبَقِيعِ، فَانْطَلِقْ مَعِي» "ابو مویہبہ! مجھے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ملا ہے کہ میں بقیع والوں کے لیے دعائے مغفرت کروں، اس لیے تم میرے ساتھ چلو۔" میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبروں کے درمیان کھڑے ہوئے تو فرمایا:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْمَقَابِرِ لِيَهْنَ لَكُمْ مَّا أَصْبَحْتُمْ فِيهِ مِمَّا أَصْبَحَ النَّاسُ فِيهِ، أَقْبَلَتِ الْفِتَنُ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يَتْبَعُ آخِرُهَا أَوَّلَهَا، وَالْآخِرَةُ شَرٌّ مِّنَ الْأُولٰى»

"اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو، لوگوں کی نسبت جس حالت میں تم ہو تمھیں وہ حالت مبارک ہو، فتنے اس طرح سامنے آ گئے ہیں جس طرح تاریک رات کے ٹکڑے، کہ ہر دوسرا فتنہ پہلے کے پیچھے چلا آ رہا ہے اور ہر دوسرا فتنہ پہلے سے زیادہ پرفتن ہے۔"

ابو مویہبہ کہتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے:

«يَا أَبَا مُوَيْهِبَةَ! إِنِّي أُوتِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الدُّنْيَا وَالْخُلْدَ فِيهَا، ثُمَّ الْجَنَّةَ فَخُيِّرْتُ بَيْنَ ذٰلِكَ وَبَيْنَ لِقَاءِ رَبِّي وَالْجَنَّةِ»

[1] صحيح البخاري، حديث:3730، وصحيح مسلم، حديث:2426.

''مجھے ایک طرف دنیا بھر کے خزانوں کی کنجیاں، ہمیشہ کی زندگی اور پھر جنت اور دوسری طرف رب تعالیٰ سے ملاقات اور ساتھ ہی جنت ملنے کے درمیان اختیار دیا گیا ہے۔''

حضرت ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور ان میں ہمیشہ کے لیے رہنا اور پھر جنت کو اختیار کر لیجیے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا وَاللّٰهِ! يَا أَبَا مُوَيْهِبَةَ، لَقَدِ اخْتَرْتُ لِقَاءَ رَبِّي وَالْجَنَّةَ»

''نہیں، اللہ کی قسم! اے ابو مویہبہ! میں تو اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو اختیار کر چکا ہوں۔''

پھر آپ ﷺ نے اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی اور واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کا وہ مرض شروع ہو گیا جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی طرف بلا لیا۔[1]

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے شہداء کی آٹھ سال بعد ایسے نماز پڑھی جیسے زندوں اور مردوں کو رخصت کر رہے ہوں۔

پھر آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

«إِنِّي بَيْنَ أَيْدِيكُمْ فَرَطٌ وَّ أَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيدٌ، وَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ، وَإِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَيْهِ أَنَا فِي مَقَامِي هٰذَا، وَإِنِّي لَسْتُ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا، وَلٰكِنْ أَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوهَا»

''میں حوض پر تمھارا پیش رو ہوں اور میں تمھارا گواہ بنوں گا۔ اب حوض پر

---

1 مسند أحمد: 489/3، والمستدرك للحاكم: 56/3، والمعجم الكبير للطبراني: 347,346/22، ومجمع الزوائد للهيثمي: 24/9، وسنن الدارمي، رقم: 79.

ملیں گے۔ میں اس وقت اس جگہ حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے تم سے یہ خدشہ نہیں کہ تم شرک کرو گے بلکہ مجھے تمھارے متعلق ڈر ہے کہ تم دنیا کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو گے۔''

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کا یہ میرا آخری موقع تھا اس کے بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ سکا۔[1]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں اقامت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری سخت ہو گئی اور طبیعت انتہائی بوجھل ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں رہنے کے لیے دیگر ازواج سے اجازت لی۔ انھوں نے اجازت دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے سہارے نکلے ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے اور ایک اور آدمی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں آرہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پاؤں زمین پر لکیر بناتے ہوئے گھسٹتے جا رہے تھے۔ (حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دوسرے شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے) اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: «هَرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَّمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ، لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ» ''سات مشکیزے پانی لاؤ جن کے منہ نہ کھولے گئے ہوں اور میرے اوپر بہا دو۔ شاید میں لوگوں کو وصیت کر سکوں۔'' تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ایک ٹب میں بٹھا دیا۔

پھر وہ مشکیزے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہانا شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے فرمایا کہ بس کرو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف تشریف لائے، ان کو نماز پڑھائی اور وعظ فرمایا۔[2]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 4042، وصحيح مسلم، حديث: 2296. [2] صحيح البخاري، حديث: 198.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ شدت والا مرض کسی شخص پر نہیں دیکھا۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت گیا جب آپ ﷺ کو سخت بخار تھا۔ میں نے ہاتھ سے چھوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو تو بہت سخت بخار ہے۔" فرمایا: «أَجَلْ! إِنِّي أُوعَكُ كَمَا يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ» "ہاں! مجھے اتنا بخار ہے جس قدر تم میں سے دو آدمیوں کو ہو۔" میں نے عرض کیا: "اس لیے آپ ﷺ کو دوہرا اجر ملتا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: «أَجَلْ» "ہاں۔" پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُّصِيبُهُ أَذًى مِّنْ مَّرَضٍ فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللّٰهُ بِهٖ سَيِّئَاتِهٖ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا»

"جس مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے، بیماری یا اس کے علاوہ کوئی بھی تکلیف ہو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ایسے جھاڑ دیتے ہیں جس طرح درخت پتے گرا دیتا ہے۔"[2]

[1] صحيح البخاري، حديث:5646، و صحيح مسلم، حديث:2570. [2] صحيح البخاري، حديث:5647، و صحيح مسلم، حديث:2571.

آخری ایام میں رسول اللہ ﷺ کی وصیتیں

انصار کے لیے وصیت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ انصار کی ایک مجلس سے گزرے۔ دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ یہ نبی ﷺ کی بیماری کے دنوں کا واقعہ ہے۔ ان سے پوچھا: ”تم کیوں رو رہے ہو؟“ انھوں نے کہا: ”ہمیں رسول اللہ ﷺ کی مجلس یاد آتی ہے۔“ عباس رضی اللہ عنہ نے آ کر رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ کے سر پر کپڑے کی پٹی باندھی گئی اور آپ ﷺ باہر آ کر آخری بار منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر ارشاد فرمایا:

«أُوصِيكُمْ بِالْأَنْصَارِ، فَإِنَّهُمْ كَرِشِي وَعَيْبَتِي، وَقَدْ قَضَوُا الَّذِي عَلَيْهِمْ، وَبَقِيَ الَّذِي لَهُمْ، فَاقْبَلُوا مِنْ مُّحْسِنِهِمْ، وَتَجَاوَزُوا عَنْ مُّسِيئِهِمْ»

”لوگو! میں تمھیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں وہ تو میرے مخلص ساتھی اور ہمراز ہیں۔ ان پر جو حق تھا انھوں نے پورا کر دیا ہے، اب ان کا حق باقی ہے۔ ان میں سے جو نیک ہو اس کی قدر کرنا اور جو برا ہو اس سے درگزر کرنا۔“[1]

اس حدیث سے انصار کی رسول اللہ ﷺ سے شدید محبت، آپ کی بیماری پر گریہ زاری اور مجلس سے محرومی پر غمگین ہونے کا پتا چلتا ہے۔[2]

[1] صحيح البخاري، حديث:3799، وصحيح مسلم، حديث: 2510. [2] مرض النبي ووفاته لخالد أبي صالح، ص: 65.

مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکالنے اور وفود کی خاطر تواضع کرنے کا حکم نامہ

رسول اللہ ﷺ کا مرض شدت اختیار کرتا گیا۔ اب ایک دن میں کئی کئی مرتبہ بے ہوشی ہو جاتی لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ دنیا کو ترک کر دینا چاہتے تھے اور آپ ﷺ اس سے مطمئن تھے کہ میری امت گمراہی اختیار نہ کرے گی۔ آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ ایک مفصل مکتوب دے دوں تا کہ لوگ اس پر اتفاق کر لیں اور جھگڑا نہ کریں۔ مگر جب لوگوں نے اختلاف کرنا شروع کیا تو آپ لکھنے سے تو رک گئے مگر زبانی تین امور کی وصیت فرما دی۔ راوی نے ان میں سے دو کا تذکرہ کیا ہے: «أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَ أَجِيزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيزُهُمْ بِهِ» ”مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو اور جو سفارتی وفود آئیں ان کی خاطر اسی طرح کرنا جس طرح میں کیا کرتا تھا۔“ [1]

اپنی قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے روکنا

رسول اللہ ﷺ کا آخری فرمانِ مبارک یہ تھا:

«قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى، اِتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ»

”اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو تباہ کرے، انھوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔“ [2]

اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے تین دن

---

1 صحيح البخاري، حديث: 3053، و صحيح مسلم، حديث: 1637. 2 صحيح البخاري، حديث: 437، و صحيح مسلم، حديث: 530.

پہلے سنا، آپ فرما رہے تھے: «لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ» ''تم میں سے ہر شخص اس حال میں فوت ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں نیک گمان رکھتا ہو۔''[1]

نماز اور غلاموں سے حسن سلوک کی وصیت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت نماز اور غلاموں سے متعلق تھی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ وصیت کرتے کرتے غرغرہ آ گیا اور آپ کی زبان اسے ادا نہیں کر سکتی تھی۔[2]

نبوت کے خوش کن امور میں سے صرف (سچا) خواب باقی رہ گیا ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری کی حالت میں سر پر پٹی باندھے ہوئے پردہ اٹھایا اور فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! هَلْ بَلَّغْتُ؟ - ثَلَاثَ مَرَّاتٍ - إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ إِلَّا الرُّؤْيَا، يَرَاهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ أَوْ تُرٰى لَهُ، أَلَا وَ إِنِّي قَدْ نُهِيتُ عَنِ الْقِرَائَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، فَإِذَا رَكَعْتُمْ فَعَظِّمُوا اللّٰهَ، وَإِذَا سَجَدْتُّمْ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ، فَإِنَّهُ قَمِنٌ أَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ»

''اے میرے اللہ! کیا میں نے (تیرا پیغام) پہنچا دیا ہے؟'' تین بار ایسا ہی فرمایا۔ پھر فرمایا: ''اب نبوت کی خوشخبری دینے والے امور میں سے صرف (نیک) خواب ہی رہ گیا ہے جو نیک بندہ دیکھے یا اس کو دکھایا جائے۔ اور تمھیں معلوم رہے

---

1 صحيح مسلم، حديث: 2877، ومسند أحمد: 293/3، وسنن أبي داود، حديث: 3113، وسنن ابن ماجه، حديث: 4167. 2 سنن ابن ماجه، حديث: 2697، و مسند أحمد: 117/3، و صحيح ابن حبان: 66/5.

کہ مجھے رکوع اور سجود میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ جب تم رکوع کرو تو اپنے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اور جب سجدہ کرو تو خوب دعا کرو کیونکہ اس وقت تمھاری دعا قبول ہوگی۔''[1]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت

جب رسول اللہ ﷺ کا مرض شدت اختیار کر گیا اور نماز کا بھی وقت ہوگیا تو بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہہ دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ» ''ابوبکر سے کہو نماز پڑھائے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''ابوبکر بہت نرم دل ہیں۔ وہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔'' آپ ﷺ نے دوبارہ یہی فرمایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر وہی بات دہرائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ» ''تم یوسف علیہ السلام (کے قصے میں مذکور) عورتوں کی طرح ہو۔ ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' تو ابوبکر (امامت کے لیے) آگے بڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی طبیعت میں ذرا ہلکا پن محسوس کیا۔ آپ ﷺ دو آدمیوں کے کاندھوں کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے۔ مگر تکلیف کے سبب قدم مبارک گویا گھسٹتے جا رہے تھے۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اشارے سے اپنی جگہ کھڑے رہنے کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ کو ابوبکر کے پہلو میں لایا گیا تو آپ ﷺ تشریف فرما ہو گئے۔

اعمش سے کہا گیا: تو کیا رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور ابوبکر آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ ابوبکر کی اقتدا کر رہے تھے؟ تو انھوں نے سر ہلا کر کہا: ''ہاں۔''[2]

---

1 صحيح مسلم، حديث: 479، وسنن أبي داود، حديث: 876، وسنن ابن ماجه، حديث: 3899، ومسند أحمد: 219/1، والسنن الكبرٰى للنسائي: 189/2. 2 صحيح البخاري، حديث: 664 و 712، و صحيح مسلم، حديث: (95)-418.

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخری لمحات

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کا آخری دن

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ پیر کا دن تھا اور لوگ نمازِ فجر کی صفیں بنائے ہوئے تھے، رحمت عالم ﷺ نے حجرۂ مبارک کا پردہ ہٹایا، مسلمانوں کو دیکھنے لگے کہ وہ رب العالمین کے حضور کھڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ میری دعوت و جہاد کی فصل کیسے بار آور ہے۔ کیسی خوب امت ہے جو نماز کی محافظ ہے اور اپنے پیغمبر کے ہوتے ہوئے اور نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کا خیال رکھے ہوئے ہے تو اس پُر رونق منظر سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ آپ ﷺ مطمئن ہوگئے کہ اس امت کا دین سے تعلق مضبوط تر ہے۔[1]

صحابہ کرام کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور کھڑے ہمیں دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ کا چہرہ انور مصحف کا ورقہ معلوم ہوتا تھا۔ پھر آپ ﷺ مسکرا دیے۔ ہم خوشی کے مارے نماز توڑنے والے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ آپ ﷺ نماز کے لیے آنے والے ہیں مگر آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز مکمل کرو اور ساتھ ہی حجرے میں چلے گئے۔ اور پردہ ڈال دیا۔[2]

صحابہ کرام میں سے کچھ اپنے کاموں کو نکل گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور کہا: ”میرا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مرض سے افاقہ ہے

[1] السيرة النبوية للندوي، ص:401. [2] صحيح البخاري، حديث:4448.

اور یہ بنتِ خارجہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی) کا دن ہے۔ وہ ''سنح'' مقام پر رہتی تھی۔ یہ کہتے ہوئے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے اہل خانہ کی طرف چلے گئے۔[1]

رفیق اعلیٰ کی جانب

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما آئے مگر رسول اللہ ﷺ اس وقت خاموش تھے اور کلام نہ کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے ہاتھ مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے اور پھر اسامہ پر رکھ دیتے۔ وہ سمجھ گئے کہ میرے لیے دعا فرما رہے ہیں۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے سینے اور گلے کے درمیان ٹیک دی ہوئی تھی۔ اسی دوران عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما آئے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''میں آپ کے لیے مسواک لوں؟'' آپ ﷺ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا: ''ہاں۔''

ام المومنین نے بھائی سے مسواک لے کر چبائی، نرم کی اور آپ ﷺ کو تھما دی۔ آپ ﷺ نے بڑے اچھے انداز سے مسواک کی۔ اس دوران آپ ﷺ برابر ''في الرفيق الأعلیٰ'' کہتے جا رہے تھے۔[2]

آپ ﷺ ہاتھ مبارک پانی کی چھاگل میں داخل کرتے اور اسے چہرہ مبارک پر پھیرتے اور فرماتے: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ» ''لا الہ الا اللہ موت کی بڑی سختیاں ہوتی ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے ہاتھ مبارک اٹھایا اور کہنے لگے: ''في الرفيق الأعلیٰ'' یہاں تک کہ آپ ﷺ کی روح مبارک پرواز کر گئی اور ہاتھ ایک جانب لٹک گیا۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے: «اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى سَكَرَاتِ

---

1 السيرة النبوية لأبي شهبة: 593/2. 2 صحيح البخاري، حديث: 4438، و صحيح مسلم، حديث: (87)-2444. 3 صحيح البخاري، حديث: 4449.

الْمَوْتِ» ''اے میرے اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگا کر نبی مکرم ﷺ کی بات سنی آپ ﷺ اپنی پیٹھ میری طرف کر کے ٹیک لگائے ہوئے کہہ رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَأَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلٰى»

''اے اللہ! مجھے معاف فرما دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے بلند رفیقوں سے ملا دے۔'' [2]

احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہائے میرے ابا جان کتنی تکلیف میں ہیں۔'' تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: «لَيْسَ عَلٰى أَبِيكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ» ''بس آج ہی کا دن ہے، اس کے بعد تمھارے باپ پر کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔'' جب آپ ﷺ فوت ہو گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اے میرے ابا جان! آپ نے اپنے رب کا بلاوا منظور کرلیا۔ اے میرے ابا جان! آپ نے جنت الفردوس میں ٹھکانا بنا لیا۔ اے ابا جان! میں جبریل کو آپ کی موت کی خبر سناتی ہوں۔'' آپ ﷺ کو جب دفن کر دیا گیا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا انس رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگیں: ''تم نے رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالنا کیسے گوارا کرلیا!'' [3]

رسول اللہ ﷺ نے دنیا کیسے چھوڑی؟

رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے اس وقت تشریف لے گئے جب جزیرۃ العرب پر آپ ﷺ کا حکم چلتا تھا۔ دنیا کے حکمران آپ ﷺ سے ڈرتے اور آپ ﷺ کے رفقائے گرامی جان و مال اور اولاد سمیت قربان جانے کو تیار تھے۔ فوت ہوتے وقت کوئی

1 جامع الترمذي، حديث: 978، وسنن ابن ماجه، حديث: 1623، و مسند أحمد: 64/6، وعمل اليوم والليلة للنسائي، رقم: 1039. 2 صحيح البخاري، حديث: 4440، وصحيح مسلم، حديث: (85)-2444. 3 صحيح البخاري، حديث: 4462.

درہم و دینار نہ چھوڑے۔ نہ کوئی غلام، نہ لونڈی اور نہ کچھ اور صرف ایک سفید خچر، اسلحہ اور کچھ زمین جو صدقہ کر رکھی تھی۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی ایک زرہ تیس صاع جَو کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ [2]

پیر بروز 12 ربیع الاول، 11ھ کو زوال کے بعد آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔ [3]

اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک تریسٹھ برس تھی۔ [4]

مسلمانوں کے لیے دکھ کے اعتبار سے یہ تمام ایام میں سے تاریک اور مشکل ترین دن تھا اور انسانیت کے لیے انتہائی آزمائش کا دن تھا، جبکہ آپ ﷺ کی پیدائش کا دن دنیا کے ایام میں انتہائی سعادت والا دن تھا۔ [5]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس روز رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہر چیز چمک اٹھی تھی مگر جس دن فوت ہوئے یہاں ہر چیز تاریک ہو گئی۔ [6]

ام ایمن رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں کر رو رہی ہیں کہنے لگیں: ''مجھے معلوم ہے کہ آپ ﷺ کے لیے جو اللہ کے ہاں ہے وہ بہت بہتر ہے مگر میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ ہم سے وحی روک دی گئی ہے۔'' [7]

وفات نبوی کا المناک صدمہ اور اس موقع پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کردار

ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو مسلمان انتہائی مضطرب و پریشان ہو گئے۔ کئی تو ایسے تھے کہ دہشت کے مارے ہوش گنوا بیٹھے۔ کچھ ایسے

[1] صحيح البخاري، حديث:4461. [2] صحيح البخاري، حديث: 2916. [3] البداية والنهاية: 4/223. [4] صحيح البخاري، حديث:3902, 3903، وصحيح مسلم، حديث: 2351. [5] السيرة النبوية للندوي، ص: 404. [6] جامع الترمذي، حديث: 3618، وسنن ابن ماجه، حديث: 1631، ومسند أحمد: 3/221. [7] صحيح مسلم، حديث: 2454، وسنن ابن ماجه، حديث: 1635.

بیٹھے کہ اٹھنے کی ہمت ہی نہ رہی۔ کچھ وہ تھے کہ زبان گنگ ہوگئی اور کلام کرنے کی طاقت ختم ہوگئی اور کچھ وہ بھی تھے کہ انھوں نے آپ کی موت ہی کا انکار کر دیا۔ [1]

امام قرطبی رحمہ اللہ اس مصیبت کی ہولناکی اور اس کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سب سے بڑی مصیبت دین کے متعلق مصیبت ہوتی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

«إِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمْ مُّصِيبَةٌ فَلْيَذْكُرْ مُصَابَهُ بِي فَإِنَّهَا أَعْظَمُ الْمَصَائِبِ»

''تم میں سے کسی کو جس وقت کوئی مشکل لاحق ہو تو اسے مجھے لاحق ہونے والی مصیبت کو یاد کر لینا چاہیے کیونکہ یہ تمام مصائب سے بڑی مصیبت ہے۔'' [2]

آپ ﷺ نے بجا فرمایا ہے کیونکہ قیامت تک ایک مسلمان کو لاحق ہونے والی مصیبتوں میں سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ وحی رک گئی، نبوت ختم ہوگئی، اس پر شریہ سامنے آیا کہ عرب اور غیر عرب مرتد ہو گئے۔ یہ پہلا موقع تھا خیر کے کم اور ختم ہونے کا۔ [3]

وفاتِ رسول نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہوش اڑا دیے، چنانچہ جو کہتا کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے ہیں وہ اسے دھمکی دیتے، (مار سے) ڈراتے اور فرماتے: ''آپ ﷺ ہرگز فوت نہیں ہوئے بلکہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے چالیس دن غائب رہ کر واپس تشریف لے آئے تھے اسی طرح آپ ﷺ بھی اپنے رب کی طرف گئے ہیں اور اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ بھی واپس آ جائیں گے۔ اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔'' [4]

جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی وفات کا سنا تو اپنی رہائش گاہ ''سنح'' سے

---

[1] لطائف المعارف، ص: 114. [2] مجمع الزوائد للهيثمي: 2/3، و المعجم الكبير للطبراني، رقم: 6718، وشعب الإيمان للبيهقي، رقم: 10152. [3] تفسير القرطبي: 176/2. [4] سبل الهدىٰ والرشاد للصالحي: 287/4، و السيرة النبوية لأبي شهبة: 594/2.

گھوڑے پر آئے اور اتر کر مسجد میں چلے گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جانے تک لوگوں سے بات نہ کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ (کے جسدِ اطہر) کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ یمنی چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے چادر کو ہٹایا، پھر جھک کر بوسہ دیا اور رو پڑے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان! اللہ کی قسم! آپ پر اللہ تعالیٰ دو موتیں کبھی جمع نہیں کرے گا جو موت مقرر تھی وہ آ چکی ہے۔''[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''عمر بیٹھ جایئے!'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کیا وہ اپنے غم اور جوش میں تھے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور اس کے بعد فرمایا:

''تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ﴾

''اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''جب میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیت سنی تو میں زمین پر

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 4452,4453. [2] آل عمرٰن 3:144.

گرنے لگا۔ میرے قدموں نے میرا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں۔'' [1]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اس آیت کی تلاوت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت و دلیری کی بہت بڑی دلیل ہے۔ بہادری و دلیری یہی ہوتی ہے کہ مصائب کے موقع پر آدمی کا دل ثابت رہے۔ آپ ﷺ کی وفات سے زیادہ مشکل گھڑی کون سی تھی کہ اس موقع پر بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شجاعت اور علم کا ثبوت دیا۔ لوگ کہہ رہے تھے رسول اللہ ﷺ فوت ہی نہیں ہوئے۔ عمر رضی اللہ عنہ بھی انھی میں سے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے تو بالکل چپ سادھ لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ویسے ہی باہر نہ نکلے۔ معاملہ انتہائی بگڑ گیا، جسے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی رہائش گاہ ''سنح'' سے آ کر سنبھالا اور اس آیت سے حقیقت واضح کی۔ [2]

اے اللہ! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر رحم فرما انھوں نے کتنی مشکلات و مصائب کو امت سے دور کیا۔ کتنی ہی آزمائشیں ان کے ہاتھوں ختم ہوئیں۔ کتنے ہی ایسے پیچیدہ مسائل تھے جنھیں انھوں نے قرآن و سنت کے روشن دلائل سے کھول کر رکھ دیا جو عمر رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں پر بھی پوشیدہ رہے۔ لہٰذا لوگو! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حق، مرتبہ پہچاننے کی کوشش کرو، رسولِ خدا کے محبوب سے محبت رکھو۔ ان سے محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق کی علامت ہے۔ [3]

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت

مسلمانوں نے ''سقیفہ بنوساعدۃ'' میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے خلافت کی بیعت کر لی تاکہ شیطان امت کے اتحاد میں دراڑ کے لیے کوئی بھی راہ نہ پائے اور دلوں میں اٹھنے والے خیالات ان کو ادھر اُدھر نہ لے جائیں۔ اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ اس دنیائے فانی سے اس حال میں رخصت ہوں کہ مسلمان متحد و متفق ہوں، ان کا نظام مرتب ہو، ان

---

1 صحيح البخاري، حديث:4454. 2 تفسير القرطبي:222/4. 3 مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص:24.

کے معاملات کی ذمہ داری لینے والا ان پر امیر موجود ہو، ان معاملات میں سے رسول اللہ ﷺ کے کفن دفن کا معاملہ بھی تھا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کا غسل، کفن اور نماز جنازہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو کہنے لگے: کیا رسول اللہ ﷺ کے کپڑے اتار دیے جائیں جیسا کہ عام طور پر ہم میت کے کپڑے اتار دیتے ہیں۔ یا یہ کہ آپ ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دیا جائے۔ جب یہ اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی۔ یہاں تک کہ ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جس کی ٹھوڑی اس کے سینے سے نہ لگ گئی ہو۔ اس وقت ایک کونے سے نا معلوم آواز آئی معلوم نہیں وہ کون تھا جو کہہ رہا تھا: ''رسول اللہ ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دو۔'' چنانچہ انھوں نے قمیص سمیت غسل دیا۔ قمیص کے اوپر ہی سے پانی ڈالتے رہے اور اس طرح بدن مبارک ملتے رہے کہ قمیص بیچ میں حائل رہی۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اب جو بات میرے علم میں آئی اگر پہلے ہوتی تو آپ ﷺ کو ازواجِ رسول ہی غسل دیتیں۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کو تین سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا (سحول یمن کا شہر ہے) ان میں نہ تو قمیص تھی اور نہ ہی پگڑی۔ [3]

تمام مسلمانوں نے آپ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جس وقت رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے تو مردوں کو داخل کیا گیا تمام مردوں نے اکیلے اکیلے نماز پڑھی۔ پھر عورتوں کو موقع دیا گیا انھوں نے بھی نماز پڑھی۔ اسی طرح

1 السيرة النبوية للندوي، ص: 606. 2 سنن أبي داود، حديث: 3141، وسنن ابن ماجه، حديث: 1464، والمستدرك للحاكم: 3/60,59. 3 صحيح البخاري، حديث: 1271 و صحيح مسلم، حديث: 941.

پھر بچوں کو موقع دیا گیا تو انھوں نے نماز ادا کی، پھر غلاموں کو موقع دیا گیا تو انھوں نے بھی اکیلے اکیلے نماز پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ میں کسی نے امامت نہ کرائی۔[1]

امام ابن کثیر کہتے ہیں: یہ نماز جنازہ بلا امامت ہوئی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ اجماع ہے۔[2]

دفن کی جگہ، وقت، قبر کی کیفیت اور قبر میں اتارنے والے؟

اس وقت مسلمان رسول اللہ ﷺ کے دفن کرنے کی جگہ میں مختلف الرائے ہو گئے، بعض نے کہا: ''منبر کے پاس دفن کیا جائے گا۔'' دیگر کہنے لگے: ''بقیع میں دفن ہوں گے۔'' کسی نے کہا: ''نماز پڑھنے کی جگہ میں۔''[3]

اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس اختلاف کو آپ ﷺ سے سماعت شدہ فرمان کے حوالے سے ختم کر دیا۔

حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کہتے ہیں: جس وقت رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے اور کفن دے دیا گیا تو لوگ مقامِ دفن میں اختلاف کرنے لگے، تب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے جو رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا ابھی بھولا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے تھے:

«مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيهِ»

''اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اس جگہ فوت کرتے ہیں جس جگہ وہ دفن ہونا پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کو اسی بستر کی جگہ دفن کر دو۔[4]

اس حدیث میں اگرچہ صحت کے اعتبار سے ضعف ہے لیکن اس پر اجماع ہے کہ

---

1 دلائل النبوة للبيهقي: 7/250، وسنن ابن ماجه، حديث: 1628، حدیث ضعیف ہے۔

2 البداية والنهاية: 5/232. 3 الموطأ، رقم: 545، والطبقات لا بن سعد: 2/293. 4 جامع الترمذي، حديث: 1018. امام ترمذی کہتے ہیں: هذا حديث غريب. اور عبدالرحمن بن ابی بکر الملیکی حافظے کے لحاظ سے ضعیف ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو فوت ہونے کی جگہ ہی دفن کیا گیا تھا۔“ [1]

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”تواتر سے معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہ کے حجرۂ مبارکہ میں دفن کیا گیا جو آپ ﷺ کی مسجد کے مشرق میں حضرت عائشہ کے لیے مخصوص تھا۔ آپ ﷺ کو حجرے کے سامنے کے مغربی کونے میں دفن کیا گیا پھر بعدازاں اس حجرے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دفن کیا گیا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک لحد والی بنائی گئی۔ اگرچہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ لحد اور شق دونوں جائز ہیں لیکن جب زمین سخت ہو اور مٹی بُر بری سی ریتلی وغیرہ نہ ہو تو لحد افضل ہے مگر زمین اس کے برعکس ہو تو شق افضل ہے۔ [3]

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لحد اور شق دونوں قسم کی قبروں پر رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عمل جاری تھا، لہٰذا دونوں ہی درست ہیں لیکن لحد افضل ہے۔“ [4]

کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیغمبر ﷺ کے لیے افضل ہی کو پسند کرتے ہیں۔ [5]

رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کوہان نما [6]، یعنی بلند تھی۔

جمہور علماء کا یہی موقف ہے کہ قبر بنانے میں کوہان نما بنانا ہی مستحب ہے اور ایسا کرنا برابر بنانے سے افضل ہے۔ [7]

امام ابن قیم دونوں آراء کو قریب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کی قبریں نہ تو اونچی تھیں نہ بالکل زمین کے برابر اور آپ ﷺ کی قبر بھی ایسی ہی تھی اور آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں بھی ایسی ہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک ماہی پشت کی طرح ہے اور وہاں سرخ کنکریاں بچھائی گئی ہیں۔ جس پر کوئی تعمیر نہیں تھی اور نہ مٹی سے

1 مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص:160. 2 البداية والنهاية 238/5. 3 المجموع للنووي: 287/5. 4 أحكام الجنائز، ص: 133. 5 مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص: 160. 6 صحيح البخاري، حديث: 1390. 7 مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص: 163.

لیپ کیا گیا تھا اور اسی طرح آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں بھی ہیں۔ [1]
پہلے آپ ﷺ کی قبر مبارک سطح زمین سے کچھ بلند تھی۔ [2]

ابن اسحاق کے بقول آپ ﷺ کو قبر مبارک میں اتارنے والے حضرات میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ، فضل بن عباس اور قثم بن عباس رضی اللہ عنہم کے علاوہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران بھی تھے۔ [3]

نووی اور مقدسی نے ان حضرات کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی شمار کیا ہے۔ [4]

نووی کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ اسامہ بن زید اور اوس بن خولی رضی اللہ عنہم بھی ان کے ساتھ تھے۔ [5] آپ ﷺ کو لحد میں اتارا گیا۔ اس پر کچی اینٹیں چن دی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ 9 اینٹیں تھیں۔ پھر لوگوں نے مٹی ڈال دی۔ [6]

دفن کا وقت: اکثر علماء کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کو بروز بدھ رات کے وقت دفن کیا گیا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جمہور سے یہی مروی ہے کہ آپ ﷺ بروز پیر فوت ہوئے اور بروز بدھ رات کے وقت دفن ہوئے۔ [7]

آپ ﷺ کی وفات کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر گہرا اثر ہوا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی مکرم ﷺ کو دفن کر کے ابھی ہاتھ نہ جھاڑے تھے۔ ابھی ہم دفن ہی میں مشغول تھے کہ دل بدلتے ہوئے محسوس ہوئے۔ [8]

وفاتِ نبوی پر کہے گئے بعض اشعار

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے زندگی بھر آپ ﷺ کی مدافعت کی، اسلام اور مسلمانوں کا ایسے عمدہ واعلیٰ اشعار کے ذریعے سے دفاع کیا

[1] زادالمعاد: 524/1. [2] تهذيب السنن لابن القيم: 338/4. [3] السيرة النبوية لابن هشام: 321/4. [4] تهذيب الأسماء للنووي، ص: 23 ، ومختصر السيرة للمقدسي، ص: 35. [5] مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص: 173. [6] تهذيب الأسماء للنووي، ص:23. [7] البداية والنهاية: 237/5، وصحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص:728. [8] جامع الترمذي، حديث: 3618، و سنن ابن ماجه، حديث:1631.

جنھوں نے عرب کو ہلا کر رکھ دیا اور ان پر گہرا اثر چھوڑا۔ یہ عظیم شاعر رسول اللہ ﷺ کی وفات سے انتہائی زیادہ متاثر ہوئے اور انھوں نے غم میں ڈوبے اور رُلا دینے والے اشعار کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کیا جنھیں زمانہ و حالات کے پردوں اور رکاوٹوں نے ہم سے چھپایا نہیں بلکہ تاریخ نے انھیں محفوظ رکھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی یاد میں روتے ہوئے کہتے ہیں:

''تیری آنکھ کو کیا ہو گیا ہے کہ اسے نیند نہیں آ رہی، گویا اس کے کناروں میں آنسوؤں کا سرمہ لگا دیا گیا ہے۔''

''اس ہادی و مهدی ﷺ پر آہ و بکا کرنے کی وجہ سے جو اپنے ٹھکانے جا پہنچا ہے۔ اے وہ ہستی جو زمین پر چلنے والوں میں سے سب سے بہتر ہیں، مجھ سے دور نہ ہوں۔''

''اللہ کی قسم! اللہ کے رسول اور امت کے ہادی ﷺ کے مانند آج تک کسی بھی ماں نے نہ کوئی بچہ حمل میں رکھا ہے اور نہ جنا ہے۔''

''اور اللہ تعالیٰ نے آج تک اپنی ساری مخلوق میں ایسا کوئی بنایا ہی نہیں جو پڑوس کی ذمہ داری نبھانے اور عہد پورا کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو۔''

''وہ ہستی جس کے ذریعے سے روشنی حاصل کی جاتی تھی، جس کا ہر معاملہ بابرکت تھا اور جو رشد و ہدایت اور عدل و انصاف والا تھا۔''

''اے وہ ہستی جو تمام انسانوں میں افضل ہے! میں پہلے ایک دریا میں تھا اور اب اس دریا سے اس آدمی کی طرح ہو گیا ہوں جو اکیلا اور پیاسا ہو۔''[1]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اشعار: ''جب میں نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو لیٹا ہوا دیکھا تو میرا گھر باوجود وسعت کے مجھ پر تنگ ہو گیا۔''

''میرا دل آپ کی وفات پر بے قرار ہو گیا اور میری ہڈیاں تادمِ زندگی ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہیں گی۔''

1 السيرة النبوية لابن هشام: 329/4.

''اے بوڑھے، تجھ پر افسوس! تیرا دوست چلا گیا ہے۔ اب تو جب تک زندہ رہے تیرے لیے صبر کرنا ہی آسان ہے۔''[1]

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کے اشعار: ''میں نے رات جاگ کر گزاری پر رات گزرتی ہی نہ تھی، مصیبت زدہ کی رات لمبی ہی ہوتی ہے۔''

''اب رونا ہی میری زندگی ہے اور یہ مسلمانوں کو پہنچنے والی مصیبت کے بدلے میں بہت تھوڑا ہے۔''

''اس رات ہماری مصیبت بڑھتی ہی چلی گئی جب کہا گیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں۔''[2]

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے اشعار: ''اے اللہ کے رسول! آپ ہماری امیدوں کا مرکز اور بھلائیاں کرنے والے تھے۔ آپ سخت گیر نہ تھے۔''

''آپ رحیم و کریم رہنما اور معلم انسانیت تھے۔ جو کوئی رونے والا ہو اسے آج خوب رونا چاہیے۔''[3]

خاتمہ

اللہ تعالیٰ نے ان واقعات، سیرت اور حقائق کا جمع و مرتب اور تجزیہ کرنا میرے لیے آسان فرمایا۔ اس کا عنوان ہے: ''سیرت نبوی سے متعلقہ دروس، عبرتیں، امت کی تربیت اور ریاست کا قیام۔''

اس میں جو درست اور صحیح بات ہے وہ صرف اور صرف مجھ پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بنا پر ہے، لہٰذا اس پر اسی کے لیے حمد و ستائش ہے۔ اور اس میں جو کوئی بھی خطا ہو تو اس پر میں اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب ہوں اور اسی کی جانب توبہ و رجوع کرتا ہوں مگر

---

[1] المستطرف للأبشيهي، ص: 366. [2] الاكتفاء للكلاعي: 456/2. [3] تفسير القرطبي: 220,219/4.

اس خطا سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ بری الذمہ ہیں۔
مجھے یہی کافی ہے کہ میں غلطی وکوتاہی میں بچنے کا انتہائی خواہش مند رہا ہوں اور پر امید ہوں کہ مجھے اجر وثواب سے محروم و مایوس نہیں رکھا جائے گا۔
میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کے ذریعے سے میرے مسلمان بھائیوں کو نفع دے اور یہ بھی کہ اسے پڑھنے والے مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیں کیونکہ پیٹھ پیچھے ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کے لیے دعا ضرور قبول ہوتی ہے میں اس دعا پر اس کتاب کو ختم کر رہا ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

”اور (مالِ فَے ان کے لیے ہے) جو ان (مہاجرین و انصار) کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بہت نرمی والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“[1]

«سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ»

”اے اللہ! تو پاک ہے اور تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے بخشش کا طلبگار ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔“

[1] الحشر 10:59.

مصادر و مراجع

کتاب کی تیاری میں چند بنیادی مصادر و مراجع حروف تہجی کی ترتیب سے درج ذیل ہیں

الكتاب	المؤلف	التحقيق	دار النشر	تاريخ الطبع
آثار الحرب في الفقه الإسلامي	د. وهبة الزحيلي	دراسة مقارنة	دارالفكر	1401ھ 1981م ط: الثالثة
آثارتطبيق الشريعة	د. محمد عبدالله الزاحم		دارالمنار	1412ھ 1991م ط:الأولى
آفات على الطريق	محمدسيد نوح		دارالوفاء، المنصورة ـ مصر	1400ھ 1990م ط:الخامسة
أسد الغابة في معرفة الصحابة	علي بن أبي الكرم (ابن الأثير)		دارالكتب العلمية	1417ھ 1996م ط: الأولى
الأم	محمد بن إدريس الشافعي		دار الفكر، بيروت لبنان	1410ھ 1990م
الإتقان في علوم القرآن	عبدالرحمٰن السيوطي		المكتبة الثقافية، بيروت، لبنان	بدون تاريخ
الإدارة الإسلامية في عصر عمر بن الخطاب	د. فاروق مجد لاوي		دار مجدلاوي، عمان	1418ھ 1998م ط: الثانية
الإصابة في تمييز الصحابة	أحمد بن علي بن حجر العسقلاني	علي محمد البجاوي	دار النهضة، مصر	

الاعتصام	إمام الشاطبي		دار الفکر، الناشر مکتبة الرياض الحديثة بالرياض	
الإعلام في صدر الإسلام	د. عبداللطيف حمزة		دار الفکر	
إمتاع الأسماع	الشيخ أحمد بن علي المقريزي	محمود محمد شاكر	لجنة التأليف والترجمة بالقاهرة	1941م
الأحاديث الواردة في فضائل المدينة	صالح الرفاعي		دار الخضيري، المدينة	1418ھ ط: الثالثة
أحكام الجنائز وبدعها	الشيخ محمد ناصر الدين الألباني		المكتب الإسلامي، بيروت	
أحكام السوق في الإسلام	أحمد الدرويش		دار عالم الكتب	1409ھ 1989م ط: الأولىٰ
أحكام القرآن	أبو بكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربي المعافري الأندلسي	محمد عبدالقادر عطا	دار الكتب العلمية۔ بيروت	1408ھ ط: الأولىٰ
الأخلاق الإسلامية وأسسها	عبد الرحمٰن حبنكة الميداني		دارالقلم۔ دمشق	
الأخوات المسلمات وبناء الأسرة القرآنية	محمود محمد الجوهري			
الأساس في السنة و فقهها۔ السيرة النبوية	سعيد حوّى		دارالسلام بمصر	1409ھ 1989م ط: الأولىٰ
إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل	الشيخ محمد ناصر الدين الألباني			

أساليب التشويق والتعزيز في القرآن الكريم	د. الحسين جرنو محمود جلو		موسسة الرسالة، دارالعلوم الإنسانية	1414ھ 1994م ط: الأولیٰ
أسباب النزول	أبو الحسن علي بن أحمد الواحدي النيسا بوري		دالكتب العلمية، بيروت ـ لبنان	1402ھ 1982م ط: الأولیٰ
أسباب هلاك الأمم السالفة	سعيد محمد بابا سيلا		سلسلة الحكمة البريطانية	1420ھ 2000م ط: الأولیٰ
الاستخبارات العسكرية في الإسلام	عبدالله علي السلامة مناصرة		مؤسسة الرسالة، بيروت ـ لبنان	1412ھ 1991م ط: الثانية
الإسلام في خندق	مصطفیٰ محمود		دار أخبار اليوم، القاهرة ـ مصر	1414ھ 1994م
أصول الفكر السياسي في القرآن المكي	التجاني عبدالقادر حامد		دارالبشير، الأردن، عمان	1416ھ 1995م ط: الأولیٰ
أضواء على الهجرة	توفيق محمد سبع		مطبعة الهيئة العامة لشئوون المطابع الأميرية	1393ھ 1973م
أعلام النبوة	للماوردي		الكليات الأزهرية	
إغاثة اللّهفان عن مصائد الشيطان	ابن القيم الجوزية		دارالكتب العلمية ـ بيروت	1408ھ 1998م ط: الأولیٰ
الاكتفاء بما تضمنه من مغازي الرسول والثلاثة الخلفاء	أبو الربيع سليمان بن موسى الكلاعي الأندلسي		عالم الكتب	1417ھ 1997م ط: الأولیٰ
الأموال	أبو عبيد القاسم بن سلام		مؤسسة ناصر الثقافية ـ بيروت	

الانحرافات العقدية والعلمية	علي بن نجيب الزاهراني		دار طيبة	1418هـ 1998م ط: الثانية
أنساب الأشراف	أحمد بن يحيىٰ البلاذري	محمد حميدالله	دارالمعارف	
الأنساب	أبو سعيد عبدالكريم بن محمد السمعاني		دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، الهند	1382هـ 1962م
أهمية الجهاد في نشر الدعوة	د. علي العلياني		دار طيبة	1405هـ 1985م ط: الأولىٰ
البحر الرائق في الزهد والرقائق	أحمد فريد		دارالبخاري، القصيم بالسعودية	1411هـ 1991م ط: الأولىٰ
بدائع السالك في طبائع الممالك	أبو عبدالله بن الأزرق	علي سامي النشار	منشورات وزارة الإعلام۔ الجمهورية العراقية	
البداية والنهاية	أبو الفداء ابن كثير الدمشقي		دار الريان للتراث	1408هـ 1988م ط: الأولىٰ
بلوغ الأرب في معرفة أحوال العرب	محمود شكري الآلوسي	محمد بهجة الأثري	دارالكتب العلمية، بيروت	ط: الثانية
بناء المجتمع الإسلامي في عصر النبوة	محمد توفيق رمضان		دار ابن كثير، دمشق	1409هـ 1989م ط: الأولىٰ
بهجة المحافل، وبغية الأماثل في تلخيص المعجزات، والسير والشمائل	جمال الدين محمد الأشخر اليمني		دار صادر، بيروت	

تأملات في سورة الكهف	الشيخ أبو الحسن الندوي		دارالقلم	
تأملات في سيرة الرسولﷺ	د. محمد السيد الوكيل		دار المجتمع	1408ھ 1987م ط: الأولیٰ
تاريخ الإسلام	شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي	عمر عبدالسلام تدمري	دار الكتاب العربي	1410ھ 1990م ط: الثانية
التاريخ الإسلامي- مواقف وعبر	د. عبدالعزيز الحميدي		دار الدعوة، الإسكندرية	1418ھ 1997م ط: الأولیٰ
التاريخ السياسي والحضاري	د. السيد عبدالعزيز سالم			
التاريخ السياسي والعسكري، لدولة المدينة في عهد الرسولﷺ	د. علي معطي		مؤسسة المعارف، بيروت	1419ھ 1998م ط: الأولیٰ
تاريخ الطبري	أبو جعفر محمد بن جرير	محمد أبو الفضل إبراهيم	دار سويدان، بيروت	
تاريخ اليهود في بلاد العرب	ولفنسون		طبعة القاهرة	1927م
تاريخ خليفة بن خياط		أكرم ضياء العمري	مطبعة الآداب، النجف	1967م
تاريخ دولة الإسلام الأولیٰ	فايد حماد عاشور		دار قطري بن الفجاءة، الدوحة	1409ھ 1989م ط: الأولیٰ
تاريخ صدر الإسلام	عبدالرحمٰن عبدالولي شجاع		دار الفكر المعاصر، صنعاء	1419ھ 1999م ط: الأولیٰ

التحالف السياسي في الإسلام	منير محمد غضبان		دارالسلام	1408ھ 1988م ط: الثانية
التحرير والتنوير	الشيخ محمد الطاهر ابن عاشور		دار الكتب الشرقية، تونس	
تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي	محمد بن عبدالرحمٰن المباركفوري	عبدالرحمٰن محمد عثمان	مطبعة الاعتماد	
تحفة الأشراف	جمال الدين أبو الحجاج يوسف بن الزكي عبدالرحمٰن المزي		الدار القيمة	1384ھ
التربية القيادية	منيرمحمد الغضبان		دارالوفاء، المنصورة	1418ھ 1998م ط: الأولىٰ
تفسير أبي السعود، المسمىٰ إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم	قاضي القضاة أبو السعود محمد العمادي الحنفي	عبدالقادر أحمد عطاء	مكتبة الرياض الحديثة، الرياض و مطبعة السعادة، القاهرة	
تفسير القرآن العظيم	ابن كثير القرشي		دار الفكر، و دار القلم، بيروت۔لبنان	ط: الثانية
تفسير الألوسي المسمىٰ روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني	محمود الآلوسي البغدادي		إدارة الطباعة المصطفائية بالهند	
تفسير البغوي المسمىٰ معالم التنزيل	أبو الحسين الفراء البغوي الشافعي		دار المعرفة، بيروت۔ لبنان	

تفسير البيضاوي	الإمام ناصر الدين أبو الخير عبداللّٰه الشيرازي البيضاوي		دارالفكر للطباعة والنشر والتوزيع	1402هـ 1982م
تفسير الرازي			دار إحيا التراث العربي، بيروت	ط: الثالثة
تفسير الزمخشري المسمىٰ بالكشاف			دارالمعرفة	1967م
تفسير السعدي	عبدالرحمٰن ناصر السعدي		المؤسسة السعدية بالرياض	1977م
تفسير القرطبي	أبو عبداللّٰه محمد بن أحمد الأنصاري القرطبي		دار إحيا التراث العربي، بيروت۔ لبنان	1965م
تفسير المراغي	أحمد مصطفىٰ المراغي		دار الفكر،بيروت	1394هـ ط: الثالثة
تفسر المنار	محمد رشيد رضا		دارالمعرفة، بيروت۔ لبنان	
التفسير المنير	د. وهبة الزحيلي		دارالفكر المعاصر۔ بيروت، دارالفكر، دمشق	1411هـ 1991م ط: الأولىٰ
تفسير النسفي	الإمام عبداللّٰه أحمد بن محمد النسفي		دارالكتاب العربي، بيروت	
تفسير ابن عطية المسمىٰ المحرر والوجيز في تفسير الكتاب العزيز	أبو محمد عبدالحق بن عطية الأندلسي		من مطبوعات رئاسة المحاكم الشرعية والشوؤن الدينيةبدولة قطر	1412هـ 1991م ط: الأولىٰ
تفسير سورة فصلت	د. محمد صالح علي مصطفىٰ		دارالنفائس	1409هـ 1989م ط: الأولىٰ
تلقيح فهوم أهل الأثر	ابن الجوزي		مكتبة الآداب، القاهرة	

التمكين للأمة الإسلامية في ضوء القرآن الكريم	محمد السيد حمد يوسف		دارالسلام، مصر	1418ھ 1997م ط: الأولىٰ
تنظيمات الرسول الإدارية في المدينة	صالح أحمد العلي		مجلة المجمع العلمي العراقي، المجلد السابع عشر، بغداد	1969م
تنوير الحوالك شرح موطأ الإمام مالك	جلال الدين عبدالرحمٰن بن أبي بكر السيوطي		دار إحياء الكتب	
تهذيب مدارج السالكين	ابن القيم	عبدالمنعم صالح العلي العزي	مؤسسة الرسالة	1409ھ 1989م ط: الثالثة
جامع الأصول لابن الأثير	أبو السعادات المبارك بن محمد الجزري	عبدالقادر الأرناؤوط	مكتبة الحلواني، سورية	1392ھ
جامع العلوم والحكم	الإمام ابن رجب الحنبلي		دارالفكر بيروت	
الجامع لأخلاق الراوي، وآداب السامع	خطيب الغدادي		مكتبة المعارف بالرياض	1403ھ 1983م
الجهاد والقتال في السياسة الشرعية	محمد خير هيكل		دارالبيارق، عمان۔ بيروت	1414ھ 1993م ط: الأولىٰ
الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح	أبو العباس أحمد بن عبد الحليم		مطابع المجد	
جوامع السير	ابن حزم علي بن أحمد بن سعيد	د. إحسان عباس، د. ناصر الدين الأسد	دار إحياء السنة۔ باكستان	1368ھ

جيل النصر المنشود	د. يوسف القرضاوي		مكتبة وهبة، القاهرة- مصر	1405هـ 1985م ط:السادسة
حاشية ابن عابدين			مطابع مصطفىٰ البابي	
حدائق الأنوار و مطالع الأسرار	ابن الربيع الشيباني	عبدالله إبراهيم الأنصاري		
حديث القرآن عن غزوات الرسولﷺ	د. محمد بكر آل عابد،		دار الغرب الإسلامي	ط: الأولىٰ
الحرب النفسية ضد الإسلام في عهد الرسولﷺ في مكة	د. عبدالوهاب كحيل		عالم الكتب،بيروت	1406هـ 1986م ط: الأولىٰ
الحركة السنوسية في ليبية	علي محمد الصلابي		دارالبيارق، عمان	1999م ط: الأولىٰ
حقوق النبيﷺ على أمته	د. محمد بن خليفة التميمي		دار أضواء السلف	1418هـ 1997م ط: الأولىٰ
الحكم والتحاكم في خطاب الوحي	عبدالعزيز مصطفىٰ كامل		دار طيبة	1415هـ 1995م ط: الأولىٰ
الحكومة الإسلامية	أبو الأعلى المودودي	ترجمة أحمد إدريس	المختار الإسلامي للطباعة والنشر- القاهرة	1397هـ 1977م ط: الأولىٰ
حلية الأولياء	أبو نعيم أحمد بن عبدالله الأصبهاني		دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان	1418هـ 1997م ط: الأولىٰ
حوار الرسولﷺ مع اليهود	د. محسن الناظر		دار الوفاء	1412هـ 1992م ط: الثانية

خاتم النبيينﷺ	الشيخ محمد أبو زهرة		دار الفكر، بيروت	1972م ط: الأولىٰ
الخصائص العامة للإسلام	د. يوسف القرضاوي		مكتبة وهبة، القاهرة، مصر	1409ھ 1989م ط: الرابعة
الخصائص الكبرىٰ	عبدالرحمٰن بن أبي بكر السيوطي		دارالكتب العلمية، بيروت	
دائرة المعارف الكاثوليكية				
الدر المنثور في التفسير بالمأثور	الإمام السيوطي		محمد أمين دمج، بيروت، لبنان	
دراسات في السيرة النبوية	د. عماد الدين خليل		دار النفائس، بيروت	1409ھ 1989م ط: حادي عشر
دراسات في السيرة النبوية	د. عبدالرحمٰن الشجاع		دارالفكر المعاصر، صنعاء	1419ھ 1999م ط: الأولىٰ
دراسات قرآنية	محمد قطب		دار الشروق	1408ھ 1988م ط: الخامسة
دراسة تحليلية لشخصية الرسولﷺ	د. محمد قلعجي		دار النفائس	1408ھ 1988م ط: الأولىٰ
الدرر في اختصار المغازي والسير	يوسف بن عبد البر		وزارة الأوقاف بمصر، لجنة إحياء التراث، القاهرة	1414ھ 1994م
دروس في الكتمان	محمود شيث خطاب		مكتبة النهضة، بغداد	1988م ط: العاشرة

الكتاب	المؤلف	المحقق	الناشر	الطبعة
دستور للأمة من القرآن والسنة	د. عبدالناصر العطار		مؤسسة علوم القرآن، الشارقة-عجمان، دار ابن كثير، دمشق، بيروت	1414هـ 1993م ط: الأولى
الدعوة الإسلامية	عبدالغفار عزيز			
دعوة الله بين التكوين والتمكين	د. علي جريشة		مكتبة وهبة- مصر	1406هـ 1986م ط: الأولى
دلائل النبوة	الحافظ أبو بكر أحمد البيهقي	عبدالمعطي قلعجي	دارالكتب العلمية	1405هـ ط: الأولى
دور المرأة في خدمة الحديث	آمال قرداش		كتاب الأمة، دوحة قطر	1420هـ ط: الأولى
دولة الرسولﷺ من التكوين إلى التمكين	كامل سلامة الدقس		دار عمار، عمان	1415هـ 1994م ط: الأولى
الدولة العربية الإسلامية	منصور الحرابي		منشورات جمعية الدعوة الإسلامية بليبيا	1983م ط: الثانية
ديوان أبي بكر الصديق		راجي الأسمر	دار صادر، بيروت	1997م ط: الأولى
ديوان شوقي، الأعمال الشعرية الكاملة			دار العودة- بيروت	1986هـ
ديوان عنترة	فاروق الطباع		دارالقلم، بيروت- لبنان	
الرؤى والأحلام في النصوص الشرعية	أسامة عبدالقادر			

الرؤيا ضوابطها و تفسيرها	هشام الحمصي		دار الكلم الطيب، دمشق، بيروت	1417هـ 1996م ط: الثانية
رجال الإدارة في الدولة الإسلامية	د. حسين محمد سليمان		دار الإصلاح۔ الدمام بالسعودية	
الرحيق المختوم	صفي الرحمٰن المباركفوري		مؤسسة الرسالة لبنان	1417هـ 1996م ط: الأولىٰ
رسالة الأنبياء	عمر أحمد عمر		دارالحكمة۔ دمشق	1418هـ 1997م ط: الأولىٰ
الرسول القائدﷺ	محمود شيث خطاب		مكتبة الحياة،و مكتبة النهضة۔ بغداد	1960م
الرسول المبلغﷺ	د. صلاح عبدالفتاح الخالدي		دار القلم، دمشق	1418هـ 1997م ط: الأولىٰ
الرسول المعلمﷺ وأساليبه في التعليم	الشيخ عبدالفتاح أبي غدة		دار مكتب المطبوعات الإسلامية۔ حلب	1417هـ 1996م ط: الأولىٰ
الروض الأنف في شرح السيرة النبوية	ابن هشام أبو القاسم السهيلي	عبدالرحمٰن الوكيل	دارالكتب الحديثة	1387هـ
زاد المسير في علم التفسير	أبوالفرج جمال الدين عبدالرحمٰن بن علي الجوزي القرشي البغدادي		المكتب الإسلامي	1384هـ 1965م ط: الأولىٰ
زاد المعاد في هدي خير العباد	ابن القيم الجوزية	شعيب الأرناؤوط، وعبدالقادر	دار الرسالة	1399هـ
زاد اليقين	لاشين أبو شنب		دار البشير، طنطا مصر	1413هـ 1993م ط: الأولىٰ

الزهد	أحمد بن حنبل		دار الريان للتراث، القاهرة، مصر	1412هـ 1992م ط: الثانية
زيد بن ثابت، كاتب الوحي، وجامع القرآن	صفوان داودي		دار القلم، دمشق	1411هـ 1990م ط: الأولىٰ
سبل الهدىٰ والرشاد في سيرة خير العباد	محمد بن يوسف الصالحي	مصطفىٰ عبدالواحد	لجنة إحياء التراث الإسلامي	1394هـ 1974م
السرايا و البعوث النبوية حول المدينة ومكة	د . بريك محمد بريك		دار ابن الجوزي	1417هـ 1996م ط: الأولىٰ
السفارات النبوية	د. محمد العقيلي		دار إحياء العلوم، بيروت	1406هـ 1986م
سفراء الرسولﷺ	محمود شيت خطاب		مؤسسة الريان، دار الأندلس الخضراء	1417هـ 1996م ط: الأولىٰ
سنن أبي داود	الإمام أبو داود سليمان السجستاني	عزت الدعاس، سورية		1391هـ
سنن ابن ماجه	الإمام أبو عبدالله محمد بن يزيد القزويني		دار الفكر	
سنن الترمذي	الإمام أبو عيسىٰ محمد بن عيسىٰ الترمذي		دار الفكر	1398هـ
سنن الدار قطني	علي بن عمر الدار قطني		عالم الكتب، لبنان	
سنن النسائي	أبو عبدالرحمٰن أحمد بن شعيب النسائي		مطبعة مصطفى الحلبي، القاهرة	1964م

سير أعلام النبلاء	شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي		مؤسسة الرسالة	1403هـ ط: الأولىٰ
السير والمغازي	ابن إسحاق	سهيل زكار	دار الفكر	1978م ط: الأولىٰ
السيرة الحلبية	علي بن برهان الدين الحلبي		دار المعرفة	
سيرة الرسولﷺ صور مقتبسة من القرآن الكريم	الأستاذ محمد عزة دروزة	الأستاذ عبداللّٰه إبراهيم الأنصاري		1400هـ
السيرة النبوية	أبو الحسن الندوي		دار التوزيع و النشر الإسلامية، القاهرة	
السيرة النبوية دارسة وتحليل	محمد أبو فارس		دار الفرقان، عمان	1418هـ 1997م ط: الأولىٰ
السيرة النبوية	شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي	حسام الدين القدسي	مكتبة هلال۔ بيروت	
السيرة النبوية الصحيحة	د. أكرم العمري		مكتبة المعارف والحكم بالمدينة المنورة	1412هـ 1992م ط: الأولىٰ
السيرة النبوية تربية أمة، وبناء دولة	لصالح أحمد الشامي		المكتب الإسلامي	1412هـ 1992م ط: الأولىٰ
السيرة النبوية دروس وعبر	د. مصطفىٰ السباعي		المكتب الإسلامي، بيروت۔لبنان	1406هـ 1986م ط: الأولىٰ
السيرة النبوية في ضوء القرآن والسنة	محمد أبو شهبة		دار القلم۔ دمشق	1417هـ 1996م ط: الثالثة

السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية	د. مهدي رزق اللّٰه أحمد		مركز الملك الفيصل للبحوث والدراسات الإسلامية۔ الرياض	1412ھ 1992م ط: الأولیٰ
السيرة النبوية	أبو حاتم البستي		مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت	1407ھ 1987م ط: الأولیٰ
السيرة النبوية	أبو محمد بن عبدالملك بن هشام		دار الفكر	
السيرة النبوية	ابن كثير، الإمام أبو الفداء إسماعيل	مصطفیٰ عبدالواحد	دار الفكر، بيروت۔ لبنان	1398ھ ط: الثانية
السيرة النبوية	محمد الصوياني		مؤسسة الريان	1420ھ 1999م ط: الأولیٰ
شذرات الذهب	عبدالحي بن العماد الحنبلي		دار إحياء التراث العربي، بيروت	
شرح السنة	أبي محمد الحسن بن مسعود البغوي	علي محمد معوض، وعادل أحمد عبدالموجود	دار الكتب العلمية، القاهرة	1965ھ ط: الأولیٰ
شرح العقيدة الطحاوية	ابن أبي العز الحنفي	عبداللّٰه بن عبد المحسن التركي، وشعيب الأرناؤوط	مؤسسة الرسالة، بيروت	1412ھ 1992م ط: الرابعة
شرح المعلقات	حسين الزوزني	يوسف علي بديوي	دار ابن كثير، دمشق	1410ھ 1989م ط: الأولیٰ
شرح المواهب اللدنية	محمد بن عبدالباقي الزرقاني		دار المعرفة، بيروت	
شرح النووي علیٰ صحيح مسلم	أبو زكريا محي الدين يحيیٰ ابن شرف النووي		المطبعة المصرية ومكتبتها، القاهرة	1349ھ

شرح رسالة التعاليم	محمد عبدالله الخطيب		دار الوفاء	
الشفا في التعريف بحقوق المصطفیٰ	الإمام القاضي عياض		إستانبول، عثمانية	
صبح الأعشیٰ في صناعة الإنشاء	أحمد بن علي القلقشندي	محمد حسين شمس الدين	دارالكتب العلمية- بيروت	1407ھ 1987م ط: الأولیٰ
الصحابي الشاعر عبدالله بن الزبعري	محمد علي كاتبي		دار القلم، دمشق	1419ھ 1999م ط: الأولیٰ
صحيح البخاري	محمد بن إسماعيل البخاري		دار الفكر	1411ھ 1991م ط: الأولیٰ
صحيح الجامع الصغير وزياداته	محمد ناصر الدين الألباني		المكتب الإسلامي، بيروت، لبنان	1408ھ 1988م ط: الثالثة
صحيح السيرة النبوية	محمد بن رزق الطرهوني		مكتبة ابن تيمية، القاهرة	1414ھ ط: الأولیٰ
صحيح السيرة النبوية	إبراهيم العلي		دار النفائس	1408ھ 1998م ط: الثالثة
صحيح سنن ابن ماجه	محمد ناصر الدين الألباني		مكتب التربية العربي لدول الخليج- الرياض	1408ھ 1988م ط: الثالثة
صحيح مسلم	أبو الحسين مسلم بن حجاج النيسابوري	تحقيق محمد فؤاد عبدالباقي	دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان	1972م ط: الثالثة
الصراع مع الصليبيين	محمد عبدالقادر أبو فارس		دار البشير، طنطا	1419ھ 1999م

الصراع مع اليهود	محمد أبو فارس		دار الفرقان	1411ھ 1990م ط: الأولیٰ
صفة الصفوة	ابن الجوزي	محمود خوري، ومحمد رواس قلعجي	دار المعرفة، بيروت	1399ھ ط: الثانية
صفة الغرباء	سلمان العودة		دار ابن الجوزي	1412ھ 1991م ط: الثانية
صفة التفاسير	الصابوني		دار القرآن الكريم، بيروت	1401ھ ط: الأولیٰ
صلاح الدين الأيوبي	عبدالله علوان			
صلح الحديبية	محمد أحمدباشميل		دار الفكر	1393ھ 1973م ط: الثالثة
صور من حياة الرسول	أمين دويدار		دار المعارف، القاهرة	
صور وعبر من الجهاد النبوي في المدينة	د. محمد فوزي فيض الله		دار القلم، دمشق، الدار الشامية، بيروت	1416ھ 1996م ط: الأولیٰ
ضوابط المصلحة	محمد سعيد رمضان البوطي		مؤسسة الرسالة	1402ھ ط: الرابعة
الطاعة، والمعصية وأثرهما في المجتمع	محمد بن صالح العثيمين		دار المسلم للنشر والتوزيع	1991م ط: الأولیٰ
طبقات الشعراء	أبو عبدالله محمد بن سلام بن عبدالله الجمحي			
الطبقات الكبرىٰ	محمد بن سعد الزهري		دار صادر، ودار بيروت للطباعة والنشر	1376ھ 1957م

طریق النبوة والرسالة	د. حسین مؤنس		دار الرشاد	1418ھ 1997م ط: الثانیة
الطریق إلی المدائن	عادل کمال		دار النفائس، بیروت۔ لبنان	1407ھ 1987م ط:الخامسة
الطریق إلی المدینة	محمد العبده		دار الجوهرة، عمان	1999م ط: الثانیة
الطریق إلی الجماعة المسلمین	حسین بن محسن بن علي جابر		دار الوفاء بالمنصورة، مصر	1413ھ 1992م ط:الخامسة
ظاهرة الإجارة لسفر الحوالي			مکتبةالطیب، القاهرة	1417ھ ط: الأولیٰ
العبادة في الإسلام	یوسف القرضاوي		مؤسسة الرسالة بیروت	1405ھ 1985م ط: الثانیة عشر
عبدالله بن مسعود	عبدالستار الشیخ		دار القلم، دمشق	1410ھ 1990م ط: الثانیة
العبقریة العسکریة في غزوات الرسولﷺ	محمد فرج		دار الفکر العربي، القاهرة	1977م ط: الثالثة
عقیدة أهل السنة في الصحابة	د. ناصر حسن الشیخ		مکتبة الرشد	1413ھ 1993م ط: الأولیٰ
علاج القرآن الکریم للجریمة	د. عبدالله الشنقیطي		مکتبة ابن تیمیة، القاهرة	1413ھ ط: الأولیٰ

العلاقات الخارجية للدولة الإسلامية	د. سعيد عبدالله حارب المهيري		مؤسسة الرسالة	1416ھ 1995م ط: الأولیٰ
علاقة الآباء بالأبناء في الشريعة الإسلامة	د. سعاد الصالح		الناشر تهامة، جدة	1401ھ ط: الأولیٰ
عمدة القاري، شرح صحيح البخاري	بدرالدين العيني			
العهد والميثاق في القرآن الكريم	د. ناصر العمري		دار العاصمة	1413ھ ط: الأولیٰ
عون المعبود شرح سنن أبي داود		عبدالرحمٰن محمد بن عثمان	دارالفكر، بيروت	
عيون الأثر في فنون المغازي، والشمائل، والسير	ابن سيد الناس		دار المعرفة، بيروت	
الغرباء الأولون	سلمان العودة		دار ابن الجوزي، الدمام السعودية	1412ھ 1991م ط: الثالثة
غزوة أحد	أحمد عزالدين			
غزوة أحد	محمد عبدالقادر أبو فارس		دارالفرقان، عمان ـ الأردن	1402ھ 1982م ط: الأولیٰ
غزوة الأحزاب	محمد عبدالقادر أبوفارس		دار الفرقان، عمان	1403ھ 1983م ط: الأولیٰ
غزوة بدر الكبرىٰ الحاسمة	محمود شيت خطاب			
غزوة بدر الكبرىٰ	محمد عبدالقادر أبو فارس		دارالفرقان، عمان	1402ھ 1982م ط: الأولیٰ

غزوة بدر الكبرىٰ	محمد أحمد باشميل		دار الفكر	1394ھ ط:السادسة
غزوة تبوك	محمد أحمد باشميل		دارالفكر، بيروت	
فتح الباري	ابن حجرالعسقلاني		دارالمعرفة، بيروت۔ لبنان	
الفتح الرباني لترتيب مسند أحمد بن حنبل			دار الشهاب، القاهرة	
فتح القدير الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير	محمد بن علي الشوكاني		دار الفكر	
الفصل في الملل، والأهواء، والنحل	ابن حزم		مكتبة السلام العالمية	
فصول في السيرة النبوية	عبدالمنعم السيد			
فقه الإسلام شرح بلوغ المرام	الشيخ عبدالقادر شيبة الحمد		مطابع الرشيد المدينة المنورة	1403ھ ط: الأولىٰ
فقه الابتلاء	محمد أبو صعيليك		دار البيارق، عمان، بيروت	1420ھ 1999م ط: الأولىٰ
فقه التمكين في القرآن الكريم	علي محمد الصلابي		دار البيارق عمان	1999م ط: الأولىٰ
فقه الدعوة إلى اللّٰه	عبد الحليم محمود		دار الوفاء	1410ھ 1994م ط: الأولىٰ
فقه الدعوة الفردية	د. سيد محمد نوح		دار اقرأ، صنعاء	
فقه الزكاة	يوسف القرضاوي		مكتبة وهبة	1414ھ 1994م ط: الحادية والعشرون

الفقه السياسي للوثائق النبوية	خالد الفهداوي		دار عمار	1419هـ 1998م ط: الأولى
فقه السيرة النبوية	منير الغضبان		معهد البحوث العلمية، وإحياء التراث، مكة المكرمة	
فقه السيرة	محمد سعيد رمضان البوطي		دار الفكر دمشق، سورية	1991م ط: الحادية عشرة
فقه السيرة	الشيخ محمد الغزالي		دار القلم ، دمشق- سورية	1409هـ 1989م ط: الرابعة
فلسفة التربية الإسلامية	ماجد عرسان الكيلاني		مكتبة هادي، مكة المكرمة	1409هـ
الفوائد	محمد بن أبي بكر بن قيم الجوزية		دار الريان للتراث، القاهرة	1407هـ 1987م ط: الأولى
في السيرة النبوية جوانب الحذر والحماية	د. إبراهيم علي محمد أحمد		وزارة الأوقاف، بدولة قطر	1417هـ ط: الأولى
في ظلال السيرة النبوية، الهجرة النبوية	د. محمد عبدالقادر أبو فارس		دار الفرقان، عمان- الأردن	1408هـ 1988م ط: الثانية
القاموس المحيط	مجد الدين محمد الفيروز آبادي		مطبعة مصطفى البابي ، بمصر	1371هـ 1952م ط: الثانية
قرأة سياسية للسيرة النبوية	محمد قلعجي		دار النفائس، بيروت -لبنان	1416هـ 1996م ط: الأولى

قصديدة بانت سعاد لكعب ابن زهير وأثرها في التراث العربي	د. السيد إبراهيم محمد		المكتب الإسلامي	1406هـ 1986م ط: الأولى
قضايا في المنهج	سلمان العودة		دار مكتبة القدس	1420هـ 1999م ط: الثالثة
قضايا نساء النبي ﷺ والمؤمنات	حفصة بنت عثمان الخليفي		دار المسلم	1418هـ 1997م ط: الأولى
قواعد الأحكام في مصالح الأنام	أبو محمد عزالدين عبدالعزيز بن عبدالسلام السلمي		المكتبة الحسينية المصرية، بجوار الأزهر	1353هـ 1934م ط: الأولى
القول المبين في سيرة سيد المرسلين	د. محمد الطيب النجار		دار اللواء، الرياض	1401هـ 1981م
قيادة الرسول السياسية، والعسكرية	أحمد راتب عرموش		دار النفائس	1419هـ 1989م ط: الأولى
القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ	عبدالرشيد محمد الرشيد		دار القلم	1410هـ 1990م ط: الأولى
الكامل في التاريخ	أبو الحسن علي بن محمد المعروف بابن الأثير		دار صادر بيروت	
لسان العرب	محمد بن مكرم بن منظور		دار صادر- بيروت	
لقاء المؤمنين	عدنان النحوي		مطابع الفرردق التجارية، الرياض	1405هـ 1985م ط: الثالثة

ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين	أبو الحسن علي الحسيني الندوي		دار المعارف	1408هـ 1988م ط: السابعة
المال في القرآن الكريم	سليمان الحصين		دار المعراج الدولية	1415هـ 1995م ط: الأولىٰ
مباحث في التفسير الموضوعي	مصطفىٰ مسلم		دار القلم، دمشق۔ سورية	
مباحث في علوم القرآن	مناع القطان		مكتبة المعارف، الرياض	1401هـ 1981م ط: الثامنة
مبادئ علم الإدارة	محمد نور الدين عبدالرزاق		مكتبة الخدمات الحديثة، جدة۔ السعودية	ط: الأولىٰ
مبادئ نظام الحكم في الإسلام	عبدالحميد المتولي		دار المعارف	ط: الأولىٰ
المجتمع المدني في عهد النبوة	د. أكرم العمري			1404هـ 1984م ط: الأولىٰ
مجلة المجتمع الكويتية، عدد رقم248				17صفر 1399هـ
مجمع الزوائد، ومنبع الفوائد	نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي		دار الكتاب العربي، بيروت	
مجموع فتاوىٰ	شيخ الإسلام ابن تيمية	جمع عبدالرحمٰن بن محمد قاسم العاصمي النجدي،	المكتب التعليمي السعودي بالمغرب	

مجموع الوثائق السياسية	محمدحميدالله		دار النفائس	1405هـ 1985م ط:الخامسة
محاسن التأويل للقاسمي	محمد جمال الدين القاسمي		دار الفكر، بيروت	
المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز	أبو محمد عبدالحق بن غالب ابن عطية الأندلسي	المجلس العلمي بفاس	وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية بالمغرب	
محمد رسول اللهﷺ	محمد رشيد رضا		دار الكتب العلمية، بيروت	1975م
محمد رسول اللهﷺ	محمد صادق عرجون		دار القلم	1415هـ ط: الثانية
محنة المسلمين في العهد المكي	د. سليمان السويكت		مكة التوبة۔ الرياض	1412هـ 1992م ط: الأولىٰ
المختار من كنوز السنة	محمد عبدالله دراز		دار الأنصار، القاهرة	1978م ط: الثانية
مختصر سيرة الرسولﷺ	محمد بن عبدالوهاب		جامعة الإمام محمد بن سعود	
مختصر صحيح مسلم	حافظ زكي عبدالعظيم عبدالقوي بن سلامة المنذري	محمد ناصرالدين الألباني	المكتب الإسلامي۔ دمشق	1397هـ 1977م ط: الثالثة
المدخل إلى العقيدة والاستراتيجة العسكرية	محمد جمال الدين علي محفوظ		مطابع الهيئة المصرية للكتاب بالقاهرة	
مدخل لفهم السيرة	د. يحيٰى اليحيٰى		لم يطبع	
المدرسة النبوية العسكرية	أبو فارس		دار الفرقان، عمان	

المدينة النبوية، فجر الإسلام، والعصر الراشدي	محمد حسن شراب		دار القلم- دمشق، الدار الشامية- بيروت	1415ھ 1994م ط: الأولیٰ
المرأة في العهد النبوي	د. عصمة الدين كركر		دار الغرب الإسلامي، بيروت	1993م ط: الأولیٰ
مرض النبي ﷺ ووفاته وأثره على الأمة	خالد أبو صالح		دار الوطن	1414ھ ط: الأولیٰ
مرويات عزوة أحد	حسين أحمد الباكري			1400ھ
مرويات غزوة الحديبية	د. حافظ الحكمي		دار ابن القيم	1411ھ ط: الأولیٰ
مرويات غزوة بدر	أحمد باوزير		مكتبة طيبة	1400ھ 1980م ط: الأولیٰ
مرويات غزوة بني المصطلق	إبراهيم القريبي		طبع المجلس العلمي بالجامعة الإسلامية- المدينة المنورة	1402ھ ط: الأولیٰ
مساجد القاهرة ومدارسها	أحمد فكري		طبعة الإسكندرية	1961م
المستدرك على الصحيحين	إمام أبو عبدالله الحاكم النيسابوري	وبذيله التلخيص للذهبي	دار النشر مكتب المطبوعات الإسلامية	1390ھ 1970م
المستشفيات الإسلامية	د. عبدالله عبدالرزاق مسعود العيد		دار الضياء للنشر والتوزيع، عمان الأردن	1408ھ 1987م ط: الأولیٰ
المستطرف في كل فن مستظرف	لشهاب الدين الأبشيهي		مكتبة الحياة - بيروت	

المستفاد من قصص القرآن للدعوة والدعاة	عبدالكريم زيدان		مؤسسة الرسالة	1418ھ 1997م ط: الأولیٰ
المسلمون والروم في عصر النبوة	عبدالرحمٰن أحمد سالم		دار الفكر العربي	1418ھ 1997م ط: الأولیٰ
المسند	أحمد بن حنبل		المكتب الإسلامي، بيروت	
المشروع الإسلامي لنهضة الأمة قرأة في فكر حسن البنا				
مشكاة المصابيح	خطيب التبريزي	محمد ناصر الدين الألباني	المكتب الإسلامي، دمشق	1381ھ 1961م ط: الأولیٰ
مصعب بن عمير، الداعية المجاهد	محمد حسن بريغش		دار القلم، دمشق	1407ھ 1987م ط: الرابعة
مصنف عبدالرزاق	أبو بكر عبدالرزاق بن همام الصنعاني	حبيب الرحمٰن الأعظمي		ط: الأولیٰ
المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية	أحمد بن علي بن حجر العسقلاني	حبيب الرحمٰن الأعظمي		ط: الأولیٰ
معارك خالد بن الوليد	د. ياسين سويد		المؤسسة العربية للدراسة والنشر	1989م ط: الرابعة
معالم قرآنية في الصراع مع اليهود	د. مصطفیٰ مسلم محمد		دار المسلم- الرياض	1415ھ 1994م ط: الأولیٰ
المعاهدات في الشريعة الإسلامية والقانون الدولي	د. محمد الديك		دار الفرقان للنشر والتوزيع	1418ھ 1997م ط: الثانية

معجم البلدان	ياقوت الحموي		دار صادر ، بيروت	1404ھ 1984م
معجم الطبراني	سليمان بن أحمد الطبراني		دار العربية۔بغداد	1398ھ
المعجم الكبير	أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني		دار مكتبة العلوم والحكم	1406ھ 1985م ط: الثانية
معركة الوجود بين القرآن والتلمود	عبدالستار فتح اللّٰه السعيد		مكتبة المنار	
المعوقون للدعوة الإسلامية في عهد النبوة	د. سميرة محمد جمجوم		دار المجتمع۔جدة	1407ھ 1987م ط: الأولىٰ
المغازي النبوية	ابن شهاب الزهري	سهيل زكار	دار الفكر۔ دمشق	1401ھ 1981م
مغازي رسول اللّٰه ﷺ لعروة بن الزبير	محمد الأعظمي		مكتب التربية العربي لدول الخليج۔ الرياض	1401ھ 1981م ط: الأولىٰ
المغازي	محمد بن عمر بن واقد الأسلمي الواقدي	مارسدن جونس	عالم الكتب، بيروت	1404ھ 1984م
مفاهيم ينبغي أن تصحح	محمد قطب		دار الشروق۔ القاهرة	1413ھ 1993م ط: الثامنة
المفصل في أحكام النساء	عبدالكريم زيدان		مؤسسة الرسالة	1413ھ 1993م ط: الأولىٰ

مقاصد الشريعة الإسلامية	د. محمد سعد اليوبي		دار الهجرة۔ الرياض	1418ھ 1998م ط: الأولىٰ
المقاصد العامة للشريعة الإسلامية	يوسف حامد العالم		الدار العلمية للكتاب الإسلامي	1415ھ 1993م ط: الأولىٰ
مقدمة ابن الصلاح و شرحها	الحافظ العراقي أبو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن		دارالكتب العلمية، بيروت۔ لبنان	
مقدمة ابن خلدون	علامة عبدالرحمٰن بن محمد ابن خلدون		المكتبة التجارية الكبرىٰ، القاهرة	
مقومات الداعية الناجح	د. علي باد حدح		دار الأندلس الخضراء، جدة	1417ھ 1996م ط: الأولىٰ
مقومات السفراء في الإسلام	حسن فتح الباب		المجلس الأعلىٰ للشؤون الإسلامية، القاهرة	1970م
مقومات النصر	د. أحمد أبو الشباب		المكتبة العصرية۔ لبنان	1420ھ 1999م
مكة والمدينة في الجاهلية و عصر الرسولﷺ	الأستاذ أحمد الشريف			
ملامح الشورىٰ في الدعوة الإسلامية	عدنان النحوي			ط: الثانية
من معين السيرة	صالح أحمد الشامي		المكتب الإسلامي	1413ھ 1992م ط: الثانية
من هدي سورة الأنفال	محمد أمين المصري		دار الأرقم، الكويت	

المنافقون	محمد جميل غازي		مكتبة المدني ومطبعتها، جدة، السعودية	1972م
منامات الرسول ﷺ	عبدالقادر الشيخ إبراهيم		دار القلم العربي بحلب	1419هـ 1999م ط: الأولىٰ
مناهج وآداب الصحابة في التعلم والتعليم	د. عبدالرحمٰن البر		دار اليقين المنصورة	1420هـ 1999م ط: الأولىٰ
المنتظم في تاريخ الملوك والأمم	أبو الفرج ابن الجوزي	محمد عبدالقادر عطا	دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان	
منهاج السنة النبوية	أبو العباس أحمد بن عبدالحليم ابن تيمية		مؤسسة قرطبة للطباعة، والنشر والتوزيع	1416هـ 1986م ط: الأولىٰ
المنهاج القرآني في التشريع	عبدالستار فتح الله سعيد		دار الطباعة الإسلامية	1413هـ 1992م ط: الأولىٰ
منهج الإعلام الإسلامي في صلح الحديبية	سليم الحجازي		دار المنارة	1406هـ 1986م ط: الأولىٰ
منهج الإسلام في تزكية النفس	د. أنس أحمد كرزون		دار نور المكتبات، دار ابن حزم	1418هـ 1997م ط: الثانية
المنهج التربوى للسيرة النبوية التربية الجهادية	منير محمد الغضبان		مكتبة المنار	1411هـ 1991م ط: الأولىٰ
منهج التربية الإسلامية	محمد قطب		دار الشروق	1403هـ 1983م ط:الخامسة

المنهج الحركي للسيرة النبوية	منير محمد الغضبان		مكتبة المنار۔ الأردن	1411ھ 1990م ط: الثالثة
منهج الرسول في غرس الروح الجهادية في نفوس أصحابه	السيد محمد نوح		نشرته جامعة الإمارات العربية المتحدة	1411ھ 1990م ط: الأولیٰ
الموازنة بين ذوق السماع، و ذوق الصلاة، والقرآن	الإمام ابن قيم الجوزية	مجدي فتحي السيد		
الموافقات في أصول الأحكام	أبو إسحاق إبراهيم موسیٰ اللخمي الشهير بالشاطبي		دار الفكر	1341ھ
الموسوعة في سماحة الإسلام	محمد صادق عرجون		الدار السعوديةللنشر والتوزيع، جدة	1404ھ 1984م ط: الثانية
نشأة الدولة الإسلامية	د. عون الشريف قاسم		دار الكتاب اللبناني۔ بيروت	1400ھ 1980م ط: الثانية
نصب الراية في أحاديث الهداية	عبداللّٰه بن يوسف بن محمد الزيلعي		المكتب الإسلامي۔ دمشق	1393ھ
نظام الحكم في الشريعة والتاريخ الإسلامي	ظافر القاسمي		دار النفائس	1411ھ 1990م ط:السادسة
نظام الحكومة النبوية المسمیٰ: التراتيب الإدارية	محمد عبدالحي الكتاني		دار الأرقم، بيروت۔ لبنان	ط: الثانية
النظام السياسي في الإسلام	محمد عبدالقادر أبو فارس		دارالفرقان	1407ھ 1986م ط: الثانية

نظرات في السيرة	الإمام حسن البنا		مكتبة الاعتصام، القاهرة	1399ھ 1979م ط: الأولىٰ
نضرة النعيم في مكارم أخلاق الرسول الكريم	إعداد مجموعة من المختصين بإشراف صالح بن حميد		دار الوسيلة	1418ھ ط: الأولىٰ
نفوس و دروس في إطار التصوير القرآني	توفيق محمد سبع		مجمع البحوث الإسلامية، القاهرة، مصر	ط: الأولىٰ
النكت والعيون (تفسير الماوردي)	أبو الحسن علي بن حبيب الماوردي	خضر محمد خضر	نشر وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، والتراث الإسلامي، بالكويت	
النهاية في غريب الحديث	ابن أثير	طاهر أحمد الزاوي، ومحمود محمد الطناحي		
نور اليقين	محمد الخضري		دار القلم ، دمشق، سورية	
نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار من أحاديث سيد الأخبار	محمد بن علي الشوكاني		دار الحديث، القاهرة	
الهجرة الأولىٰ في الإسلام	د. سليمان العودة		دار طيبة للنشر ، الرياض	1419ھ ط: الأولىٰ
هجرة الرسولﷺ وصحابته في القرآن والسنة	أحمد عبدالغني النجولي الجمل		دار الوفاء	1409ھ 1989م ط: الأولىٰ
الهجرة في القرآن الكريم	أحزمي سامعون جزولي		مكتبة الرشد، الرياض	1417ھ 1996م ط: الأولىٰ

الهجرة النبوية المباركة	د. عبدالرحمٰن البر		دار الكلمة المنصورة، مصر	1418ھ 1997م :الأولیٰ
هذا الحبيب محمدﷺ يا محب	أبو بكر الجزائري		مكتبة لينة	
هذا الدين	سيد قطب		دار الشروق، القاهرة، مصر	1412ھ 1992م ط: الرابعة
واقعنا المعاصر	محمد قطب		مؤسسة المدينة للصحافة، والطباعة والنشر، جدة	1408ھ 1987م ط: الثانية
الوحي والرسالة	د. يحيیٰ اليحيیٰ			
الوسطية في القرآن الكريم	علي محمد الصلابي		دار النفائس، دار البيارق	1419ھ 1999م ط: الأولیٰ
وفاء الوفا بأخبار دار المصطفیٰ	أبو الحسن بن عبدالله السمهودي		دار المصطفیٰ، القاهرة	1326ھ ط: الأولیٰ
الوفود في العهد المكي، وأثره الإعلامي	علي رضوان أحمد الأسطل		دار المنار الأردن، عمان	1404ھ 1984م ط: الأولیٰ
وقفات تربوية مع السيرة النبوية	أحمد فريد		دار طيبة ،الرياض	1417ھ 1997م ط: الثالثة
وقفات تربوية من السيرة النبوية	عبدالحميد البلالي		المنار الكويت	1411ھ 1991م ط: الثالثة
الولاء والبراء في الإسلام	محمد سعيد قحطان		دار طيبة الرياض	1413ھ ط:السادسة

ولاية الشرطة في الإسلام	نمر محمد الحميداني		دار عالم الكتب	1414ھ 1994م ط: الثانية
يقظة أولى الاعتبار مما ورد في ذكر الجنة والنار	صديق حسن			
اليهود في السنة المطهرة	د. عبدالله الشقاري		دار طيبة ، الرياض	1417ھ 1996م ط: الأولىٰ
اليوم الآخر في الجنة والنار	د. عمر الأشقر		مكتبة الفلاح الكويت	1408ھ 1988م ط: الثانية

سیرت النبی ﷺ

جلد سوم

نبی امی ﷺ کی سیرت مبارکہ کو امت نے ہر دور میں نئے سے نئے اسلوب میں پیش کیا ہے۔ سیرت کا موضوع ہر مؤلف، مترجم اور ناشر کے لیے حصول سعادت کا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت کی کتب اپنے اندر ندرت وحکمت کے کئی پہلو لیے ہوئے منصۂ شہود پر آتی اور دادِ تحسین وصول کرتی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب بھی ندرت کے کئی پہلوؤں کی حامل ہے۔ سیرتِ مبارکہ اور قرآنِ مجید کے باہمی ربط کا اظہار، واقعاتِ سیرت کے بیان میں اختلاف کا حل، اسلوب میں ادبی چاشنی اور سطر سطر سے نبی کریم ﷺ سے محبت کے جھلکتے آثار اس کتاب کی نمایاں خوبیاں ہیں مگر اس میں جس پہلو کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے وہ ہے واقعاتِ سیرت کو متعدد قدیم مراجع سے اخذ کر کے انھیں موجودہ حالات پر منطبق کرنا اور ان سے دروس وعبر اور اسباق و نصائح کشید کر کے دورِ جدید سے ہم آہنگ کرنا ہے۔

علاوہ ازیں مؤلف کتاب ڈاکٹر علی محمد صلابی ﷾ سیرت طیبہ پر مستشرقین کے رکیک حملوں کا دندان شکن جواب دیتے ہیں اور اصولِ روایت کا دامن بھی نہیں چھوڑتے۔ اس طرح 350 قدیم وجدید مصادر ومراجع کی روشنی میں مرتب کردہ یہ کتاب سیرت اعلیٰ ترتیب، عمدہ اسلوب، دلکش پیرائے، انتہائی جامعیت، عبرتوں، حکمتوں اور اسباق سے لبریز، عمدہ طباعت کے ساتھ ایک عظیم شاہکار بن گئی ہے۔

دارالسلام

کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ